الرسالة الناصحة النافعة العامة الدائمه
یعنی
تحفہ اشرفیہ
بجواب
تحفہ حسینیہ
تالیف
سید محمد حسین زیدی برستی
ناشر
ادارہ نشر واشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اظہار تشکر و امتنان

اس کتاب کی طباعت میں برادر عزیز سید محمد تقی زیدی مرحوم کی دختر نیک اختر سیدہ تسنیم فاطمہ زیدی نے اپنی والدہ محترمہ سیدہ ارتضائی بیگم مرحومہ اور اپنے برادر عزیز سید محمد مہدی زیدی مرحوم سول جج درجہ اول و مجسٹریٹ دفعہ 30 لاہور اور اپنے والد بزرگوار سید محمد تقی زیدی مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے تعاون کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ اُن کی توفیقات خیر میں مزید اضافہ فرمائے اور مرحومین کی مغفرت فرما کر انکو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔ احقر سید محمد حسین زیدی برتی

نام کتاب: تحفہ اشرفیہ بجواب تحفہ حسینیہ
نام مولف: سید محمد حسین زیدی برتی
ناشر: ادارہ نشر و اشاعت حقائق الاسلام لاہوری گیٹ چنیوٹ
تعداد: ایک ہزار
طبع اول: 2005
مطبع: معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور
کمپوزنگ: سید سعید عباس کاظمی

فہرست

پیش لفظ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم

امابعد۔ یہ کتاب جناب محترم عبدالرزاق صاحب بلوچ سکنہ جھوک چوغط کی فرمائش پر محمد اشرف سیالوی کی کتاب 'تحفہ حسینیہ' کی تین جلدوں کے جواب میں لکھی گئی ہے اس لئے اسکا نام 'تحفہ اشرفیہ' رکھا گیا ہے۔ سیالوی صاحب نے 'تحفہ حسینیہ' 'تنزیہ الامامیہ' کی رد میں لکھی ہے جو رد تھا خواجہ قمرالدین سیالوی کی کتاب 'مذہب شیعہ' کا ان دونوں کتابوں میں وہی پرانے الزامات۔ وہی پرانی تہمتیں اور وہی جھوٹ بہتان و ادعات انتہائی فحش اور گندی زبان میں پیش کئے گئے ہیں جو ہر زمانے میں بار بار دہرائے جاتے رہے ہیں۔

خواجہ قمرالدین سیالوی صاحب نے بھی اور محمد اشرف سیالوی صاحب نے بھی شاید اپنے مریدوں کو یہ باور کرانے اور خوش کرنے کے لئے یہ کتابیں لکھی ہیں تاکہ ان کے مرید یہ سمجھیں کہ انہوں نے کوئی نئی بات لکھی ہے جسکا جواب نہیں ہو سکتا حالانکہ انکی مندرجہ باتوں کا متعدد بار جواب دیا جا چکا ہے۔ اور ایک ایک موضوع کے لئے بتیس بتیس کتابیں لکھی گئی ہیں جو قطعی طور پر لاجواب ہیں۔ اور تنزیہ الامامیہ بھی جس کے جواب میں سیالوی صاحب نے اپنے زعم میں بطور رد کے تحفہ حسینیہ لکھی ہے فی الحقیقت تنزیہ الامامیہ کی کسی بھی بات کا صحیح جواب نہیں ہے مثال کے طور پر ہم ان کے ایک دو جواب یہاں پر نقل کرتے ہیں۔ مثلاً تنزیہ الامامیہ میں یہ لکھا تھا کہ ہماری مساجد اور مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسی قرآن کو پڑھتے ہیں

یہ اس الزام کا جواب تھا کہ شیعوں کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے اور شیعوں کا قرآن کوئی دوسرا ہے۔ سیالوی صاحب نے اس جواب کو اس طرح سے رد کیا ہے کہ۔

'کوئی علامہ تمہارا صحیح قرآن پڑھتا نظر نہیں آیا حافظ ہونا تو دور کی بات ہے' تحفہ حسینیہ 192
کیا یہ روحیح ہے جبکہ شیعہ حفاظ بچوں نے سارے عالم اسلام میں تہلکہ مچایا ہوا
ہے۔ کیا اس طرح سے جھوٹ بولنے کو صحیح جواب کہہ سکتے ہیں؟
یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اندھا نصف النھار پر چمکتے ہوئے سورج کی موجودگی
میں یہ کہے کہ اب دن نہیں بلکہ رات ہے۔ اس سے اگلے صفحے پر تراویح کے بارے میں
جواب دیا ہے پہلے تنزیہ الامامیہ کی عبارت اس طرح سے نقل کی ہے، 'ہاں البتہ
ہم شیعان علی پیر سیالوی کے ہم مسلک حضرات کی طرح ماہ رمضان میں تراویح کے اندر
قرآن کو ختم نہیں کرتے کیونکہ یہ نماز سنت رسول نہیں بلکہ بدعت عمر ہے' (ملاحظہ ہو بخاری
شریف جلد ۱ صفحہ 366 طبع دہلی) اس کے جواب میں سیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ
'ہاں جی آپکے ہاں فرائض میں باجماعت ادائیگی بھی مروج نہیں ہے تو اتنی لمبی
نماز باجماعت اور اس میں ختم قرآن کی تکلیف آپکو کیسے گوارا ہو' (تحفہ حسینیہ صفحہ 193)
اور اس کے بعد انتہائی گندی زبان اور فحش طریقہ سے حضرت علی کو بھی مورد طعن و
تشنیع بنایا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اہل سنت والجماعت میں سارے ہی اس ذہن کے آدمی
ہوں گے۔ بہر حال ارباب دانش کے نزدیک یہ بے ہودہ اور قطعی نا معقول جواب ہے
کیونکہ جھوٹے الزام لگانے کو اور نا معقول قسم کی پھبتیاں کسنے کو جواب نہیں کہا جا سکتا۔
حالانکہ تراویح کے علاوہ بھی علمائے اہل سنت حضرت عمر کی ایجادات کو ان کے
کارناموں میں شمار کرتے ہیں ان میں سے کچھ تو ملکی انتظام کے سلسلہ میں ایجادات سے
متعلق ہیں مثلاً یہ کہ انہوں نے پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ لیکن ان کی بہت سی ایجادات ایسی ہیں
جن کا تعلق دین سے ہے۔ اور دین میں کسی کو بھی نئی ایجاد کا حق نہیں ہے ہم نے اپنی اس
کتاب میں حضرت عمر کی دین میں ان ایجادات کا بیان کیا ہے جنہیں علمائے اہل سنت مقام

رح میں فخر کیساتھ ان کے کارناموں میں شمار کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔
چونکہ سیالوی صاحب نے اکثر موضوعات پر بے ترتیبی سے فحش زبان میں محض
پھبتیاں کسی ہیں لہذا ہمارا اسلوب بیان یہ ہے کہ ہم نے تمام موضوعات کے حقائق کو ترتیب
کے ساتھ قرآن وحدیث وتاریخ وسیرت کی مستند کتابوں کے حوالوں سے ادب واحترام میں
رہتے ہوئے تحقیق کے نکتہ نظر سے پیش کیا ہے۔
ہم نے بعض باتوں کا جواب اس لئے نہیں دیا ہے کیونکہ اسکا جواب ایک مستقل
کتاب کی صورت میں پہلے سے موجود ہے مثلاً عقد ام کلثوم، جسکا جواب 'کنز مکتوم فی
عقد ام کلثوم' کی صورت میں پہلے سے موجود ہے
دوسرے یہ واقعہ اتنا فحش ہے کہ اگر اسے کوئی شیعہ لکھ دیتا تو سارے سنی چیخ اٹھتے
کہ یہ حضرت عمر پر تہمت لگائی گئی ہے۔ لیکن یہ حضرات صرف عقد ام کلثوم کا ڈھنڈورا پیٹتے
ہیں اور اصل واقعہ جس طرح ہے ایسے بیان نہیں کرتے۔
تیسرے وہ ام کلثوم جسے بنت فاطمہ اور زوجہ عمر کہا جاتا ہے اسکا انتقال عہد معاویہ
میں لکھتے ہیں حالانکہ ام کلثوم بنت فاطمہ کے کوفہ وشام کے بازار میں خطبات تاریخوں کے
اوراق میں محفوظ ہیں۔
سیالوی صاحب نے تحفہ حسینیہ جلد اول کے 'کلمہ تقدیم' میں حدیث ثقلین کو مسلمہ و
مقبول فریقین تسلیم کرتے ہوئے اسے راہ نجات وفلاح اور صراط مستقیم اور طریق رشد قرار دیا
ہے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں یہ قرار دیا ہے کہ پیغمبر اکرم امت کو
حدیث ثقلین کے ذریعے معاملات دین اور احکام شریعت میں قرآن اور اہل بیت کے سپرد
کر کے گئے تھے لیکن سیالوی صاحب نے عترت پیغمبر اور اہل بیت رسول کی اطاعت
وپیروی کی بجائے یہ افسانہ گھڑا کہ حضرت علی نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کر لی تھی لہذا انکا

مذہب سچا ہے اور اس طرح ان سے تمسک ہو گیا اور یہ راہ نجات ہے۔

ہم نے اس کتاب میں اہم اور بنیادی مسائل پر تو تفصیل سے بحث اور تحقیق پیش کی ہے اور غیر اہم موضوعات مثلاً تقیہ جیسے مسائل جو پہلے ہی تنزیہ الامامیہ میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور انکا صحیح جواب نہیں دیا گیا۔ لیکن ہم نے ایسے مسائل پر بھی اختصار کے ساتھ جواب دے دیا ہے۔

علاوہ ازیں ہم نے اپنی کتاب میں ترتیب کے ساتھ یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ ہدایت کا ذمہ دار کون ہے اور راہ نجات کیا ہے؟ اور سیالوی صاحب کے جواب میں صحابہ کے فضائل ان کے حالات و واقعات اور غزوات میں انکی کارگزاری کو قرآنی شواہد کے علاوہ مستند احادیث اور تواریخ و سیرت کی کتابوں سے ثابت کیا ہے اور اس کتاب کو اس طرح لکھا ہے کہ سیالوی صاحب کی طرح آج تک لکھنے والوں نے جتنے جھوٹے الزامات، تہمتیں اور افترا پردازیاں شیعوں کے خلاف کی ہیں اس میں انکا جواب بھی ہے، اور آئندہ بھی سیالوی صاحب کی طرح جتنے لکھنے والے شیعوں کے خلاف لکھتے رہیں انکا بھی جواب اسی سے مل جائے، اور یہ کتاب ہمیشہ کے لئے نصیحت آموز، نفع بخش اور مفید ثابت ہو لہٰذا اس کتاب کا ایک نام 'تحفہ اشرفیہ' کے علاوہ 'الرسالۃ الناصیحۃ النافعۃ العامۃ الدائمۃ' بھی ہے۔

چونکہ ہماری کتاب عظمت ناموس رسالت ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے لہٰذا اس کے کچھ عنوانات بطور جواب کے اس کتاب میں شامل کر دیے ہیں اگر وہ کتاب پہلے چھپ گئی ہوتی تو ہم اس کتاب میں صرف اس کا حوالہ دیتے مگر اب مجبوراً اس کے کچھ عنوانات کو جن میں سیالوی صاحب کا جواب موجود ہے اس کتاب میں شامل کیا ہے

وما علینا الا البلاغ و السلام علی من اتبع الھدیٰ

احقر سید محمد حسین زیدی برتی

علامہ محمد اشرف سیالوی کے نزدیک راہ ہدایت ونجات اور صراط مستقیم کیا ہے؟

محمد اشرف سیالوی صاحب اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں اپنی کتاب کے سب سے پہلے عنوان "کلمۃ التقدیم" میں لکھتے ہیں کہ: "رسول کریم نبی رحمتؐ نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرماتے وقت اپنے غلاموں کے لئے راہ نجات وفلاح اور صراط مستقیم اور طریق رشد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما"

(ترمذی باب مناقب اہل بیت جلد ثانی صفحہ 219
وکذا فی تفسیر صافی صفحہ 15، مقدمہ)

"میں تم میں دو ایسے قیمتی اثاثے چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم ان کے ساتھ وابستہ رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہیں ہو گے ان میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی (کی مانند) ہے اور (دوسرا قیمتی اثاثہ) میری عترت اور اہل بیت ہے اور وہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہونگے۔ یہاں تک کہ مجھ پر روز قیامت آوارد ہونگے۔ پس خیال رکھنا کہ تم ان میں کس طرح میرا حق نیابت وخلافت ادا کرتے ہو"۔

(تحفہ حسینیہ علامہ اشرف سیالوی صفحہ 13)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب مذکورہ ترجمہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"جو انہی الفاظ کے ساتھ بھی اور قدرے اختلاف الفاظ کے باوجود معنوی اور مفہومی

مروی و منقول بھی
اتحاد و موافقت کے ساتھ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی مستند کتابوں میں
ہے اور مسلم و مقبول بھی، جس سے راہ ہدایت اور صراط مستقیم واضح ہوگیا، کہ وہ مسلک اور
مذہب، عقیدہ و نظریہ درست ہے، جس پر کتاب اللہ اور اہل بیت کی مہر تصدیق ہو۔ اور ہر وہ
راہ و روش اور فکر و نتیجہ غلط اور باطل ہے، جو اس تصدیق و تائید سے محروم ہو۔ لہذا متلاشیان
حق و صداقت کے لئے اس امر کی تفتیش و جستجو اور تحقیق و تدقیق از بس ضروری تھی کہ اسلامی
فرقوں میں سے کونسا فرقہ اس معیار صداقت پر پورا اترتا ہے اور کونسا فرقہ اس معیار پر پورا

نہیں اترتا"

"تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی ص 14-13"

جواب ہے
یہ کتاب یعنی تحفہ حسینیہ جواب ہے تنزیہ الامامیہ کا اور تنزیہ الامامیہ

"کا
قمر الحق والدین سیالوی کے رسالہ "مذہب شیعہ
ان دونوں کتابوں یعنی "مذہب شیعہ" اور "تحفہ حسینیہ" میں وہی پرانی گھسی پٹی
باتیں ہیں جنکا ہزاروں مرتبہ دندان شکن جواب دیا جاچکا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ شیعہ مذہب
عبد اللہ بن سبا یہودی کا پیدا کردہ ہے۔ مگر جب صحیح احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ شیعوں
کے فضائل میں ملاحظہ کرتے ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں قدیمی، شیعہ اہل سنت
والجماعت ہیں، جنکا بیان آگے چل کر آئیگا، تقیہ کو جھوٹ سے تعبیر کرتے ہیں اور مصلحت
وقت کے مطابق خود بھی جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ سعدی نے کہا ہے کہ:

"دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"

شیعوں پر تحریف قرآن کی تہمت لگاتے ہیں اور خود اپنی کتابوں میں تحریف قرآن پر مبنی
روایات کو ہضم کر جاتے ہیں وغیرہ اور اپنی باتوں کو ثابت کرنے کے لئے یا تو وضعی روایات
سے کام چلاتے ہیں۔ یا قرآن و حدیث کو غلط طور پر اپنے مطلب پر چپکاتے ہیں۔ چنانچہ

اپنے عقیدہ اور اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے، غلط طور پر چپکانے کی ایک مثال مذکورہ حدیث ہے، جسے علامہ محمد اشرف سیالوی نے اپنی کتاب "تحفہ حسینیہ" کے عنوان "کلمۃ التقدیم" کے تحت صفحہ 14-13 پر پیش کیا ہے۔ اور اس حدیث کے ذریعہ غلط طور پر استدلال کر کے اپنے مسلک و مذہب اور عقیدہ و نظریہ کو درست ثابت کرنے کی ناتمام کوشش کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حدیث ثقلین مسلمہ فریقین ہے صحیح و متواتر ہے اور دونوں فرقوں کی مستند کتابوں میں مروی ہے جیسا کہ سیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ بھی، اور قدرے اختلاف الفاظ کے باوجود معنوی اور مفہومی اتحاد و موافقت کے ساتھ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی مستند کتابوں میں مروی و منقول بھی ہے اور مسلم و مقبول بھی"۔

اور ابن حجر نے اس روایت کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ پیغمبر نے یہ حدیث قرآن و اہل بیت کی عظمت کے پیش نظر کئی مرتبہ بیان فرمائی ہے۔ خصوصاً میدان عرفات میں اور غدیر خم کے مقام پر اور مسجد نبوی میں منبر کے اوپر اور بستر بیماری پر جب کہ کمرہ اصحاب سے بھرا ہوا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! عنقریب میں تم سے رخصت ہونے والا ہوں میں پہلے بھی تم کو سب کچھ کہہ چکا ہوں۔ اب پھر کہے دیتا ہوں، کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، اپنے پروردگار کی کتاب، اور اپنے عترت اہل بیت۔ پھر آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ علی ہیں۔ یہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں"۔

(صواعق محرقہ ابن حجر باب 9 فصل 2)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ اور قدرے اختلاف الفاظ کے باوجود معنوی اور مفہومی اتحاد وموافقت کے ساتھ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی مستند کتابوں میں مروی اور منقول بھی ہے اور مسلم اور مقبول بھی' ابن حجر کی روایت میں بھی اہل بیت کے سید وسردار حضرت علیؑ کا نام لیکر وہی مطلب ادا کیا گیا ہے جو مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے یعنی اس میں یہ کہا گیا ہے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ اور یہ کبھی جدا نہ ہونگے ' یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں۔ اور طبرانی نے مذکورہ حدیث کے آگے پیغمبر اکرمؐ کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

''دیکھو ان دونوں سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور نہ پیچھے رہ جانا، ورنہ تب بھی ہلاک ہو جاؤ گے، اور انہیں کچھ سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔''

طبرانی کی اس روایت میں مذکورہ زیادتی کے باوجود مطلب اسکا بھی وہی ہے جو اس روایت کا ہے جسے علامہ اشرف سیالوی نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے ص 13 پر نقل کیا ہے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''سرور کائنات کا یہ کہنا کہ تم ان سے آگے نہ بڑھنا اور نہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ ان کے پیچھے رہ جانا ورنہ تب بھی تم ہلاک ہو جاؤ گے اور انہیں کچھ سکھانا پڑھانا نہیں کہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے جو افراد مراتب عالیہ اور درجات دینیہ پر فائز ہوئے انہیں اپنے ماسوا تمام لوگوں پر تفوق و برتری حاصل تھی''

''صواعق محرقہ ابن حجر ص 129 باب وصیت النبیؐ''

علامہ محمد اشرف سیالوی غور کریں کہ خود ان کے ایک بزرگ عالم کے نزدیک مذکورہ حدیث کا

مطلب کیا ہے؟

طبرانی اور ابن حجر کی بیان کردہ روایت کا مفہوم بھی وہی ہے، جو علامہ اشرف سیالوی کی کتاب تحفہ حسینیہ کے صفحہ نمبر 13 پر بیان کردہ ترمذی شریف سے مروی حدیث کا ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم قرآن واہل بیت دونوں سے تمسک کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے جسکا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان دونوں سے تمسک نہ کرو گے تو حتماً گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور جو گمراہ ہو جائیگا وہ یقیناً ہلاک ہو جائیگا۔ اس حدیث میں بہت سی روایتوں میں ''انی تارک فیکم الثقلین'' آیا ہے، جسکا معنی ہے، دو گرانقدر اور قیمتی چیزیں۔ اسی لئے یہ روایت حدیث ثقلین کے ساتھ معروف ومشہور ہے اور اسی وجہ سے قرآن وعترت اہل بیت کی عظمت شان کو مدنظر رکھتے ہوئے سیالوی صاحب نے صرف ''انی تارک'' کا ترجمہ ''ایسے دو قیمتی اثاثے چھوڑ کر جا رہا ہوں'' کیا ہے اور باالفاظ واضح کہا ہے کہ ''اس حدیث سے راہ ہدایت اور صراط مستقیم واضح ہو گیا ہے'' ہم بیانگ دہل علامہ اشرف سیالوی صاحب کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں اور ان کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ آؤ ہم اس راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں اور اس حدیث کا جو صحیح معنی اور مفہوم ہے اس پر عمل کریں۔ لیکن وہ اپنی باتوں کو ثابت کرنے کے لئے یا تو وضعی روایات سے کام چلاتے ہیں یا قرآن وحدیث کو غلط طور پر چپکاتے ہیں اور اپنے عقیدہ اور نظریہ پر غلط طور پر چپکانے کی ایک مثال مذکورہ حدیث ہے۔

محمد اشرف سیالوی صاحب علامہ ہیں۔ لیکن میں مکتب اہل بیت کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں لہذا آیئے ہم غیر جانبدارانہ طور پر تحقیق وتفتیش کرتے ہیں کہ راہ ہدایت اور صراط مستقیم کیا ہے اور یہ حدیث واقعتاً اور حقیقتاً کیا کہتی ہے؟ اور اس حدیث کا صحیح معنی ومفہوم اور مطلب و مراد کیا ہے؟ آیا یہ حدیث علامہ محمد اشرف سیالوی کے مذہب ومسلک کو حق قرار دیتی ہے یا

صریحاً باطل قرار دیتی ہے۔ ہم اس کے لئے بنیادی اور اصولی عقائد پر تو تفصیلی بحث کریں
گے لیکن فروعی باتوں کو سرسری طور پر بیان کرینگے۔

حدیث ثقلین کیا کہتی ہے؟

اس حدیث میں سب سے پہلے یہ الفاظ آئے ہیں۔
''انی تارک فیکم'' اس میں پہلا لفظ ''انی'' رفع شک اور اثبات یقین کے لئے آیا
ہے یعنی اس میں ذرا سا بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ بلکہ حتمی ویقینی ہے یہ بات دوسرا لفظ اور
تیسرا لفظ ہے ''تارک فیکم'' میں تم میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام قیامت تک باقی رہنے والا دین ہے۔ اور قرآن
کریم کے احکامات اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے ارشادات قیامت تک کے لوگوں پر نافذ العمل
رہینگے، لہذا قرآن کریم کے ہر خطاب اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے ہر ارشاد کے مخاطب قیامت
تک آنے والے انسان ہیں، اگر انسانوں سے خطاب ہو اور قیامت تک آنے والے
سارے اہل ایمان ہیں اگر اہل ایمان سے خطاب ہو،

لیکن بالمشافہ جن سے خطاب ہوتا تھا۔ قرآن کریم کا بھی اور پیغمبر گرامی اسلام کا
بھی، وہ ان ہی لوگوں سے ہوتا تھا جو آپؐ کے زمانے میں تھے خصوصاً وہ جو آپؐ کے سامنے
ہوتے تھے اور جنہیں اصطلاح میں اصحاب پیغمبر کہا جاتا ہے،

لہذا ''انی تارک فیکم'' میں ''فیکم'' یعنی ''تم میں'' سے اولین مخاطب
اور اولین مراد اصحاب پیغمبر ہی تھے۔ یعنی پیغمبر اکرمؐ نے یہ بات اپنے اصحاب سے فرمائی، کہ
میں تم میں دو گراں قدر اور قیمتی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اور پھر یہ بتلایا کہ کیوں چھوڑ کر جا
رہا ہوں؟ ان کا کام کیا ہے؟ اور تمہارا کام کیا ہے؟۔

قرآن وعترت کا منصب ومقام اور امت کا فرض

پیغمبر گرامی اسلامؐ نے ان دونوں قیمتی چیزوں کا تعارف کرانے کے بعد ان کے
منصب اور امت کے فرض کی ان الفاظ کے ساتھ نشاندہی کی جو سیالوی صاحب کے ترجمے
کے مطابق اسطرح ہے ''جب تک تم ان کے ساتھ وابستہ رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے''
(تحفہ حسینیہ ص13)

لیکن حدیث میں الفاظ ''ان تمسکتم'' ہیں۔ اسی کے مادہ سے سورۃ البقرہ میں
اس طرح بیان ہوا ہے کہ،

''لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر
بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لن فصام لہا واللہ
سمیع علیم'' (البقرہ۔256)

''دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں۔ کیونکہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی
تو جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا اور خدا ہی پر ایمان لایا تو اس نے وہ مضبوط رسی پکڑ لی جو
ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔ اور خدا سب کچھ سنتا اور جانتا ہے''

اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا
ہے، ''زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں۔ بیشک جدا ہو چکی ہدایت گمراہی سے اب جو کوئی نہ
مانے گمراہ کرنے والوں کو۔ اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا
نہیں، اور اللہ سب کچھ جانتا ہے''۔

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح لکھا
ہے، ف3۔ یعنی جب ہدایت وگمراہی میں تمیز ہوگئی تو اب جو کوئی گمراہی کہ چھوڑ کر ہدایت کو

منظور کریگا تو اس نے ایسی مظبوط چیز کو پکڑ لیا جس میں ٹوٹنے چھوٹنے کا ڈر نہیں،

اور سورہ زخرف میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے

"فاستمسک بالذی اوحی الیک" (الزخرف۔43)

"پس تمہاری طرف جو وحی کی گئی ہے اسے مظبوط پکڑے رہو"

(ترجمہ مفردات القرآن راغب اصفہانی)

پس لغت اور قرآنی آیات سے ثابت ہوا کہ تمسک کے معنی مظبوطی کے ساتھ پکڑنا ہے۔ اور سیالوی صاحب نے تمسک کے معنی "وابستہ رہو گے" کیا ہے۔ بہر حال قرآن اور عترت کے لئے ایک ہی لفظ ہے "تمسک" اگر اس کے معنی پکڑنا لئے جائیں تو سیالوی صاحب بتلائیں کہ وہ قرآن کو مظبوطی کے ساتھ کیسے پکڑیں گے، اور اگر وابستہ کئے جائیں تو سیالوی صاحب اپنے ہی کئے ہوئے معنی کے مطابق بتلائیں کہ وہ قرآن کے ساتھ کس طرح وابستہ رہیں گے۔ کیا قرآن سے وابستہ رہنے یا مظبوط پکڑنے کا مطلب وہ یہ لیں گے کہ قرآن کو مخمل کے غلاف میں لپیٹ کر طاق یا الماری میں رکھ دیا جائے، یا قرآن سے وابستہ رہنے کا مطلب انکے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالا جائے، یا قرآن کو مظبوطی سے پکڑنے یا قرآن سے وابستہ رہنے کا مطلب انکے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کو اپنا مطیع بنایا جائے یا قرآن کو اپنی پیروی پر مجبور کیا جائے اور قرآن سے اپنی بیعت لیجائے یا قرآن کو مظبوطی سے پکڑنے کا مطلب یا اس کے ساتھ وابستہ رہنے کا مطلب فی الحقیقت یہ ہے کہ قرآن کا حکم مانا جائے اس کے احکام کی پیروی کی جائے اس کی ہدایت پر عمل کیا جائے، یعنی اصطلاحی الفاظ میں قرآن کی بیعت کی جائے قرآن کو محکوم نہ بنایا جائے قرآن کو اپنے پیچھے نہ چلایا جائے قرآن کے ہادی و امام نہ بنیں اور قرآن سے بیعت طلب نہ کی جائے بلکہ قرآن کو ہادی و امام مانیں اور خود قرآن کی بیعت کریں،

پیغمبر اکرمؐ نے اپنی عترت اہل بیت کا قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دے کر علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور ان کے ہم مشرب تمام لوگوں کو پھنسا دیا ہے کیونکہ جس طرح قرآن سے تمسک کرنا ہے اسی طرح عترت اہل بیت سے تمسک کرنا پڑیگا۔ پیغمبر اکرمؐ نے "ان تمسکتم" کے الفاظ کے ذریعہ امت کے فریضہ کی نشاندہی کی ہے اور "لن تضلوا" کے الفاظ کے ذریعہ ان دونوں قیمتی چیزوں کے منصب کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ دونوں سے تمسک نہ کرنے کا نتیجہ گمراہی ہے، اور گمراہی کا نتیجہ ہلاکت ہے اور اسکا صریح مطلب یہ ہے کہ جس نے دونوں کو ایک ساتھ اختیار نہ کیا، دونوں کی ایک ساتھ اطاعت نہ کی، اور دونوں کا ایک ساتھ اتباع نہ کیا، وہ گمراہ ہو جائیگا، یعنی خدا اور رسولؐ کے نزدیک ان دونوں میں سے کوئی سی ایک چیز اکیلی کافی نہیں ہے۔ یہ دونوں ہم پلہ ہیں یہ دونوں ہم وزن ہیں لہذا جو قرآن کی شان ہے وہی عترت کی شان ہے۔ جس طرح قرآن کی اطاعت ہر مسلم پر فرض ہے اسی طرح عترت اہل بیت پیغمبرؐ کی اطاعت و اتباع بھی ہر ایک پر واجب و لازم ہے، کوئی مسلمان کتاب خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کی اطاعت و پیروی سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔

گویا قرآن و اہل بیت سے تمسک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور عترت پیغمبرؐ کو اپنا ہادی اور راہنما مان کر ان سے انتہا کا عقیدہ رکھو اور اس عقیدہ پر نہایت مضبوطی اور استحکام سے ثابت قدم رہو اور ان کے احکام کو سمعاً وطاعۃً بجالاؤ یعنی اپنے مذہب و دین اور اپنے عقیدہ و عمل کا ان پر دارومدار رکھو، اور ان سے ذرا علیحدہ نہ ہو، بالفاظ دیگر قرآن کتاب ہدایت ہے جس کے احکام کی اطاعت و پیروی واجب ہے اور عترت پیغمبرؐ اکرمؐ کے بعد امت کے ہادی و رہنما اور پیشوا و امام ہیں، اور ان کے احکام کی اسی طرح اطاعت و پیروی فرض اور واجب ہے جس طرح قرآن کے احکام کی اطاعت و پیروی فرض

اور واجب ہے۔ اور اگر لوگ قرآن کریم اور عترت پیغمبر کی اطاعت و پیروی نہ کرینگے تو یقیناً
گمراہ ہو جائینگے، پس قرآن و عترت کے ذمہ ہدایت کا کام ہے اور امت کے ذمہ انکی
اطاعت و اتباع ہے، کیونکہ خدا کے دستور کے مطابق ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ
خدا کے مقرر کردہ ہادی و رہنما اور امام و پیشوا کی اطاعت و پیروی نہ کی جائے جیسا کہ
ارشاد ہوا ہے کہ "ان تطیعوہ تھتدوا"

"اگر تم پیغمبر کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو گے" اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ:

"واتبعوہ لعلکم تھتدون"

"تم پیغمبر اکرم کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ"

پس ہدایت کا انحصار ہادی کی اطاعت و اتباع میں منحصر ہے۔ اور پیغمبر اکرم نے
اپنی امت کو گمراہی سے بچانے کے لئے یا اپنے بعد آنے والے ہادیوں کا اعلان کیا ہے، کہ
تمہاری ہدایت کیلئے ایک اللہ کی کتاب ہدایت کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت
تمہارے ہادی ہیں۔ اور امت پر ان دونوں کی اطاعت و اتباع واجب ہے

اس کے بعد فرمایا "لن یفترقا حتی یردا علی الحوض"
یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں اسکا
واضح مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرآن قیامت تک کے لئے کتاب ہدایت ہے اسی طرح
عترت پیغمبر قیامت تک کے لئے ہادی خلق ہیں اور قیامت تک آنے والے لوگوں پر ان
دونوں کی پیروی واجب ہے۔

اور اس حدیث میں پیغمبر اکرم کے آخری الفاظ اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ
آنحضرتؐ امت کی طرف سے اس بارے میں مایوس ہو چکے تھے لہذا عالم مایوسی میں فرمایا:

"فانظروا کیف تخلفونی فیھما"

یعنی اب تم دیکھو اور سوچو کہ تم میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرو گے
تم ان دونوں کے ساتھ کس طرح پیش آؤ گے۔ تم ان دونوں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرو
گے یعنی کیا تم قرآن کو اپنا تابع بناؤ گے، یا انکی اطاعت و اتباع کرو گے، اور کیا تم میری
عترت کو اپنا مطیع و تابع بناؤ گے، یا ہدایت پانے اور صراط مستقیم پر چلنے کے لئے انکی اطاعت
و پیروی کرو گے۔ فیھما کے الفاظ سے ثابت ہے کہ امت کا ان دونوں کے ساتھ سلوک
یکساں ہوگا۔ قرآن کی اطاعت و پیروی کرنے کی بجائے قرآن کو اپنا مطیع و تابع بنایا
جائیگا اور اپنے غلط اور خود ساختہ عقائد پر قرآن کی آیات کو زبردستی چپکایا جائیگا اور عترت پیغمبرؐ
کی بھی اطاعت و اتباع کرنے کی بجائے اپنا مطیع و تابع کرنے کی کوشش کی جائیگی چنانچہ
علامہ محمد اشرف سیالوی نے حدیث کے اس آخری حصہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے،

"پس خیال رکھنا کہ تم ان میں کس طرح میرا حق نیابت و خلافت ادا کرتے ہو"

گویا سیالوی صاحب کے نزدیک خلف کا ہر مشتق خلیفہ یا خلافت یا نیابت کے معنی دیتا ہے
حالانکہ قرآن کریم میں

خلفک	کے معنی ہیں تیرے پیچھے	یونس 52
خلفکم	کے معنی ہیں تمہارے پیچھے	یٰسین 44
خلفھم	کے معنی ہیں ان کے پیچھے	البقرہ 255
خلفوا	کے معنی ہیں پیچھے چھوڑے گئے	التوبہ 118
خلفہ	کے معنی ہیں اس کے پیچھے	الرعد 11
خلفھا	کے معنی ہیں اس (مونث) کے پیچھے	البقرہ 66
خلفھم	کے معنی ہیں ان کے بعد	البقرہ 255

اور خلفتمونی کے معنی ہیں میرے بعد بہت بری حرکت کی جیسا کہ ارشاد ہوا۔

ولما رجع موسیٰ الیٰ قومہ غضبان اسفاً قال بئسما خلفتمونی من بعدی۔الاعراف۔150

"اور جب موسیٰ پلٹ کر اپنی قوم کے پاس آئے تو (یہ حالت دیکھ کر) رنج اور غصہ میں اپنی قوم سے کہنے لگے کہ تم لوگوں نے میرے بعد بہت ہی بُری حرکت کی ہے"۔

اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت سے مایوس ہوکر فرمایا تھا کہ فانظرو کیف تخلفونی فیھما یعنی اب تم خود سوچو کہ تم میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کروگے کیسا برتاؤ کروگے۔

مگر سیالوی صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ پس خیال رکھنا کہ تم ان میں کس طرح میرا حق نیابت وخلافت ادا کرتے ہو یعنی پیغمبرؐ نے قران کو اور اپنی عترت کو ہدایت کے لئے اپنا نائب نہیں بنایا بلکہ ہدایت کیلئے نائب وخلیفہ تو پیغمبرؐ نے دوسروں کو بنایا ہے اور انہوں نے قران کے ساتھ پیغمبر کا حق نیابت وخلافت ادا کرنا ہے۔اسی لئے وہ قران کے معنی بدل کر اور کہیں کی آیت کہیں چپکا کر اور عترت سے زبردستی بیعت کا لینا ثابت کرکے اپنے مذہب کو حق سمجھ کر بغلیں بجارہے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہم علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کی وہ عبارت جوانہوں نے حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد لکھی ہے یہاں پر مکرر لکھتے ہیں۔

"یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ بھی اور قدرے اختلاف الفاظ کے باوجود معنوی ومفہومی اتحاد وموافقت کے ساتھ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی مستند کتابوں میں مروی ومنقول بھی ہے اور مسلم ومقبول بھی۔جس سے راہ ہدایت اور صراط مستقیم واضح ہوگیا کہ وہ مسلک اور مذہب عقیدہ ونظریہ درست ہے جس پر کتاب اللہ اور اہل بیت کی مہر تصدیق ہو اور ہر وہ راہ وروش اور فکر ونتیجہ غلط اور باطل ہے جو اس تصدیق وتائید سے محروم

ہو لہذا متلاشیان حق وصداقت کے لئے اس امر کی تفتیش وجستجو اور تحقیق وتدقیق ازبس ضروری ہے کہ اسلامی فرقوں میں کونسا فرقہ اس معیار صداقت پر پورا اترتا ہے اور کونسا فرقہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔ (تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی۔ صفحہ 14-13)

آخرت کی نجات کے لئے ہدایت ورہنمائی کا ذمہ دار کون ہے

خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

بل توثرون الحیواۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی۔

تم تو زندگانی دنیا کو ترجیح دیتے ہو (جو فانی ہے) اور آخرت کی زندگی ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

آج دنیائے انسانیت بے شمار مذاہب اور ان گنت فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور ہر مذہب اور ہر فرقہ اس بات کا دعویدار ہے کہ بس اسکا فرقہ ہی نجات پانے والا اور جنت کا حقدار ہے۔خداوند تعالیٰ نے اس بات کو یہود ونصاریٰ کی مثال دیکر اس طرح سے بیان کیا ہے

"وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھوداً او نصاریٰ تلک امانیھم .قل ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین۔پ1ع13

یعنی یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی بھی جنت میں نہیں جائیگا سوائے یہودیوں کے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی جنت میں نہیں جائیگا سوائے نصاریٰ کے یہ انکی آرزوئیں ہیں، تم کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اس کے لئے دلیل پیش کرو۔

یہ آیت جہاں یہ کہتی ہے کہ عقیدہ کی درستی کے لئے دلیل کا ہونا اور دلیل کا طلب کرنا لازمی ہے، وہاں یہ آیت یہ بھی کہتی ہے کہ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگ خود کو ہی جنت

کا حقدار سمجھتے ہیں۔ اور اسی لئے صرف خود کو ہی ہدایت یافتہ جانتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اس بات کو بھی یہود و نصاریٰ کی مثال میں بیان کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

"وقالو اکونوا ھودا او نصاریٰ تھتدوا" پ 1 ع 16

یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور راہ راست پا لو گے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ تم نصاریٰ ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اور جب ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگ خود کو ہی ہدایت یافتہ اور حق پر سمجھتے ہیں تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگ دوسرے تمام فرقوں اور مذاہب کے لوگوں کو گمراہ اور مذہب باطل پر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کو بھی خداوند تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کی مثال کے ذریعہ ہی بیان کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

وقالت الیھود لیست النصاریٰ علیٰ شئی وقالت النصاریٰ لیست الیھود علیٰ شئی وھم یتلون الکتاب. کذالک قال الذین لایعلمون مثل قولھم فاللہ یحکم بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون، پ 1 ع 14

اور یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا کچھ مذہب نہیں ہے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ یہود کا کچھ مذہب نہیں ہے۔ یہ دونوں مذاہب تو وہ ہیں جو آسمانی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں لیکن دوسرے مذاہب والے بھی جن کو کسی آسمانی کتاب کا کوئی علم نہیں ہے، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بس ہم ہی ہدایت یافتہ ہیں اور ہم ہی حق پر ہیں اور دوسرے سارے مذاہب گمراہ اور باطل ہیں۔ پس جس بات میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں اسکا قیامت کے دن خدا ہی فیصلہ کریگا کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے، کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان جو بھی مذہب اختیار کرتا ہے وہ آخرت کی نجات کے

لئے اور جنت میں جانے اور عاقبت بخیر ہونے کے لئے ہی کرتا ہے۔ یہود و نصاریٰ دو سچے انبیاء یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ کے پیرو ہیں اور دونوں آسمانی کتابوں پر عمل کرنے کے مدعی ہیں لیکن دونوں ان سچے انبیاء کے بعد گمراہ ہو گئے، اور آیندہ ہدایت پانے کے لئے ان دونوں آسمانی کتابوں میں جس ہادی کے آنے کی بشارت تھی اور جس پر ایمان لانے اور کی نصرت کرنے کا ان سے عہد لیا گیا تھا، اس پر ایمان نہ لائے بلکہ اس کے دشمن ہو گئے۔

دنیا اس وقت ہمارے سامنے ہے اور جس ڈگر پر یہ چل رہی ہے، اسے بھی ہم دیکھ رہے ہیں۔ لیکن آخرت کی نجات کے بارے میں ہمیں اپنے طور پر کوئی علم نہیں ہے۔ لہذا اس کے لئے آگاہی بخشنا خود خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

"ان علینا للھدیٰ وان لنا للاخرۃ والاولیٰ"، پ-30 ع 17-اللیل

یقینی طور پر ہدایت کرنا ہمارے ہی ذمہ ہے، اور دنیا کے لئے دستورالعمل بتلانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

چنانچہ خداوند تعالیٰ نے زمین پر سب سے پہلے انسان کو بھیجنے سے پہلے اس بات کا بندوبست فرمایا ہے۔

ہادیان دین کے بھیجنے کا اعلان

خداوند تعالیٰ نے جب سب سے پہلا انسان روئے زمین پر بھیجا۔ تو اس کے ساتھ ہی اس نے یہ اعلان فرما دیا کہ اب تمہاری ہدایت کے لئے میری طرف سے ہادیان برحق میرے پیغام اور میرے احکام اوامر و نواہی لیکر آیا کریں گے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

قلنا اھبطوا منھا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون، پ 1 ع 4 البقرہ۔

ہم نے کہا کہ تم سب کے سب یہاں جنت سے باہر چلے جاؤ (اب میرے پاس سے میرے ہادی تمہارے لئے ہدایت لیکر آیا کرینگے) تو جب بھی میرے بھیجے ہوئے ہادی تمہارے پاس میری ہدایت لیکر پہنچیں (تو تم انکی اطاعت و پیروی کرنا) پس جو بھی میرے ان ہادیوں کی اطاعت و پیروی کریگا اسے نہ تو (جہنم میں جانے کا) خوف ہوگا اور نہ ہی جنت سے اور جزاوثواب سے محروم رہ جانے کا حزن وملال ہوگا۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کو کبھی بھی بغیر ہدایت کے نہیں چھوڑا، لیکن انسانوں کی اکثریت ہمیشہ ہی ان ہادیان دین سے روگرداں ہی رہی، اور انکی اطاعت و پیروی کرنے کی بجائے کچھ تو خود قہر وغلبہ کے ذریعہ برسراقتدار آکر لوگوں پر حکم چلاتے رہے اور اکثر لوگ ہادیان دین کے بجائے ان دنیاوی حکمرانوں کی اطاعت کرتے رہے۔

بہر حال خداوند تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کا کام اپنے ذمہ رکھا ہے اور آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کے ساتھ ہی انسانوں کی ہدایت کے لئے ہادیان دین کے بھیجنے کا سلسلہ شروع ہوگیا ان ہادیان دین کی ایک اجمالی فہرست خدا نے قرآن کریم میں اس طرح سے بیان فرمائی ہے۔

"ان اللہ اصطفےٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریة بعضھا من بعض" (آل عمران 34، پ3 ع12)

بیشک خدا نے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آل ابراہیمؑ کو اور آل عمرانؑ کو منتخب کیا جو بعض بعض کی ذریت ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اس آیت میں آدمؑ ونوحؑ کی اصطفےٰ کے بعد خود ابراہیمؑ کا ذکر نہیں ہے خدا نے ان کے اصطفےٰ کو علیحدہ سے پ1 ع16 میں اس طرح بیان کیا ہے:

"ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانہ فی الآخرہ لمن الصالحین"

اور یقینی طور پر ہم نے ابراہیم کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے تھے۔ دوسرا نکتہ قابل غور یہ ہے کہ خدا نے اس آیت میں صرف اصطفےٰ کا ذکر کیا اور منصب کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس مطلب کو کھلا رکھا تاکہ ہدایت خلق کے لئے جسے چاہے صرف نبی بنائے جسے چاہے نبی کے ساتھ رسول بھی بنائے جسے چاہے نبوت ورسالت کے ساتھ امامت بھی عطا کرے اور ختم نبوت کے بعد جسے چاہے امام منتخب کرے۔

بہر حال اس آیت میں، جن کو ہدایت خلق کے لئے خدا نے منتخب کیا، دو افراد کے نام لئے آدمؑ اور نوحؑ، اس میں بلاغت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے حضرت نوحؑ تک جتنے انبیاء آئے وہ سب کے سب فقط نبی تھے لیکن حضرت نوحؑ پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں جن کو نبوت کے ساتھ کار رسالت سُپرد کیا گیا۔ اور وہ ہادیان دین میں پہلے رسول اور اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ جب کہ آدم علیہ السلام روئے زمین پر سب سے پہلے نبی ہیں لہذا ان دونوں کا نمایاں طور پر نام لیا گیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم تک کے انبیاء ایسے آئے جو منصب نبوت کے ساتھ منصب رسالت پر فائز تھے۔

لیکن حضرت ابراہیمؑ پہلے نبی اور رسول ہیں جو منصب نبوت ورسالت کے ساتھ ساتھ منصب امامت پر بھی فائز ہوئے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

واذابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھد الظالمین، پ1 ع15

اور جب ابراہیم کے رب نے انکا چند باتوں میں امتحان لے لیا تو فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری ذریت میں بھی (یہ منصب قرار دے) ارشاد ہوا (میرا یہ عہد ہے کہ میں انکو بھی امام بناؤنگا) مگر جو ظالم ہونگے وہ میرے اس عہد سے فائدہ نہ اٹھائینگے۔

چنانچہ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے نبی آئے ان میں بہت سے ایسے ہوئے جو منصب نبوت ورسالت کے ساتھ ساتھ منصب امامت پر بھی فائز رہے۔اور پیغمبر اکرم آخری نبی ورسول ہیں جو آل ابراہیم میں ہوئے چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جتنے نبی ہوئے وہ سب کے سب ذریۃ ابراہیمؑ میں شمار ہوئے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب و جعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب واتینہ اجرہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین''

(العنکبوت، 27)

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰقؑ (سا بیٹا) اور یعقوبؑ (سا پوتا) عطا کیا اور انکی نسل اور اولاد میں پیغمبری اور کتاب کو قرار دیدیا۔اور ہم نے ابراہیم کو دنیا میں بھی اچھا بدلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی یقینی طور سے نیکو کاروں میں سے ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اسطرح لکھا ہے:

ف۔11۔یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بعد بجز انکی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری نہ دیجائیگی، چنانچہ جس قدر انبیاء ان کے بعد تشریف لائے ان ہی کی ذریت سے تھے۔(تفسیر عثمانی ص517)

اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ معروف آسمانی کتابیں چار ہیں، پہلی توریت ہے جو خدا نے حضرت موسیٰ پر نازل کی، دوسری زبور جو حضرت داؤد پر نازل کی، تیسری انجیل ہے جو خدا نے حضرت عیسیٰ پر نازل کی اور چوتھی آسمانی کتاب قرآن مجید ہے، جو پیغمبر گرامی اسلامؐ پر نازل ہوئی اور قرآن یہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جتنے نبی

ہوئے وہ سب کے سب اولاد ابراہیمؑ میں محسوب ہوتے ہیں اور جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں وہ بھی سب اولاد ابراہیم، ذریت ابراہیم یا آل ابراہیمؑ کے انبیاء کو عطا کی گئیں۔یعنی اولاد ابراہیمؑ کے علاوہ حضرت نوح کی اولاد میں سے اور کسی کو نبوت وکتاب عطا نہیں ہوئی لہذا قرآن میں آل ابراہیم کے بعد جن آل عمران کے اصطفیٰ کا ذکر ہے وہ آل عمران وہ ہیں جو آل ابراہیمؑ کے ختم ہونے کے بعد آئے، اور ترتیب آیت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ آدمؑ کے بعد نوحؑ ہیں اور نوحؑ کے بعد آل ابراہیمؑ ہیں اور آل ابراہیمؑ کے انبیاء کے خاتمے کے بعد آلعمران کے اصطفےٰ کا بیان ہے۔

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ عمران تین گزرے ہیں ایک موسیٰؑ کے والد دوسرے حضرت مریمؑ کے والد اور تیسرے حضرت علیؑ کے والد۔جو اپنے بڑے بیٹے طالب کی وجہ سے اپنی کنیت ابوطالب کے ساتھ معروف تھے لیکن انکا نام عمران تھا۔

قرآن کریم میں خدا نے جن ہستیوں کے اصطفےٰ اور اجتبےٰ کو بیان کیا ہے، وہ ہادیان دین کے ساتھ مخصوص ہے اور انکے خداداد علم، انکی عصمت اور انکے ہادی ہونے کا بیان ہے قرآن کریم میں انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے خداداد علم اور انکی عصمت کو بیان کرنے کے لئے خدا نے لفظ اصطفےٰ اور لفظ اجتبےٰ کے علاوہ اور کوئی لفظ استعمال نہیں کیا۔اصطفےٰ کا لفظ تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین کیلئے، پ۔1 رکوع۔ 12 سورۃ آل عمران آیت 33 سے سابقہ اوراق میں بیان ہو چکا، اجتبےٰ کا لفظ سورۃ مریم میں معروف انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد اس طرح آیا ہے: ''اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین من ذریۃ آدم وممن حملنا مع نوح و من ذریۃ ابراھیم واسرائیل وممن ھدینا واجتبینا'' مریم 60 پ16 ع7

''یہ انبیاء لوگ جنہیں خدا نے اپنی نعمت دی آدم کی اولاد سے ہیں اور انکی نسل سے

ہیں جنہیں ہم نے (طوفان کے وقت) نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کر لیا تھا اور ابراہیمؑ و یعقوبؑ کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت کی اور منتخب کیا اجتبےٰ کیا مجتبےٰ بنایا۔"

پس یہ لفظ اجتبےٰ ہادیان دین کے سوا سارے قرآن میں اور کسی کے لئے نہیں آیا جو انکے ہادی ہونے، اور منصوص من اللہ ہونے اور معصوم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ان الفاظ کو قرآنی آیات سے ہم نے اپنی کتابوں "امامت قرآن کی نظر میں" اور "ولایت قرآن کی نظر میں" تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے

اور راغب اصفہانی نے اپنی لغت کی معروف کتاب "مفردات القرآن" میں یہ لکھا ہے کہ کوئی شخص مجتبےٰ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مصطفےٰ نہ ہو یعنی خدا منزل اجتبےٰ پر صرف اسے ہی فائز کرتا ہے جو پہلے سے منزل اصطفےٰ پر فائز ہو۔

پیغمبرؐ کے بعد خدا کے مصطفےٰ اور مجتبےٰ بندے موجود رہے ہیں

سورہ فاطر میں خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد اس کے ایسے بندے موجود رہے ہیں جنکا اس نے اصطفےٰ کیا تھا اور پیغمبرؐ کے بعد اس نے اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو ہی قرآن کا وارث بنایا تھا جیسا کہ ارشاد ہوا۔

"والذی اوحینا الیک من الکتاب هو الحق مصدقا لما بین یدیه ان الله لخبیر بصیر ،ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا ،فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات باذن الله ذالک هو الفضل الکبیر" (فاطر۔31-32)

"اور ہم نے جو کتاب وحی کے ذریعے سے بھیجی، وہ بالکل ٹھیک ہے اور (جو کتابیں اس سے پہلے کی) اس کے سامنے (موجود) ہیں انکی بھی تصدیق کرتی ہے بیشک خدا اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے اور دیکھ رہا ہے۔ پھر اپنے بندوں میں سے خاص ان کو قرآن کا وارث بنایا جنہیں ہم نے مصطفےٰ بنایا ہے کیونکہ ہمارے بندوں میں سے تو کچھ نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ ان میں سے نیکی بدی کے درمیان رہتے ہیں اور کچھ لوگ خدا کے اذن سے نیکیوں میں (اوروں سے) سبقت لے جانے والے ہیں (سبقت لے جانے والوں میں سے وارثین قرآن کا اصطفےٰ اور انتخاب ہی تو) خدا کا بہت بڑا فضل ہے"

اور سورہ الحج میں خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد اس کے ایسے بندے بھی موجود رہے ہیں جنکا اس نے اجتبےٰ کیا تھا اور خدا کے یہ مجتبےٰ بندے قیامت کے دن لوگوں پر گواہ ہونگے اور پیغمبرؐ ان پر گواہ ہونگے جیسا کہ ارشاد ہوا

"وجاهدوا فی الله حق جهاده هو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ۔ ملة ابیکم ابراهیم ،هو سماکم المسلمین من قبل وفی هذا ،لیکون الرسول شهیدا علیکم وتکونوا شهداء علی الناس ،فاقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة واعتصموا بالله هو مولاکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر" الحج۔78

"اور جو حق جہاد کرنے کا ہے، خدا کی راہ میں جہاد کرو اسی نے تم کو مجتبےٰ بنایا ہے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔ اور امور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی یہ تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب ہے اسی نے تمہارا پہلے سے مسلمان (فرمانبردار بندے) نام رکھا ہے۔ اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول (قیامت میں) تمہارے بارے میں گواہی دیں اور تم (قیامت

کے دن) لوگوں پر گواہ بنو۔ پس تم پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے رہو اور زکواۃ دیتے رہو اور
خدا (ہی کے احکام) کو مضبوط پکڑو وہی تمہارا سرپرست ہے تو کیا اچھا سرپرست ہے اور کیا
ہی اچھا مددگار ہے"۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان ہستیوں کے اجتبے کا ذکر ہے جن کے
باپ ابراھیم ہیں یعنی وہ اولاد ابراھیم ہیں اور کعبہ کی تعمیر کے وقت انہوں نے ہی اپنی اس
پاک اولاد کا نام مسلمین رکھا تھا جیسا کہ فرمایا: "ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک"[244] اور
میری اولاد میں سے ایک گروہ ایسا قرار دے جو ہمیشہ ہمیشہ تیرا فرمانبردار رہے"۔ اور یہ
ہستیاں جن کا خدا نے پیغمبرؐ کے بعد اجتبے کیا ہے قیامت کے دن لوگوں پر گواہ ہوں گی۔

پس پیغمبرؐ کے بعد آنے والی یہ ہستیاں جو منزل اصطفے پر فائز تھیں اور منزل اجتبے پر
فائز تھیں روز قیامت انبیاء کی طرح پیغمبرؐ کے بعد آنے والے لوگوں پر خدا کی حجت اور
خدا کی طرف سے اس بات کا گواہ بنا کر کھڑی کی جائیگی کہ خدا نے پیغمبرؐ کے بعد آنے والے
لوگوں کو بغیر ہادی کے نہیں چھوڑا تھا۔

اور اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو پیغمبرؐ کے بعد آنے والی یہ مصطفےٰ
اور مجتبے ہستیاں ہی آل عمران ہیں جن کے اصطفے کو خدا نے آل ابراھیم کے بعد بیان کیا ہے
جو حضرت علیؑ سے شروع ہو کر قائم آل محمدؑ تک لوگوں کی ہدایت کرتی رہیں۔

ایک اور نکتہ جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو حکم یہ ہے کہ وہ اللہ کی رسی
کو مضبوطی سے تھامیں۔ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا"۔ اور ان ہستیوں کو حکم ہے کہ
خدا کو مضبوطی سے تھامو جیسا کہ ارشاد ہوا "واعتصموا باللہ" اور خدا (کے احکام) کو
مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔

بہر حال قرآن کریم میں انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے برگزیدہ ہونے اور

ان کے اصطفے، اجتبے کے علاوہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو ان کی عصمت پر اور خدا کی طرف سے
ہادی مطلق ہونے پر دلالت کرتا ہو۔ اور کوئی معصوم کسی غیر معصوم کی بیعت نہیں کرسکتا۔ نہ نوحؑ
نے کسی کی بیعت کی نہ حضرت ابراھیمؑ نے کسی کی بیعت کی نہ حضرت اسحٰق و یعقوب نے کسی
کی بیعت کی نہ حضرت موسیٰؑ نے کسی کی بیعت کی۔ نہ پیغمبر گرامی اسلامؐ نے کسی کی بیعت کی
اور نہ ہی آل عمران یعنی آئمہ اطہار میں سے کسی نے کسی کی بیعت کی۔ پس خواجہ قمر الدین
سیالوی اور محمد اشرف سیالوی یا جو بھی کوئی ان بارہ آئمہ اہل بیت کے مصطفےٰ اور مجتبے ہونے
اور منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطاء ہونے کا انکار کرے وہ قرآن کریم کی واضح آیات کا
انکار اور تکذیب ہے اور قرآن کریم کی ترجمان صحیح احادیث پیغمبرؐ کا انکار اور تکذیب
ہے۔ کیونکہ سورۃ فاطر کی مذکورہ آیت نمبر 31 - 32 یہ کہتی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد خدا کے
مصطفےٰ بندے موجود رہے ہیں اور سورۃ حج کی مذکورہ آیت نمبر 78 یہ کہتی ہے کہ پیغمبرؐ کے
بعد خدا کے مجتبے بندے بھی موجود رہے ہیں اور خدا کے مجتبے بندے منصوص من اللہ اور
معصوم عن الخطا ہوتے ہیں اور پیغمبر اکرمؐ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ معصوم عن الخطا بندے میرے
بعد ہونے والے بارہ اوصیا بارہ امام ہیں پس ان بارہ آئمہ اہل بیت کو منصوص من اللہ اور
معصوم عن الخطاء نہ ماننا قرآن کی واضح آیات کا انکار اور تکذیب ہے اور قرآن کی ترجمان صحیح
احادیث کا انکار اور تکذیب ہے۔

اگرچہ خدا کے حکم سے لوگوں پر صرف انبیاء و رسل اور ہادیان دین کی اطاعت فرض
تھی مگر ہر زمانے کے لوگ ان انبیاء و رسل کی اطاعت کرنے کی بجائے خود اقتدار پر آتے
لیکن ان انبیاء و رسل میں سے کسی نے ان صاحبان اقتدار اور حاکمان وقت کی بیعت
نہیں کی ان ہادیان دین کا صاحب اقتدار اور حاکمان وقت کے ساتھ ایک ہی طرز عمل
تھا اور وہ توحید کی تبلیغ اور اسلام کی بقا کے لئے کام کرتے رہنا تھا اور خاموشی کے ساتھ

صبر وسکوت اختیار کرکے لوگوں کو ہدایت کرتے رہنا تھا۔ یہ ہادیان دین خدا کے منتخب کردہ یعنی مصطفےٰ ہوتے ہیں اور خدا کی طرف سے علم وہدایت حاصل کرتے ہیں اور مجتبےٰ ہوتے ہیں۔ اور ہر طرح کی لغزش سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور یہ اپنا فرض منصبی یعنی لوگوں کو ہدایت کرتے رہنا ادا کرتے رہتے ہیں چاہے لوگوں میں سے کوئی ان ہادیان دین کی اطاعت وپیروی کرے یا نہ کرے۔

نجات آخرت صرف خدا کے مقرر کردہ ہادیوں کی اطاعت میں ہے

خداوند تعالیٰ نے انسان کو آزاد خلق کیا ہے اور اسے کسی بھی دوسرے انسان کا غلام نہیں بنایا چونکہ خدا خالق ہے اس کو رزق عطا کرنے والا اور دوسری بے شمار نعمتوں سے نوازنے والا ہے لہذا اسکا حکم یہ ہے کہ انسان اس کے سوا نہ تو کسی اور کا محکوم بنے اور نہ ہی کسی اور کی عبادت کرے لہذا اس نے اپنے احکام کی بجا آوری کو اپنی عبادت قرار دیا ہے اور جو اس کی نافرمانی نہ کرے اس کو نجات آخرت کی ضمانت دی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا،

"یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی فمن اتقیٰ واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" الاعراف 35

اے آدمؑ کی اولاد (میں تمہارے پاس تمہیں میں سے اپنے پیغامبر بھیجا کرونگا) تو جب ہمارے بھیجے ہوئے رسول تمہارے پاس آئیں اور تم سے ہمارے احکام بیان کریں۔ (تو تم ان کی اطاعت کرنا کیونکہ) جو شخص نافرمانی کرنے سے بچا رہے گا اور نیک کام کریگا تو ایسے لوگوں پر نہ تو سزا کا اور آتش جہنم کا کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ اجر وثواب اور جنت سے محروم رہنے کی وجہ سے ملول وآزردہ خاطر ہونگا

بہرحال بہت سی آیات قرآنی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آخرت کی نجات کا دارومدار صرف اور صرف ہادیان دین کی اطاعت وپیروی میں منحصر ہے اور ہدایت صرف وہی ہے جو خدا کی طرف سے ہو اور اس کے مقرر کردہ ہادیوں کے ذریعہ سے ہو۔ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد جتنی بھی حکومتیں قائم ہوئیں ان میں سے کوئی بھی حکومت ایسی نہیں ہے کہ جسکا دعویٰ یہ ہو کہ وہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہادی ہیں، یہانتک کہ خلفائے راشدین میں سے خود حضرت علیؑ کی چوتھے نمبر کی حکومت بھی دنیاوی طور پر معرض وجود میں آئی تھی۔ اور انکی چوتھے نمبر پر حکومت کو تسلیم کرنے والوں نے انکو خدا کا مقرر کردہ ہادی وامام اور پیغمبر کا خدا کے حکم سے مقرر کردہ وصی وجانشین حقیقی کی حیثیت سے واجب الاطاعت اور واجب الاتباع ہونے کی بناپر نہیں مانا تھا۔ البتہ چند بزرگ اصحاب پیغمبرؐ ایسے بھی تھے جو حضرت علیؑ کو اپنا امام، ہادی خلق، وصی پیغمبرؐ اور آنحضرتؐ کا جانشین حقیقی مانتے ہوئے انکی اطاعت وپیروی کرتے رہے۔ چونکہ خداوند تعالیٰ نے انکو امام مقرر کیا تھا اور پیغمبرؐ نے بارہا انکے ہادی ہونے کا اعلان کیا تھا اور خود حضرت علیؑ کا دعویٰ تھا کہ مجھے خدا نے امام اور ہادی خلق مقرر کیا ہے لیکن تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ حضرت علیؑ کو صوبہ شام کے سارے مسلمان اور تمام بنی امیہ چوتھے نمبر پر بھی حاکم ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ وہ صوبہ شام جس میں شام، فلسطین اسرائیل، لبنان اور اردن پانچ ممالک شامل تھے، انہوں نے حضرت علیؑ کو چوتھے نمبر پر بھی اپنا خلیفہ اور حاکم نہ مانا، اور نہ صرف حاکم نہ مانا بلکہ برسرعام ان پر تبرا کیا، جنگ صفین میں ان سے لڑتے رہے۔ لیکن ان کے نہ ماننے کے باوجود حضرت علیؑ نے چار سال تک ممالک اسلامیہ پر حکومت کی اور تاریخ چوتھے نمبر پر انکے برسر اقتدار آنے کی نفی نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اگر پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث کے مطابق کہ اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ (یعنی پیروی کرنیوالے) ہی نجات پانے والے ہیں کچھ اصحاب پیغمبرؐ اصحاب ثلاثہ کی

حکومت کے دوران بھی امور دین میں حضرت علیؑ کی ہی اطاعت و پیروی کرتے رہے ہوں اور انہوں نے خلفائے ثلاثہ کی حکومت کو بطور ھادی کے جانشین پیغمبرؐ نہ مانا ہو۔ تو اس سے انکے حکمران ہونے میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا البتہ وہ کس طرح برسر اقتدار آئے اس پر بحث ہو سکتی ہے، لیکن ان کے برسر اقتدار آنے کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، بلکہ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ ایک دینی جماعت کے رہنما علی الاعلان یہ کہتے رہے کہ ہم عورت کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کرتے مگر عورت دو دفعہ ان پر حکمرانی کر گئی اور آج اسے۔ آرڈی برملا یہ کہ رہی ہے کہ جنرل پرویز مشرف نہ ہمیں وردی میں صدر منظور ہے نہ ہم انہیں بغیر وردی کے صدر ماننے کو تیار ہیں مگر جنرل پرویز مشرف صاحب پانچ سال سے بڑے حوصلے کے ساتھ حکومت چلا رہے ہیں۔

لیکن اگر عمر بن عبدالعزیز 100 ہجری میں حضرت علی کو حکماً چوتھا خلیفہ نہ منواتا تو علامہ محمد اشرف سیالوی کا چوتھا خلیفہ معاویہ ہی ہوتا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت امام حسنؑ کو پانچواں خلیفہ کوئی بھی نہیں مانتا حالانکہ تاریخ کم از کم چھ ماہ تک انکے خلیفہ اور مملکت اسلامی کے حکمران ہونے کو اپنے اوراق میں محفوظ رکھے ہوئے ہے۔

بہر حال اصحاب ثلاثہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد برسر اقتدار آئے ملک گیری کشور کشائی اور فتوحات ملکی میں نام پیدا کیا۔ لیکن انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہادی ہیں یا وہ خدا کی طرف سے نصب کردہ امام ہیں یا پیغمبر اکرمؐ نے انہیں بطور ہادی و امام اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے۔ البتہ حضرت علیؑ اور عترت پیغمبرؐ کے بارے میں بے شمار احادیث موجود ہیں۔ جن میں ان کے ہادی ہونے اور امام ہونے کی صراحت موجود ہے۔ خود یہ حدیث ثقلین جسے علامہ محمد اشرف سیالوی نے مسلمہ فریقین قرار دیا ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص ان سے تمسک رکھے گا اور انکی اطاعت و پیروی کریگا وہ گمراہ نہ

ہوگا بالفاظ دیگر وہ ہدایت پر رہے گا۔ اور جو گمراہ نہ ہو اور ہدایت پر رہے وہی تو نجات پائے گا

اور چونکہ ہدایت دینا صرف اور صرف خدا ہی کا کام ہے۔ اور وہ صرف اور صرف اپنے مقرر کردہ ہادیوں کے ذریعہ ہی اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے لہذا پیغمبرؐ کے بعد بھی نجات آخرت کے لئے صرف اور صرف خدا کے مقرر کردہ ہادیوں کی پیروی میں ہی نجات مضمر ہے، حکمرانوں کی اطاعت میں نہیں۔

ہادیان دین اور دنیاوی حکمرانوں کی اطاعت میں فرق

ہادیان دین کو اگر تمام انسانوں میں سے کوئی بھی نہ مانتے اور کوئی بھی انکی اطاعت و پیروی نہ کرے تو اس ہادی دین کے ہادی دین ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑیگا، اور انکی باتیں انکے اعمال اور اس کے اقوال اس کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی لائق ہدایت اور پیروی کے قابل ہوتے ہیں

خداوند تعالیٰ سورہ الانعام میں انبیاء سلف میں سے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ، حضرت لوطؑ کا نام بنام تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اور انکے آباؤ اجداد اور انکے اخوان و اولاد سے ہونے والے ہادیوں کے اجتبٰے کو مجمل طور پر بیان کر کے ارشاد فرماتا ہے: ''اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ''

(پ 7 ع 16 الانعام)

یعنی اے میرے حبیب یہ سارے انبیاء و رسل اور ہادیان دین جو تم سے پہلے گزرے ہیں ان سب کو ہم نے ہدایت کی تھی لہذا تم بھی انکی ہدیت کی پیروی کرو'' اس آیت

میں خود سرور کائنات، فخر موجودات، اشرف الانبیاء، اور افضل المرسلین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم بھی ان انبیاء و مرسلین اور ہادیان دین کی اقتدا کرو، پیروی کرو اور ان کے طریقے پر چلو۔ یہ شرف صرف اس کے مقرر کردہ ہادیان دین کو ہی حاصل ہے، کہ اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی انکا عمل اشرف الانبیاء تک کے لئے لائق پیروی اور لائق اقتدا ہے،

لیکن دنیاوی حکومت کے حکمران چاہے وہ قہر و غلبہ سے برسر اقتدار آئے ہوں یا کسی اور طریقہ سے برسر اقتدار آئے ہوں، جب تک وہ برسر اقتدار رہتے ہیں انکا سکہ جاری رہتا ہے۔ لیکن ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی حکومت بھی رخصت ہو جاتی ہے پھر انکا حکم نہیں چلتا اور نہ ہی ان کی پیروی کا آخرت کی نجات سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ آج بنی امیہ کے حکمران ہوں یا بنی عباس کے بادشاہ سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے فرمانروا ہوں یا دوسرے حکمران خواہ وہ سلجوقی ہوں یا خلجی، خواہ وہ غوری ہوں یا غزنوی، لودھی ہوں یا مغل آج وہ کسی پر اپنا حکم نہیں چلا سکتے اور ان میں سے کسی کا بھی کوئی قول و فعل نہ لائق اطاعت ہے نہ لائق پیروی۔

ہادیوں کا تقرر اور ہادیوں کا بھیجنا خدا ہی کے ذمہ ہے

جیسا کہ ہم سابق میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ ہدایت دینا صرف اور صرف خدا کا کام ہے، اور صرف اس کے ذمہ ہے۔ لہذا ہادیوں کا بھیجنا بھی اس کے ذمہ ہے اور اس نے یہ کام خود اپنے ذمہ رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا، "وربک یخلق مایشاء ویختار ما کان لهم الخیرة سبحان الله وتعالی عما یشرکون"

(پ20 ع10 القصص)

''اور تیرا رب ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے

(کار ہدایت انجام دینے کے لئے) انتخاب کر لیتا ہے ان (تمام انسانوں) میں سے کسی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے، اللہ کی ذات انکے اس شرک کرنے سے پاک و پاکیزہ اور بہت بلند و بالا ہے''۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں،

ف 7۔ یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے، اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔ جو اس کی مرضی ہو احکام بھیجے، جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز کرے۔ جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرما دے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو اور نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے مطابق دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنا دے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں ہے حافظ ابن قیم نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے فلیراجع۔

ف 8۔ یعنی تخلیق و تشریع اور اختیار مذکورہ میں حق تعالی کا کوئی شریک نہیں۔ لوگوں نے اپنی تجویز و انتخاب سے جو شرکاء بنا لئے ہیں سب باطل اور بے سند ہیں۔

تفسیر عثمانی ص 509

یہ تفسیر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی ہے لیکن سیالوی صاحب نے قرآن کے مطالب کو اپنے مطلب کے مطابق بدلنے کا تہیہ کر لیا ہوا ہے۔

کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد کسی ہادی کی ضرورت نہیں تھی؟

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "علم الکلام" میں واشگاف الفاظ ہیں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان فتوحات کے نتیجہ میں دوسری اقوام پر تو غالب آ گئے لیکن چونکہ ابھی دین کی باتوں سے اچھی طرح واقف اور آگاہ نہ ہوئے تھے لہذا یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں اور زرتشتیوں کے عقائد وافکار ونظریات سے مغلوب ہو گئے۔

علامہ شبلی نے یہ وہ حقیقت بیان کی ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا پیغمبرؐ کی قوم یعنی کفار قریش مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں ماسوائے چند افراد کے آنحضرتؐ کی ہدایت اور قرآن کی آیات سن کر ایمان نہ لائی تھی، بلکہ ان کی اکثریت فتح مکہ کے بعد صرف کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئی تھی۔ جس پر قرآن کریم کی آیت "اذا جاء نصر الله والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا" (نصر 1، 2) شاہد ہے یہ سب کے سب فوج در فوج اور غول کے غول پیغمبرؐ کی ہدایت سے متاثر ہو کر داخل اسلام نہیں ہوئے تھے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد جو لوگ ایمان لائے وہ کفار قریش کے حملوں کی وجہ سے اکثر جنگ میں مصروف رہے اور وہ بھی دین کے امور میں کما حقہ پختہ نہ ہوئے تھے لہذا خدا نے پیغمبرؐ کے بعد کے لئے ایسے بندوں کا انتخاب کیا اور انکو مصطفےٰ بنایا اور انکا ایسے کیا جو پیغمبرؐ کے بعد لوگوں کو دین کی طرف رہنمائی کر سکیں اور کار ہدایت انجام دے سکیں۔ اور اگر پیغمبرؐ کے بعد امت کے گمراہ ہونے کا خوف نہ ہوتا اور امت کو کسی ہدایت اور ہادی کی ضرورت نہ ہوتی تو آنحضرتؐ کو ہرگز ہرگز یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ میں دو گرانقدر چیزیں تمہارے درمیان

چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک خدا کی کتاب اور دوسری میری عترت اہل بیت اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔

پیغمبرؐ نے اپنے بعد کے لئے واضح الفاظ میں ہدایت کے دو سرچشموں کا ذکر کیا ہے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرے عترت پیغمبرؐ۔ جو ان دونوں سے تمسک رکھے گا وہ ہرگز گمراہ نہ ہو گا۔ دوسرے الفاظ میں جو ان دونوں سے ایک ساتھ تمسک نہ رکھے گا وہ حتما یقینا گمراہ ہو جائیگا۔

یقینا کتاب اللہ سے تمسک کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے بہترین مخمل کے غلاف میں لپیٹ کر رکھا جائے یا اس کا صرف واجبی احترام کیا جائے۔ یا اسے چوما یا چمکارا جائے، یا اسے صرف خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جائے تو گمراہ نہ ہو گا نہیں بلکہ اسکا واضح مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرو اور اسکی ہدایت پر چلو تو ہدایت پاؤ گے۔

اسی طرح عترت سے تمسک کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ سرسری طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ ہم بھی انکو مانتے ہیں یا ہم بھی انکا احترام کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ عترت کے ساتھ تمسک کا مطلب بھی یہ ہے کہ انکے احکام کی اطاعت کرو اور انکے اعمال وہدایات کی پیروی کرو۔

پس پیغمبرؐ کے بعد ان ہادیوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور چونکہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے اور نصف النہار میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح عیاں ہے کہ مسلمان زیادہ نہیں تو 73 فرقوں میں تو ضرور بٹ گئے ہیں اور چونکہ یہ سب ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور ایک دوسرے سے متضاد ہیں لہذا حتمی طور پر ان میں سے 72 ضرور گمراہ ہیں اور پیغمبرؐ کے ارشاد کے مطابق یہ حتمی نتیجہ ہے قرآن وعترت سے روگردانی کا اور ہدایت پر صرف وہی ہو گا جو ان دونوں کے احکام پر چلتا ہو۔ اور انکی ہدایت کی پیروی کرتا ہو

اگر پیغمبر کے بعد کسی ہادی کی ضرورت نہ ہوتی تو پیغمبر اکرمؐ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ اگر میرے بعد قرآن اور میری عترت دونوں سے تمسک کروگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور نہ ہی یہ فرماتے کہ:

"من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ"

(مسند امام احمد حنبل جلد 4 ص96)

"یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مرا"۔

یعنی پیغمبر اکرمؐ کے بعد امت کے گمراہ ہو جانے کا قطعی امکان تھا اور اس کے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ خدا اس بات کا انتظام کرے کہ جس سے امت کے لوگ گمراہ ہونے سے بچ جائیں اور وہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے اس ارشاد اور فرمان سے پورا ہو گیا۔ پس جس نے قرآن کے ساتھ عترت پیغمبر کی اطاعت نہ کی اور پیروی نہ کی وہ حتماً گمراہ ہو گیا۔ اور اگر خدا پیغمبر اکرمؐ کے بعد ہدایت کا انتظام نہ کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ خدا نے اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا، اور یہ بات غلط ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔

ہادیان دین کا طریقہ اور لوگوں کا طرز عمل

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ خداوند تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے تو انسانوں میں سے ہی انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء و رسل اور امام مقرر کرنے کے لئے پیدائشی طور پر ان میں ایسی قابلیت و صلاحیت و استعداد رکھتا ہے کہ وہ کار ہدایت انجام دینے کے لائق بن سکیں اس قابلیت و صلاحیت و استعداد کو ہی اس نے اصطفےٰ کے لفظ کے ساتھ موسوم کیا ہے جیسا کہ

ارشاد ہوا:

"ان اللہ اصطفےٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین"

پس حتماً خدا نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آل ابراہیمؑ کو اور آل عمرانؑ کو اس قابلیت و صلاحیت و استعداد کے ساتھ پیدا کیا تھا اور انہیں مصطفےٰ پیدا کیا تھا اور بہترین چیز جو چنی جاتی ہے، وہ چننے کے بعد بہترین نہیں ہوتی بلکہ وہ بہترین ہوتی ہے اس لئے چنی جاتی ہے لہذا اصطفےٰ کا معنی چننا کیا جاتا ہے۔ اور راغب اصفہانی کے مطابق اصطفےٰ پیدائشی ہوتا ہے

پھر خداوند تعالی نے اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو بچپن سے ہی تربیت کیا اور ضرورت کے لحاظ سے جتنے علم کی انہیں ضرورت تھی بذریعہ وحی اتنا علم انکو عطا کیا، اور بچپن سے وفات پانے تک انکی نگرانی کی انکی نگہبانی کی اور انہیں ہر قسم کی لغزش سے بچانے کے لئے نصیحت و ہدایت کرتا رہا۔ اس کو اس نے اجتبےٰ کا نام دیا اور انہیں ہر طرح سے معصوم رکھا، اور ان سے انکے منصب کا اعلان کرا کر اپنی طرف سے انکی تصدیق کا انتظام بھی کیا۔

اس طرح انبیاء و رسل اور ہادیان دین کو تو خود تعلیم دی، انکی تربیت کی اور دوسرے لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا، کہ وہ ان ہادیان دین اور انبیاء و رسل کی اطاعت و پیروی کریں جیسا کہ ارشاد ہوا: "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"

"ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ انکی خدا کے حکم سے اطاعت کی جائے"

اور ان انبیاء و رسل کی اطاعت کو خود اپنی اطاعت قرار دیا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

"ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" "یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقینی طور پر خدا ہی کی اطاعت کی ہے"

اور جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ خداوند تعالی نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور اسے کسی بھی دوسرے انسان کا محکوم نہیں بنایا اور انسانوں پر اپنی اطاعت کے

سوا اور کسی کی اطاعت فرض نہیں کی ہے۔ کیونکہ صرف وہی حاکم حقیقی ہے وہی خالق ہے، وہی
رازق ہے وہی مالک ہے۔ لہذا انسان پر اور کوئی بھی دوسرا انسان حکومت کرنے کا حق نہیں
رکھتا۔ اگر چہ انسان بکتے بھی رہے ہیں۔ غلام بھی بنائے جاتے رہے ہیں، اور قہر وغلبہ کے
ذریعے محکوم بھی بنائے جاتے رہے ہیں لیکن قرآن کی نظر میں یہ جبر ہے انسانوں پر، اور یہ
استکبار ہے مستضعفین پر، لیکن ہادیان دین کی اطاعت و پیروی خود اس حاکم حقیقی کے حکم سے
ہے اور صرف اور صرف اس لئے فرض کی گئی ہے کیونکہ انسان خود صرف انکی اطاعت اور
پیروی کے ذریعے ہی خدا کی ہدایت سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا کہ،

"ان تطیعوہ تھتدوا" "یعنی اگر تم انکی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے"

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا و اتبعوہ لعلکم تھتدون"

"اور تم اس (پیغمبر) کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ" پس انبیاء و رسل اور ہادیان دین
کی اطاعت کا حکم اس لئے ہے کہ اس طرح انسان خدا کی ہدایت سے بہرہ اندوز ہو سکتا
ہے۔ کیونکہ انکی اطاعت خدا کی اطاعت ہے لہذا انسانوں کے لئے خدا کی طرف سے
صرف ہادیان دین ہی اطاعت و اتباع کے مستحق اور حقدار ہیں، اور وہی حکومت الہیہ کے
اصلی نمائندے ہیں، تعجب کی بات یہ ہے کہ اہل اسلام کا وہ سواد اعظم جو پیغمبر کی ان باتوں
میں جنہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں پیغمبر نے نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے نہیں کہیں
بلکہ بشر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں، مخالفت کرنا جائز سمجھتا ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کی
اطاعت پر کس بنا پر زور دیتا ہے جو نہ نبی ہیں نہ رسول ہیں نہ انہوں نے خدا اور رسول کی طرف
سے مقرر کردہ امام و ہادی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ البتہ چونکہ دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے
، بلکہ ہدایت و گمراہی کھول کر بیان کردی گئی ہے۔ لہذا ہدایت کے حصول کے لئے جس کا دل
چاہے وہ ہادیوں کی اطاعت و پیروی کرے اور جس کا دل چاہے وہ گمراہی میں پڑا رہے، اسی

وجہ سے انسانوں کی اکثریت نے انبیاء و رسل کی اطاعت سے رخ پھیرے رکھا اور انہوں
نے ہمیشہ ہی ہادیان دین سے سرکشی کی ہے اور ہادیان دین کے مقابلے میں وہ ہر زمانے میں
لوگ مختلف طریقوں سے برسر اقتدار آتے رہے اور لوگوں پر حکم چلاتے رہے ہیں۔ اور اکثر
انبیاء و رسل اور ہادیان دین اپنے چند گنے چنے ماننے والوں کے ساتھ گوشہ نشینی کی زندگی بسر
کرتے رہے اور اپنے زمانے کے خود سے برسر اقتدار آنے والے حاکموں کے قہر و غضب کا
نشانہ بنتے رہے۔

انبیاء و رسل خدا کے مقرر کردہ ہادی بھی تھے اور حاکم بھی

خداوند تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ انسانوں میں سے ہی
کچھ انسانوں کو اس نے پیدائشی طور پر ایسی قابلیت و صلاحیت و استعداد کے ساتھ پیدا کیا تھا
کہ وہ ان کو ہادی بنانے کے لئے تعلیم دے کر اور انکو بذریعہ وحی تربیت کر کے انہیں منصب
نبوت و رسالت و امامت پر فائز کر سکے اسی لئے اس نے فرمایا ہے کہ،

"اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنا رسول کسے بنانا ہے"

چنانچہ اسی پیدائشی صلاحیت و قابلیت و استعداد کو اس نے قرآن میں لفظ اصطفےٰ
کے ساتھ بیان کیا ہے اور اپنے ان مصطفےٰ بندوں کی ہمہ وقت نگرانی و نگہداشت و تعلیم و تربیت
کو اس نے لفظ اجتبےٰ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پس خدا نے اپنے ان مصطفےٰ و مجتبےٰ بندوں کو تو خود ہدایت دی اور باقی انسانوں کی
ہدایت کے لئے ان ہادیان دین کی اطاعت و اتباع کو ذریعہ قرار دیا لہذا تمام انبیاء و رسل خدا
کی طرف سے مقرر کردہ ہادی بھی تھے اور اسکا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اس کی طرف

سے انکی مخلوق پر انکے مقرر کردہ واجب الاطاعت حاکم بھی تھے۔اور فی الحقیقت ان انبیاء و رسل اور ہادیان دین کی اطاعت کرنے کے سوا انسانوں پر اور کسی اور انسان کی اطاعت خدا نے فرض نہیں کی ہے۔اور نہ ہی کسی اور انسان کی اطاعت کا جوا دوسرے انسانوں کے کاندھے پر لادا گیا ہے، چاہے وہ حکومت کے حصول کے معروف طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے برسر اقتدار آیا ہو لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آدم سے لے کر خاتم الانبیاء تک سوائے چند انبیاء کے اور کسی کو اقتدار ظاہری حاصل نہیں ہوا۔اور وہ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمان اور حضرت یوسف وغیرہ ہیں۔

خود پیغمبر گرامی اسلامؐ 13 سال تک مکہ کی زندگی میں جابرہ قریش کے مغلوب ومقہور رہی رہے اور ان پر ایمان لانے والے بھی ان کے ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہے۔لیکن مدینہ ہجرت کرنے کے بعد جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق، جنگ خیبر، فتح مکہ اور جنگ حنین کی فتوحات اور کامیابیوں کے نتیجہ میں آنحضرت کو ظاہری اقتدار بھی حاصل ہو گیا تھا۔لیکن اگر مدینہ آکر یہ ظاہری اقتدار آنحضرت کو حاصل نہ بھی ہوا ہوتا تب بھی خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہادی و رہنما اور واجب الاطاعت حاکم و فرمانروا آپ ہی تھے۔

لہذا آپ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہادی و رہنما بھی تھے اور معلم روحانی و مزکی نفوس اور متمم اخلاق ہونے کے علاوہ خدا کے مقرر کردہ تمام مسلمانوں کے لئے حاکم و فرمانروا بھی تھے۔اسی وجہ سے قرآن کریم میں بار بار پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت و اتباع کی تکرار آئی ہے اور پیغمبرؐ کی اطاعت کا مقصد ہادی دین اور معلم روحانی ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو ہدایت سے فیض یاب کرنا تھا۔

پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد امامت جاری ہے

قرآن یہ کہتا ہے کہ نبوت و رسالت کی طرح امامت بھی ہادیان دین کا ایک منصب ہے جسکا تقرر نبوت و رسالت کی طرح خدا ہی کرتا ہے اور اسپر سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 124 گواہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد عطا ہونے کی حکایت کرتی ہے، اور امامت کے لئے انکی اپنی ذریت کے لئے دعا اس بات کی گواہ ہے کہ انکی ذریت میں بھی امام ہونگے، اور سورۃ انبیاء کی آیت نمبر 72.73 اس بات کی گواہ ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں انبیاء ورسل امامت پر بھی فائز ہوئے۔

اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد امامت جاری رہنے پر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74.75 گواہ ہیں جس میں اسطرح سے ارشاد ہوا ہے،

"الذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما اولئک یجزون الغرفۃ بماصبروا ویلقون فیھاتحیۃ وسلاما" (الفرقان74.75)

"اور وہ ہمارے خاص بندے جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر، اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام و پیشوا بنا دے۔یہی ہیں وہ ہستیاں جنکو ان کے صبر و استقامت کی وجہ سے جنت میں بالاخانے یا اونچا مقام عطا کیا جائے گا اور اس میں ہر طرف سے انکو مبارکبادیاں دی جائینگی اور انکو سلام پیش کیا جائیگا۔"

ان آیتوں میں خداوند تعالیٰ نے واضح طور پر کہا ہے کہ امت محمدؐ میں ایک خاص بندہ ایسا ہے اس نے خود اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے متقین کا امام بنائے جانے کی دعا کی ہے۔

اور خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے مخلص بندوں کی جتنی دعاؤں کا ذکر کیا ہے انکے ذکر کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ ہم نے انکی دعا کو قبول کر لیا ہے، اور یہ ایک انداز ہے خدا کے بیان کرنے کا جس میں اس نے اپنے ایک خاص بندے کی دعا کا ذکر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد امام و ہادی خلق ہونگے اور یہ دعا کرنے والا بندہ امام المتقین کے لقب سے ملقب ہوگا اور اسکی ذریت میں بھی امام ہوں گے۔

قرآن کریم میں سورۃ السجدہ کی آیات اور بھی واضح طور پر اس بات کی گواہ ہیں کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد خدا کے مقرر کردہ ہادی و امام امت کی ہدایت کے لئے موجود رہنگے جیسا کہ ارشاد ہوا۔ ''**ولقد آتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ وجعلنہ ھدیً لبنی اسرائیل وجعلنا منھم آئمۃ یھدون بامرنا لما صبروا و کانوا بایتنا یوقنون**'' (السجدہ۔23.24)

''یعنی اے رسول یقیناً ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب (توریت) عطا کی تھی، پس تم بھی اس (کتاب یعنی قرآن) کے ملنے کی طرف سے کسی قسم کے شک میں نہ رہو، اور ہم نے اس (توریت) کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت قرار دیا تھا (اور ہم تمہاری اس کتاب کو تمہاری امت کے لئے کتاب ہدایت بنائینگے) اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں سے کچھ لوگوں کو انکے صبر و استقامت کی وجہ سے امام مقرر کیا تھا، جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے، (لہذا تم بھی) اس بات میں کوئی شک نہ کرو کہ ہم تمہاری امت میں سے بھی ایسے امام مقرر کرینگے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرینگے''۔

اگر ان آیات میں غیر جانبداری کے ساتھ غور کیا جائے تو اچھی طرح سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آیات بھی پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد امامت کے جاری رہنے اور پیغمبر اکرمؐ

کے بعد اماموں کے خدا کی طرف سے تقرر اور آنے کی بشارت دے رہی ہیں۔

ان آیات پر غور کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ حضرت موسیٰ اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بہت سے حالات بہت ہی مشابہ اور بہت ہی ملتے جلتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے انکے مبعوث ہونے کو، اور انکے بہت سے واقعات کی وجہ سے سورۃ المزمل کی آیت نمبر 15.16 میں واضح طور پر انکو حضرت موسیٰ کے مشابہ قرار دیا ہے، اسی طرح سورۃ السجدہ کی مذکورہ آیات 23.24 میں حضرت موسیٰ اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کی چند مشابہتوں کو بیان کیا ہے اور شیعہ سنی مفسرین نے اس مشابہت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثلاً اہل سنت کے مفسر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس مشابہت کا بیان اسطرح کیا ہے کہ: ''جابر بن سمرہ کی ایک حدیث میں نبی کریمؐ سے اس امت کے متعلق جو بارہ خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی ان کا عدد بھی نقباء بنی اسرائیل کے موافق ہے۔ اور مفسرین نے توریت سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسماعیل سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری ذریت میں سے بارہ سردار پیدا کرونگا۔ غالباً یہ وہی بارہ ہیں جنکا ذکر جابر بن سمرہ کی روایت میں ہے''

(تفسیر عثمانی ف 5 ص 150)

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی اس تفسیر عثمانی میں جابر بن سمرہ کی بیان کردہ جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اسے امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں اس طرح نقل کیا ہے ''**عن جابر بن سمرہ قال سمعت النبی یقول یکون لھذا الامۃ اثنا عشرہ خلیفۃ**'' (مسند امام احمد حنبل جزو نمبر 5 ص 106)

''یعنی جابر ابن سمرہ کہتے ہیں کہ اس نے جناب رسول خدا کو کہتے ہوا سنا کہ اس امت میں بارہ خلیفہ ہونگے''۔

اور اہل سنت کے ایک اور معروف عالم و مفسر علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف

میں سورۃ السجدہ کی مذکورہ آیت نمبر 23.24 کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے۔

"وکذالک لیجعلن الکتاب المنزل الیک هدی ونوراً ولنجعلن من امتک آئمة یهدون مثل تلک الهدایة" (تفسیر کشاف تفسیر سورہ السجدہ آیت نمبر 23.24)

"یعنی ہم نے جس طرح موسیٰؑ کی کتاب توریت کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا اسی طرح ضرور ضرور تیری طرف نازل کی گئی کتاب (قرآن کو بھی) کتاب ہدایت بنائینگے اور جس طرح بنی اسرائیل میں ایسے امام مقرر کئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اسی طرح تیری امت میں بھی ضرور بہ ضرور ایسے امام مقام کرینگے جو بالکل اسی طرح ہمارے حکم سے ہدایت کرینگے"۔

مذکورہ بیانات تو اہل سنت کی تفاسیر سے نقل کئے گئے ہیں، اس مقام پر نمونہ کے طور پر اہل تشیع کی تفسیر سے بھی مذکورہ آیات سجدہ نمبر 23.24 کی تفسیر نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ شیعہ مفسر قرآن علامہ عمار علی صاحب اپنی تفسیر عمدۃ البیان میں لکھتے ہیں۔

"یہ اشارہ ہے اس امر پر کہ اے محمدؐ تیری امت میں بھی ہم امام مقرر کرینگے"

"یعنی جیسے کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی ایسے ہی تجھ کو دی ہے ہدایت کرنے والی واسطے خلقت کے اور جیسے کہ اس کی امت کے امام تھے کہ ہدایت کرتے تھے، ایسے ہی تیری امت میں امام مقرر کرینگے کہ وہ ہدایت کریں لوگوں کو طرف حق کے اور موسیٰ کی امت میں بارہ تھے، امت خاتم النبیینؐ میں بھی بارہ ہوے اور مثل آئمہ بنی اسرائیل انہوں نے صبر کیا امت کی ایذاؤں پر اور خدا کی اطاعت پر اور لوگوں کو ہدایت کی"

(تفسیر عمدۃ البیان جلد 3 ص 34)

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر پیغمبرؐ کے بعد ہدایت کے لئے امامت

کا سلسلہ جاری نہ رہتا تو پیغمبر اکرمؐ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ

"من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة الجاهلیة"

(مسند امام احمد حنبل الجزاء الرابع ص 96)

"یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

پس قرآن و حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد امت کو گمراہی سے بچانے کے لئے خدا کے مقرر کردہ ہادی و امام و پیشوا امت کی ہدایت کے لئے موجود رہے ہیں، اور حدیث ثقلین بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے، جیسے علامہ محمد اشرف سیالوی نے خود اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے کلمۃ التقدیم میں ص 13 پر مسلمہ فریقین صحیح حدیث کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔

پیغمبرؐ کے بارہ جانشینوں کی پیشین گوئی

پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث کہ میرے بعد بارہ جانشین یا بارہ خلیفہ یا بارہ امام ہونگے صحاح ستہ اور اہل سنت کی تمام مستند و معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ اور اس حدیث کی صحت میں مسلمانوں میں سے کسی بھی صاحب علم کو اختلاف نہیں ہے اور پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث اتنی معروف اتنی مشہور اور اتنی صحیح اور مستند ہے کہ مولانا شبلی جیسے محقق و نقاد نے اپنی کتاب "سیرۃ النبی" جلد سوم میں جس میں انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کی اکثر احادیث و روایات پر جرح کی ہے اور ہر وہ حدیث جس پر انگلی رکھنے کی انہیں ذرا سی بھی گنجائش ملی ہے تنقید و جرح اور قدح کی ہے مگر اس حدیث کو انہوں نے صحیح قرار دے کر پیغمبر اکرمؐ کی پیشین گوئیوں میں تحریر فرمایا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی کتاب "سیرۃ النبی" جلد 3 میں ایک باب ہی پیغمبر

اکرم کی پیشین گوئیوں سے متعلق تحریر فرمایا ہے، اس باب میں "بارہ خلفاء کی پیشین گوئی" کے عنوان کے تحت صحیح مسلم اور ابی داؤد سے مختلف احادیث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ "ابن حجر ابوداؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر امت کا اجماع ہے

1۔ حضرت ابوبکرؓ
2۔ حضرت عمرؓ
3۔ حضرت عثمانؓ
4۔ حضرت علیؓ
5۔ امیر معاویہ
6۔ یزید
7۔ عبدالملک
8۔ ولید
9۔ سلیمان
10۔ عمر بن عبدالعزیز
11۔ یزید ثانی
12۔ ہشام

اس کے بعد مولانا شبلی طنز کے طور پر لکھتے ہیں کہ

"شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کر دیگا"

(سیرۃ النبی شبلی جلد 3 ص 603.604)

ہم نے اختصار کے پیش نظر ان تمام احادیث کو یہاں پر نقل نہیں کیا مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں ہماری کتابیں "ولایت قرآن کی نظر میں، خلافت قرآن کی نظر میں اور امامت قرآن کی نظر میں"۔

اہل سنت کے معروف عالم شیخ سلیمان قندوزی بلخی حنفی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں اپنی مستند کتابوں سے بہت سی احادیث نقل کی ہیں، ہم نمونہ کے طور پر اس کے اردو ترجمہ سے صرف تین احادیث یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1۔ سلیم بن قیس ہلالی سلیمان فارسیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کی

خدمت میں حاضر ہوا، امام حسینؑ آپکے زانو مبارک پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت آپ کی دونوں آنکھوں اور منہ پر بوسہ دے رہے تھے اور فرماتے تھے

"تو سردار ہے، تو سردار کا فرزند ہے، تو امام ہے، تو امام کا فرزند ہے، تو حجت ہے، تو حجت کا بیٹا ہے، تو نو حجج کا باپ ہے، ان کا نواں مہدی (عجل اللہ فرجہ) ہوگا"۔

(اردو ترجمہ ینابیع المودہ ص 416 حدیث نمبر 5)

نمبر 2۔ اور دوسری حدیث عبایہ سے اس طرح منقول ہے، عبایہ ابن ربعیؓ نے کہا رسول اللہؐ نے فرمایا، "میں انبیاء کا سردار ہوں اور علی اوصیاء کے سردار ہیں اور اوصیاء بارہ ہونگے ان میں پہلا علی ہوگا اور آخری قائم مھدی (عجل اللہ فرجہ) ہوگا"۔

نمبر 3۔ اور تیسری حدیث میں جو عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے اس طرح آیا ہے کہ اصبغ بن نباتہ عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ!

"میں خود، علی، حسنؑ، حسینؑ اور حسینؑ کے نو فرزند پاک اور معصوم ہیں"۔

(اردو ترجمہ ینابیع المودہ ص 416 جلد نمبر 6)

یہ تمام احادیث اس حدیث ثقلین کی توضیح و تفسیر و تشریح ہیں جسے علامہ محمد اشرف بابائی نے کلمۃ التقدیم کے عنوان کے تحت ص 13 پر مسلمہ فریقین کی حیثیت سے نقل کیا ہے جن کا دامن تھامنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا، اور اس حدیث میں پیغمبر اکرمؐ نے معصوم اوصیاء میں ان بارہ کے ساتھ خود کو بھی شامل کیا ہے، تا کہ معلوم ہو جائے کہ جیسا میں پاک و پاکیزہ و طاہر و مطہر و معصوم ہوں ایسے ہی وہ بارہ کے بارہ پاک و معصوم طاہر و مطہر ہیں اور آیہ تطہیر کی اس حدیث کی تصدیق کرنے کے لئے کافی ہے جو بالاتفاق اہل بیت یعنی پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے اور انکی عصمت و طہارت کی گواہ ہے، اور ان پاک

معصوم بارہ اماموں کے نام حسب ذیل ہیں۔

نمبر 1۔ حضرت امام علی علیہ السلام — نمبر 2 حضرت امام حسن علیہ السلام

نمبر 3۔ حضرت امام حسین علیہ السلام — نمبر 4۔ حضرت امام زین العابدینؑ

نمبر 5۔ حضرت امام محمد باقرؑ — نمبر 6۔ حضرت امام جعفر صادقؑ

نمبر 7۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ — نمبر 8۔ حضرت امام علی رضاؑ

نمبر 9۔ حضرت امام محمد تقیؑ — نمبر 10۔ حضرت امام علی نقیؑ

نمبر 11۔ حضرت امام حسن عسکریؑ — نمبر 12۔ حضرت امام مہدی ہادیؑ

یہ ہیں وہ بارہ امام جو پیغمبرؐ کی حدیث کے مطابق بارہ ہی ہوئے نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔ اور خلافت کے کسی سلسلہ میں یہ پیشن گوئی پوری نہیں ہوتی۔

انبیاء و رسل اور ہادیان دین کی ایک پہچان

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہدایت کرنا صرف اور صرف خدا کے ذمہ ہے لہذا وہی انسانوں کی ہدایت کے لئے ہادیان دین کا تقرر کرتا ہے۔ تو ضروری ہوا کہ انبیاء و رسل اور ہادیان دین اس بات کا اعلان کریں کہ وہ خدا کے مقرر کردہ ہادی ہیں، خدا نے مجھے نبی بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے، یا خدا نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، یا خدا نے مجھے تمہارا ہادی اور امام مقرر کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس قسم کا کوئی دعویٰ ہی نہ کرے تو اسے نبی یا رسول یا خدا کا مقرر کردہ امام و ہادی ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہذا ہر نبی و رسول و امام کے لئے علی الاعلان دعویٰ کرنا لازمی و ضروری ہے، بصورت دیگر کسی بھی انسان پر یہ تکلیف ہی عائد نہیں ہوتی، کہ وہ کس کو نبی یا رسول یا خدا کا مقرر کردہ ہادی و امام مانے۔

اسی لئے جتنے بھی نبی یا رسول یا امام خدا کی طرف سے آئے، نہ صرف انہوں نے

یہ دعویٰ کیا کہ انہیں خدا نے نبی بنایا ہے یا رسول بنایا ہے یا امام بنایا ہے بلکہ جنہوں نے جھوٹا دعوائے نبوت کیا یا جھوٹا دعوائے رسالت کیا یا جھوٹا دعوائے امامت کیا، انہوں نے بھی دعویٰ یہی کیا ہے کہ خدا نے انہیں نبی بنایا ہے یا وہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں یا وہ خدا کے مقرر کردہ امام ہیں۔

بلال زبیری نے 250 سے زیادہ ایسے لوگوں کی فہرست دی ہے جنہوں نے جھوٹا دعوائے نبوت و امامت کیا مگر چونکہ نبی و رسول و امام کا تقرر خدا کا کام ہے لہذا انہوں نے بھی دعویٰ یہی کیا کہ انہیں خدا نے نبی یا رسول یا امام بنایا ہے، پس دعویٰ کی صورت میں اس بات کی تو تصدیق ضروری ہے کہ اسکا دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا ہے لیکن اگر کسی کا اس قسم کا دعویٰ ہی نہ ہو اور اس نے یہ دعویٰ ہی نہ کیا ہو کہ اسے خدا نے نبی یا رسول یا امام و ہادی مقرر کیا ہے تو اسے نبی یا رسول یا امام ماننے کی کیا ضرورت ہے۔؟

ہند و پاکستان کے مسلمان خوب اچھی طرح جانتے ہیں کی یہاں ایک شخص نے جسکا نام مرزا غلام احمد قادیانی تھا یہ دعویٰ کیا کہ وہ نبی ہے، وہ عیسیٰ ہے وہ امام مہدی ہے۔ خدا نے اسے وحی کے ذریعے اس بات کے لئے مقرر کیا ہے، اور ہند و پاکستان میں اسکو ماننے والے لاکھوں کی تعداد میں ہیں، لیکن سارے مسلمان بلا امتیاز اسے جھوٹا سمجھتے ہیں، مگر جنہوں نے انہیں سچا سمجھ کر مانا ہے

پیغمبر اکرمؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والے اصحاب پیغمبرؐ میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ انہیں خدا نے یا اس کے رسول نے امام یا ہادی خلق مقرر کیا ہے اور جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے سقیفہ بنی ساعدہ کے سیاسی معرکہ میں ساری بحث اقتدار کے حصول کی تھی، وہاں ملک محمدؐ کا ذکر ہوا سلطان محمدؐ کا ذکر ہوا امارۃ محمدؐ کا ذکر ہوا لیکن پیغمبرؐ کے بعد ہدایت اور علوم الٰہیہ میں ماہر ہونے کا دعویٰ کسی نے بھی نہیں کیا۔

البتہ آئمہ اثنا عشر کے بارے میں قرآن اور احادیث کی کتابیں چھلک رہی ہیں کہ خدا نے انہیں امام مقرر کیا، پیغمبرؐ نے ان کی امامت کا اور اپنے بعد ہادی خلق ہونے کی حیثیت سے پیغمبرؐ کے بعد ہدایت کرنے کا اعلان کیا اور انہوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ پیغمبرؐ نے انہیں خدا کے حکم سے امام اور ہادی خلق مقرر کیا ہے اگر چہ ہمیں اس کے لئے کوئی ثبوت دینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ خود علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب ''تحفہ حسینیہ'' کے عنوان کلمۃ التقدیم میں ص 13 پر حدیث ثقلین کو مسلمہ فریقین تسلیم کیا ہے اور یہ پیغمبرؐ کی طرف سے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے پیغمبرؐ کے بعد ہادی ہونے کا ہی اعلان ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے واضح الفاظ میں غدیر خم میں بھی انکے امام اور ہادی ہونے کا ہی اعلان فرمایا تھا جسکا ایک ثبوت عرب کے مشہور شاعر مداح رسول حسان بن ثابت کا وہ قصیدہ ہے جو اس نے اعلان غدیر کے بعد غدیر خم کے مقام پر تمام اصحاب کے سامنے آنحضرتؐ کے روبرو آنحضرتؐ کی اجازت سے انشاء کر کے پڑھا تھا اس کے دو شعر اس طرح ہیں:

فقال له قم یا علی فاننی رضیتک من بعدی اماما و هادیا

فمن کنت مولاه فهذا ولیه فکونوا له اتباع صدق موالیا

حسان بن ثابت کے اس قصیدے کو اہل سنت کے بہت سے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ان میں حافظ ابونعیم اصفہانی، حافظ ابوسعید سجستانی، خوارزمی مالکی، حافظ ابو عبداللہ مرزبانی، گنجی شافعی، جلال الدین سیوطی، سبط ابن جوزی اور صدر الدین حموی وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

حسان بن ثابت کے مذکورہ اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ:

''پس پاک پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اے علیؑ کھڑے ہو جاؤ کیونکہ میں نے تمہیں اپنے بعد کے لئے امام اور ہادی منتخب کیا ہے''

اس کے بعد فرمایا۔ جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ اسکا مولا و آقا اور ولی و سرپرست ہے پس تم سچے دل کے ساتھ اسکی پیروی کرنا۔

ہر چند کے اہل سنت کے اکثر علماء مولا کے معنی بھی دوست کرتے ہیں اور ولی کے معنی بھی دوست ہی کرتے ہیں حتیٰ آیت انما ولیکم میں واقع ولیکم کا معنی بھی دوست ہی کرتے ہیں اور کہ ترمذی میں بیان کردہ حدیث ''هو ولی کل مومن و مومنة من بعدی''۔ یعنی وہ میرے بعد ہر مومن و مومنہ کا ولی ہے کا ترجمہ بھی دوست ہی کرتے ہیں حالانکہ حضرت علی تو پیغمبر کی زندگی میں بھی ہر مومن کے دوست تھے اور ان سے بغض صرف منافق ہی رکھتے تھے، یہ ''من بعدی'' ولی کے معنی کا صحیح صحیح تعین کرتا ہے، یعنی علی میرے بعد ہر مومن کا ولی و سرپرست و حاکم و فرمانروا ہے اور جیسا کہ ہر نبی و رسول و امام واجب الاطاعت ہوتا ہے اسی طرح وہ واجب الاطاعت ہے اور عرب کے اس معروف و عظیم شاعر کا اپنے شعر میں مولا کے لفظ کے بعد فهذا ولیه کہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو امام و ہادی کی حیثیت سے امت کا ولی و سرپرست و حاکم و فرمانروا ہونے کا اعلان کیا تھا۔ چونکہ حدیث شریف ''هو ولی کل مومن من بعدی'' میں واقع لفظ ولی کے بعد من بعدی کا لفظ ولی کے معنی کسی طرح بھی دوست نہیں ہونے دیتا لہذا صاحب مشکواۃ نے اس حدیث سے لفظ من بعدی ہی اڑا دیا، اور انکی چوری اس طرح پکڑی گئی کہ انہوں نے مشکواۃ میں اس حدیث کے بعد واضح الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ ''رواه ترمذی'' یعنی یہ حدیث ترمذی سے نقل کی ہے اور ترمذی میں من بعدی کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت ہے چونکہ من بعدی کے الفاظ کی موجودگی میں لفظ ولی کا ترجمہ دوست ہو ہی نہیں سکتا بلکہ صریحاً سرپرست و حاکم ہوتا ہے اور صاحب مشکواۃ نہیں چاہتے تھے کہ انکے ہم مشربوں کے خلاف کوئی بات اور انکے مذہب کو باطل کرتی ہو لہذا حدیث میں تحریف کر کے من بعدی اڑا

دیا۔

جہاں تک حضرت علیؑ کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنے علم کا، اپنے امام ہونے کا، اپنے ہادی خلق ہونے کا برملا اعلان کیا ہے اور کھلم کھلا دعویٰ کیا ہے جسکا کوئی انکار نہیں کر سکتا نمونے کے طور پر انکا ایک شعر ملاحظہ فرماتے ہیں،

کذاک اقامنی لھم اماماً　　　　واخبرھم بہ بغدیر خم

یعنی پیغمبر اکرمؐ نے اسی طرح جس طرح موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنایا تھا مجھے تمام لوگوں کے لئے امام مقرر کیا تھا اور آنحضرتؐ نے اس کے بارے میں انکو غدیر خم کے اعلان کے ذریعے سے خبر دیدی تھی۔ پس حضرت علیؑ نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے تو تمام کا تمام حق ہی امام ہو گیا ہے۔ اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفۂ حسینیہ میں اپنے ممدوحین کے بارے میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ان کے ممدوحین بہت اچھے تھے امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اقوال ان کی مدح میں نقل کئے ہیں گویا انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث ثقلین کے مصداق ہیں اور امام ہیں اور چونکہ ان اماموں نے انکے ممدوحین کی تعریف کی ہے لہذا انکا مذہب سچا ہے۔ اب ہم اس بارے میں کوئی بحث نہیں کریں گے کہ انہوں نے انکی تعریف کی ہے یا نہیں۔ ہم آگے چل کر خود انکی وہ تعریف کرینگے جسکے وہ اہل تھے۔ لیکن نہ انکے ممدوحین نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ وہ خدا کے مقرر کردہ ہادی و امام ہیں نہ مذکورہ آئمہ کے انکی تعریف کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ممدوحین کی امامت اور خدا کے مقرر کردہ ہادی ہونا ثابت ہو گیا البتہ تحفۂ حسینیہ میں حدیث ثقلین کو تسلیم کرنے اور اہل بیت کے مذکورہ اماموں کو امام لکھنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے نزدیک مذکورہ حدیث کے یہ حضرات ہی مصداق ہیں اور ہادی ہونے کی حیثیت سے بھی امام ہیں۔ لیکن علامہ محمد اشرف

سیالوی صاحب انکی کسی بات میں پیروی اور اطاعت نہیں کرتے، اطاعت وہ دوسروں کی کرتے ہیں، اور اپنا سچا ہونا صرف اس بات میں سمجھتے ہیں کہ ان اماموں نے ان کی تعریف کی ہے لہذا انکی تعریف کرنے کی وجہ سے اطاعت وہ انکی کرینگے، اور ان اماموں سے صرف اتنا ہی مطلب پورا کرینگے، البتہ ہم ان آئمہ اطہار کو صرف اس لئے امام مانتے ہیں اور واجب الاطاعت جانتے ہیں کہ خدا نے ان کو امام مقرر کیا، پیغمبر اکرمؐ نے انکی امامت کا اعلان کیا، انہوں نے خود اپنے امام ہونے کا اعلان کیا اور ان سے علوم الٰہیہ اور ہدایت کے چشمے پھوٹے، لہذا ہدایت کے حصول، صراط مستقیم پر چلنے اور آخرت کی نجات کے لئے ہم صرف اور صرف ان کی اطاعت و پیروی کرتے ہیں، اور انکے سوا کسی کو اطاعت و پیروی کے لائق نہیں سمجھتے اس جرم کی پاداش میں محمد اشرف سیالوی صاحب اور انکے ہم مشرب چاہے ہم کو برا سمجھیں یا جو نام چاہیں دیں یہ ہمارا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اپنی امت کے سامنے حضرت علیؑ کی ہادیانہ حیثیت کو کامل طور پر پہچنوا دیا تھا۔

حضرت علیؑ کی امامت وخلافت ووصایت اور پیغمبرؐ کے بعد ان کی ہادیانہ حیثیت کو بیان کرنے والی احادیث فریقین یعنی اہلسنت والجماعت اور اہل تشیع کے یہاں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے بیان کرنے کے لئے ایک علیحدہ ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم نمونے کے طور پر اس عنوان کے تحت صرف اہل سنت والجماعت کے یہاں بیان کردہ اس موضوع کی چند احادیث ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا؛

"اوحی الی ثلاث انه سید المرسلین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین."

"مجھے علیؑ کے بارے میں تین باتوں کی وحی کی گئی ہے کہ علیؑ مسلمانوں کے سردار ہیں، متقین کے امام ہیں اور روشن پیشانی والے نمازیوں کے قائد ہیں"۔

اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک جلد 3 صفحہ 138 پر نقل کیا ہے اور علامہ متقی نے کنز العمال میں جلد 6 صفحہ 151 حدیث نمبر 2628 میں لکھا ہے،

اس حدیث کی اہم بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کی خدا نے مجھے وحی کی ہے،

نمبر 2۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا؛

"علی باب علمی و مبین من بعدی لامتی ما ارسلت به حبه ایمان و بغضه نفاق" (کنز العمال جلد 6 ص 156)

"یعنی علیؑ میرے علم کا دروازہ ہیں اور میں جن باتوں کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔ میرے بعد یہی ان باتوں کو میری امت سے بیان کرینگے انکی محبت ایمان ہے اور انکا بغض نفاق ہے"۔

نمبر 3۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا؛

"من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی عصی الله ومن اطاع علیاً فقد اطاعنی ومن عصیٰ علیاً فقد عصانی".

(مستدرک حاکم جلد 3 ص 120.121)

"یعنی جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی، اور جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری

اطاعت کی اور جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

نمبر 4۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا؛

"ان الله قد فرض علیکم طاعتی ونهاکم عن معصیتی و فرض علیکم طاعة علیٍّ و نهاکم عن معصیته."

(ریاض النضرہ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص 172)

(ینابیع المودہ الجزء الاول باب 4 ص 123)

(ارجح المطالب باب 4 ص 595)

"یعنی تحقیق خدا نے تمام مسلمانوں کے اوپر میری اطاعت فرض کی ہے۔ اور میری نافرمانی سے منع کیا ہے۔ اور اسی طرح سے خدا نے میرے بعد علیؑ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض کر دی ہے اور اس کی نافرمانی سے منع کیا ہے"۔

نمبر 5۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا؛

"من اراد ان یحیی حیاتی و یموت میتتی ویسکن جنة الخلد التی وعدنی ربی فلیتول علی ابن ابی طالب فانه لن یخرجکم من هدی ولن یدخلکم فی ضلال". (کنز العمال جلد 5 ص 155)

(معجم کبیر طبرانی و تاریخ ابن عساکر)

"یعنی جو شخص میرا جینا جینا چاہے، اور میری موت مرنا چاہے، اور جنت الخلد میں رہنا چاہے، جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، تو وہ علیؑ کو اپنا حاکم مانے، کیونکہ وہ ہرگز ہرگز راہ ہدایت سے باہر نہ کرینگے اور ہرگز ہرگز انہیں گمراہی میں داخل نہ کرینگے"۔

نمبر 6۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا؛

"من سره ان یحیی حیاتی و یموت مماتی ویسکن جنت عدن غر

سهار بی فلیتول علیاًمن بعدی و لیتول ولیه ولیقتد باهل بیتی من بعدی فانهم عترتی خلقوا من طینتی ورزقوا فهمی و علمی ، فویل للمکذبین من امتی المقاطعین فیهم صلتی".

(کنز العمال جلد 6 ص 217)

(منتخب کنز العمال حاشیہ مسند احمد حنبل جلد 5 ص 94)

طبرانی نے معجم کبیر میں اور رافعی نے اپنے مسند میں ابن عباس سے روایت کی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کی حضرت رسولؐ نے فرمایا: "وہ شخص جسے یہ پسند ہو کہ میرا جینا جیئے اور میری موت مرے اور جنت عدن میں ساکن ہو وہ علی کو میرے بعد اپنا حاکم مانے اور پھر اس کے بعد اس کے ہونے والے وارثان کو اپنا ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا مانے اور میرے بعد میرے اہل بیت کی پیروی کرے، کیونکہ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور انہیں میرا فہم اور میرا علم عطا ہوا ہے ہلاکت ہے اس کے لئے جو کوئی میری امت میں سے ان کے اس فضل کو جھٹلائے اور انکو مجھ سے جو قرابت ہے اسکا خیال نہ کرے"۔

نمبر 7۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"من احب ان یحیی حیاتی ویموت میتتی ویدخل الجنة التی وعدنی ربی وهی جنت الخلد فلیتول علیاً و ذریته من بعده فانهم لن یخرجو کم من باب هدی ولن یدخلو کم باب ضلال"

(کنز العمال جلد 6 ص 155)

(منتخب کنز العمال حاشیہ مسند جلد 5 ص 32)

"یعنی جو شخص یہ چاہتا ہو کہ میرا جینا جیئے اور میری موت مرے اور اس جنت میں

داخل ہو، جس کا وعدہ مجھ سے میرے پروردگار نے کیا ہے۔ یعنی جنت الخلد، وہ علی کو اور اسکے بعد انکی اولاد کو اپنا ولی وسرپرست وحاکم مانے کیونکہ وہ ہرگز ہدایت کے دروازے سے تمہیں باہر کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی گمراہی کے دروازے میں داخل کرنے والے ہیں"۔

نمبر 8۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"انا منذر وعلی هاد وبک یاعلی یهتدی المهتدون من بعدی"

ابونعیم مانزل فی القران فی علی

شبلنجی نور الابصار صفحہ 207

علی متقی کنز العمال جزء 6 صفحہ 157

البدایہ والنهایہ لابن کثیر الجزء السابع صفحہ 358-357

مستدرک حاکم الجزء الثالث صفحہ 130-129

تفسیر در منثور الجزء الرابع صفحہ 45

ینابیع المودت باب 56 صفحہ 100-99

یعنی منذر سے مراد میں ہوں اور ہادی سے مراد علیؑ ہیں، اور اے علیؑ میرے بعد تم سے ہدایت لینے والے ہدایت پائیں گے۔

نمبر 9۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آئمہ میرے فرزند سے پیدا ہونگے، جس شخص نے ان آئمہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس شخص نے ان آئمہ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یہ حضرات مضبوط رسی ہیں اور اللہ کی طرف جانے کا وسیلہ ہیں۔

اردو ترجمہ ینابیع المودت صفحہ 417 حدیث نمبر 13

اہل سنت والجماعت کی حدیث کی معتبر و مستند کتابوں میں اس موضوع پر اتنی حدیثیں بیان کی گئی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں اہل تشیع کے یہاں کی احادیث بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن نمونہ کے طور پر خطبہ غدیر کا صرف ایک ٹکڑا یہاں اہل تشیع کی کتاب سے نقل کرتے ہیں۔

نمبر 10۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"معاشر الناس انه آخر مقام اقومه فی هذاالمشهدفاسمعوا واطیعوا وانقادوالامر ربکم فان الله عزوجل هوولیکم والهکم ،ثم من دونه رسوله محمد ولیکم القائم المخاطب لکم ،ثم من بعدی علی ولیکم وامامکم بامرالله ربکم ثم الامامة فی ذریتی من ولده الیٰ یوم القیامة یوم یلقون الله ورسوله" (احتجاج طبرسی۔ خطبہ غدیر)

اے لوگوں یہ آخری موقع اور مقام ہے کہ میں سب کے سامنے اسے اپنا قائم مقام بناتا ہوں۔ پس تم سنو اور اطاعت کرو اور اپنے رب کا حکم مانو، کہ خداوند تعالیٰ تمہارا ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا ہے۔ اور وہ تمہارا معبود ہے اسکے بعد اسکی طرف سے اسکا رسول تمہارا ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا ہے۔ جو تمہارے سامنے کھڑا ہوا مخاطب ہے۔ پھر میرے بعد اللہ کے حکم سے جو تمہارا رب ہے، علیؑ تمہارا ولی وسرپرست وحاکم وفرمانروا ہے، اور وہ تمہارا امام ہے۔ پھر قیامت تک امامت میری ذریت میں رہے گی، جو اس علیؑ کی اولاد سے ہوگی۔ یہ سلسلہ اس دن تک جاری رہے گا۔ جب تم اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آخرت میں حاضر ہوگے"

"تلک عشرۃ کاملہ" پس یہ دس احادیث کافی ہیں یہ سب کی سب احادیث علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کی کتاب تحفہ حسینیہ کے عنوان "کلمۃ التقدیم" میں

بیان کردہ حدیث ثقلین کے ساتھ قطعی طور پر مطابق وموافق ہیں، بالفاظ دیگر یہ تمام احادیث ثقلین کی تشریح وتوضیح وتفسیر ہیں جسے انہوں نے صحیح السند اور مسلمہ فریقین مانا ہے۔

اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے

خداوند تعالیٰ سورہ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

"یا ایها الذین آمنو اتقوا الله حق تقاته ولاتموتن الا وانتم مسلمون،واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولا تفرقو"۔ (آل عمران۔ 103)

"یعنی اے ایمان لانے والو اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے، اور تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلم (یعنی اس کے مطیع) ہو، اور تم خدا کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور اس سے جدا نہ ہونا"

اس آیت میں اہل ایمان سے خطاب ہے اور انہیں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ "اتقوا الله حق تقاته" اس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے، ظاہر ہے کہ یہاں اللہ سے ڈرنے سے مراد اللہ کی نافرمانی سے ڈرنا ہے۔ یعنی اللہ کی ذرا سی بھی نافرمانی نہ کرو۔ اور اس سے آگے واو تفسیری کے ذریعہ اس کی مزید وضاحت یہ کرتا ہے کہ: "ولاتموتن الا وانتم مسلمون" یعنی تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم ہر آن اس کے اطاعت گزار رہو اور مرتے دم تک تمہارا سر تسلیم خم رہے، اس کے بعد پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے، کہ تم اس کے اطاعت گزار کیسے رہ سکتے ہو وہ طریقہ یہ ہے کہ "واعتصموا بحبل الله جمیعا ولاتفرقوا" تم اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنا اور اسے نہ چھوڑنا اس سے جدا نہ ہونا، گویا خدا کی نافرمانی سے بچنا اور ہر آن اسکی اطاعت میں سر تسلیم خم کئے رہنا صرف اور صرف اسی صورت میں ممکن ہے

کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کی یہ مضبوط رسی کیا ہے، یقیناً اس رسی سے مراد سن کی یا مونج کی یا سوت کی بٹی ہوئی رسی نہیں ہو سکتی، بلکہ اللہ کی اس رسی سے مراد ہدایت کے وہ سرچشمے ہیں جو اللہ کی طرف سے ہیں اور سابقہ احادیث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح قرآن کریم کو اللہ کی رسی کہا ہے اسی طرح عترت پیغمبر کو بھی اللہ کی رسی سے تعبیر کیا ہے۔ پس رسی سے مراد ہدایت کے وہ سرچشمے ہیں، جو خدا کی طرف سے ہدایت کا کام کرتے ہیں، وہ اللہ کی کتاب اور عترت پیغمبرؐ ہیں یعنی ان دونوں کے سوا ہدایت کا حصول ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بات اس حدیث کے عین مطابق ہے جسے علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے کلمۃ التقدیم کے عنوان کے تحت صفحہ 13 پر نقل کیا ہے اور ان احادیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ نے اپنی امت کے سامنے انکی ہدایت کے لئے حضرت علیؑ اور انکے بعد آنے والے اماموں کی ہادیانہ حیثیت کو واضح طور پر پہچنوا دیا تھا۔

حضرت علیؑ کی ہادیانہ حیثیت پہچنوا دینے کے بعد

انکے شیعہ کا مطلب کیا ہے؟

پیغمبر گرامی اسلامؐ کی ایک حدیث میں جو کئی طریقوں سے وارد ہوئی ہے اور جسے اہل سنت کے بہت سے معروف علماء و محدثین نے صحیح تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کے اصل مصداق ہم ہیں وہ حدیث یہ ہے کہ:

اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ ہی جنت میں جائینگے کبھی کہا اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ ہی روز قیامت کامیاب ہونگے کبھی کہا اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ ہی خیر البریہ ہیں

وغیرہ۔

اس حدیث کو امام احمد حنبل نے اپنی مسند میں، جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں۔ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں، اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے، لیکن اہل سنت کے بزرگ علماء یہ کہتے ہیں کہ ان احادیث میں شیعہ سے مراد اہل سنت ہیں۔

چنانچہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں

شیعه اهل البیت هم اهل السنت،

اہل بیت کے شیعہ سے مراد اہل سنت ہیں۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہ کہتے ہیں کہ قدیمی شیعہ ہم ہیں جب شیعہ زیدی اور شیعہ امامیہ خود کو شیعہ کہلانے لگ گئے تو ہم نے حق و باطل کے خلط ملط ہونے کے خوف سے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھ لیا۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب خود یہ لکھتے ہیں کہ:

"جب شیعیان علیؑ چار فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو دوسرے فرق مخالفہ سے امتیاز ضروری تھا لہذا انہوں نے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھ لیا"۔ (تحفہ حسینیہ سیالوی)

اور رشید احمد گنگوہی بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں۔

"امامیہ شیعہ اولی و احادیث کہ در فضل شیعہ وارد اند مورد آن ما ستیم نہ روافض"

یعنی شیعہ اولی یا قدیمی شیعہ ہم اہل سنت ہیں اور وہ احادیث جو شیعوں کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں وہ ہماری شان میں وارد ہوئی ہیں وہ رافضیوں کی شان میں نہیں ہے۔

اور ابن ابی الحدید معتزلی یہ کہتے ہیں کہ حقیقی شیعہ ہم ہیں جیسا کہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ

''ہمارے معتزلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حقیقی شیعہ ہم ہیں نہ کہ امامیہ جو جانب افراط میں

تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 120

ہیں اور خارجی جو تفریط کے درپے ہیں''۔

بحوالہ شرح ابن ابی الحدید جلد 2 صفحہ 226 مطبوعہ قم ایران

یہاں پر اتنا عرض کرتا چلوں کہ عقائد کے اعتبار سے اہل سنت کے دو فرقے ہیں

ایک اشعری اور دوسرے معتزلہ۔ چونکہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں بعض

سنی دانشوروں مثل مولانا مودودی در کتاب خلافت وملوکیت اور مثل طہٰ حسین مصری در کتاب

''الفتنہ الکبریٰ'' جس کا اردو میں ترجمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے ہو چکا

ہے، اہل جمل واہل صفین کے خلاف کچھ لکھ دیا ہے علی الخصوص حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہ

اور حضرت زبیر اور ان جنگوں میں شرکت کرنے والے دوسرے اصحاب کو غلطی پر قرار دیا

ہے لہٰذا علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے دانت بھینچ بھینچ کر یہ لکھتے ہوئے قلم توڑ دیا ہے

کہ ابن ابی الحدید معتزلی شیعہ تھا۔

لیکن اسکی تمام عبارت کا جو انہوں اسکی کتاب سے نقل کی ہے ترجمہ نہیں کیا تا کہ

اسکا اہل سنت ہونا کسی اردو دان کو معلوم نہ ہو جائے بلکہ صرف اتنے حصہ کا مفہوم نقل کر دیا

ہے جس میں انہوں نے امامیہ کی بجائے خود کو شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ صفحہ 119 پر

لکھتے ہیں کہ: ''مقام مدح وثنا میں جہاں کہیں لفظ شیعہ وارد ہے اس سے مراد ہم ہیں یعنی

معتزلہ'' اور صفحہ نمبر 120 پر بطور خلاصہ یہ لکھا ہے کہ ہمارے معتزلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حقیقی شیعہ

ہم ہیں نہ کہ امامیہ''

مگر ابن ابی الحدید معتزلی کی پوری عبارت کا ترجمہ اس لئے نہیں کیا کیونکہ اس

سے اسکا سنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ عبارت علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے خود

اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے صفحہ نمبر 119۔120 پر نقل کی ہے یہ اصل عبارت اس طرح

ہے۔

''لم تكن لفظ الشيعة ،تعرف في ذالك العصر الالمن قال

بتفضيله و لم تكن مقالة الامامية ومن نحا نحوها من الطاعنين فى امامة

السلف مشهور حينئذ على هذا النحو من الاشتهار فكان القائلون

بالتفضيل هم المسمون الشيعة وجميع ماورد من الاثار والاخبار فى

فضل الشيعة ،وانهم موعودون بالجنةفهو لاء هم المعنيون به دون غيرهم

وكذالك قال اصحابنا المعتزلة فى كتبهم وتصانيفهم نحن الشيعةحقا

وهذاالقول وهواقرب الى السلامةواشبه بالحق من القولين المسمين

طرفين الافراط والتفريط انشاء الله''۔

(تحفہ حسینیہ ص 120. 119 بحوالہ شرح ابن ابی الحدید جلد 2 صفحہ

220 مطبوعہ قم ایران)

ترجمہ۔ لفظ شیعہ جو آجکل معروف ہے سوائے ان لوگوں کے جو تفضیل کے قائل

ہیں اور کسی کے لئے نہیں ہو سکتا، اور امامیہ اور انہیں کی طرح خلفائے سلف یعنی (حضرت ابو

بکر اور حضرت عمر) پر طعن کرنے والوں کا قول صحیح نہیں ہو سکتا جو آجکل شہرت پائے ہوئے

ہیں۔ اہل تفضیل کے قائل ہی اصل شیعہ ہیں اور شیعوں کی فضیلت میں جتنی احادیث اور

روایات وارد ہوئی ہیں اور جن سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے ان سے مراد یہی معتزلہ ہی ہیں نہ

کہ ان کے غیر اور اسی طرح ہمارے علمائے معتزلہ نے اپنی کتابوں میں اور اپنی تصانیف میں یہ

لکھا ہے کہ اصلی اور سچے اور حقیقی شیعہ ہم ہی ہیں اور دوسروں کی نسبت یہی قول صحیح ہے اور

[illegible]

پس ابن ابی الحدید معتزلی کی اس عبارت سے واضح طور پر اسکا حضرت ابوبکر اور

اپنا پیشوا ماننا ثابت ہوتا ہے جو اہل حضرت عمر کے بارے میں عقیدت مند اور طرفدار ہونا اور
سنت کا عقیدہ ہے لہذا علامہ اشرف سیالوی صاحب نے اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا۔

بہر حال ان تمام احادیث و اخبار و روایات سے اور علمائے اہل سنت کے متفقہ
اقوال سے یہ بات تو حتمی طور پر ثابت ہے کہ حضرت علی کے شیعوں کی فضیلت میں بہت ہی
صحیح احادیث وارد ہیں اور صرف ان سے ہی جنت کا وعدہ ہے لہذا اہل سنت کے بزرگ
علماء یہ کہتے ہیں، کہ وہ شیعہ ہم ہیں، چلیئے چشم ما روشن دل ما شاد۔ پس یہ بات تو اب متنازعہ نہ
رہی کہ حضرت علیؑ کے شیعوں کی فضیلت میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور حتما و یقینا صرف
انہی سے جنت میں جانے کا وعدہ ہے۔ اب متنازعہ بات اگر کوئی رہ گئی ہے تو یہ ہے کہ وہ
شیعہ کون ہیں، لہذا دیکھنا اب صرف یہ ہے کہ جب جنت میں جانے کے لئے سنیوں کے ہر
فرقے کے علماء شیعہ ہونے کے مدعی بن رہے ہیں اور وہ فرقے جو خود کو کہتے ہی شیعہ ہیں تو
ان سب میں سے فی الواقع اور حقیقتاً کون مراد ہے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب فرماتے ہیں کہ محبان علیؑ کے بھی تیرہ گروہ ہیں
جن میں سے بقول امام جعفر صادق صرف ایک جنتی ہے باقی بارہ دوزخی ہیں

(ملاحظہ ہو کتاب الروضۃ الکافی)

"ومن الثلاث و سبعین فرقة ثلاثه عشره فرقه تنتحل ولايتنا ومودتنا واثنا عشره فرقة منها في النار و فرقة في الجنة وستون فرقة من سائر الناس في النار" (تحفہ حسینیہ محمد اشرف سیالوی ص 118 بحوالہ روضہ کافی ص 224 مطبوعہ ایران)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اسکا ترجمہ نہیں لکھا شاید اس لئے کہ ان کے
لئے تو اس میں حتمی فیصلہ موجود ہے تحقیق طلب فرق صرف تیرہ میں سے تلاش کرنا ہے۔
مذکورہ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ

"تہتر فرقوں میں سے تیرہ فرقے ہماری ولایت و مودت کے دعویدار (یعنی شیعہ
کہلانے والے) ہونگے ان میں سے بارہ فرقے جہنم میں جائنگے، اور صرف ایک فرقہ
جنت میں جائیگا۔ باقی کے دوسرے لوگوں میں سے ساٹھ کے ساٹھ فرقے جہنم رسید ہونگے"

چونکہ جنت میں جانے کا بیان امام جعفر صادق نے معروف شیعہ فرقوں میں سے
اس ایک فرقے کے لئے کیا تھا لہذا علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اسکا ترجمہ ہی نہیں کیا
البتہ بطور اعتراض کے یہ کہا ہے کہ:

"جب محبان اہل بیت تیرہ فرقے ہیں اور ظاہر ہے کہ بھی شیعہ ہونے کے
دعویدار ہیں...... تو ایک جماعت کیسے متعین ہوگئی جس طرح محمدی ہونے کا دعویٰ نجات کے
لئے کافی نہیں کیونکہ تہتر فرقوں میں سے ہر ایک محمدی ہونے کا دعویدار ہے"۔

(تحفہ حسینیہ ص 119 علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کا یہ کہنا بالکل درست ہے اور صحیح ہے کہ جب
محمدی کہلانے والوں میں سے کوئی ایک فرقہ متعین نہیں ہو سکتا تو تیرہ شیعہ کہلانے والے
فرقوں میں سے کوئی ایک فرقہ جنت میں جانے والا کیسے متعین ہو سکتا ہے۔ لیکن انکی ایک
اہل لوگوں کے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کے مترادف ہے، ایک طرف وہ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ فرقہ
گروہ عبداللہ بن سبا یہودی کا ہے، دوسری طرف وہ اور دوسرے بہت سے بزرگ
علمائے اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ قدیمی شیعہ یا شیعہ اولی اہل سنت والجماعت ہیں، اور انہوں
نے اہل بیت میں دوسروں سے امتیاز پیدا کرنے کیلئے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھا ہے۔

(تحفہ حسینیہ محمد اشرف سیالوی ص 131)

لیکن وہ ایک بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ شیعہ نام وہ ہے جو پیغمبر اکرمؐ نے
اہل بیت علی کی پیروی کرنے والوں کے لئے خود رکھا ہے اور اہل سنت والجماعت نام انکے

سبھی علماء کے قول کے مطابق خود اہل سنت کہلانے والوں نے اپنے آپ رکھا ہے۔ اب شیعہ کہلانے والے تیرہ فرقوں کے دعوے ایک طرف اور اہل سنت کہلانے والوں کے شیعہ اولی یا قدیمی شیعہ ہونے کے دعوے دوسری طرف، دیکھنا یہ ہے کہ وحی الہی کی چاشنی سے آشنا پیغمبر گرامی اسلامؐ نے "اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ" کس معنی میں کہا تھا؟

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے ص 117 پر لفظ شیعہ کے معنی بتلاتے ہوئے اپنے عنوان "لفظ شیعہ کے اطلاقات ازروئے قرآن" میں لفظ شیعہ کے معنی اور مذہب کی قدامت پر خوب پھبتیاں کسی ہیں۔ اور لفظ شیعہ کے کچھ معنی کئے ہیں ہم ان کے اس عنوان کے تحت لکھی ہوئی عبارت کو کاملاً نقل کرتے ہیں، اور جو معنی لفظ شیعہ کے انہوں نے کئے ہیں اس کے مقابلے میں اس کا صحیح معنی بھی تحریر کرینگے۔ ان کی عبارت اس طرح ہے

نمبر 1۔ دیکھو قرآن مجید میں وارد ہے، هذا من شيعته و هذا من عدوه، جو آدمی جھگڑ رہے تھے ان میں سے ایک تو موسیٰ کا شیعہ تھا اور انکی جماعت سے تھا، اور دوسرا دشمن کی جماعت سے تھا۔ لیجیے صاحب سارے بنی اسرائیل کا موسیٰ کا اعلان نبوت سے بھی پہلے شیعہ ہونا ثابت ہوگیا۔ (تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی ص 117)

تصحیح۔ جب موسیٰ نے ابھی اعلان نبوت ہی نہیں کیا تھا تو یہاں شیعہ کے معنی پیرو تو ہو ہی نہیں سکتے، البتہ چونکہ یہاں لفظ "عدوہ" کے مقابلے میں آیا ہے یعنی دشمن یا مخالف لہذا یہاں معنی عدو کا مخالف ہوگا یعنی دوست یا طرفدار پس یہاں موسیٰ کے شیعہ سے مراد موسیٰ کی قوم بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ خود انہوں نے بھی اس کا ترجمہ پیرو نہیں کیا بلکہ جماعت کیا ہے اور راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں اس کا معنی قوم کیا ہے۔

نمبر 2۔ "ارشاد باری تعالی ہے، "وجعل اهلها شيعا" فرعون نے اہل مصر کو

شیعہ بنا دیا تھا اس سے بھی قدامت بلا ریب ثابت ہوگئی۔"

(تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی ص 117)

تصحیح۔ یہاں پر شیعا سے مراد پیرو نہیں ہے بلکہ انہیں کمزور کرنے کے لئے مختلف گروہوں میں تقسیم کرنا مراد ہے۔

نمبر 3۔ "ولقد اهلكنا اشياعكم فهل من مدكر"

البتہ تحقیق ہم نے تمہارے شیعہ پر شیعہ کو ہلاک کیا، تو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا"

(تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی ص 117)

تصحیح۔ یہاں پر لفظ اشیاع ہے جو لفظ شیعہ کی جمع ہے اور یہاں پر اشیاع سے مراد اگلے پچھلوں کا کسی ایک طریقہ پر چلنا ہے۔ یعنی خداوند تعالی سابقہ قوموں کی عذاب سے ہلاکت بیان کرنے کے بعد تنبیہ کے طور پر کہتا ہے کہ وہ قومیں جو اس طریقہ پر چلا کرتی تھیں جس پر تم چل رہے ہو، ہم نے اس طریقے پر چلنے کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا تو تم بھی اس طریقے پر چلنے کی وجہ سے عذاب سے کیسے بچ سکتے ہو۔

نمبر 4۔ اس کے بعد یہ محسوس کرتے ہوئے کہ یہ سب دلائل صحیح نہیں ہیں لکھتے ہیں:

"اور یہ آیات گراں گزرتی ہیں تو وہ "ان من شيعته لابراهيم" پڑھ لو کہ حضرت نوحؑ کے شیعہ ابراہیمؑ تھے۔ اب تو طوفان نوحؑ سے بھی پہلے کی اقوام سے ہم نے آپ کا [illegible] کیا اب بھی ناراض ہیں (تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی ص 117.118)

تصحیح۔ اس سے پہلے کی اقوام کے ساتھ رشتہ نہیں جڑتا بلکہ اس سے حضرت علیؑ کے شیعہ کا اصلی اور حقیقی معنی کا تعین ہو جاتا ہے اور خود حضرت علیؑ کی بادیانہ حیثیت کا بھی تعین ہوتا ہے، کیونکہ آیت: "ان من شيعته لابراهيم"

یعنی ابراھیم یقینی طور پر نوح کے شیعوں میں سے تھا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس وقت شیعہ نوح نامی کوئی فرقہ موجود تھا جس کے ایک فرد حضرت ابراھیم تھے۔ بلکہ اس کا واضح اور صحیح مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت نوح" توحید کے بہت بڑے مبلغ اور بت پرستی کے سخت خلاف تھے۔ اسی طرح حضرت ابراھیم توحید کے بہت بڑے مبلغ اور بت پرستی کی سخت مخالفت کرنے والے تھے، لہذا حضرت ابراھیم کو توحید کی تبلیغ کرنے اور بت پرستی کی مخالفت کرنے کی وجہ سے خدا نے انہیں نوح" کا شیعہ کہا یعنی نوح کی پیروی کرنے والے کہا، گویا پیغمبر نے اس حدیث کے ذریعے بھی صرف حضرت علی کے شیعوں کے جنتی ہونے کی ہی بشارت نہیں دی تھی بلکہ حضرت علی" کی اپنے بعد کے لئے ہادیانہ حیثیت کا اعلان بھی کیا ہے۔ پیغمبر نے اس حدیث کے ذریعے بھی یہ بتلایا ہے کہ میرے بعد بطور ہادی جس کی اطاعت و پیروی واجب ہے وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں، اور جو شخص کسی ہادی کی اطاعت و پیروی کریگا وہ یقیناً ہدایت پا جائیگا، اور جو شخص ہدایت یافتہ ہو جائیگا، اس کے لئے جنتی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

اور چونکہ پیغمبر اکرم نے حضرت علی کی اطاعت و پیروی کرنے والوں کو شیعہ کا لقب عطا فرمایا تھا تو جو شخص حضرت علی کو اپنا ہادی و امام سمجھتے ہوئے ان کی اطاعت و پیروی کریگا تو ایسا شخص چاہے خود کو شیعہ نہ بھی کہے بلکہ اپنے آپ کو ایک سچا مسلمان سمجھے تو ایسا شخص بغیر کہے حتماً و یقیناً پکا شیعہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر گرامی اسلام کی علی کے شیعہ سے مراد ہرگز ہرگز یہ نہیں تھی کہ حضرت علی کے شیعہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے پیرو ہونگے بلکہ پیغمبر گرامی اسلام کے اس ارشاد کا واضح اور صحیح مطلب یہ ہے کہ اسلام حقیقی حضرت علی اور انکے بعد آنے والے ہادیوں کی پیروی میں ہی ہے، بنا بریں حضرت علی اور آئمہ کا پیروی ایک سچا اور حقیقی مسلمان ہوتا ہے لہذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ خود کو ایک سچا مسلمان

کہے یا حضرت علی اور آئمہ طاہرین کی پیروی کی وجہ سے خود کو شیعان علی میں شمار کرے۔

لیکن اگر کوئی شخص نہ تو حضرت علی اور آئمہ طاہرین کی اطاعت و پیروی کرتا ہے اور نہ ہی انکے طریقے پر چلتا ہے تو اہل سنت کے بزرگوں نے تو خیر اپنا نام ہی بدل لیا لیکن حضرت علی کے شیعہ کہلانے والوں میں سے بھی اگر کوئی شیعہ کہلانے والا گلے میں ڈھول ڈال کر اور ڈنکے کی چوٹ لگا کر اعلان کرتا پھرے کہ میں شیعہ ہوں، میں شیعہ ہوں اگر وہ حضرت علی اور انکے بعد آنے والے آئمہ طاہرین کی اطاعت و پیروی نہیں کرتا بلکہ انکے خلاف چلتا ہے تو ایسا شخص ڈنکے کی چوٹ اعلان کرنے کے باوجود ہرگز شیعہ نہیں ہے، اور جنہوں نے پیغمبر اکرم کے بعد انہیں اپنا ہادی، اپنا رہنما، اپنا پیشوا اپنا امام مانا ہی نہیں بلکہ ان کو چھوڑ کر دوسروں کے اطاعت گزار بن گئے اور محض یہ سن کر کہ پیغمبر اکرم نے حضرت علی کے شیعوں کے لئے جنت کی بشارت دی ہے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اسلاف پہلے شیعہ ہی کہلاتے تھے۔ تو تمہیں کیا؟ یہ تو "پدرم سلطان بود" کہنے والی بات ہے تم تو نام کے بھی شیعہ نہیں ہے۔

اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے امام جعفر صادق کی جو حدیث روضہ کافی کے ص 224 سے نقل کی ہے کہ مسلمانوں کے تہتر فرقوں میں سے تیرہ فرقے ہماری محبت و ولایت کا دم بھرنے والے شیعہ ہونے کے دعویدار ہونگے ان تیرہ میں سے بارہ فرقے جہنم میں جائینگے اور صرف ایک فرقہ جنت میں جائیگا اور باقی کے ساتھ سب کے سب جہنم رسید ہونگے تو جناب علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب آپ یہ بتلائیے کہ آپ تیرہ میں سے ہیں یا ساٹھ میں سے ہیں۔

ہمیں امام کا یہ قول سو فیصد تسلیم ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ جس طرح اہل سنت کے بہتر فرقے ہیں اسی طرح اہل تشیع کے بھی کئی فرقے ہیں۔ بہت سے غالی فرقوں اور

کیسانیہ اور زیدیہ اور اسماعیلیہ کے علاوہ خود ہمارے شیعہ اثنا عشریہ میں بہت سے صوفی شیعہ اثنا عشری شیعہ ہونے کے مدعی ہیں بہت سے مفوضہ اثنا عشری ہیں اور مذہب شیخیہ کی تمام شاخیں جو فی الحقیقت مفوضہ ہی ہیں نئی فلسفیانہ دلائل کے ساتھ یہ بھی سب خود کو اثنا عشری شیعہ ہی کہتے ہیں اور جن امام جعفر صادق کی حدیث کا روضہ کافی سے آپ نے حوالہ دیا ہے انہیں کا قول شیعوں کے ان فرقوں کے بارے میں یہ ہے کہ "الغلاۃ کفار والمفوضۃ مشرکون" غالی تو کافر ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں، اور چونکہ اہل سنت والجماعت کے اکثر علماء صوفی شیعوں، مفوضہ شیعوں اور شیخی شیعوں کے عقائد سے کما حقہ واقف نہیں ہیں لہذا انکی کتابوں کے بعض مضامین سے یہ غلط اندازہ لگا لیتے ہیں کہ شیعان حقہ اثنا عشریہ کا بھی یہی عقیدہ ہے اس کے لئے انہیں ہماری شیخیت کی رد میں لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ لیکن علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کو اس مسئلہ میں ضرور غور کرنا چاہیے کہ جب برملا، کھلم کھلا، آج بھی شیعہ فرقوں میں سے محض کسی شیعہ فرقے کا فرد کہلانے کی وجہ سے کوئی شخص نجات کا مستحق اور جنت کا حقدار نہیں بن سکتا جب تک کے وہ فی الحقیقت حضرت علیؑ اور انکی اولاد سے ہونے والے آئمہ اطہار کو اپنا ہادی و امام مان کر انکی اطاعت و پیروی نہیں کرتا۔ تو وہ حضرات جو محض پدرم سلطان بود کہتے ہوئے محض نام کا شیعہ بننے کا دعوی کر رہے ہیں وہ کیسے جنت کا حقدار بن سکتے ہیں؟ یہاں پر ایک بات ان کے لئے بڑی تشویش ناک ہے۔ ان کے بزرگوں نے زیدیہ شیعہ اور اسماعیلیہ شیعوں کو دیکھتے ہوئے حق و باطل کے خلط ملط ہونے کے خوف سے اپنا نام شیعہ سے بدل کر اہل سنت والجماعت رکھا تھا لیکن آج مرزائی حضرات بڑے دھڑلے کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ کیا وہ ان کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہلانا چھوڑ دینگے۔ ان کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ اپنا نام نہ بدلتے اور شیعہ ہی رہتے اور اصلی اور حقیقی شیعہ بننے کی کوشش کرتے آخر

آج بھی تو وہ ساٹھ فرقوں میں سے ایک فرقے کے فرد ہیں، دوسری صورت میں وہ تیرہ فرقوں میں سے ایک ہوتے اور وہ شیعہ بننے کی کوشش کرتے جو پیغمبر اکرم کا مقصود و مراد تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کے زمانے میں مسلمانوں کی اقسام

کوئی بھی شخص جو پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کے حالات کا علم رکھتا ہے اس بات سے انکار نہیں کر سکتا، کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے زمانے میں نہ تو کوئی اہل سنت والجماعت یا سنی کہلاتا تھا اور نہ ہی کوئی شیعہ کہلاتا تھا، سب ہی ایمان لانے والے مسلم یا مسلمان کہلاتے تھے۔ البتہ قلبی کیفیت اور کردار و رفتار کے لحاظ سے انکی کچھ قسمیں اس وقت بھی ضرور تھیں۔

لغت کی کتاب مفردات القرآن میں راغب اصفہانی کے مطابق شرع کی رو سے بھی اسلام کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ انسان محض زبان سے اقرار کرے دل سے معتقد ہو یا نہ ہو، اس سے انسان کا جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو جاتی ہے لیکن اسکا درجہ ایمان سے کم ہے، اور دوسرا درجہ اسلام کا وہ ہے کہ زبان سے اقرار کے ساتھ دلی اعتقاد بھی ہو، اور عملاً اس کے تقاضوں کو پورا کرے۔

ان درجوں کے علاوہ اسلام کا ایک درجہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر طرح سے قضاء و قدر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہے اور پیغمبر اکرمؐ کے سامنے "قالوا سمعنا و اطعنا" پر عمل پیرا رہے۔

لیکن پیغمبر اکرم کی حیات طیبہ میں وہ سب لوگ جو ایمان کا اقرار کرتے تھے مسلمان ہی کہلاتے تھے البتہ ان کی مذکورہ باتوں کے لحاظ سے مختلف اقسام ضرور تھیں، جنکا علم صرف اللہ کو ہی تھا، یا انکے عمل سے نمایاں ہوتا تھا، یعنی جو صرف زبان سے اقرار کرتا تھا

وہ بھی مسلمان ہی کہلاتا تھا، جو زبان کے اقرار کے ساتھ دل سے بھی عقیدہ رکھتا تھا وہ بھی مسلمان ہی کہلاتا تھا، اور جو ہر طرح قضاء و قدر الہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا تھا اور خدا و رسول کی اطاعت سے سر مو انحراف نہیں کرتا تھا وہ بھی مسلمان ہی کہلاتا تھا۔

پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں مذکورہ اقسام کے مسلمانوں کے علاوہ ایک گروہ اور بھی مسلمانوں ہی کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا۔ یہ گروہ جنگ بدر میں اسلام کی فتح سے مرعوب ہو کر ظاہراً ایمان لایا تھا اور انہوں نے زبانی اقرار بھی صرف اس نیت سے کیا تھا تا کہ وہ اپنے کفر و الحاد کو اور بغض و عناد کو چھپائے رکھیں۔ اور جب موقع ملے تو اسلام پر بھرپور وار کر کے اسے ختم کر دیں خداوند تعالیٰ نے اس گروہ کو منافقین کے نام سے تعبیر کیا ہے اور انکے بارے میں

خداوند تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار"

(النساء 145)

"یعنی بلاشبہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہونگے"۔

اور ان کے بارے میں خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ؛

"لا تعلمهم نحن نعلمهم" (التوبہ۔101)

"یعنی اے میرے حبیب تم ان کو نہیں جانتے البتہ ہم انکو جانتے ہیں"۔

لیکن جب خدا مسلمانوں کو خطاب کرتا تھا یا مسلمانوں کو کوئی حکم دیتا تھا تو "یا ایها الذین امنوا"۔ "اے ایمان لانے والوں" کے خطاب میں وہ بھی شامل ہوتے تھے

مذکورہ اقسام کے علاوہ ایک اور قسم بھی مسلمانوں کی تھی جنہیں صرف وہ "علیم بذات الصدور" یعنی دلوں کے بھید جاننے والا ہی جانتا تھا۔ اور اس نے قرآن میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرة"

(آل عمران۔152)

"یعنی تم میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جو محض دنیا کی طلب میں اور دنیا کی خاطر اسلام کے ساتھ وابستہ ہوئے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو آخرت میں نجات کے حصول کے لئے مسلمان ہوئے"۔

اور اس قسم کی بہت سی آیات و احادیث و روایات ہیں جن میں اس وقت دنیا کے طالب لوگوں کا بیان ہوا ہے لیکن یہ سب ایمان لانے والے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔

شیعت کا آغاز

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں پیغمبر گرامی اسلامؐ کے آنے کی خبر سے پہلی قوموں اور امتوں کو آگاہ کرنے کی اطلاع دیتے ہوئے فرماتا ہے؛

"واذ اخذ الله میثاق النبین لما اٰتیتکم من کتاب و حکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤ منن به و لتنصرنه ،قال ء اقررتم و اخذ تم علی ذالکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا و انا معکم من الشاهدین فمن تولی بعد ذالک فاو لئک هم الفاسقون "۔ (آل عمران 81.82)

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے تمام انبیاء (کی امتوں) سے یہ عہد لیا کہ میں تمہیں (انبیاء کے ذریعے) کتاب و حکمت عطا کرونگا (تو تم اس نبی پر اور اسکی کتاب پر ایمان لانا) پھر سب سے آخر میں ایک رسول آئیگا جو ان کتابوں کی تصدیق کرے گا جو تمہارے پاس (پہلے سے) آئی ہوئی ہیں تو تم ضرور ضرور اس رسول پر ایمان بھی لانا اور اسکی مدد بھی کرنا (پھر ان سے پوچھا کہ) کیا تمہیں اس بات کا اقرار ہے (اور جن باتوں کا ہم نے تم سے اقرار لیا) کیا تم نے میرے اس عہد کا بوجھ اٹھا لیا ہے تو سب نے کہا کہ ہم نے

اقرار کیا، ارشاد ہوا کہ تم آج کے قول وقرار کے آپس میں ایک دوسرے کے گواہ رہو اور میں
بھی تمہارے ساتھ اس قول وقرار کا گواہ ہوں۔ پس جو کوئی یہ عہد وپیمان کرنے کے بعد پھر
جائیگا وہی تو فاسقین میں سے ہونگے"۔

خداوند تعالیٰ ایک اور آیت میں ارشاد فرماتا ہے؛

"الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم
فی التوراۃ والانجیل" (الاعراف 150)

ترجمہ "جو لوگ ہمارے اس نبی امی رسول کی پیروی کرتے ہیں وہ اس کی بشارت کو اپنے
ہاں توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہی تو نجات پائینگے"

ایک اور آیت میں اس طرح ارشاد ہوتا ہے،

"واذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم
مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ
احمد ،فلما جاء ھم بالبینٰت قالوا ھذا سحر مبین" (الصف 6)

ترجمہ "اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے یہ کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری
طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، مجھ سے پہلے تورات میں جو کچھ آچکا ہے اس کی میں تصدیق
کرتا ہوں، اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا، اس کا نام احمد ہوگا، لیکن
جب وہ رسول انکے پاس واضح ور روشن معجزے لیکر آیا تو کہنے لگے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے"۔

جناب علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ان آیات میں غور کریں، آنحضرتؐ کا نام
نامی اور اسم گرامی توریت میں بھی لکھا ہوا ہے، اور انجیل میں بھی لکھا ہوا ہے ہر نبی نے بھی
اپنی اپنی امتوں سے یہ عہد لیا کہ سب سے آخر میں ایک رسول آئیگا۔ تم سب کے سب اس پر
ایمان بھی لانا اور انکی مدد بھی کرنا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی امت کو خبر دی اور حضرت عیسیٰؑ نے

آنحضرت کا نام لیکر اپنی امت کو آگاہ کیا کہ میرے بعد ایک رسول آئیگا اس کا نام احمدؐ ہوگا۔ تو
کیا یہ ساری کی ساری امتیں جنہوں نے اس آخری نبی پر ایمان لانے کا پکا وعدہ کیا تھا، بالقوہ
آنحضرتؐ کے آنے کا ایمان نہیں رکھتی تھیں؟۔ اسی طرح توریت وانجیل کی حامل امتیں یعنی
حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ کی امتیں جو یہود ونصاریٰ کہلاتی ہیں بالقوہ اس بات پر ایمان نہیں
رکھتی تھیں، کہ ایک نبی آنے والا ہے، اور یہودیوں نے تو ان کے استقبال کے لئے یثرب
نام کی ایک بستی بسائی تھی اور کیا پیغمبر گرامی اسلامؐ کے آنے تک بہت سے یہودی وعیسائی
علماء آپ کے آنے کا انتظار نہیں کر رہے تھے؟

لیکن جب آنحضرت تشریف لائے تو ان میں سے یقینی طور پر کچھ یہودی و
عیسائی ایمان بھی لائے لیکن اکثریت انکے خلاف ہی رہی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امتیں آنحضرت کے آنے
تک ان پر بالقوہ ایمان رکھتی تھیں یعنی بالقوہ محمدی اور مسلمان تھیں، تو ان میں سے جو لوگ
آنحضرتؐ کے آنے پر ایمان لے آئے وہ بالفعل محمدی مسلمانؐ ہوگئے، اور جو لوگ ایمان نہ
لائے وہ اس شرف سے محروم رہے،

اسی طرح پیغمبر گرامی اسلامؐ نے اپنے بعد آنے والے ہادیوں کا اعلان کیا کہ جو
بھی ان سے متمسک رہے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا، انکی تعداد تک بتلائی کہ وہ بارہ ہونگے انکا
تعارف تک کرایا کہ انکا پہلا علیؑ ہے اور آخری مہدیؑ ہے جو انکی پیروی کریگا وہ نجات پا جائیگا
اور انکی پیروی کرنے والوں کو آنحضرتؐ نے شیعہ علی کہا، یعنی حضرت علیؑ کی پیروی کرنے
والے۔ ہاں آنحضرتؐ کی زندگی میں تو تمام مسلمانوں پر صرف اور صرف آنحضرتؐ کی ہی
اطاعت و پیروی فرض اور واجب تھی تاکہ لوگ آپکی اطاعت و پیروی سے ہدایت یافتہ ہو
جائیں کیونکہ خدا نے خود اس اطاعت کی غرض یہ بتلائی ہے کہ "ان تطیعوہ تھتدوا" اور

خدا نے انکی اطاعت کو خود اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

اور پیغمبر اکرمؐ نے اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے ان ہادیوں کا اعلان کر دیا، جن کی اطاعت و پیروی مثل رسول کی اطاعت و پیروی ہوگی۔ لہذا انکی اطاعت و پیروی بھی موجب ہدایت ہوگی، اور جو ہدایت پا جائیگا وہ یقیناً نجات کا مستحق اور جنت کا حقدار ہوگا۔

اور اس بات میں کوئی کلام نہیں ہے کہ خداوند تعالی کے بھی اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بھی اولین مخاطب وہی تھے، جو آپ کے سامنے تھے اور ساتھ رہتے تھے جنہیں اصطلاح میں اصحاب پیغمبر کہا جاتا ہے۔

تو جب پیغمبر گرامی اسلامؐ ان ہادیوں کے آنے کی بشارت دے رہے تھے اور انکی اطاعت و پیروی میں ہی ہدایت و نجات بتلا رہے تھے اور انکی اطاعت و پیروی کرنے والوں کو وحی الہی کی آشنا زبان شیعان علیؑ کا نام دے رہی تھی یعنی علیؑ کی پیروی کرنے والے،

تو جس طرح سابقہ امتیں، توریت و انجیل پڑھنے والے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت سننے والے آنحضرتؐ کے آنے تک آنحضرتؐ کے آنے کا یقین رکھتی تھیں اور آنحضرتؐ کے آنے پر ایمان رکھتی تھیں وہ یقینی طور پر آنحضرت کے آنے تک بالقوہ محمدی تھیں اور بالقوہ مسلمان تھیں اور آنحضرتؐ کے تشریف لانے کے بعد ان میں سے جو لوگ آنحضرتؐ پر ایمان لے آئے وہ بالفعل محمدی اور مسلمان ہو گئے۔

تو اس طرح آنحضرتؐ کی زبان اقدس سے بارہ ہادیوں کے آنے کی بشارت سن کر، اور ان کی اطاعت و پیروی میں ہدایت کی خوشخبری سن کر کیا کسی بھی صحابی نے پیغمبر اکرمؐ کی باتوں کا یقین نہیں کیا تھا؟ کیا کوئی بھی صحابی پیغمبر اکرمؐ کی ان باتوں پر ایمان نہیں لایا تھا؟ یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا۔

اگر چہ پیغمبر اکرمؐ کو خدا نے وحی کے ذریعہ خود قرآن میں یہ خبر دی ہے کہ

مسلمانوں میں کچھ طالب دنیا ہیں اور کچھ آخرت کے طلبگار ہیں، اور چونکہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد آنے والے ان ہادیان برحق کی اطاعت و پیروی میں ہدایت اور آخرت کی نجات بتلائی تھی لہذا وہ مسلمان جو آخرت کے طالب تھے وہ یقینی طور پر پیغمبر اکرمؐ کی ان پیشین گوئیوں کو سن کر ضرور ضرور ان پر ایمان لے آئے تھے۔ لہذا وہ تمام اصحاب پیغمبر رضوان اللہ علیہم جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی ان بشارتوں پر صدق دل کے ساتھ ایمان لے آئے تھے وہ بالقوہ شیعہ تھے۔

لہذا جو اصحاب پیغمبر اکرمؐ طالب دنیا تھے وہ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت کے بعد دنیا کی طلب میں لگ گئے۔ لیکن جو اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے ارشادات اور پیشین گوئیوں پر صدق دل کے ساتھ ایمان لا کر بالقوہ شیعہ تھے وہ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد ان ہادیان برحق اور آئمہ معصومینؑ پر ایمان لا کر جنکی اطاعت و پیروی میں پیغمبر اکرمؐ نے ہدایت بتلائی تھی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے بالفعل شیعیان علیؑ ہو گئے۔

ابو زہرہ مصری اپنی کتاب "اسلامی مذاہب" میں لکھتے ہیں کہ: "روایات میں آتا ہے کہ بعض صحابہ حضرت علیؑ کو افضل الصحابہ قرار دینے میں شیعہ کے ہمنوا تھے، ان کے نام یہ ہیں۔

1۔ عمار یاسر، 2۔ مقداد ابن اسود، 3۔ ابوذر غفاری، 4۔ سلمان فارسی، 5۔ جابر ابن عبداللہ انصاری، 6۔ ابی بن کعب، 7۔ حذیفہ 8۔ بریدہ، 9۔ ابوایوب انصاری، 10۔ سہل ابن حنیف، 11۔ عثمان ابن حنیف، 12۔ ابوالہیثم بن تیہان، 13۔ ابوالفضل عامر بن واثلہ، 14۔ عباس بن عبدالمطلب۔

اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری
اردو ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری صفحہ 63-64

ابوزہرہ مصری اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتے تھے کہ وہ ان بزرگ اصحاب پیغمبر رضوان اللہ علیہم

کو "شیعہ کے ہمنوا" لکھے۔ انکی وجہ یہ تھی کہ 35ھ تک ثلاثہ کے دور حکومت میں حضرت علی علیہ السلام کو اپنا امام ماننے والے اور انکی اطاعت و پیروی کرنے والے اس بناء پر کہ شیعیت اسلام حقیقی کا ہی دوسرا نام ہے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ اور معنوی اعتبار سے حضرت علی کی اطاعت و پیروی کی وجہ سے شیعہ تھے۔ فی الحقیقت تاریخ کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ اصحاب ثلاثہ کے دور حکومت تک نہ تو کوئی اہل سنت کہلاتا تھا اور نہ ہی اہل تشیع بطور فرقہ، زیادہ سے زیادہ بات یہ تھی کہ اکثریت نے اصحاب ثلاثہ کے اقتدار کو خلوص دل کے ساتھ جائز سمجھ لیا تھا۔ اور ایک اقلیت ان کے برسر اقتدار آنے کو جائز نہیں سمجھتی تھی اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے ارشادات واحکامات وفرامین کی روشنی میں حضرت علیؑ کو ہی ساری کائنات سے افضل سمجھتی تھی اور انکی اپنا ہادی اور امام ہونے کی حیثیت سے اطاعت و پیروی کرتی تھی۔

بزرگ اصحاب پیغمبر رضوان اللہ علیہم کی یہ وہ فہرست ہے جو ابوزہرہ مصری نے مقدمہ ابن خلدون سے نقل کی ہے، چونکہ اس فہرست میں کچھ اصحاب پیغمبرؐ کا تو نام بنام ذکر کیا ہے اور بنی ہاشم کا ذکر خاندان کے طور پر کیا ہے اسی وجہ سے تاریخ جغرافیائی کربلائے معلی کے مصنف نے ایسے اصحاب پیغمبر رضوان اللہ علیہم کی تعداد کافی لکھی ہے جو کسی سیاسی جھمیلے میں نہیں پڑے اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد حضرت علیؑ کو اپنا امام مان کر انکی پیروی کرتے رہے اور خاموشی کے ساتھ اپنے امام کی طرح گوشہ نشینی اختیار کئے رہے اور حکومت کرنے والے حکومت کرتے رہے۔ اور اس بات کو آج کی دنیا میں خصوصاً پاکستان میں سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ہمارے ملک کی ایک دینی جماعت کے رہنما برملا یہ کہتے رہے ہیں کہ ہم عورت کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر عورت ڈھائی ڈھائی سال دو مرتبہ ان پر حکومت کر گئی مگر وہ اپنے موقف پر قائم رہے۔

اور آج اس وقت جب کہ ہمارا قلم صفحہ قرطاس پر جاری ہے پاکستان کی قومی اسمبلی میں اے آر ڈی میں شامل جماعتیں سب کی سب یہ کہہ رہی ہیں کہ ہم وردی والے صدر کو نہیں مانتے ہیں اور نہ ہی بغیر وردی کے۔ مگر وردی والا صدر حکومت کر رہا ہے۔ اور انکی یہ تکرار تادم تحریر جاری ہے کہ ہم مشرف کو نہ وردی میں صدر مانتے ہیں نہ بغیر وردی کے اور وہ اپنے اس موقف پر قائم ہیں۔

اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو حضرات برسر اقتدار آئے وہ حکومت کرتے رہے اور جنھوں نے ان کی حکومت کے جواز کو تسلیم نہیں کیا وہ اپنے موقف پر قائم رہے اور اسلام حقیقی کے یہ پیروکار جنہیں پیغمبر گرامی اسلام نے حضرت علی علیہ السلام کی پیروی کرنے کی وجہ سے خود شیعہ علیؑ کا نام دیا تھا پیغمبر گرامی اسلامؐ کے زمانہ حیات میں تو بالقوہ شیعہ علیؑ تھے اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ کو پیغمبرؐ کا وصی اور جانشین حقیقی اور اپنا امام اور ہادی مان کر ان کی اطاعت و پیروی کرنے کی بناء پر بالفعل شیعہ علیؑ تھے اور اسلام حقیقی پر ہونے کی وجہ سے مسلمان ہی کہلاتے تھے اور اصحاب ثلاثہ کے دور حکومت میں نہ تو کوئی اہل سنت والجماعت نام کا فرقہ پیدا ہوا تھا نہ حضرتؑ علیؑ کو امام مان کر ان کی اطاعت و پیروی کرنے والے بطور فرقہ کے جدا ہوئے تھے۔

اسلامی فرقوں کا ظہور

اور ابوزہرہ مصری نے اپنی کتاب "اسلامی مذاہب" میں اسلامی فرقوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا

نمبر 1۔ اعتقادی فرقے۔ نمبر 2۔ سیاسی فرقے

انہوں نے سیاسی فرقوں اور اعتقادی فرقوں کا بیان اپنے نکتہ نظر سے بہت دور جا کر کیا

ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فرقے پیغمبر اکرمؐ کے اس جہان سے رخصت ہوتے ہی فوراً بعد معرض وجود میں آ گئے تھے کیونکہ سب سے پہلا سیاسی فرقہ تو وہی تھا جو سقیفہ بنی ساعدہ کی سیاست کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا جو فی الحقیقت اہل سنت والجماعت کے لئے ''ام الفرق'' کی حیثیت رکھتا ہے۔گو ابھی اس نام کے ساتھ موسوم نہ ہوا تھا۔

اور سب سے پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ بھی وہی ہے جو پیغمبرؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت علیؑ کی امامت پر ایمان لا کر انکی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے شیعہ علیؑ قرار پایا۔ اور اگر اسے شیعہ فرقوں کے لئے ام الفرق کہا جائے تو نامناسب نہ ہو گا گو یہ بھی اس وقت اس کے نام کے ساتھ موسوم نہ ہوا تھا۔

پھر آگے چل کر مذکورہ دونوں ام الفرق میں سے بہت سے سیاسی اور اعتقادی فرقے معرض وجود میں آئے یعنی یہ اعتقادی فرقے اور سیاسی فرقے اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع دونوں میں پیدا ہوئے مگر سیاسی فرقے صرف اس لئے سیاسی کہلاتے ہیں کہ وہ سیاست کی پیداوار ہیں۔ورنہ سیاسی فرقے بھی بعد میں اعتقادی فرقے بن گئے۔کیونکہ ان سیاسی فرقوں نے بعد میں اپنے سیاسی پیشواؤں کو اپنا مذہبی پیشوا بھی مان لیا پھر علیحدہ فرقے کی حیثیت سے کچھ خاص عقائد واعمال بھی وضع کر لئے۔لیکن کچھ اعتقادی فرقے دونوں ام الفرق میں ایسے بھی پیدا ہوئے جو سیاست کی پیداوار نہیں تھے بلکہ وہ فلسفہ کی پیداوار ہیں اگرچہ یہ فلسفہ بھی کسی سیاست کے تحت ہی وارد کیا گیا تھا۔جسکا تفصیلی بیان ہم نے اپنی کتاب ''اسلام پر سیاست وفلسفہ وتصوف کے اثرات اور اسلامی فرقوں کی پیدائش کا حال'' میں کیا ہے۔

بہرحال ان فلاسفہ نے علمی لحاظ سے کسی نئے عقیدہ کی ایجاد کی اور پھر دوسروں نے اس عقیدہ میں انکی پیروی کی اس طرح بہت سے اعتقادی فرقے فلسفہ کے زیر اثر

معرض وجود میں آئے۔

اسلام کا سب سے پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ

اسلام کا سب سے پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں ہی موجود تھا وہ اس طرح سے کہ وہ اسلام کے اصل بنیادی عقائد یعنی توحید ونبوت وقیامت کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ قرآن اور فرامین پیغمبر گرامی اسلامؐ پر عمل کرتے ہوئے سورہ العنکبوت کی آیت نمبر 27 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہی رہے گی۔اور سورہ البقرہ کی آیت نمبر 124 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ امامت اولاد ابراہیم میں جاری رہے گی۔

اور سورہ الفرقان کی آیت نمبر 74 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ میں بھی آنحضرت کی رحلت کے بعد امامت جاری رہے گی اور سورہ السجدہ کی آیت نمبر 23-24 کی رو سے وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد بھی ایسے امام ہوں گے جو پیغمبر اکرم کے بعد انکے جانشین کی حیثیت سے ہدایت کا کام جاری رکھیں گے۔اور وہ سورہ الفاطر کی آیت نمبر 31-32 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ پیغمبر کے بعد بھی خدا کے ایسے بندوں کا وجود ہے جو انبیاء ورسل کی طرح ہی اصطفےٰ کی منزل پر فائز ہیں اور برگزیدہ خدا ہیں اور سورہ الحج کی آیت نمبر 78 کی رو سے وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ پیغمبرؐ کے بعد بھی خدا کے ایسے بندے موجود ہوں گے جن کا انبیاء ورسل کی طرح ہی خدا نے اجتبےٰ کیا ہے جو انکی عصمت پر اور انکے عالم علم لدنی ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وہ سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 33 کی رو سے جسے آیہ تطہیر کہتے ہیں انکے پاک ومعصوم ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا اور وہ آل عمران کی آیت نمبر 61 کی رو سے جسے آیہ مباہلہ کہتے ہیں انہیں

صادق اور سچا ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا اور وہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر 55 کی رو سے انکے
پیغمبر کے بعد اپنا ولی وسرپرست وحاکم ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا اور جو سورہ شوریٰ کی آیت
نمبر 24 کی رو سے انکی مودت ومحبت کو اجر رسالت سمجھتے ہوئے فرض اور واجب ہونے کا
عقیدہ رکھتا تھا۔اور وہ پیغمبر اکرمؐ کے دعوت ذوالعشیرہ کے اعلان سے لیکر غدیر خم کے اعلان
تک اور غدیر خم کے اعلان سے لیکر بستر بیماری تک پیغمبر اکرمؐ سے بار بار سن چکے تھے کہ پیغمبر
کے بعد حضرت علیؑ امام ہونگے حضرت علیؑ کے بعد حضرت امام حسنؑ امام ہونگے اور حضرت
امام حسنؑ کے بعد حضرت امام حسینؑ امام ہونگے اور حضرت امام حسینؑ کے بعد امام حسینؑ کے
نو فرزند امام ہونگے۔ان میں کا آخری مہدی ہوگا۔اس طرح سے بارہ امام ہونگے اور وہ
سب کے سب معصوم ہونگے اور جنہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے یہ سنا تھا کہ علیؑ میرے علم کا
دروازہ ہے جس نے علم حاصل کرنا ہو وہ دروازہ پر آئے اور جنہوں نے پیغمبر کو یہ کہتے ہوئے
سنا تھا کہ اے علیؑ میرے بعد ہدایت پانے والے تم سے ہی ہدایت پائینگے،اور جنہوں نے
پیغمبر اکرم کی زبان اقدس سے یہ سنا تھا کہ علیؑ ہی میرے بعد علم کو لوگوں سے بیان
کریگا۔جنہوں نے پیغمبر اکرم کی زبان مبارک سے یہ سنا ہوا تھا کہ میرے بعد علیؑ کی
اطاعت وپیروی ایسی ہے جیسی کہ میری اطاعت وپیروی اور میری اطاعت وپیروی ایسی ہے
جیسی کہ خدا کی اطاعت اور علیؑ کی نافرمانی ایسی ہے جیسا کہ میری نافرمانی اور میری نافرمانی
ایسی ہے جیسی کہ خدا کی نافرمانی۔اور وہ پیغمبر اکرمؐ کی ان تمام باتوں اور ان تمام اعلانات
پر کامل طور پر ایمان رکھتا تھا۔

پس وہ بزرگ اصحاب پیغمبر رضوان اللہ علیہم جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ
حیات میں مذکورہ باتوں پر ایمان رکھتے تھے اور جو پیغمبر اکرمؐ کے صادق وامین ہونے کا
عقیدہ رکھنے کی وجہ سے یہ یقین رکھتے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ برحق ہے۔،

اصحاب پیغمبر آنحضرتؐ کے زمانہ حیات میں بالقوہ شیعہ تھے اور جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ کی وفات کے بعد ان بزرگ اصحاب پیغمبر نے ان باتوں پر عمل کیا تو بالفعل شیعہ ہوگئے
پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد اسی اعتقادی شیعہ فرقے نے جس کا نام
حضرت علی کی پیروی اور اطاعت کرنے کی وجہ سے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے شیعہ
علی رکھا تھا خدا کے فرمان،قرآن کے احکام اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے ارشاد کے مطابق عقیدہ
اپنایا اور انکے پہلے افراد وہ بزرگ صحابہ کرام ہیں جن کا نام ابوزہرہ مصری نے اپنی کتاب
''اسلامی مذاہب'' میں ''شیعہ کے ہمنوا'' کے طور پر لکھا ہے،یہی بزرگ اصحاب
پیغمبر رضوان اللہ علیہم اولین اعتقادی شیعہ تھے،کیونکہ وہ معنی وحقیقت اور عقیدہ وعمل کے لحاظ
سے شیعہ علیؑ تھے اور چونکہ شیعیت اسلام حقیقی ہی کا دوسرا نام ہے لہذا یہ بزرگ اصحاب پیغمبرؐ
اسی اسلام حقیقی پر قائم رہنے کی وجہ سے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔جیسا کہ طرفداران حکومت
بھی مسلمان ہی کہلاتے تھے اور 40ھ تک اہل سنت نام کا بھی کوئی فرقہ معرض وجود میں
نہیں آیا تھا۔

اس پہلے شیعہ اسلامی فرقے کا اصل الاصول "الاسلام" ہے،یعنی اطاعت صرف
اللہ کی اور خدا کے سوا کسی کی نہیں۔اور وہ انبیاء ورسل اور ہادیان دین اور آئمہ معصومین کی
اطاعت کو صرف اس لئے فرض اور واجب جانتے ہیں کیونکہ خدا نے انہیں مقرر کیا ہے
اور انکی اطاعت کا حکم دیا ہے،اور انکی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے،اور یہی اسلام حقیقی
ہے اور اس اسلام حقیقی کے پیرو جس کا دوسرا نام حضرت علیؑ کی پیروی کی وجہ سے
اور انکو اپنا پہلا امام اور ہادی خلق،منصوص من اللہ،معصوم عن الخطا اور وصی رسول ماننے کی
وجہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ نے شیعہ علیؑ رکھا تھا۔اللہ پر صدق دل سے ایمان رکھتے
ہیں،اہل توحید کے قائل ہیں اور توحید میں توحید ذات،توحید صفات،توحید افعال،توحید

عبادت کے قائل ہیں، اور انکی توحید صفات میں، صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ پر ایمان رکھتے ہیں، اسکو عادل مانتے ہیں۔ اسکو ظالم نہیں سمجھتے۔ تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتے ہیں پیغمبر اکرمؐ کو آخری نبی مانتے ہیں۔ یعنی اب قیامت تک انکی ہی رسالت ہے اور انکی ہی شریعت نافذ ہے، اور انکی رسالت کے ساتھ ساتھ انکو ہادی خلق بھی مانتے ہیں جو امامت سے متعلق ہے نبوت ختم ہوئی مگر امامت جاری ہے۔ لہذا پیغمبر کے بعد خدا کے مقرر کردہ اماموں پر ایمان رکھتے ہیں جو پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ کے جانشین کی حیثیت سے انکی نیابت میں لوگوں کو ہدایت کرتے رہے۔ خدا نے جو کچھ اپنے پیغمبرؐ پر قرآن میں نازل کیا وہ اس سب پر ایمان رکھتے ہیں، ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں، تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جنت پر ایمان رکھتے ہیں۔ دوزخ پر ایمان رکھتے ہیں۔ کعبہ کو اپنا قبلہ مانتے ہیں۔ ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

غرض اسلام حقیقی کے یہ پیروکار، جنہیں پیغمبر گرامی اسلامؐ نے اپنے بعد حضرت علیؑ کی پیروی کرنے کی وجہ سے شیعہ علیؑ کا نام دیا تھا۔ پیغمبرؐ کے زمانے میں تو پیغمبرؐ کے ارشادات پر ایمان رکھنے کی وجہ سے بالقوہ موجود تھے۔ اور پیغمبر اکرم صلعم کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق اپنا پہلا امام مان کر انکی پیروی کرتے ہوئے بالفعل اسلام حقیقی کے پیرو یعنی پہلے اعتقادی شیعوں میں محسوب ہوئے۔

اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب، اور ان کے ہم مشرب وہ تمام علماء، جو غلط طور پر شیعوں کو بدنام کرنے کے لئے، اور حضرت عثمان کے عمال کی بد اعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اور شیعوں پر تہمت لگانے کے لئے عبداللہ بن سبا کا من گھڑت افسانہ بیان کرتے ہیں وہ اس وقت تک اپنے باپ کے صلب سے بھی باہر نہ آیا تھا۔ اس عبداللہ بن سبا

کے اس من گھڑت افسانہ کا معروف سنی دانشور طٰہٰ حسین مصری نے اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں جس کا "حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے نام سے اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے، خوب اچھی طرح سے پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ جس کا دل چاہے وہ اس سنی دانشور کی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں عبداللہ بن سبا کے پوسٹ مارٹم کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

یہ ہے ہمارا نکتہ نظر جو ہم اسلام حقیقی اور اسلام کے سب سے پہلے شیعہ اعتقادی فرقے کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اب ہم علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کے شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقے سے عدم واقفیت کو دور کرنے کے لئے شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقے کا بیان کرتے ہیں۔

شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقے کا بیان

یہ وہی اسلام حقیقی کا سچا پیروکار سب سے پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ ہے، جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین، بارہ خلیفہ، بارہ وصی اور بارہ امام ہونگے۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ کے بزرگ اصحاب کا وہ گروہ جو پیغمبر اکرمؐ کو صادق سمجھتے ہوئے، یہ یقین رکھتا تھا، کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ارشاد کے مطابق پیغمبر اکرمؐ کے بعد ضرور ضرور پیغمبر کے بارہ خلیفہ یا بارہ جانشین یا بارہ وصی یا بارہ امام اور حادی خلق ہونگے اور وہ عالم علم لدنی اور معصومؐ ہونگے اور ان کا پہلا علیؑ ہے اور آخری مھدیؑ ہے۔ یہ لوگ حیات پیغمبرؐ میں پیغمبر اکرمؐ کے ان ارشادات الٰہی اور ایمان رکھنے کی وجہ سے بالقوہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ تھے اور پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد پیغمبرؐ کے ارشاد کے مطابق بالفعل شیعہ علیؑ بن گئے اور خداوند تعالیٰ کے ارشاد، قرآن کے بیان اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے فرمان کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر کا

پہلا جانشین حقیقی، منصوص من اللہ، معصوم عن الخطاء امام برحق، ھادی خلق، مصطفے ومجتبے اور سید الاوصیاء ہونے کا عقیدہ بالفعل اپنا کر آئندہ کے لئے گیارہ اماموں کے آنے کا انتظار کرنے لگے اس طرح وہ آئندہ کے لئے دوسرے گیارہ اماموں کے ہونے کا عقیدہ اپنا کر بالقوہ اثنا عشری رہے جیسا کہ آنحضرتؐ کے زمانہ حیات میں بھی وہ یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے بالقوہ شیعہ امامیہ اثنا عشری تھے۔

یہ لوگ ہر امام کی رحلت کے بعد دوسرے ہونے والے امام کی جستجو میں لگ جاتے تھے۔ اور اسکی امامت کا یقین کر کے اس کی امامت پر ایمان لے آتے تھے، اور جس طرح سابقہ امتیں خاتم الانبیاء کے آنے تک آنحضرتؐ کے آنے کا انتظار کرتی رہیں اور ان کے آنے کا بالقوہ ایمان رکھتی رہیں۔ اور جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو ان میں سے کچھ آنحضرت پر ایمان لاکر بالفعل مسلمان ہوگئیں اور باقی جو ان پر ایمان نہ لائیں وہ مسلمان نہ ہوئیں۔

اسی طرح یہ اعتقادی شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقہ بھی بارہویں امام کے تشریف لانے تک۔ ہر امام کی شہادت کے بعد انکے وصی، انکے نائب، انکے جانشین امام کی تلاش میں لگ جاتا تھا اور یہ تحقیق کرتا تھا کہ سابق امام کی طرف سے نص کس کے لئے ہے؟ سابقہ امام کے بعد دعوائے امامت کس نے کیا ہے۔ اور دعوائے امامت کرنے والے اس امام کے پاس کار ہدایت انجام دینے کے لئے ضروری علم ہے یا نہیں۔ جو پیغمبرؐ کے بعد ہونے والے ہر امام کے لئے ضروری اور لازمی ہے اور اس کے پاس اپنے امام برحق ہونے کی کیا نشانی ہے۔

اہل ایمان کے لئے ہر امام کے رخصت ہوجانے کے بعد بڑا نازک وقت آجاتا تھا۔ ایک ایک وقت میں کئی کئی امام امامت کے دعویدار بن گئے حضرت امام جعفر صادق علیہ

السلام کے زمانے میں کچھ لوگوں نے حضرت زید شہید کو امام مان لیا۔ آگے چل کر کچھ لوگوں نے حضرت محمد نفس زکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنے بن حسن مجتبےؑ بن علی ابن ابی طالب کو امام مان لیا پھر ابراہیم بن عبداللہ الحسن کو امام مانا، امام ابوحنیفہ اور امام مالک بھی اسی زمانہ میں ہوئے۔ لیکن حالات وواقعات شاھد ہیں کہ جس نے پیغمبر اکرمؐ کے حقیقی جانشین یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے علاوہ دوسروں کو امام مان لیا وہ سب کے سب اسلام کے سب سے پہلے شیعہ اعتقادی امامیہ اثنا عشری فرقے سے اعتقاد وعمل کے لحاظ سے پٹڑی سے اتر گئے۔ چاہے وہ خود کو شیعہ ہی کہلاتے رہے ہوں۔ اور یہی مطلب تھا پیغمبرؐ کی اس حدیث کا جسے امام احمد حنبل نے اپنی کتاب مسند میں نقل کیا ہے کہ:

من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ۔

مسند امام احمد حنبل جلد 4 صفحہ 96

''یعنی جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا کہ وہ کون ہے؟ تو وہ جاہلیت کی موت مرا''

کیونکہ جو اپنے حقیقی امام زمانہ کو نہ پہچانے گا تو یقیناً دوسروں کو امام مان کر پٹڑی سے اتر جائیگا اور جو پٹڑی سے اتر جائیگا وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مریگا اور جو جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے اس کے جہنمی ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔

پیغمبرؐ کی اس حدیث کا مطلب ہرگز ہرگز وہ نہیں ہے، جو اہل سنت نے سمجھا ہے، کہ جو اپنے زمانہ میں کسی کو اپنا امام نہ بنائیگا۔ کیونکہ خدا نے کسی کو بھی ہادیوں کے بنانے کا اختیار نہیں دیا ہے نہ ہی امام وھادی خلق بنانے کا کسی کو اختیار ہے جس کا اعلان اس نے سورہ القصص میں اس طرح سے کیا ہے۔

''وربک یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ، سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون ،(القصص 68)

اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ اور یہ انتخاب کا کام لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے، اور جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں خدا اس سے پاک اور برتر ہے۔

اور نہ ہی اس حدیث کا مطلب وہ ہے جو مفوضہ اور مذہب شیخیہ نے قرار دیا ہے کہ معرفت سے مراد یہ ہے کہ انہیں خالق و رازق و محی و ممیت اور ساری کائنات کا نظام چلانے والا مانا جائے۔ کیونکہ ایسی معرفت کا جاہلیت کی موت مرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اصل امام برحق اور ہادی خلق کو نہ پہچاننے سے کہ وہ کون ہے؟ دوسروں کو امام مان لیگا اور اس طرح امام برحق کی ہدایت سے محروم ہو جائیگا۔ اور دوسروں کو امام ماننے سے وہ انکا پیروکار بنے گا جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

بہر حال یہ اسلام حقیقی کا سچا پیرو اعتقادی شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقہ بارہویں امام تک اسی طرح ہر آنے والے امام کی اطاعت و پیروی کرتا رہا۔ لیکن بارہویں امام کے بعد ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق نہ تو کوئی اور امام ہوا، اور نہ ہی اس اعتقادی شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقے نے بارہویں امام کے بعد کسی اور کو امام مانا، اور بارہویں امام کے تشریف لانے کے بعد یہ فرقہ بالفعل شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہو گیا۔

لیکن جس طرح اسلام میں سیاست و فلسفہ و تصوف کے زیر اثر اہل سنت کے آگے چل کر بہت سے فرقے بنے اسی طرح شیعہ کہلانے والے بھی سیاست و فلسفہ و تصوف کے زیر اثر آگے چل کر کئی فرقے بنے جس کا حوالہ خود علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے روضہ کافی سے دیا ہے، تحفہ حسینیہ صفحہ 118

ہم نے تو ان شیعہ کہلانے والے فرقوں میں سے اپنا مسلک کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب خود اہل سنت کے ساتھ فرقوں میں سے کونسے

مسلک سے تعلق رکھتے ہیں یہ بیان نہیں کیا کیونکہ اہل سنت کے دو بنیادی فرقوں، معتزلہ اور اشعری کے آگے چل کر پھر ہر ایک کے بہت سے فرقے بن گئے ہیں۔۔ بہر حال نام رکھنے کی وجہ تسمیہ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ہمیں اس سے اتفاق ہے جس کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئیگا۔

سب سے پہلے سیاسی شیعہ فرقے کی پیدائش

یہ بات ہم اوراق سابقہ میں ثابت کر آئے ہیں کہ ابوزہرہ مصری نے اپنی کتاب ''اسلامی مذاہب'' میں یہ لکھا ہے کہ اصولی طور پر مسلمان فرقوں کی دو اقسام ہیں۔

نمبر 1۔ اعتقادی فرقے   نمبر 2۔ سیاسی فرقے

اور ہم یہ بھی ثابت کر آئے ہیں کہ سب سے پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ وہی ہے جو خدا کے فرمان اور پیغمبر گرامی اسلام کے ارشاد کے مطابق پیغمبر اکرمؐ کے بعد حضرت علیؑ کو اپنا امام اپنا ہادی اپنا پیشوا اپنا رہنما مان کر ان کی اطاعت و پیروی کرتا رہا۔ یہ پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے زمانے میں آنحضرتؐ کے ارشادات پر ایمان رکھنے کی وجہ سے بالقوہ شیعہ علیؑ تھا اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے بالفعل شیعہ ہوا۔

اور دوسرا فرقہ جو سقیفہ بنی ساعدہ کے سیاسی معرکے کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا۔ یہ سیاسی اس لئے ہے کیونکہ اس میں کسی نے بھی پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ کی علمی نیابت یا امامت کی ہدایت کی بات نہیں کی۔ بلکہ بحث کا سارا زور امارت محمدؐ، ملک محمدؐ اور سلطان محمدؐ پر تھا اس جماعت کے روح رواں حضرت عمر تھے، اور انہوں نے ہی خود اس جماعت کا [illegible] امین متعین کیا، چنانچہ غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب '' تصوف کی

حقیقت‘‘ میں یہ لکھنے کے بعد کہ ’’حقیقت یہ ہے کہ اسلام نام ہی جماعتی زندگی کا ہے‘‘ حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

’’لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة‘‘

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز صفحہ 236 بحوالہ جامع ابن عبد العزیز)

ترجمہ پرویزی: غلام احمد پرویز صاحب نے حضرت عمر کے اس قول کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

’’جماعت کے بغیر اسلام کا وجود ہی نہیں، اور جماعت کی ہستی امیر کے ساتھ ہے اور امارت کا مدار اطاعت پر ہے‘‘۔ (تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز صفحہ 236)

اور ایک جملہ میں اس جماعت کی تعریف یوں کیجا سکتی ہے۔

’’ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کا اسلام‘‘

بہر حال پیغمبر کے بعد یہ دو فرقے معرض وجود میں آئے۔

نمبر 1۔ اسلام حقیقی کے پیروکار اعتقادی شیعہ فرقہ

نمبر 2۔ ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے پیرو

لیکن پہلے کے تین خلفاء کے دور میں کسی نے بھی علیحدہ فرقے کا نام اختیار نہیں کیا تھا۔ یعنی خلفائے ثلاثہ کے دور میں علیحدہ طور پر نام کے ساتھ کسی بھی فرقے کی بنیاد نہیں پڑی تھی، البتہ جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں مسلمانوں کی افعال و کردار کے لحاظ سے کئی اقسام تھیں مگر وہ سب مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ اسی طرح خلفائے ثلاثہ کے دور حکومت میں عقیدہ و نظریہ اور افعال و کردار کے لحاظ سے تو دو قسمیں تھیں لیکن وہ سب مسلمان ہی کہلاتے تھے۔

یہ علیحدہ فرقے کی بنیاد کب پڑی، اس کے لئے کتاب ’’حضرت معاویہ

واستخلاف یزید بجواب تحقیق مزید علی خلافت معاویہ و یزید‘‘ کے مصنف اس طرح سے لکھتے ہیں۔ ’’کتب سیر و تاریخ کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد خلافت علیؑ میں خانہ جنگیوں کے دوران امت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایک گروہ شیعیان عثمان کہلاتا تھا اور دوسرا گروہ شیعیان علیؑ، پھر رفتہ رفتہ پہلے گروہ کا نام عثمانی پڑ گیا۔ اور دوسرے کا نام شیعہ‘‘۔

(کتاب حضرت معاویہ واستخلاف یزید صفحہ 20)

یہی بات امام اہل سنت امام ابن تیمیہ نے لکھی ہے وہ اپنی کتاب منھاج السنۃ میں لکھتے ہیں کہ: ’’و کان الناس فی الفتنة صاروا شیعتین شیعه عثمانیه و شیعه علویه‘‘

منھاج السنۃ امام ابن تیمیہ جلد 2 صفحہ 142۔

کتاب حضرت معاویہ واستخلاف یزید صفحہ 20

یعنی لوگ فتنہ کے وقت دو گروہ ہو گئے ایک شیعہ عثمانیہ اور دوسرے شیعہ علویہ۔

اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ:

’’ہر گاہ شہادت آں خلیفہ برحق یعنی عثمان واقع شد و خلافت حقہ خاتم الخلفاء امیر المومنین صورت گرفت جماعت کثیر خود را، در اعداد محبین و مخلصین آنجناب وانمودہ خویشتن را بہ شیعہ علی ملقب ساختند‘‘۔ تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبد العزیز

یعنی جب خلیفہ برحق حضرت عثمان کی شہادت واقع ہوگئی اور خاتم الخلفاء حضرت امیر المومنین خلیفہ بن گئے تو مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت نے خود کو آنجناب کے محبین اور مخلصین ظاہر کرتے ہوئے شیعہ علیؑ کہلانا شروع کر دیا

حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنے بیان میں جماعت کثیر کا لفظ استعمال کیا ہے تمام مسلمانوں کا نہیں کیونکہ معاویہ تمام بنی امیہ اور صوبہ شام کے تمام مسلمان تو حضرت علیؑ سے علیحدہ ہے اور انہوں نے حضرت علیؑ کو چوتھے خلیفہ کے طور پر بھی تسلیم نہیں کیا۔

دوسری بات جو ان بزرگ علمائے اہل سنت کے بیان سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے خلیفہ بننے کے بعد مسلمان دو فرقوں میں تقسیم ہوئے جنہوں نے حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر انکا ساتھ دیا وہ سب کے سب شیعہ کہلائے اور جو مخالفت میں جنگ کرتے رہے وہ شیعہ عثمان یا عثمانی کہلائے۔

پس یہ سب سے پہلا سیاسی شیعہ فرقہ تھا جو حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعہ علیؑ کہلانے لگا تھا۔

اور وہ لوگ جو پہلے سے ہی حضرت علیؑ کو اپنا امام مان کر انکی اطاعت و پیروی کی وجہ سے اعتقادی شیعہ تھے ان سیاسی شیعوں کے ساتھ ضم ہو گئے فرق صرف اتنا تھا کہ یہ حضرت علیؑ کو اپنا پہلا امام مانتے تھے اور دوسرے چوتھا خلیفہ۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب غور کریں کہ ابھی تک کسی نے بھی اپنا نام اہل سنت والجماعت نہیں رکھا۔

حضرت علیؑ کے دور حکومت میں شیعوں کی اقسام

جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں مسلمانو کی کم از کم چار اقسام تھیں۔

نمبر1۔ منافقین

نمبر2۔ دنیا کے طالب

نمبر3۔ آخرت کے خواستگار

نمبر4۔ قضا و قدر الٰہی کے سامنے سرامر تسلیم خم کرنے والے

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں یہ چاروں اقسام موجود تھیں۔ جنہیں

"علیم بذات الصدور" نے وحی کے ذریعہ قران میں آشکار کیا تھا۔ مگر یہ ظاہر علیحدہ علیحدہ فرقے کی حیثیت سے وجود نہیں رکھتے تھے بلکہ یہ انکی دلی حالت اور عمل و کردار کی بناء پر تقسیم تھی۔ جسے خدا نے ظاہر کر دیا تھا۔ ورنہ وہ سب کے سب کلمہ گو مسلمان ہی کہلاتے تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت کے بعد جب نئی حکومت قائم ہوئی۔ تو اس وقت ظاہری طور پر مسلمانوں کی تقسیم دو حصوں میں ہوگئی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کی اکثریت تو حکومت کی طرفدار ہوگئی لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے جلیل القدر اصحاب کی ایک نہایت ہی قلیل تعداد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ارشادات کی روشنی میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو پیغمبر کا جانشین حقیقی، خلیفہ بلا فصل، امام برحق، ھادی خلق، معصوم عن الخطا منصوص من اللہ مانتے ہوئے انکی منھاج اور طریقے پر چلتی رہی اور حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت و پیروی کرتی رہی لیکن حکومت کے طرفدار اور حضرت علیؑ کی پیروی کرنے والے دونوں کے دونوں ہی صرف مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ اور خلیفہ سوم حضرت عثمان کے آخر زمانے تک کسی بھی فرقہ کا خصوصی طور پر نام نہیں پڑا تھا۔ یعنی اس وقت نہ علیحدہ طور پر کوئی اہل سنت نام کا کوئی فرقہ تھا، اور نہ ہی شیعہ نام کا علیحدہ طور پر کوئی فرقہ تھا، بلکہ سب مسلمان ہی کہلاتے تھے، مگر پیغمبرؐ کے زمانے کے مسلمانوں کی طرح اپنی دلی کیفیت اور طرز عمل کے اظہار سے جدا جدا تھے۔

لیکن جب حضرت عثمان کے قتل کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر نے مل کر چوتھے خلیفہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خلاف میدان جنگ میں اترے اور جنگ جمل برپا کی تو وہ شیعیان عثمان کے نام سے میدان میں آئے۔

انکے مقابلہ میں وہ لوگ جنہوں نے چوتھے نمبر پر حضرت علیؑ کی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کر لی تھی اور وہ امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر میں شریک ہو کر اصحاب

جمل کے مقابلہ میں آئے تھے انہوں نے شیعان عثمان کے مقابلے میں شیعیان علیؑ کہلوانا
شروع کر دیا۔ اور وہ مسلمان جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی احادیث کی روشنی اور آنحضرت
کے ارشادات کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کو پہلے سے ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کا جانشین حقیقی امام برحق ھادی خلق اور وصی پیغمبر مانتے ہوئے انکی اطاعت و پیروی
کر رہے تھے اور انکی منہاج اور طریقے پر چل رہے تھے اور معنوی طور پر شیعیان علیؑ یعنی
حضرت علیؑ کے پیروکار تھے حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ ماننے
والے شیعیان علیؑ میں ضم ہو گئے۔ پس حضرت علیؑ کے دور حکومت میں آپ کے پرچم تلے جمع
ہو کر شیعیان علیؑ کہلانے والوں کی عقیدہ وعمل اور دلی حالت کے اعتبار سے چار اقسام تھیں۔

نمبر 1۔ شیعیان علیؑ کی ایک قسم تو وہ تھی جو پہلے سے ہی معنوی اعتبار سے حضرت علیؑ کی
پیروی اور انکی منہاج اور ان کے طریقے پر چلنے کی وجہ سے شیعہ علیؑ تھے اور اگر حضرت علیؑ کو
چوتھے نمبر پر اقتدار نہ ملتا یعنی چوتھے نمبر پر خلیفہ نہ مانے جاتے تو وہ تب بھی معنوی طور پر
شیعہ علیؑ ہی رہتے، اگرچہ وہ پہلے ظاہری طور پر علیحدہ سے شیعہ فرقہ نہیں کہلاتے تھے۔ بلکہ
اسلام حقیقی کا سچا پیرو سمجھتے ہوئے وہ خود کو مسلمان ہی کہلاتے تھے۔

نمبر 2۔ شیعیان علیؑ کی دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے حضرت عثمان کے قتل کے جانے کے
بعد حضرت علیؑ کی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کر لی تھی اور جنگ جمل میں شیعیان عثمان
کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علیؑ کہلانے لگ گئے تھے۔ مگر یہ
ترتیب خلافت کے لحاظ سے افضلیت کے قائل تھے یعنی ان کے نزدیک جو سب سے پہلے
خلیفہ بنا وہ سب سے افضل تھا۔ جو دوسرے نمبر پر خلیفہ بنا وہ پہلے خلیفہ کے بعد سب سے
افضل تھا جو تیسرے نمبر پر خلیفہ بنا وہ دوسرے خلیفہ کے بعد سب سے افضل تھا اور جو چوتھے
نمبر پر خلیفہ بنا وہ تیسرے خلیفہ کے بعد سب سے افضل تھا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں اس گروہ کو شیعہ
اولیٰ اور شیعہ مخلصین اور اہل سنت والجماعت کے اسلاف کہا ہے اور علامہ محمد اشرف سیالوی
صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں بھی شاہ عبدالعزیز کا اتباع کیا ہے اور ابن حجر مکی نے
صواعق محرقہ میں اور رشید احمد گنگوہی بانی مدرسہ دیوبند نے بھی شاہ عبدالعزیز کے نظریہ کے
ساتھ اتفاق کیا ہے۔

نمبر 3۔ شیعیان علیؑ کی تیسری قسم حضرت علی علیہ السلام کی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے
بیعت کرنے والے اور اصحاب جمل کے مقابلہ میں حضرت امیر المومنین کے لشکر میں شرکت
کرنے والے اور شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علیؑ کہلانے والے ان مہاجرین
وانصار مدینہ کی تھی جنہوں نے مدینہ منورہ میں آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے حضرت
علیؑ کی فضیلتوں کی احادیث کو اپنے کانوں سے سنا تھا۔ اور وہ فضائل کے اعتبار سے حضرت علی
کو تمام مسلمانوں سے افضل سمجھتے تھے۔ لیکن ان کا نظریہ یہ تھا کہ افضل کی موجودگی میں اگر
مفضول کی بیعت ہو جائے تو وہ خلیفہ بن جاتا ہے۔ پس وہ مہاجرین وانصار مدینہ جنہوں
نے پیغمبر گرامی اسلامؐ کی زبان مبارک سے حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کی احادیث
اپنے کانوں سے سنی تھیں وہ حضرت علی علیہ السلام کو سب مسلمانوں سے افضل جانتے تھے اور
حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان سے بھی فضیلت میں برتر سمجھتے
تھے مگر وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس کی بیعت ہو جائے وہ خلیفہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ پہلے نمبر
پر حضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتے تھے۔ دوسرے نمبر پر حضرت عمر کو خلیفہ مانتے تھے۔ تیسرے
نمبر پر حضرت عثمان کو خلیفہ مانتے تھے۔ مگر فضیلت کے اعتبار سے وہ حضرت علیؑ کو ہی سب سے
افضل جانتے تھے یعنی حضرت علی علیہ السلام کی سب مسلمانوں پر تفضیل کے قائل تھے۔
وہ بزرگ اصحاب پیغمبرؐ یہ مہاجرین وانصار مدینہ بھی اسی طرح سے حضرت علیؑ کو اپنا

چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علیؑ کہلانے لگے تھے جس طرح ترتیب
خلافت کے قائل اصحاب پیغمبر حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان عثمان کے مقابلہ میں
شیعیان علیؑ کہلانے لگے تھے۔

مگر تعجب کا مقام یہ ہے کہ اہل سنت کے ان اسلاف میں سے ان لوگوں کو تو جو
ترتیب خلافت کے قائل تھے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ
میں اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں یہ قرار دیا ہے کہ وہ
عبداللہ بن سبا کے بہکائے میں نہیں آئے۔

لیکن جو اصحاب پیغمبر رضوان اللہ علیہم پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کی
احادیث کے مطابق نہ صرف تمام مسلمانوں پر بلکہ اصحاب ثلاثہ پر بھی فضیلت کے قائل تھے
ان کے بارے میں انہوں نے یہ کہا کہ وہ عبداللہ بن سبا یہودی کے وسوسے سے تھوڑا سا
بہکانے میں آگئے اور اس کے بہکانے میں آکر حضرت علیؑ کی تمام مسلمانوں پر فضیلت کے
قائل ہو گئے اور انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی تمام احادیث سے آنکھیں بند
کر لیں۔

اور سب سے بڑھ کر تعجب خیز اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ پر بھی یہ
تہمت اور بہتان جڑتے ہیں کہ؛

"وہ ان کے حق میں تہدید شدید سے کام لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں نے
کسی کے متعلق سنا کہ وہ مجھے شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں حد قذف یعنی اسی
(80) کوڑے لگاؤں گا"۔ (تحفہ حسینیہ صفحہ 31 بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز)

تحفہ حسینیہ اور تحفہ اثنا عشریہ کے مذکورہ بیان سے ابوالحسن مدائنی کی کتاب احداث
کے اس بیان کی واضح طور پر تصدیق ہو جاتی ہے کہ معاویہ نے اقتدار سنبھالتے ہی اپنے

گورنروں کو یہ حکم صادر کیا تھا کہ اصحاب ثلاثہ کی شان میں حدیثیں گھڑ گھڑ کر میرے سامنے پیش
کی جائیں اور اسکا مفصل بیان آگے چل کر آئیگا۔

اور عبرت حاصل کرنے کے لئے یہ بات ہی کافی ہے کہ جب انکی طرح حضرت
ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کو خلیفہ ماننے والوں کو انہوں نے نہیں بخشا تو جنہوں نے ان
حضرات کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور شروع دن سے حضرت علیؑ کو ہی اپنا امام مان کر انکی
اطاعت و پیروی کرتے رہے ان پر انہوں نے کیا کیا نہ اتہام لگائے ہونگے؟ کیا کیا نہ
باتیں جڑی ہونگی؟ حالانکہ مذکورہ اصحاب پیغمبرؐ عبداللہ بن سبا یہودی کے بہکائے میں
آکر حضرت علیؑ کی فضیلت کے قائل نہیں ہوئے تھے بلکہ انہوں نے آنحضرتؐ کی زبان
مبارک سے خود حضرت علیؑ کی فضیلت کی حدیثوں کو اپنے کانوں سے سنا تھا۔

چنانچہ اہل سنت والجماعت کی تمام مستند کتابیں ان احادیث سے چھلک رہی ہیں
جن میں پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے فضائل بیان کیے ہیں۔ تمام احادیث کا بیان کرنا تو
باعث طوالت ہوگا اختصار کے پیش نظر اہل سنت والجماعت کے بزرگ علماء کے صرف تین
اقوال نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ "قال احمد بن حنبل و اسماعیل بن اسحق القاضی لم یرد فی
فضائل احد من الصحابة بالا سانید الحسان ماروی فی فضائل علی ابن
ابی طالب کذالک احمد بن شعیب النسائی رحمة الله"

امام احمد بن حنبل اور قاضی اسماعیل بن اسحق کہتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے
کسی کے حق میں اسناد کے ساتھ اتنے فضائل مروی نہیں جتنے فضائل علی ابن ابی طالبؑ کے
حق میں ہیں۔ یہی قول احمد بن شعیب نسائی کا ہے۔

الاستیعاب لابن عبدالبر الجزء الثانی صفحہ 479

صواعق محرقہ لابن حجر باب التاسع صفحہ 72-76

مستدرک حاکم الجزء الثالث صفحہ 107

نور الابصار مومن شبلنجی صفحہ 73

ریاض النضرہ محب الدین طبری صفحہ 123

مسند امام احمد بن حنبل الجزء الاول صفحہ 210

الامامت والسیاست ابن قتیبہ دینوری صفحہ 93

(ب) امام الفقہا ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری لکھتے ہیں کہ:

"ان رجلا من همدان يقال له بر دقدم على معاويه فسمع عمرو اقبح فى على ،فقال له يا عمرو ان اشيا خنا سمعوا رسول الله وسلم يقول:

"من كنت مولاه فهذا على مولاه"

فحق ذالك ام باطل ،فقال عمرو ،حق وانا ازيدك انه ليس احد من اصحاب رسول الله له مناقب مثل مناقب على"۔

(کتاب الامامت والسیاست صفحہ 93)

ترجمہ: ہمدان کا ایک آدمی جس کا نام بردتھا معاویہ کے پاس آیا۔وہاں اس نے عمرو بن عاص کو علیؑ کی برائی کرتے ہوئے دیکھا،تو اس نے کہا: اے عمرو ہمارے بزرگوں نے جناب رسول اللہؐ سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ: جس کا میں مولا ہوں اسکا علیؑ مولا ہے۔ کیا یہ بات درست ہے یا غلط ہے۔تو عمرو نے جواب دیا کہ درست ہے۔بلکہ میں تجھے اس سے بھی زیادہ بتاؤں کہ اصحاب رسولؐ میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جس کے مناقب علیؑ کے مناقب کے برابر ہوں۔ (کتاب امامت والسیاست صفحہ 93)

(ج) **"واخرج الطبرانى عنه قال كانت لعلى ثمانيه عشر**

منقبة،ما كانت لاحد من هذه الامة"

ترجمہ: طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ کے اٹھارہ فضائل ایسے تھے جو اس امت میں سے کسی میں بھی موجود نہیں تھے۔

صواعق محرقہ لابن حجر صفحہ 76

ریاض النضرۃ محب الابن طبری صفحہ 207

نور الابصار مومن شبلنجی صفحہ 73

کنز العمال علی متقی الجزء السادس صفحہ 153

مطالب السؤل محمد بن طلحہ شافعی الباب الثانی صفحہ 8

تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی صفحہ 10

ینابیع المودۃ شیخ سلمان قندوزی بلخی حنفی باب 42 صفحہ 103

لہٰذا یہ تین روایات ہی کافی ہیں جنہیں معتبر اور بزرگ علمائے اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت کی یہ احادیث مدینہ کے بہت سے مہاجرین والانصار نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی زبان مبارک سے اپنے کانوں سے سنی تھیں۔ لہٰذا وہ حضرت علیؑ کو تمام امت سے افضل مانتے تھے اور انہیں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان سے بھی افضل جانتے تھے،لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ افضل کی موجودگی میں اگر مفضول کی بیعت ہو جائے تو وہ حاکم وخلیفہ بن جاتا ہے۔

اس بیعت کی بنا پر وہ اول نمبر پر حضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتے تھے دوسرے نمبر پر حضرت عمر کو خلیفہ مانتے تھے تیسرے نمبر پر وہ حضرت عثمان کو خلیفہ مانتے تھے اور چوتھے نمبر پر وہ حضرت علیؑ کو خلیفہ مانتے تھے۔

وہ مہاجرین والانصار مدینہ حضرت علیؑ کے ہمراہ مدینے سے آئے تھے۔ جنگ جمل

میں یہ بھی شیعیان عثمان کے مقابل میں حضرت علی کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علی کہلائے، جیسا کہ ترتیب خلافت کے اعتبار سے افضل ماننے والوں نے شیعیان علی کا لقب اختیار کیا تھا۔

اگر حضرت عمر کی منصوبہ بندی اور قریش کی خواہش کے مطابق حضرت علی چوتھے نمبر پر بھی برسر اقتدار نہ آتے اور خلافت سے دور رکھے جا سکتے، اور حضرت عثمان کے بعد ہی کسی طرح معاویہ خلیفہ ہو جاتا، نہ تو ترتیب سے فضیلت کے قائل شیعیان علی کہلاتے، اور نہ ہی حضرت علی کو تمام امت سے افضل ماننے والے شیعیان علی کہلاتے۔

مگر یہ انتہائی ناانصافی کی بات ہے کہ ترتیب خلافت کے اعتبار سے افضلیت کے قائل تو خود کو شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کہیں اور یہ دعوی کریں کہ وہ عبداللہ بن سبا یہودی کے دھوکے میں نہیں آئے۔ اور ان شیعیان علیؑ کو جو ان ہی کی طرح حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مانتے تھے مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی احادیث کی روشنی میں حضرت علیؑ کو امت میں سب سے افضل سمجھتے تھے وہ ان کے بارے میں یہ تہمت لگائیں اور ان پر یہ بہتان باندھیں کہ وہ عبداللہ بن سبا یہودی کے بہکانے میں آکر حضرت علیؑ کو سب سے افضل ماننے لگ گئے تھے۔

اور جب ترتیب خلافت کے مطابق فضیلت کے قائل ان بزرگوں نے اپنے ہی ان ساتھیوں پر جو صرف ترتیب خلافت کے لحاظ سے فضیلت کے قائل نہیں تھے ایسی تہمت لگا دی۔ تو ان شیعیان علی پر جو اعتقادی شیعہ تھے۔ تہمت لگانے اور بہتان جڑنے کا کیا حال ہوگا۔

نمبر4: حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علیؑ کہلانے والوں کا تیسرا گروہ یا چوتھی قسم وہ ہے جو اطراف و اکناف سے حضرت عثمان کے گورنروں کی شکایات لے کر مدینہ آیا تھا۔

ان کے طرز عمل سے نالاں تھا اور جنہوں نے محمد ابن ابی بکر کے قتل کا حکم نامہ پکڑے جانے کے بعد واپس مدینہ آکر حضرت عثمان کے گھر کو گھیر لیا تھا۔ یہ لوگ حضرت عثمان کو خطا کار سمجھتے تھے اور ان سے خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے اور انہیں معزول کرنے کا مستحق سمجھتے تھے۔ حضرت عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد جب مہاجرین والانصار مدینہ نے حضرت علیؑ کی چوتھے نمبر پر چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کر لی۔ تو ان کے بعد ان بلوائیوں نے بھی حضرت علی کی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کر لی اور جب حضرت علیؑ کو حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر اور اصحاب جمل کے لشکر کے بصرہ پر حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی اور آپ مدینہ سے ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ تو ان میں مہاجرین والانصار مدینہ کے علاوہ کوفہ وبصرہ وغیرہ سے آئے ہوئے وہ بلوائی بھی شامل تھے جو حضرت عثمان کے گورنروں کی شکایات لے کر مدینہ آئے تھے اور حضرت عثمان کو خطا کار اور قابل معزولی سمجھتے تھے اور ان سے دستبرداری کا مطالبہ کر رہے تھے۔

پس خلاصہ اس سارے بیان کا یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کے دور حکومت یا زمانہ خلافت ظاہری میں شیعیان علیؑ کی چار قسمیں تھیں اور یہ چاروں قسم کے شیعہ حضرت علیؑ کے لشکر میں موجود تھے، اگرچہ زیادہ تعداد ان میں دوسری، تیسری اور چوتھی قسم کے شیعوں ہی کی تھی اور امامؑ کے شیعہ اب بھی بہت قلیل تعداد میں تھے لیکن لشکر امیر المومنین میں دل وجان سے لڑنے اور کٹانے والے یہی پہلی قسم کے شیعہ ہی تھے۔

لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ پہلی قسم کے شیعہ جو پیغمبر اکرمؐ کے عین حیات ہی میں موجود تھے اور آنحضرت کی وفات کے بعد بالفصل حضرت علیؑ کی پیروی کرنے کی وجہ سے شیعیان علی تھے، اس وقت تو عبداللہ ابن سبا کا کہیں دور دور تک وجود ہی نہ تھا ممکن ہے کہ ابھی اس کا باپ کے صلب سے بھی برآمد نہ ہوا ہو، یا ابھی بچہ ہو لہذا ان کے تو بہکانے کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر دوسری اور تیسری اور چوتھی قسم کے شیعوں میں سے بھی کوئی عبداللہ ابن سبا کے بہکائے میں نہ آیا تھا، جبکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی کتاب شیعہ اثنا عشری میں انہیں دوسری قسم اور تیسری قسم اور چوتھی قسم کے شیعوں کو بہکانے کا دعویٰ کیا ہے اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے بھی اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ہی تتبع کیا ہے۔

جبکہ طہٰ حسین مصری نے اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ میں اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے کہ عبداللہ ابن سبا کا افسانہ صرف حضرت عثمان کی اقربا پروری اور ان کے عمال کی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے اور شیعوں کو بدنام کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے۔

اور یہ افسانہ اسوقت گھڑا گیا جب دوسری اور تیسری قسم کے شیعان علیؑ نے کاملاً معاویہ کی بیعت کر کے اہل سنت والجماعت کہلانا شروع کر دیا، اس میں ثابت کرنے کے لئے دلائل کے انبار لگانے کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے تنزیہ الامامیہ کی اس بات کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے کہ اہل سنت نے معاویہ کی بیعت کے بعد "سنۃ الجماعت" کی مناسبت سے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھا لیکن ایک معمولی سی عقل کا آدمی بڑی آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ دوسری اور تیسری قسم کے شیعیان علی معاویہ کی بیعت کے بعد خود کو شیعیان علی کہلانے کی جرات کر ہی نہیں سکتے تھے یہ ناممکن تھا کہ معاویہ کی بیعت کرنے کے بعد وہ خود کو شیعیان علی کے طور پر ظاہر کریں یہاں اشارہ ہی کافی ہے تفصیل آگے مناسب مقام پر آئیگی۔

اب رہ گئے پہلی اور چوتھی قسم کے شیعہ تو پہلی قسم کے شیعوں نے تو نہ پہلے کے تینوں خلفا کو جانشین رسول مانا تھا اور نہ ہی معاویہ کے برسر اقتدار آنے کے بعد انکی بیعت کی اور حسب دستور پیغمبر کے بعد ہونے والے آئمہ برحق اور ھادیان دین کی ہی اطاعت

وپیروی کرتے رہے لہذا دوسری اور تیسری قسم کے شیعیان علیؑ نے معاویہ کی بیعت کرنے کے بعد انکا نام معاویہ کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے رافضی رکھا اور چوتھی قسم کے شیعوں کا نام انکے حضرت عثمان کو خطا کار اور حضرت علی اور معاویہ دونوں کو کافر کہنے کی وجہ سے خارجی رکھا۔ جنکا کچھ بیان آگے آتا ہے لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ اگر وہ صرف حضرت علی کو کافر کہتے اور ان پر تبرا کرتے اور حضرت عثمان کو اور معاویہ کو کچھ نہ کہتے تو معاویہ کی بیعت کر کے اہل سنت کہلانے والے انکو ہرگز خارجی نہ کہتے۔ کیونکہ یہ کام معاویہ اور بنی امیہ اور سارے شام والے انجام دے رہے تھے لیکن انہیں اہل سنت نے خارجی نہیں کہا۔

جنگ صفین کا ایک منظر اور خوارج کا ظہور

ہمیں جنگ صفین کے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہم صرف خوارج کے ظہور کا سبب بیان کرنے کے لئے جنگ صفین کا ایک منظر پیش کرینگے۔

جب معاویہ کا لشکر شکست سے دوچار ہونے لگا۔ تو اس نے عمرو ابن عاص سے کہا کہ اب کیا ہوگا؟ اس نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے ایسے موقع کے لئے پہلے ہی ایک تدبیر سوچ رکھی ہے۔ کہا کہ وہ تدبیر کیا ہے؟ کہا کہ قرآن مجید کو نیزوں پر بلند کرکے اسے ثالث بنانے کی تجویز ان کے سامنے رکھی جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک گروہ جنگ جاری رکھنے پر زور دیگا۔ اس طرح ہم ان میں پھوٹ ڈلوا کر جنگ کے ملتوی کرانے میں کامیاب ہو جائینگے چنانچہ معاویہ کے حکم سے قرآن مجید نیزوں پر بلند ہو گئے۔

حضرت ابوبکر کا ایک رشتہ دار اشعث ابن قیس جو پہلے ہی اس سازش میں معاویہ کے ساتھ شریک ہو چکا تھا قرآن لیکر امیر المومنین کے لشکر کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور قرآن کا حکم مان لینے پر زور دینے لگا اور امیر المومنینؑ کے لشکریوں میں اکثر کو اپنے ہم آہنگ

کرلیا لہذا وہ کہنے لگے کہ ہم قرآن کے فیصلہ پر راضی ہیں اور اسے حکم ماننے کے لئے تیار ہیں
،اس پر امیر المومنین نے فرمایا "عباد الله امضوا علیٰ حقکم وصدقکم وقتال عدوکم ،فان معاویه وعمراً وابن ابی معیط وحبیباً وابن ابی سرح والضحاک لیسو باصحاب دین ولا قرآن، انا اعرف لهم منکم قد صحبتهم اطفالا ثم رجالا فکانوا اشر اطفال واشر رجال .ویحکم .والله مارفعو ها الا خدیعة ووهناً ومکیدة" ۔تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 167

ترجمہ: اے اللہ کے بندو تم حق وصداقت کی جس روش پر چل رہے ہو۔اس پر چلتے رہو۔ اور اپنے دشمن سے جنگ جاری رکھو۔معاویہ ہو یا عمرو،ابن ابی معیط ہو یا حبیب ابن مسلمہ، ابن ابی سرح ہو یا ضحاک۔یہ لوگ نہ دین والے ہیں نہ قرآن پر عمل کرنے والے ہیں۔میں تم لوگوں سے زیادہ ان لوگوں کو جانتا پہچانتا ہوں۔بچپن اور جوانی دونوں میں میرا انکا ساتھ رہ چکا ہے۔یہ بچپن میں بھی بُرے تھے۔اور جوانی میں بھی بُرے ہیں۔خدا کی قسم انہوں نے قرآن مکروفریب کی بناء پر اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لئے اٹھایا ہے۔

امیر المومنینؑ نے اپنے لشکر والوں کو بالفاظ دیگر ان لوگوں کو جو آپ کی بیعت کرکے اور آپ کو چوتھا خلیفہ مان کر آپ کے ساتھ تھے اور شیعیان علیؑ کہلانے لگے تھے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اشعث ابن قیس اور اس کے ہمنواؤں کا داؤ چل چکا تھا۔وہ سوچنے سمجھنے کی بجائے بغاوت وسرکشی پر اتر آئے ،اور مسعر ابن فدکی تمیمی اور زید ابن حصین بیس ہزار آدمیوں کو لیکر آگے بڑھے اور حضرت سے کہا کہ اے علیؑ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے جنگ لڑیں گے (یہ تھے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ کے پیشوایان واسلاف ،شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین جو حضرت علیؑ کو چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کرکے شیعیان علیؑ کہلانے لگے تھے)انہوں نے زور دے کر کہا آپ فوراً جنگ کو

رکوانے کا حکم دیں۔اور مالک اشتر کو پیغام بھیجیں کہ وہ میدان جنگ سے واپس آئیں (مالک اشتر امیر المومنین کے ان معنوی شیعوں میں سے تھے جو آپکو پیغمبر کا حقیقی جانشین خلیفہ بلافصل ، امام اول ،ھادی خلق مانتے ہوئے آپ کی اطاعت کو ہر حال میں فرض جانتے تھے) حضرت امیر المومنینؑ نے جب یہ دیکھا کہ فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے ،لوگ بغاوت وسرکشی پر اُتر آئے ہیں اور شر وفساد پر آمادہ ہیں تو آپ نے یزید ابن ہانی کے ہاتھ مالک اشتر کو پیغام بھجوایا کہ جس حالت میں ہو فوراً چلے آؤ ،مالک ابن اشتر نے یہ پیغام سنا تو حیرت میں کھو گئے اور کہا۔امیر المومنینؑ سے کہیے کہ دشمن ایک آدھ لمحے میں ہتھیار ڈال دے گا۔میں ابھی فتح کی خوشخبری لیکر حاضر ہوتا ہوں۔

یزید ابن ہانی نے پلٹ کر مالک ابن اشتر کا جواب عرض کیا ،تو لشکر والوں نے شور مچانا شروع کردیا کہ آپ نے در پردہ مالک کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا تمہارے سامنے کہا ہے اس بات کا موقع ہی کہاں تھا کہ میں چوری چھپے کوئی بات کہتا۔انہوں نے کہا کہ آپ یزید ابن ہانی کو دوبارہ بھیجیں اور مالک اشتر کو فوراً واپس بلوائیں ۔اگر مالک اشتر نے پلٹنے میں تاخیر کی تو پھر شانوں پر چلنے والی تلواریں آپ پر چلیں گی۔

(یہ تھے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اور علامہ محمد اشرف سیالوی وغیرہ کے اسلاف وپیشوایان شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین ،جو انتہائی بدتمیزی اور بے ادبی کے ساتھ امام کو کہہ رہے تھے کہ: اے علی اگر آپ نے قرآن کا حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے لڑیں گے اور مالک اشتر کے واپس نہ آنے پر امیر المومنینؑ کو جھٹلاتے ہوئے اور جھوٹ کی کھلی تہمت لگاتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ اگر مالک اشتر نے پلٹنے میں تاخیر کی تو پھر شانوں پر چلنے والی تلواریں آپ پر چلیں گی)

بہر حال امیر المومنینؑ نے یزید ابن ہانی کو دوبارہ بھیجا انہوں نے مالک اشتر سے کہا کہ اگر تمہیں امیر المومنین کی جان عزیز ہے تو فوراً جنگ سے ہاتھ اٹھا کر ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔ مالک اشتر فتح کے قریب پہنچے ہوئے حکم امام سے جنگ روک کر افسردہ دلی کے ساتھ حضرت کے پاس چلے آئے۔

اس جنگ میں ایک طرف حضرت علیؑ اور ان کے چاروں اقسام کے شیعہ تھے اور دوسری طرف سارے عثمانی تھے، اس وقت اہل سنت والجماعت نامی فرقے کا کوئی وجود نہیں تھا۔ البتہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے مذکورہ چاروں اقسام میں سے دوسری اور تیسری قسم کے شیعان علیؑ کو جو ان کے خیال کے مطابق شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین تھے، اہل سنت والجماعت کے اسلاف اور پیشینان کہا ہے کیونکہ یہ حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعان عثمان کے مقابلہ میں شیعان علیؑ کہلانے لگے تھے اور اب خود حضرت علیؑ کے خلاف تلواریں سونتے کھڑے تھے۔

اور ایک حضرت علیؑ کے معنوی شیعہ آپ کو اپنا امام مان کر پیروی کرنے والے پہلی قسم کے اعتقادی شیعہ، مالک ابن اشتر تھے، جنہوں نے امام کا حکم سن کر ادب کے ساتھ امیر المومنین کہا دوسروں کی طرح بے ادبی کے ساتھ اے علی نہیں کہا اور وہ یہ سنتے ہی کہ مولا اور ان کے امام کی جان خطرے میں ہے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کے شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین حضرت علی کو قتل کر ڈالیں گے، لہذا وہ جیتی ہوئی جنگ آخری لمحہ میں، جبکہ دشمن ہتھیار ڈالنے ہی والا تھا حکم امام سے چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ بہر حال امیر المومنین نے دیکھا کہ جنگ کے التوا کا فیصلہ نہ کیا گیا تو آپس میں تلواریں چلنے لگیں گی، آپ نے با دل نخواستہ جنگ کے التوا کا حکم دیدیا

قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کے بعد معاویہ کا داؤ چل چکا تھا۔ حضرت علی کے

لشکر میں پھوٹ پڑ چکی تھی، لہذا آپ نے مجبوراً تحکیم کی بات مان لی

ابھی دونوں فوجیں میدان صفین میں ہی تھیں کہ معاہدہ تحکیم کے خلاف سرگوشیاں شروع ہو گئیں اور عراقی انکی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور ان میں سے کچھ آدمیوں نے "لا حکم الا للہ" (یعنی حکم اللہ کے لئے مخصوص ہے) کا نعرہ لگایا۔ اور ان میں سے ایک آدمی نے اشعث سے کہا،

"اتحکمون الرجال فی دین اللہ فاین قتلانا یا اشعث"

(اخبار الطول ص196)

یعنی کیا تم نے اللہ کے دین میں لوگوں کو حکم قرار دے لیا ہے۔ اے اشعث اگر یہی ہونا تھا تو پھر ہمارے مقتولین کیوں قتل ہوئے۔

معاہدہ تحکیم کے بعد جب دونوں لشکروں کی واپسی ہوئی اور امیر المومنین اپنے لشکر کے ہمراہ کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جب کوفہ کے قریب پہنچے تو بارہ ہزار افراد نے شہر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور جماعت سے کٹ کر کوفہ کے قریب مقام "حروراء" میں اتر پڑے اور "لا حکم الا للہ" کی بنیاد پر ایک مستقل اور خطرناک محاذ قائم کر لیا۔ یہ جماعت خوارج اور حروریہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور انہوں نے نہروان کے مقام پر حضرت علی کے ساتھ جنگ کی جو جنگ نہروان کے نام سے موسوم ہے۔

کتاب "حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واستخلاف یزید" کے مولف نے "اہل اہوا اور بدعی فرقوں کی آراء کا ملخص" کے عنوان کے تحت پانچ فرقوں کا بیان اس طرح لکھا ہے۔

1۔ نواصب: حضرت علی کو خلیفہ راشد تسلیم نہیں کرتے اور انکی جگہ حضرت معاویہ کو خلافت راشدہ کے مرتبہ علیا کے چوتھے درجے پر فائز گمان کرتے ہیں۔

2۔ دوسرا فرقہ: یزید کو بھی خلیفہ راشد کہتے ہیں اور بعض ان کے غلو میں اس سے بھی

زائد ہیں۔

3۔خوارج: وہ حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو خلیفہ راشد نہیں تسلیم کرتے۔ حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ کی تکفیر کرتے ہیں، اور حضرت عثمان کو فاسق و مستحق عزل سمجھتے ہیں البتہ شیخین کی خلافت کو صحیح و درست تسلیم کرتے ہیں۔

4۔روافض: خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے منکر ہیں انہیں اور انکی اولاد کا موروثی حق سمجھتے ہیں اور صحابہ پر بھی سب وشتم کرتے ہیں۔

ان سب فرقوں کے برعکس اہل سنت والجماعت ہیں جو تمام صحابہ کو لائق اکرام وقابل احترام سمجھتے ہیں اور خلفائے اربعہ کو خلفائے راشدین یقین کرتے ہیں اور یہی وہ فرقہ، ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہے۔جس کی طرف روایات مذکورہ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

کتاب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واستخلاف یزید صفحہ 27

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کی ایک حق بات

ارباب مذاہب کے بارے میں علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کی یہ بات بالکل حق اور صحیح ہے کہ:

(وجہ تسمیہ وہ معتبر ہوسکتی ہے جو ارباب مذاہب نے خود بیان کی ہو نہ کہ جو ان کے ذمہ لگائی گئی ہو) تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 132

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اپنے اس اصول پر غور کریں کہ انکا اور انکے ہم مشرب دوسرے علماء کا یہ کہنا کہ شیعہ فرقہ پیدا کردہ عبداللہ بن سبا یہودی کا ہے کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔وہ یہ الزام لگاتے وقت اتنا بھی خیال نہیں رکھتے کہ خود انکی مستند کتابوں میں پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کا یہ ارشاد کئی طریقوں سے لکھا ہوا موجود ہے کہ اے علیؑ تم اور

تمہارے شیعہ ہی جنت میں جائیں گے۔اور وہ خود اور ان کے بزرگ علماء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شیعیان علیؑ کے فضائل میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی احادیث صحیحہ وارد شدہ ہیں۔اور یہ الزام لگاتے وقت وہ اپنی آنکھیں بالکل ہی بند کرلیتے ہیں اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ان احادیث کو دیکھتے ہوئے جن میں شیعیان علیؑ کے فضائل بیان ہوئے ہیں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین ان کے اسلاف اور پیشینان اہل سنت والجماعت ہیں۔

جہاں تک عبداللہ بن سبا کے افسانے کا تعلق ہے تو ہم اس کے لئے اپنی طرف سے کچھ لکھنا نہیں چاہتے آپ اہل سنت والجماعت کے معروف محقق دانشور سیرت نگار طہٰ حسین مصری کی کتاب ''الفتنة الکبریٰ'' کا مطالعہ کریں۔جس کا اردو میں بھی ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے نام سے ترجمہ ہوچکا ہے۔

آپ طہٰ حسین مصری کی اس تحقیق پر غور کریں کہ حضرت عثمان کے سارے کے سارے اصحاب شوریٰ تک مخالف ہوچکے تھے۔اور حضرت عثمان کے عمال کی بدعنوانیوں کے خلاف انکے قبیلہ کے علاوہ سارا عالم اسلام اٹھ کھڑا ہوا تھا علاوہ ازیں خود حضرت عائشہ حضرت عثمان کے بارے میں اقتلو نعثلا کا فتویٰ دیکر مکہ تشریف لے گئی تھیں اور طلحہ وزبیر حضرت عثمان کو قتل کرنے والے بلوائیوں کے آگے آگے تھے اور لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکاتے تھے کہ عثمان نے دین کو بدل دیا ہے۔

طہٰ حسین مصری نے یہ بھی لکھا ہے، اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے گورنر انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے متقی زاہد بزرگ صحابی حضرت ابوذر غفاری کو محض اپنے خلاف تنقید کرنے کی بناپر نہیں بخشا۔وہ عبداللہ بن سبا یہودی کو کیسے چھوڑ دے سکتے تھے۔

اور طہٰ حسین مصری نے یہ بات بھی بالکل صحیح لکھی ہے کہ عبداللہ بن سبا کا افسانہ

حضرت عثمان کے عمال کی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے گھڑا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے طہٰ حسین مصری کی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" کا مطالعہ کریں یا اس کے اردو ترجمہ "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کو پڑھیں۔

علاوہ ازیں اسلام حقیقی کے سچے پیروکار شیعہ امامیہ جعفریہ اثنا عشریہ کے علاوہ شیعوں کے سیاست وفلسفہ وتصوف کے زیر اثر جتنے بھی فرقے بنے وہ بھی عبداللہ بن سبا کے پیرو نہیں ہیں اور علی الخصوص شیعہ امامیہ جعفریہ اثنا عشریہ برملا عبداللہ بن سبا پر لعنت بھیجتے ہیں اور اسے کافر ومشرک گردانتے ہیں اور دنیا جہان میں کوئی مذہب ایسا نہ ہوگا کہ جو کسی کو کافر ومشرک کہتے ہوں اور اس پر لعنت بھیجتے ہوں اور اسی کو اس مذہب کا بانی کہا جائے۔

بہر حال علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے کسی مذہب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں جو اصول اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے صفحہ 132 پر تحریر فرمایا ہے اس کے مطابق انہیں یہ حق شیعوں کو بھی دینا چاہیے، چنانچہ ہم نے اسلام حقیقی کے سچے پیروکاروں یعنی شیعہ امامیہ جعفریہ اثنا عشریہ کا اپنے بارے میں نظریہ اس کتاب کے مندرجہ ذیل عنوانات میں تحریر کر دیا ہے وہ عنوانات یہ ہیں:

نمبر1۔ شیعیت کا آغاز

نمبر2۔ اسلام کا سب سے پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ

نمبر3۔ شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقہ کا بیان

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کو اپنی کتاب میں اپنے لئے بیان کردہ اصول کے مطابق اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔

ہم بھی ان کی بیان کردہ اپنے بارے میں اس وجہ تسمیہ کو تسلیم کرتے ہیں اور انہوں نے اور انکے بزرگ علماء نے جو کچھ خود لکھا ہے اسے اگلے عنوان تحت پیش کرتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کی وجہ تسمیہ خود اہل سنت کی زبانی

ہم اہل سنت والجماعت کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں خود انکا بیان نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب "تحفہ حسینیہ" میں "مخصوص نام تجویز کرنے کی وجہ" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

"پہلے تو سبھی شیعیان علی کہلاتے تھے مگر جب مختلف جنگوں میں ان کا اصحاب جمل اور اصحاب صفین کے ساتھ مقابلہ ہوا اور بعد میں تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو اس دوران کچھ لوگ صحابہ کرام کے حق میں طعن وتشنیع اور سب وشتم سے کام لینے لگے جو روافض کہلائے۔ اور کچھ لوگ خود امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے لگے بلکہ ان کو کافر تک کہنے سے گریز نہ کیا اور آپ کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے وہ خوارج کہلائے۔ لہٰذا ان دو قلیل جماعتوں کے علاوہ جو عظیم اکثریت بچ گئی۔ اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے افراط وتفریط سے محفوظ رکھا وہ اہل سنت والجماعت کہلائے تا کہ ان بدلے ہوئے حالات میں افراط وتفریط کا شکار ہونے والی دو جماعتوں سے اور دیگر مخالف فرقوں سے امتیاز قائم ہو سکے"۔ تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 129

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ لکھتے ہیں "پہلے تو سبھی شیعیان علی کہلاتے تھے" اور یہ شیعیان علی کی چار اقسام تھیں جسے ہم نے "حضرت علی کے دور حکومت میں شیعوں کی اقسام" کے عنوان کے تحت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

پس علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے واضح الفاظ میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ شیعہ اپنی چاروں اقسام میں پہلے تھے اور اہل سنت والجماعت بعد میں وجود میں آئے

بہر حال علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اس سے اگلے صفحہ پر حضرت شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحفہ اثنا عشری سے عبداللہ بن سبا کی کارگزاری بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"پس لشکر امیر بسبب ردو قبول وسوسہ ایں شیطان لعین چہار فرقہ شدند" اول فرقہ شیعہ اولی وشیعہ مخلصین کہ پیشوایان اہل سنت والجماعت اند"۔

تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 130

"یعنی اس شیطان لعین (عبداللہ بن سبا) کے وسوسے کے ردو قبول کے نتیجہ میں حضرت امیر المومنین کا لشکر چار فرقوں میں بٹ گیا۔ پہلا فرقہ شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کا ہے جو کہ اہل سنت والجماعت کے پیشوا تھے"۔ تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 130

اس کے بعد دوسرے تین فرقوں یعنی تفضیلیہ وسبیہ وغلاۃ کا بیان کرنے کے بعد سیالوی صاحب لکھتے ہیں:

"الغرض جب شیعیان علیؑ چار فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو دوسرے فرق مخالفہ سے امتیاز ضروری ٹھہرا لہذا انہوں نے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھا"

تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 131

"اگلے اس بیان سے واضح ہے کہ انہوں نے اپنا نام اہل سنت والجماعت خود رکھا وجہ چاہے جو قرار دیں" پھر اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں:

وجہ تسمیہ وہ معتبر ہو سکتی ہے جو ارباب مذہب نے خود بیان کی ہو نہ کہ جو ان کے ذمہ لگائی گئی۔ تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 132

اس کے بعد شرح عقائد مع نبراس صفحہ 31 کے حوالہ سے علامہ تفتازانی کی بیان کردہ اہل سنت نام رکھنے کی وجہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے ابوعلی جبائی معتزلی کا مذہب ترک کر دیا اور آپ خود اور

ان کے متبعین معتزلہ کا رد کرنے میں مشغول ہو گئے، اور جو کچھ سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد تھا۔ اور جس پر جماعت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک قائم رہی۔ اس کے اثبات کے درپے ہو گئے۔ پس انکو اہل سنت والجماعت کا نام دیا گیا۔ یعنی حدیث رسول والے اور صحابہ کرام کے متبعین یہ ہے وجہ تسمیہ۔ جو خود اہل سنت نے بیان کی ہے"۔

تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 132

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ہم تو وہی وجہ تسمیہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر اسکا کیا کیا جائے کہ آپ نے اور شاہ عبدالعزیز نے جو وجہ تسمیہ بیان کی تھی علامہ تفتازانی کی یہ وجہ تسمیہ اس کے سراسر خلاف ہے۔ یہ اہل سنت کے اشعری فرقے کی معتزلہ سے جدائی کا بیان ہے کیونکہ ابوالحسن اشعری ابوعلی جبائی معتزلی کا شاگرد تھا اس سے علیحدہ ہو کر اشعری نے اپنی دوکان علیحدہ چمکائی ہے" آپکے پہلے بیان کے مطابق آپ کے نام رکھنے کا سن تقریباً 41ھ بنتا ہے اور ابوعلی جبائی معتزلہ 180ھ میں ہوا۔ یہ تو بہت دور جا کر پڑتا ہے یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں آیئے ابوعلی جبائی معتزلی اور ابوالحسن اشعری کے بارے میں سن وسال کے آئینہ میں معلوم کریں۔

ابوعلی جبائی معتزلی کا بیان

بلال زبیری اپنی کتاب "فرقے اور مسالک" میں معتزلہ کے فرقوں کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جبائیہ 180ھ: معتزلہ ہی کی ایک شاخ جبائیہ کے نام سے مشہور ہے، اسکا بانی ابوعلی محمد بن عبدالوہاب الجبائی ہے۔ جو جبہ نامی ایک قصبہ کا رہنے والا تھا۔ جو خراسان کے علاقے میں واقع ہے۔ اس وجہ سے اس فرقے کی نسبت جبائی یا جبائیہ مشہور ہے"

فرقے اور مسالک بلال زبیری صفحہ 49

ابوالحسن اشعری، ابوعلی جبائی کا شاگرد تھا

بلال زبیری اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں ابوالحسن اشعری کے بارے میں
لکھتے ہیں۔ کہ "الجبائی کے شاگرد اور خود ایک عقلی فرقے کے بانی گذرے ہیں"۔
فرقے اور مسالک بلال زبیری صفحہ 40

اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے خود یہ لکھا ہے کہ ابوالحسن اشعری نے ابوعلی جبائی
معتزلی کا مذہب ترک کر دیا"۔ تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 132

اس سے صاف ثابت ہے کہ بلال زبیری کی یہ تحقیق بالکل درست ہے کہ ابوالحسن
اشعری جس نے اہل سنت والجماعت کے اشعری فرقے کی بنیاد رکھی ابوعلی جبائی معتزلی کا
شاگرد تھا جو 180ھ میں ہوا ہے۔

لہذا یہ تاریخ اہل سنت کے اشعری فرقے کی اہل سنت ہی کے دوسرے فرقے
معتزلہ سے علیحدگی کی تاریخ ہے نہ کہ اہل سنت کی پیدائش کی تاریخ اور اس کی وجہ تسمیہ۔

معتزلہ کی پیدائش اور اس سے اشعری کی جدائی

معتزلہ۔ 90 ھجری۔ بلال زبیری لکھتے ہیں کہ اس فرقہ کا بانی واصل بن عطا ہیں۔ یہ
بزرگ ایرانی النسل تھے اور خواجہ حسن بصری 110ھ کے ممتاز ارشد تلامذہ میں شامل تھے۔
خواجہ حسن بصری نے ان کو فلسفیانہ موشگافیوں سے گریزاں رہنے کے لئے کہا۔ مگر اس نے
تسلیم نہ کیا۔ خواجہ صاحب نے ان کو اپنے درس سے نکال دیا اور کہا کہ وہ اعتزال کا شکار ہو گیا
ہے یعنی صحیح معیار سے الگ ہو کر عقل کو دین کے معاملہ میں معیار مقرر کرتا ہے۔ جو دین کے
منافی ہے۔ اس وقت سے واصل بن عطا کے ساتھ معتزلہ کے لفظ کا اضافہ ہوا اور ایک

نیا فرقہ وجود میں آ گیا"۔ فرقے اور مسالک، بلال زبیری صفحہ 45

اس سے ثابت ہوا کہ واصل بن عطا 90ھ اس معتزلہ فرقے کا بانی ہے اس
کے بعد بلال زبیری نے معتزلہ کے نام بنام 31 فرقے لکھے ہیں جو ان کے بانیوں کے
نام سے موسوم ہیں اور جو اپنے سے پہلے کے فرقے سے معمولی سے اختلاف کی بنا پر نئے
فرقے کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ واصل بن عطا کے بعد اس فرقے میں سے جو فرقے
بنے ان میں دوسرا قدریہ 110 ھجری ہے، ندلیہ 118 ھجری ہے، عشیہ 170 ھجری ہے،
مقابلیہ 180 ھجری ہے جبایہ 180 ھجری ہے، جو معتزلہ کی شاخ جبائیہ کے نام سے موسوم
ہے اور اس کا بانی ابوعلی محمد بن عبدالوھاب جبائی ہے اور ابوالحسن اشعری اس ابوعلی محمد بن
عبدالوھاب جبائی کا شاگرد تھا بلال زبیری نے اسے معتزلہ کی ساتویں نمبر پر ایک شاخ کے
طور پر لکھا ہے اور جبائی سے کچھ باتوں میں اختلاف کی بناء پر نیا فرقہ قرار دیا ہے جسے اشعری
فرقہ کہتے ہیں۔ فرقے اور مسالک بلال زبیری صفحہ 45

پس یہ معتزلہ سے اختلاف کی بناء پر علیحدہ فرقے کا پیدا ہونا ہے اہل سنت
والجماعت نام رکھنے کی وجہ تسمیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سب فرقے اہل سنت ہی کی شاخیں ہیں

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک

اہل سنت نام رکھنے کی وجہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں۔

"باید دانست کہ شیعہ اولی کہ فرقہ سنیہ وتفضیلیہ اند در زمان سابق بہ شیعہ ملقب
بودند چوں غلات و روافض و زیدیان و اسماعیلیہ بایں لقب خود را ملقب کردند و مصدر قبائح
شرور اعتقادی و عملی گردیدند خوفاً عن التباس الحق بالباطل فرقہ سنیہ وتفضیلیہ ایں لقب را بخود

نہ پسندیدند وخود را اہل سنت وجماعت ملقب کردند"۔

تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

یعنی جاننا چاہیے کہ اولین اور سب سے پہلے شیعہ کہلانے والے، جو آج سنی اور تفضیلہ کہلاتے ہیں سابقہ زمانے میں شیعہ ہی کہلاتے تھے اور چونکہ غلات اور رافضیوں اور زیدیوں اور اسماعیلیوں نے خود کو اس لقب سے ملقب کر لیا اور ان سے برے اعتقادات اور برے اعمال صادر ہونے لگے تو ان لوگوں نے جو آج سنی اور تفضیلیہ کہلاتے ہیں حق و باطل کے خلط ملط ہونے کے خوف سے اپنے لئے شیعہ کے لقب کو پسند نہ کیا اور خود اہل سنت والجماعت کہلانا شروع کر دیا۔

اور یہی بات جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھی ہے۔ رشید احمد گنگوہی بانی مدرسہ دیوبند نے بھی لکھی ہے۔ اب علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب بتلائیں کہ ان میں سے کونسی وجہ تسمیہ مانیں۔

اہل سنت والجماعت کی تاریخ پیدائش کی تحقیق

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہ کہتے ہیں کہ شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین اہل سنت والجماعت کے اسلاف اور بزرگ تھے۔ لیکن یہ شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین سے اہل سنت والجماعت کب بنے۔ اس میں وہ گھپلا کرتے ہیں۔

تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علیؑ کہلانے والوں نے معاویہ کی بیعت کر لی تھی اور معاویہ کو اپنا خلیفہ مان لیا تھا۔ تو جب وہ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علیؑ کہلانے لگ گئے تھے تو حضرت علیؑ کے بعد معاویہ کو خلیفہ مان کر کیا کہلائے۔ کیا معاویہ کو خلیفہ مان کر بھی وہ شیعہ علیؑ کہلاتے

رہتے۔

"ایں خیال است ومحال است وجنوں"

ایسا ممکن ہی نہیں تھا۔ معاویہ کے زمانے میں تو شیعہ کہلانا موت کو دعوت دینا تھا۔ معاویہ نے تو حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ بھی کبھی نہیں مانا، اور تمام بنی امیہ نے اور صوبہ شام کے تمام مسلمانوں نے بھی حضرت علیؑ کو خلیفہ نہیں مانا تو حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر چاہے وہ جو کچھ کہلاتے رہے ہوں، معاویہ کی بیعت کرنے کے بعد، انکی یہ مجال ہی نہ تھی کہ پھر بھی شیعیان علی کہلاتے تھے، لہذا ابھی موقع تھا کہ وہ اپنا نام شیعیان علیؑ کے علاوہ کچھ اور رکھیں۔

اب علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب خود غور کریں کہ انکے شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین معاویہ کی بیعت کر کے خود کیا کہلاتے تھے۔ تنزیہ الامامیہ کے فاضل مصنف نے تو یہ ان پر احسان کیا ہے کہ انہوں نے یہ لکھ دیا کہ جس سال معاویہ کی بیعت ہوئی اس سال کا نام اس نے سنۃ الجماعت رکھا۔ لہذا اس مناسبت سے اس کی بیعت کرنے والوں نے اپنا نام سنت والجماعت رکھا اور یہ 41 ھ کا واقعہ ہے۔

اگر اہل سنت والجماعت کی یہ وجہ تسمیہ غلط ہے تو جو وجہ تسمیہ آپ نے بیان کی وہ اتنی تضادات کا شکار ہے کہ ان میں سے کوئی سی بھی کسی عقلمند کے نزدیک صحیح نہیں ہو سکتی ورنہ آپ کے بزرگ عالم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تو اسماعیلیہ کو دیکھ کر اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھنا بیان کیا ہے جو 148ھ کے بعد ہوئے اور علامہ تفتازانی نے اپنی شرح عقائد میں ابوالحسن اشعری کے ابو علی جبائی کے مذہب کو ترک کرنے کے بعد خود کو اہل سنت والجماعت کہلانا بیان کیا ہے۔ اور یہ غلط ہے کیونکہ یہ اہل سنت والجماعت کی تاریخ پیدائش نہیں کہلا سکتا، بلکہ یہ اہل سنت کے ایک فرقے معتزلہ کی، جس کا بانی واصل بن عطا تھا ایک شاخ جبائیہ سے علیحدگی کی تاریخ ہے جو بلال زبیری کی کتاب فرقے اور مسالک کے

مطابق 180ھ ہے اور علامہ تفتازانی کے حوالے سے یہ بات علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں خود بیان کی ہے۔

اب یہ انکی مرضی ہے کہ خواہ وہ تنزیہ الامامیہ کے فاضل مصنف کے قول کے مطابق اہل سنت والجماعت کا 41ھ میں نام رکھا جانا مانیں۔ یا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے قول کے مطابق 148ھ کے بعد مانیں یا علامہ تفتازانی کے قول کے مطابق جسے خود انہوں نے اپنی کتاب میں تسلیم کیا ہے۔ بلکہ اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ 180ھ کے بعد اہل سنت والجماعت نام رکھا جانا مانیں۔

لیکن یہ بات تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کی بطور امام اور اپنا پیشوا اور ہادی خلق پیروی کرنے والوں کا نام خود پیغمبر اکرمؐ نے رکھا تھا، جسکا وہ انکار نہیں کر سکتے اور اہل سنت والجماعت کا نام چاہے 41ھ میں معاویہ کی بیعت کرنے والوں نے رکھا ہو یا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے تحفہ اثناعشریہ میں بیان کے مطابق اسماعیلیہ کے خود کو شیعہ کہلانے کی وجہ سے 148ھ کے بعد رکھا ہے۔ یا علامہ تفتازانی کی شرح عقائد میں بیان کے مطابق جیسا کہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے لکھا ہے ابوالحسن اشعری کے ابو علی جبائی کا مذہب جبائیہ ترک کرنے کے بعد جو 180ھ میں ہوا ہے۔ 180ھ کے بعد رکھا ہے ہر حال میں یہ نام انہوں نے خود اپنے آپ رکھا ہے، لہذا وہ دل سے جو تاویلیں اور جو وجہ تسمیہ چاہے بیان کرتے رہیں وہ صرف شیعوں کے فضائل کی احادیث سن کر اور انکے موعود جنت ہونے کی احادیث سن کر یہ کہہ رہے ہیں کہ زمانہ قدیم میں ہمارے آباؤ اجداد شیعہ ہوا کرتے تھے۔ مگر پدرم سلطان بود تراچہ؟

وہ تو شیعہ ہونا تو بڑی بات ہے، وہ تو شیعہ کہلانا بھی چھوڑ بیٹھے ہیں اور اپنا نام ہی انہوں نے بدل لیا ہے، اور نام کے ساتھ عقیدہ وعمل بھی بدل گیا۔

اچھا علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ تو بتلائیں کہ جب آپ کے دعوے کے مطابق اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے قول کے مطابق اور رشید احمد گنگوہی بانی مدرسہ دیوبند کے قول کے مطابق اور ابن حجر کے قول کے مطابق شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین اہل سنت والجماعت کے اسلاف تھے تو وہ یہ کیسے کہتے ہیں کہ شیعہ فرقہ پیدا کردہ عبداللہ بن سبا یہودی کا ہے۔ کیا ان کے اسلاف اس کے بہکائے میں آکر شیعان علیؑ، شیعان اولی اور شیعان مخلصین بنے تھے۔

کیونکہ جہاں تک پہلے اعتقادی شیعہ فرقے کا تعلق ہے وہ تو پیغمبر اکرم کی حیات طیبہ میں ہی خدا کے فرمان اور آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق بالقوہ شیعہ علیؑ تھا۔ اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ کی اطاعت وپیروی کرتے ہوئے بالفعل شیعہ علیؑ قرار پایا تھا، اور اس وقت عبداللہ بن سبا یہودی اپنے باپ کی صلب سے بھی باہر نہ آیا ہوگا لہذا اگر عبداللہ بن سبا یہودی کے بہکائے میں کوئی آیا ہوگا۔ (اگر چہ ہمارے نزدیک یہ صرف ایک الزام ہے) تو وہ وہی ہوگا جو علامہ محمد اشرف سیالوی ومحدث دہلوی ورشید احمد گنگوئی اور ابن حجر مکی کے اسلاف تھے جو حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعان عثمان کے مقابلہ میں شیعان علیؑ کہلانے لگ گئے تھے۔ اور پھر معاویہ کی بیعت کرنے کے بعد 41ھ سے اہل سنت کہلانے لگ گئے تھے۔ چونکہ انکا اسلام حضرت عمر کے قول کے مطابق "ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کا اسلام" ہے، لہذا معاویہ کے برسر اقتدار آنے کے بعد اس کے اسلام کی پیروی کرنا حضرت عمر کے قول کی اطاعت ہے اور ابو علی جبائی معتزلی کے شاگرد ابوالحسن اشعری نے جو 180 کے بعد اپنے استاد کا مذہب ترک کرکے نئی شاخ نکالی تھی وہ اہل سنت کے آگے بننے والے فرقوں میں سے ایک نئے فرقے "اشعری" کی پیدائش کی تاریخ ہے نہ کہ خود اہل سنت کی تاریخ پیدائش۔

صحابہ کرام کے فضائل کا بیان

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں مذکورہ عنوان کے تحت صحابہ کرام کے فضائل کے بیان کو شہادت عقل وخرد اور شہادت قرآن ، دو عنوان کے تحت بیان کیا ہے اور شہادت عقل وخرد کی بنیاد جن باتوں پر رکھی گئی ہے انکا تعلق تاریخی واقعات وحقائق سے ہے لہذا ان باتوں کو تاریخی واقعات وحقائق کی روشنی میں پرکھنا ہوگا اور شہادت قرآن کو خود قرآنی آیات میں غور کر کے معلوم کرنا ہوگا۔

اجمالی طور پر ہم سابقہ اوراق میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں مسلمان کم از کم چار اقسام میں منقسم تھے،

1۔ منافقین جنکا علم صرف خدا کو تھا

2۔ دنیا کے طلبگار یا دنیا کے چاہنے والے

3۔ آخرت کے طلبگار یا آخرت کے چاہنے والے

4۔ اپنا سر ہر حال میں قضاوقدر الہی کے آگے جھکانے والے

اور یہ اقسام وہ ہیں جنکی قرآن گواہی دیتا ہے۔ یہ تمام اقسام کے مسلمان اصحاب پیغمبرؐ میں شمار ہوتے تھے منافقین کا بیان کئی سورتوں میں پھیلا ہوا ہے اور ایک سالم سورہ منافقین کے نام سے نازل ہوا ہے جنگ بنی مصطلق سے آتے ہوئے جب کنویں میں پہلے ڈول ڈالنے پر ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان تکرار ہوئی اور عبداللہ بن ابی نے پیغمبر اکرمؐ کے خلاف دھواں دھار اور ہتک آمیز تقریر کی، جسکا بیان خود سورہ منافقین میں موجود ہے اور اس بات کے چرچے ہوئے تو حضرت عمر نے پیغمبر اکرمؐ سے عرض کی کہ آپ کسی انصاری کے ذریعے عبداللہ بن ابی کو قتل کروادیں پیغمبرؐ نے انکی اس بات کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ،

''اس موقع پر پروپیگنڈا کرنے والے یہ پروپیگنڈا کریںگے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرادیتے ہیں''۔

(تاریخ خمیس ج1 ص471)

(سیرت حلبی ج 2 ص302)

پیغمبر اکرمؐ نے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی تک کو اپنا صحابی کہا ہے۔ اور تاریخوں نے انکی گستاخانہ تقریر کو محفوظ کیا ہے لہذا جب پیغمبر اکرمؐ نے اسے صحابی کہا ہے، تو کسی کے اس کو صحابی نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کہ پیغمبر اکرمؐ انکو اپنے اصحاب میں شمار کرتے ہیں اور جب خدا قرآن میں کوئی حکم نازل کرتا تھا اور یا ایھا الذین امنوا کے خطاب کے ذریعے انہیں مخاطب کرتا تھا تو عبداللہ ابن ابی اور تمام منافقین اس خطاب کے مخاطب قرار پاتے تھے اور قرآن نے ایمان لانے والوں کا ذکر نام بنام نہیں کیا ہے بلکہ مشترکہ طور پر کیا لیکن مراد اس سے صرف وہی ہوتے تھے جن کی تعریف میں وہ آیت خصوصیت کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ کچھ آیات قرآن ایسی ہیں جو مشروط طور پر فضیلت کو بیان کرتی ہیں مثلاً

''انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون''۔ (الحجرات 15)۔

''سچے مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کسی طرح کا شک نہیں کیا، اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا ۔یہی لوگ دعوائے ایمان میں سچے ہیں''

اس شک کا پتہ دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک اس کے طرز عمل سے، اور دوسرے

ظاہر بظاہر شک کا اظہار کرنے سے۔

ایک اور آیت میں ارشادِ رب العزت ہے کہ،

"ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلاخوف علیھم ولاھم یحزنون" (الاحقاف۔3)

"بیشک جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب خدا ہے پھر انہوں نے استقامت دکھائی اور اسپر قائم رہے تو قیامت میں نہ تو ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے"

یہ دونوں آیات مشروط طور پر تعریف کرنے والی ہیں پہلی آیت میں شرط ہے "ثم لم یرتابوا" یعنی انہوں نے کبھی شک نہیں کیا اور دوسری آیت میں شرط ہے "ثم استقاموا" یعنی پھر انہوں نے استقامت دکھائی اور ثابت قدم رہے۔

جنگ بدر میں جہاں پر صرف مسلمان ہی شریک تھے اور ابھی تک منافقین معرض وجود میں ہی نہ آئے تھے ارشاد ہوتا ہے۔

"تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ" (الانفال۔67)

"تم تو مال دنیا کے طلبگار ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔"

یہاں "تریدون" جمع کا صیغہ ہے لیکن اس سے مراد صرف وہی لوگ ہیں جو فی الحقیقت مال دنیا کے طلبگار تھے اور سورہ نساء میں اس طرح آیا ہے

"تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا" (النساء۔94)

"تم تو مال دنیا کے طلبگار ہو"

اور جنگ احد میں جب اصحاب پیغمبر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو ارشاد فرمایا!

"منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ" (آل عمران۔152)

"تم میں سے کچھ تو وہ ہیں جو محض دنیا کے طلبگار ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو

آخرت کے طلبگار ہیں"

یہاں پر خداوند تعالیٰ "من" بعض کے اظہار کے لئے لایا ہے چونکہ اس جنگ میں 70 کے قریب اصحاب پیغمبر شہید ہوئے جن میں سے 67 انصار مدینہ تھے جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک ہم زندہ ہیں آنحضرتؐ پر آنچ نہ آنے دینگے اور باقی آنحضرتؐ کے قریبی رشتہ دار تھے جن میں سے ایک آنحضرت کے چچا حضرت حمزہ تھے دوسرے مصعب ابن عمیر تھے اور تیسرے عبداللہ بن جحش تھے باقی آنحضرت کی قوم قریش کا ایک بھی فرد میدان میں کھڑا ہوا باقی نہ رہا۔ کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ کچھ نے مدینہ جا کر دم لیا اور کچھ تو بہت ہی دور نکل گئے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جان ہے تو جہان ہے کا اصول پیش نظر تھا۔ اگر لڑ کر مارے جاتے تو وہ دنیا کیسے پاتے جسکی توقع لیکر اسلام میں داخل ہوئے تھے حالانکہ خدا کا حکم یہ تھا کہ!

"اذا لقیتم الذین کفروا ذحفاً فلا تولوھم الادبار" (سورہ الانفال)

"اے ایمان والوں جس وقت جنگ میں تمہارا کافروں سے آمنا سامنا ہو تو انکو پیٹھ نہ دکھانا"۔

اور بھاگنے والوں کے لئے یہ فیصلہ تھا کہ!

"ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفاً لقتال او متحیزاً الی فئۃ فقد بائوا بغضب من اللہ وماواہ جھنم و بئس المصیر" (سورہ الانفال)

"اور جو اس دن پیٹھ دکھائیگا سوا اس صورت کے کہ لڑنے ہی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا کسی دوسرے گروہ کے پاس لڑنے کے لئے جانا ہو (ان دونوں صورتوں کے علاوہ جو بھی پیٹھ پھرائے گا) وہ یقیناً غضب خدا میں گرفتار ہوگا"

اب ہمیں یہاں قرآن سے یا احادیث سے یا تاریخ سے بھاگنے والوں کے حالات بیان

کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھاگے وہ ہر صورت میں جان بچانے کے لیے ہی بھاگے
اور جان بچانا اس لئے ضروری تھا کہ جان ہے تو جہان ہے۔

قرآن نے دنیا کے طلبگاروں کی کیسی کیسی تصویر کھینچی ہے سورہ بقرہ میں ارشاد
ہوتا ہے

"فمن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وماله فی الاخرة
من خلاق" (البقرہ۔200)

"لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں تو جو کچھ
دینا ہے دنیا میں ہی دیدے ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے"

یقیناً کوئی صحابی یہ بات زبان سے نہیں کہتا ہوگا بلکہ علام الغیوب نے انکی دلی
حالت کو اور انکی نیتوں کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ
(ف۔4) پہلے یہ فرمایا تھا کہ اللہ کا ذکر کرو اوروں کا مت کرو۔ اب یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ کا
ذکر کرنے والے اور اس سے دعا مانگنے والے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جنکا مطلوب صرف
دنیا ہے۔ انکی دعا یہی ہے کہ ہم کو جو کچھ دولت، عزت وغیرہ دی جائے دنیا میں ہی دے دی
جائے (تفسیر عثمانی ف4 ص49)

پس قرآن کی مذکورہ آیات اور دوسری بہت سی آیات یہ کہتی ہیں کہ اصحاب پیغمبرؐ
میں سے ایسے تھے جو دنیا کے طلبگار تھے۔

لہذا ہم منافق کو منافق سمجھتے ہیں زبانی طور پر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے والوں کو
مسلمانوں کے حقوق سے فائدہ اٹھانے والا مسلمان سمجھتے ہیں آخرت کے طلبگار مسلمان کو
آخرت کا طلبگار سمجھتے ہیں اور دنیا کے طلبگاروں کو دنیا کا طلبگار سمجھتے ہیں۔ اور یہ بات خود ان

کے اقوال واعمال وافعال وکردار سے ثابت ہوتی ہے اور قرآن وحدیث وروایات بھی اس
بات پر شاہد ہیں جنکا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

ایک اور بات جو قابل غور ہے کہ قرآن جہاں ایمان والوں کی تعریف کرتا ہے
وہاں نام کسی کا نہیں لیتا بلکہ اجتماعی طور پر تعریف کرتا ہے مگر اس سے مراد صرف وہی ہوتا ہے
جس نے وہ کام کیا ہے اگرچہ "یاایھاالذین اٰمنوا" کے خطاب میں منافقین اور دنیا کے
طلبگار بھی شامل ہوتے ہیں۔

اسی طرح جب وہ کسی کی مذمت کرتا ہے تو پھر بھی اجتماعی طور پر کرتا ہے مگر اس
سے مراد صرف وہی ہوتا ہے جس سے وہ کام سرزد ہوا ہے۔ مثلاً ہم دو مثالیں ذیل میں ذکر کر
رہے ہیں خداوند تعالیٰ سورہ جمعہ میں ارشاد فرماتا ہے:

"واذا راَو تجارة او لهو ن انفضوا الیها وترکوک قائما قل
ماعندالله خیر من اللهو ومن التجارة والله خیرالرازقین"
(جمعہ آخری آیت)

"اور انکی حالت یہ ہے کہ جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشہ ہوتا دیکھیں تو اس کی
طرف ٹوٹ پڑیں اور تم کو کھڑا ہوا چھوڑ دیں۔ اے رسول تم کہہ دو کہ جو چیز کہ اللہ کے پاس
ہے وہ تماشا اور سودے سے کہیں بہتر ہے اور خدا سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ قصہ پنجاب کے سکھوں کا نہیں ہے سورہ جمعہ
میں یہ اصحاب پیغمبرؐ کا نقشہ کھینچا گیا ہے صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت
ہے کہ:

"قال بینهما نحن نصلی مع النبیؐ اذا قبلت عیر تحمل طعام
فالتفتوا الیها حتی ما بقی مع النبیؐ الا اثنا عشر رجلا واذا راَو تجارة او

لهون انفضوا الیها و ترکوک قائما"۔

(بخاری شریف کتاب التفسیر جلد 3 ص 125 طبع مصر 1343)

یعنی جب کہ ہم لوگ رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ قافلہ تجارت غلہ کا آیا سب لوگ اس کی طرف دوڑے اور آنحضرتؐ کے پاس سوائے بارہ آدمی کے کوئی نہیں رہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی "واذا راوا تجارۃ الخ"۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اگر ہمارے ہاں کوئی معمولی پڑھا لکھا ہوا آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے پیچھے ان پڑھ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور کوئی قافلہ تجارت کا ڈھول ڈھما کے بجاتا ہوا آجائے تو ایسی حرکت تو ہمارے ہاں کے ان پڑھ نمازی بھی نہیں کر سکتے جیسی کہ اصحاب سے سرزد ہوئی۔

اس پر آپ معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی کی گھڑی ہوئی وہ حدیث سنا کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں کہ

"میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"

کیا پیغمبر اکرم کو حالت نماز میں کھڑا ہوا چھوڑ کر تجارت اور تماشا دیکھنے والے اصحاب کی پیروی سے بھی کسی قسم کی ہدایت وابستہ ہو سکتی ہے؟ بہت اچھے ہونگے یہ اصحاب بہت ہی اچھے ہونگے لیکن حتماً و یقیناً کسی بھی عاقل کے نزدیک انکا یہ فعل قابل پیروی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تفسیر در منثور میں، صواعق محرقہ میں اور مدارج النبوت وغیرہ میں، اس مضمون کی روایات آئی ہیں کہ ہمارے بعد جو لوگ ایمان لائینگے وہ ہمارے بھائی ہیں اور اصحاب سے بہتر ہیں۔ ہم صواعق محرقہ کی ص 128 کی روایت کا اردو میں ترجمہ یہاں پیش کرتے ہیں۔

"انس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کاش کہ میں اپنے بھائیوں سے ملاقات کرتا۔ ابوبکر نے کہا ہم ہی تو آپ کے بھائی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں تم لوگ بھائی نہیں ہو بلکہ اصحاب ہو، ہمارے بھائی وہ لوگ ہونگے جو بے دیکھے ہم پر ایمان لائینگے اور تصدیق کرینگے۔ اور ہماری محبت ان کے دلوں میں اولاد اور والدین سے زیادہ ہوگی پھر صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم لوگ تو آپ کے بھائی ہیں فرمایا نہیں تم اصحاب ہو"

(صواعق محرقہ ص 128)

مدارج النبوہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اسی مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"در حدیث آمدہ کہ پرسیدند یارسول اللہ ہیچ یکے از ما کہ ایمان آوردیم و ہمراہ تو جہاد کردیم بہتر از ما باشد رسول اللہ فرمود نعم۔ قومیکہ بعد از شما بیایند و نادیدہ بمن ایمان آرند بہتر از شما باشد بعض مفسرین یومنون بالغیب را ہم بدین معنی تفسیر کنند"

(مدارج النبوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ۔ اصحاب نے رسول اللہ سے پوچھا کہ ہم سے جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ جہاد کرتے رہے کوئی اور بہتر اور برتر ہے، حضرتؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ تم سے بہتر ہیں جو کہ بعد تمہارے آئیں گے اور بغیر دیکھے ایمان لائینگے بعض مفسرین نے یومنون بالغیب کی یہی تفسیر کی ہے۔"

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب سورۃ الممتحنہ کی پہلی آیت میں بھی غور فرمائیں جو اس طرح ہے۔

"یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاء کم من الحق یخرجون الرسول وایاکم ان

یومنوا باللہ ربکم ان کنتم خرجتم جھاداً فی سبیلی وابتغاء مرضاتی تسرون الیھم بالمودۃ وانا اعلم بما اخفیتم وما اعلنتم ومن یفعلہ منکم فقد ضل سواء السبیل "۔ (الممتحنہ۔1)

"اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین۔ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم مانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا۔ اگر تم نکلے ہو لڑنے کو میری راہ میں اور طلب کرنے کو میری رضا مندی۔ تم انکو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے پیغام اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے تو وہ بھول گیا سیدھی راہ"۔

صحیح بخاری مترجم کتاب المغازی پ 17 ص 34 کے مطابق یہ واقعہ حاطب ابن بلتعہ صحابی رسول کا ہے لیکن اس میں سب صیغے جمع کے ہیں اور آیت کے الفاظ یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ مہاجرین سے خطاب ہے لیکن آخر میں آیا "ومن یفعلہ منکم فقد ضل سواء السبیل " واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت مکہ پر حملہ کرنیکی تیاری کر رہے تھے تو ایک عورت خیرات مانگنے کے لئے مدینہ آئی ہوئی تھی جب وہ واپس جانے لگی تو حاطب ابن بلتعہ نے ایک خط اس عورت کو دیکر کفار قریش کو آنحضرت ؐ کے مکہ پر حملہ آور ہونے کی اطلاع دیدی اور وہ خط پکڑا گیا۔

یقیناً اگر ایسا خط پکڑا جائے تو اس کا آج کے قانون ملکی کے مطابق کورٹ مارشل ہوتا ہے اور اسے موت کی سزا تک دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے حاطب بن بلتعہ کے لئے یہی سزا تجویز کی تھی جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ خط آنحضرت کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حضرت حاطبؓ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمر بے تاب

ہو گئے اور عرض کی کہ:

"حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں" (سیرۃ النبی علامہ شبلی جلد اول ص 484)

یہ حاطب ابن بلتعہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں سابق الاسلام تھے ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور بدری کہلاتے تھے ان کو پیغمبر اکرمؐ نے مقوقس کے پاس دعوت اسلام کا خط دیکر بھیجا۔ لیکن اس واقعہ کی پہلی آیت یہ کہتی ہے کہ "ومن یفعل ذالک فقد ضل سواء السبیل " اور اس واقعہ کے آخر میں یہ کہا ہے کہ "ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون "۔ (الممتحنہ۔1)

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے ان کا عذر قبول کر کے انہیں معاف کر دیا تھا لیکن علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب بتلائیں کہ اس معزز صحابی کا جو مہاجر ہے جس نے ساعت عسرت میں پیغمبر کا ساتھ دیا جو اس وقت ایمان لایا جب سارے دشمن بنے ہوئے تھے جو جنگ بدر میں شریک ہوا۔ کیا اسکا یہ عمل قابل پیروی ہے؟ اور آپ اگر فوج میں کوئی افسر ہوں اور کسی دشمن پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوں تو کیا آپ یہ اجازت دیں گے کہ آپ کا کوئی سپاہی ایسی حرکت کرے، اور آپ کے دشمن کو آپ کی تیاری کی اطلاع دے دے۔ بالفاظ دیگر کیا ایسے صحابی کے اس فعل کی پیروی درست ہے اگر نہیں تو پھر اس گھڑی ہوئی حدیث میں غور کریں جسے آپ بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں کہ

"میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"۔

ہمیں علم الرجال کی روشنی میں اس کے راویوں پر جرح کر کے اس حدیث کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں ہے یہ حدیث اپنے متن، اپنے مطلب اور مفہوم کے اعتبار سے ہی باطل، بے فائدہ اور بے کار محض اور مہمل ہے جو اس کے گھڑی ہوئی ہونے کا ثبوت

ہے۔وہ اس طرح کہ پیغمبر اکرمؐ جو کچھ فرماتے تھے اس کے سب سے پہلے مخاطب اصحاب
ہی تو ہوتے تھے حدیث کی رو سے پیغمبر اکرمؐ اپنے اصحاب سے فرمارہے ہیں کہ اے میرے
اصحاب، میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تو اے میرے اصحاب تم میرے اصحاب میں
سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔ یعنی ہر صحابی اپنی ہی پیروی کرے۔

کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی پوچ لچر اور بے ہودہ کلام ہوسکتا ہے، البتہ اصحاب کو
قرآن اور عترت پیغمبر کی اطاعت وپیروی کا حکم ایک معقول اور صحیح حکم ہے۔ یعنی اصحاب کو
کہا جارہا ہے کہ تم میرے بعد قرآن اور میری عترت کی اطاعت وپیروی کرنا۔ جیسا کہ
حدیث ثقلین سے ثابت ہے جسے خود علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے مسلمہ اور مقبول
فریقین کہا ہے۔

اور پروفیسر محمد تیجانی سماوی نے جو اہل سنت سے شیعہ ہوگئے تھے اپنی کتاب تجلی
میں دعائم الاسلام کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ دراصل یہ حدیث ''اصحابی کالنجوم'' اس حدیث
صحیح کے مقابل میں گھڑی گئی ہے جسے قاضی سلمان نے اپنی کتاب دعائم الاسلام میں نقل کیا
ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم نے فرمایا:

''الائمة من اهل بیتی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم''

کتاب تجلی صفحہ 20 بحوالہ دعائم الاسلام جلد 1 صفحہ 81 مطبوعہ دار المعارف مصر

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب آپ نے تو خود اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے صفحہ نمبر 13 پر حدیث
ثقلین کو مسلمہ فریقین تسلیم کیا ہے جو یہ کہتی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی تمام امت کو قرآن اور
اہل بیت سے تمسک واتباع کا حکم دیا ہے نہ کہ صحابہ سے تمسک واتباع کا اہل بیت کو۔

یہاں تک کہ آپ کے خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تو اپنی
کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں منکر حدیث ثقلین کو خارج از اسلام اور گمراہ قرار دیا ہے۔ ان کا بیان

اس طرح ہے: ''باید دانست کہ باتفاق شیعہ وسنی ایں حدیث ثابت است کہ پیغمبر فرمود انی
تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الاخر کتاب الله
وعترتی اهل بیتی۔ پس معلوم شد کہ در مقدمات دینی واحکام شرعی مارا پیغمبر حوالہ بایں دو چیز
عظیم القدر فرمودہ است۔ پس مذہبے کہ مخالف ایں دو باشد در امور شرعیہ عقیدۃً وعملاً باطل
ونامعتبر است ہر کہ انکار ایں دو بزرگ نماید گمراہ وخارج از دین است۔

(تحفہ اثنا عشریہ صفحہ 139 مطبوعہ فخر المطابع)

یقین کیجئے کہ باتفاق شیعہ وسنی یہ حدیث ثابت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر تم ان دونوں
سے متمسک رہوگے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ایک
خدا کی کتاب اور دوسری میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔ پس دینی مقدمات اور شرعی
احکام میں پیغمبر خدا نے ہم کو ان دونوں عظیم القدر چیزوں کے حوالہ فرمایا ہے۔ پس جو مذہب
ان دونوں چیزوں کے خلاف ہوگا وہ احکام شریعت میں عقیدۃً وعملاً باطل اور غیر معتبر ہے۔
اور جو کوئی ان دونوں عظیم القدر چیزوں سے انکار کرے وہ گمراہ اور دین سے خارج ہے۔

اس حدیث میں لفظ فیکم کے سب سے پہلے مخاطب اصحاب پیغمبر ہیں یعنی اصحاب
ہی کو حکم ہے کہ وہ عترت پیغمبرؐ اور اہل بیتؑ کی اطاعت وپیروی کریں عترت واہل بیت
کو یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ وہ اصحاب کی اطاعت وپیروی کریں اور صحیح بخاری وصحیح مسلم
ومشکوٰۃ شریف اور حدیث کی دوسری مستند کتابوں میں صحابہ کی برائی میں حدیثیں بھری پڑی
ہیں ان میں سے ایک حدیث حوض بہت مشہور ہے کہ سرور عالم نے فرمایا کہ میں حوض کوثر پر
ہوں گا تم میں سے کچھ لوگ میری طرف بڑھیں گے جب میں ان کی طرف بڑھوں گا تو
وہ میرے سامنے سے ہٹا دیئے جائیں گے۔

"فاقول ای رب اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدک"

مظاہر حق شرح مشکوٰۃ باب عشرہ صفحہ 337 و باب حوض صفحہ 351

صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 136۔

یہ حدیث، حدیث حوض کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ: "ہیچکس از اہل سنت آں جماعت را صحابہ نمی داند و معتقد خوبی و بزرگی آنہا نیست"۔ تحفہ اثنا عشریہ

یعنی کوئی بھی سنی اس جماعت کو صحابی نہیں مانتا اور ان کی اچھائی اور برائی کا معتقد نہیں۔ حالانکہ پیغمبر اصحابی کہہ رہے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت کے بہت سے بزرگ علماء اہل تشیع پر یہ الزام دیتے ہیں بلکہ طعن کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک بس چار اصحاب یعنی سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد ابن اسود اور عمار یاسر ہی دین پر قائم رہے باقی سب مرتد ہو گئے لیکن جب فرداً فرداً اصحاب کے بارے میں انکے اقوال دیکھے جاتے ہیں تو وہ خود صرف دو اصحاب میں محدود دکھائی دیتے ہیں دور کیا جایئے حضرت عثمان تک کو حضرت عائشہ نے کیا کچھ نہ کہا۔

حضرت طلحہ وزبیر کیا کچھ نہ کہتے رہے، بلوائیوں کی ایک کثیر تعداد انہیں خطار کار اور مستحق عزل جانتے تھے بلکہ وہ معاویہ کو اور حضرت علیؑ کو بھی گنہگار اور کافر کہتے تھے غرض اصحاب میں سے اگر کسی کے بارے اہل سنت ہوں یا خوارج ہوں یا نواصب ہوں، حسن عقیدت رکھتے ہیں تو وہ صرف حضرات شیخین ہیں یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اس طرح اہل تشیع کو صرف چار اصحاب کے حسن وخوبی کا عقیدہ رکھنے کا طعنہ دینے والے صرف دو اصحاب میں محدود نظر آتے ہیں لہذا اب ہم ان دونوں بزرگ اصحاب کے حالات کا

قرآن وحدیث وتاریخ، سیرت کی کتابوں کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے ایمان لانے کا بیان اور حضرت علیؑ کے ایمان کی بے اعتباری کا چرچا

بہت سی عجیب وغریب باتوں میں سے ایک عجیب وغریب بات۔ عمر، جنس اور آزاد وغلام کے حساب سے ایمان لانے کا بیان ہے۔ چونکہ حضرت علی کے سب سے پہلے ایمان لانے کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ چونکہ آنحضرت نے تبلیغ کا کام اپنے گھر سے ہی کیا تھا۔ اگرچہ حضرت علی ہر وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہر بات سے آگاہ ہونے کی بنا پر جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس پر ایمان رکھتے تھے، لیکن ظاہری طور پر "فاما بنعمة ربک فحدث" کے نازل ہونے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے رازداری کے ساتھ اپنے گھر سے اپنی نبوت کے اظہار کا آغاز کیا تو حضرت علی، حضرت خدیجہ اور حضرت زیدؓ جو آپ کے غلام ہونے کی حیثیت سے آپ کے گھر کے ہی ایک فرد شمار ہوتے تھے سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔

چونکہ اقتدار پر آنے والوں کو یہ گوارا نہیں تھا کہ حضرت ابوبکر کو جو تصادف حالات سے پہلے نمبر پر برسر اقتدار آگئے تھے کوئی پیچھے سمجھے۔ لہذا یہ کہنا شروع کیا کہ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے، عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔ غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ ایمان لائے اور آزاد مردوں میں سب پہلے ابوبکر ایمان لائے۔

ہمیں پہلے ایمان لانے یا پیچھے ایمان لانے کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جو ایمان لے آیا وہ بہر حال ایمان لے آیا مگر چونکہ ایمان لانے کے بیان

کو۔ عمر، جنس اور غلام و آزاد میں تقسیم کرنے والوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس بات کو بنیاد بنا کر حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؑ کے ایمان کی بے قدری اور بے اعتباری کا بہت چرچا کیا اور ابن تیمیہ اور ان سے اتحاد نظر رکھنے والے حضرات یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ:

حضرت علیؑ اس وقت بچے تھے۔ آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے لہذا آنحضرت کی بات ماننے پر مجبور تھے۔ اور حضرت خدیجہ آپکی زوجہ تھیں وہ بھی آپ کے ماتحت تھیں۔ لہذا وہ بھی آپکی بات ماننے پر مجبور تھیں۔ زید بن حارثہ آنحضرتؐ کے غلام تھے وہ بھی آنحضرتؐ کے ماتحت تھے اور وہ بھی آپ کی بات ماننے پر مجبور تھے۔ لہذا ان تینوں کے ایمان لانے کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں ہے۔ اگر وہ نہ مانتے تو اور کیا کرتے لیکن حضرت ابوبکر آزاد تھے اور پختہ ذہن تھے۔ لہذا انکا ایمان معرفت کے ساتھ تھا اور سب سے افضل تھا چنانچہ وہ ہستی جسکو پیغمبر اکرمؐ نے "کل ایمان" کا خطاب دیا ہو۔ اور انکی یوم خندق کی ایک ضرب کو ثقلین کی عبادت سے افضل کہا ہو اس کے بارے میں تاریخ کامل میں اس طرح لکھا ہے۔

"اگر مان لیا جائے کہ حضرت علیؑ ہی سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے تو بھی سمجھنا چاہیے کہ گھر کے ایک نادان بچے کا ایمان لانا اور نہ لانا کیا چیز ہے؟ اور اسلام کو کیا مدد مل سکتی ہے؟"

"عروج الاسلام" ترجمہ تاریخ کامل مترجم مولوی عبدالنور خان صاحب رام پوری

اگرچہ کسی کے پہلے ایمان لانے یا پیچھے ایمان لانے سے خود ایمان لانے والے کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اصل چیز سچے دل سے ایمان لانا۔ پھر استقامت دکھانا اور ثابت قدم رہنا اور پھر کبھی شک نہ کرنا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی بعد میں ایمان لایا اور سچے دل کے ساتھ اسپر قائم رہا تو وہ اس سے بہر حال بہتر ہے جو ایمان تو پہلے لایا لیکن بعد میں مرتد ہو گیا۔ جیسا کہ تمام سیرت نگاروں نے حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"حضرت ام حبیبہ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا دونوں نے بعد بعثت

کے ابتدائی دور میں اکٹھے ہی اسلام قبول کیا۔ حضرت ام حبیبہ کے والد اس وقت اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ چنانچہ رسول کریم نے جب مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو عبید اللہ بن جحش اور حضرت ام حبیبہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ حبشہ پہنچنے کے چند دن بعد عبید اللہ مرتد ہو گئے اور عیسائی مذہب اختیار کر کے شراب نوشی شروع کر دی حضرت ام حبیبہ نے شوہر کو بہت سمجھایا کہ کیوں اپنی عاقبت خراب کرتے ہو۔ لیکن خدا نے ان کے دل پر مہر لگا دی تھی کوئی اثر نہ ہوا اور عیسائیت میں رندانہ زندگی بسر کرتے ہوئے وفات پائی"۔

(تذکار صحابیات ص 95)

اب دیکھئے عبید اللہ ابن جحش صحابی رسول تھے سابق الاسلام تھے سب سے پہلے ہجرت کرنے والے تھے مگر مرتد ہو گئے تو ان کا سابق الاسلام ہونا کچھ کام نہ آیا۔

اور سلمان فارسی اعلان نبوت کے تقریباً 19 سال بعد ایمان لائے مگر ایمان کی اس بلندی پر پہنچے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "السلمان منا اهل البیت" "سلمان ہم اہلبیت میں سے ہے۔

لہذا ہمارے نزدیک پہلے اور پیچھے ایمان لانے کی بحث بالکل فضول ہے۔ اصل امنا و صدقنا اور سمعنا و اطعنا ہے پس جو ایمان لے آیا وہ ایمان لے آیا وہ اپنے عقیدہ و عمل کے مطابق خدا کے یہاں سے اپنا اجر حاصل کرے گا۔

مگر ابن تیمیہ اور اس کے ہم خیالوں کا یہ کہنا کہ حضرت علیؑ بچے تھے اور حضرت خدیجہ انکی زوجہ تھیں اور زید آپکا غلام تھا لہذا انکا ایمان لانا مجبوری کی وجہ سے تھا۔ اور حضرت ابوبکر کا ایمان لانا معرفت کے ساتھ تھا اور تاریخ کامل کا یہ کہنا کہ:

"اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت علیؑ ہی سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے تو بھی

سمجھنا چاہئے کہ گھر کے ایک نادان بچے کا ایمان لانا اور نہ لانا کیا چیز ہے"۔

(عروج الاسلام ترجمہ تاریخ کامل)

ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم قرآن وحدیث و تاریخ و سیرت کی مستند کتابوں سے یہ ثابت کریں کہ واقعاً حضرت ابوبکر کب ایمان لائے۔

حضرت ابوبکر کب ایمان لائے

ابن جریر طبری نے حضرت ابوبکر کے اسلام لانے کے متعلق جو روایات بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

"عن محمد بن سعد قال قلت لابی اکان ابو بکر اولکم اسلاماً فقال لا ولقد اسلم قبله اکثر من خمسین ولکن کان افضلنا اسلاماً

(تاریخ طبری)

تاریخ طبری کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے جسکا محمد ابراہیم ایم۔اے ندوی نے ترجمہ کیا ہے اس میں مذکورہ عبارت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے؛

"محمد ابن سعد کہتا ہے، اس نے اپنے باپ سے کہا کیا تم میں سب سے پہلے ابوبکر اسلام لائے تھے۔انہوں نے کہا نہیں، ان سے قبل پچاس سے زیادہ اصحاب اسلام لا چکے تھے مگر وہ اپنے اسلام میں ہم سے افضل تھے"

(ترجمہ تاریخ طبری نفیس اکیڈمی حصہ اول ص 86)

علاوہ ازیں حافظ محمد علی نے اپنی کتاب سیرۃ العلویہ حصہ اول میں سبقت فی الاسلام کے بارے میں ایک عمدہ بحث کی ہے حافظ صاحب نہایت راسخ العقیدہ سنی المذہب تھے جو انکی کتاب کے صفحہ 477 تا 483 سے ظاہر ہے انہوں نے بھی ابن اثیر کے

حوالے سے حضرت ابن وقاص کا مذکورہ قول نقل کیا ہے

(ملاحظہ ہو سیرۃ العلویہ حافظ محمد علی ص 31)

طبری نے سعد ابن وقاص کے حوالے جو کچھ لکھا ہے اُس کے صحیح ہونے کے شواہد تو ہم آگے چل کر بیان کریں گے یہاں پر صرف یہ کہنا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر تصادف حالات سے پیغمبر صلعم کے بعد پہلے نمبر پر برسر اقتدار نہ آتے اور ابوعبیدہ بن الجراح حضرت عمر کی بات مان لیتے تو وہ پہلے نمبر پر خلیفہ ہوتے اور پھر بنی اُمیہ کی حدیث سازی کی ٹکسال میں حضرت ابوبکر کی بجائے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کیلئے یہ روایت گھڑی جاتی کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح تھے اور چونکہ دوسرے نمبر پر ہر صورت میں حضرت عمر نے ہی خلیفہ بننا تھا لہذا حضرت ابوبکر حضرت عمر کے آخر وقت میں صرف یادرفتگان میں شامل ہوتے جس کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

حضرت سعد بن وقاص کا مرتبہ

حضرت ابوبکر کے ایمان لانے کے بارے میں جتنے راویوں نے روایتیں بیان کی ہیں ان میں سے کوئی بھی راوی حضرت سعد بن وقاص کے پایہ کا نہیں ہے حضرت سعد بن وقاص بالاتفاق سابقین اسلام میں سے ہیں، ہجرت میں سبقت کرنے والوں میں سے ہیں بدر کی جنگ میں حصہ لینے والوں میں سے ہیں یعنی بدری ہیں اور حضرت عمر کی نظر میں ان چھ اشخاص میں سے ہیں جو ان کے بعد خلافت کے لئے موزوں تھے۔جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے کہ

"تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نظر پڑ سکتی تھی۔علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن وقاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ۔"

الفاروق حصہ اول صفحہ 264

یہ سعد ابن وقاص فرماتے ہیں کہ:

حضرت ابوبکر سے پہلے پچاس سے بھی زیادہ آدمی ایمان لا چکے تھے۔ اور حضرت ابوبکر کے اسلام لانے کی روایت کے بارے میں کوئی بھی راوی ان کے پایہ کا نہیں ہے لہذا اس سلسلہ میں کوئی بھی روایت انکے مرتبہ کو نہیں پہنچتی۔ کیونکہ سعد ابن وقاص ان مراتب کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا۔ کبار صحابہ میں سے تھے۔

حضرت سعد ابن وقاصؓ کی روایت کے تائیدی شواہد

نمبر 1۔ ان حقائق وشواہد میں سے جو حضرت سعد ابن وقاص رضی الہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی تائید کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بعثت رسول کے موقع پر مکہ میں موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ یمن میں تھے اور وہاں سے لوٹنے کے بعد انہیں بعثت رسول کی خبر ملی۔ جبکہ پیغمبرؐ کے دعوائے نبوت کی خبر عام ہو چکی تھی۔ اور کم از کم سارے مکہ میں پھیل چکی تھی۔ جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

"قال ابوبکر فقدمت مکه وقدبعث النبی فجاء بنی عقبة ابن ابی معیط،وشیبه،وربیعه، وابو جهل،وابو البختری،وصنادیدقریش فقلت لهم هل نابتکم نائبة. اوظهر فیکم امر قالوایاابابکر اعظم الخطب یتیم عبدالله یزعم انه لبی مرسل" (اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 208)

ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ جب میں مکہ لوٹ کر آیا اس وقت نبی اکرم مبعوث بہ رسالت ہو چکے تھے۔ عقبہ ابن ابی معیط، وشیبہ، وربیعہ، وابو جہل، وابو البختری اور دوسرے سرداران قریش میرے پاس آئے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ کیا تم پر کوئی افتاد پڑی ہے؟ یا کوئی حادثہ رونما ہوا ہے۔ انہوں نے کہا: اے ابوبکرؓ سب سے بڑی اندوہناک بات یہ ہے کہ یتیم

عبداللہ یہ گمان کرنے لگا ہے کہ وہ اللہ کا فرستادہ نبی ہے۔

جب اسد الغابہ میں خود حضرت ابوبکر کے قول سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ بعثت پیغمبرؐ کے وقت مکہ میں موجود ہی نہ تھے۔ جب وہ کافی عرصہ کے بعد مکہ واپس آئے تو اس وقت بعثت پیغمبر کی خبر عام ہو چکی تھی اور صنادید قریش انکی مخالفت میں تل چکے تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس وہ انہیں اپنا ہمنوا سمجھتے ہوئے آئے تھے۔ لہذا حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت کا صحیح اور درست ہونا بعید بات نہیں ہے۔

نمبر 2۔ ہجرت حبشہ اولیٰ سے سعد ابن وقاص کی روایت کی تائید

ان شواہد وحقائق میں سے جو حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی تائید کرتے ہیں ایک ہجرت حبشہ کا واقعہ ہے۔ حضرت عمر نے تو مسلمہ طور پر چھ ہجری میں اسلام قبول کیا۔ اور تمام تاریخیں یہ کہتی ہیں کہ حضرت عمر کے اسلام لانے پر چالیس مسلمان پورے ہوئے اور چونکہ ہجرت حبشہ مسلمہ طور پر پانچ بعثت میں ہوئی تھی۔ لہذا حضرت عمر کے تو 5 بعثت میں ہجرت کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اور چھ بعثت میں اسلام لانے کے بعد عاص ابن وائل نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ لہذا بعد میں بھی انہیں ہجرت حبشہ کی ضرورت نہ پڑی"۔ (سیرت النبی جلد اول صفحہ 227)

اور ہجرت حبشہ کے بارے میں مورخ شہیر ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

''اس سلسلے میں محمد ابن اسحق سے مروی ہے، جب رسول اللہ نے دیکھا کہ ان کے صحابہ مصیبت اور تکلیف میں ہیں۔ اور خود آپ اللہ کی حفاظت اور اپنے چچا ابو طالب کی حمایت کی وجہ سے امن و عافیت میں ہیں اور آپ ان کی اس مصیبت میں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ آپ نے ان سے کہا بہتر ہوگا تم حبشہ چلے جاؤ'' ترجمہ تاریخ طبری نفیس اکیڈمی حصہ اول ص 96)

اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کی تعداد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں

''ابو جعفر کہتا ہے اس ہجرت میں جو مسلمان ترک وطن کر کے حبشہ گئے تھے ان کی تعداد میں اختلاف ہے بعض راویوں نے کہا ہے کہ یہ گیارہ مرد تھے اور چار عورتیں تھیں''۔

(ترجمہ تاریخ طبری نفیس اکیڈمی حصہ اول ص 95)

اور شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں

''قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالمؐ نے جانثاران اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائیں''۔

(سیرت النبی شبلی جلد اول ص 233)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہجرت حبش یا ہجرت اول کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''جب کافروں کا ظلم و ستم خدا کے نیک بندوں اور مسلمانوں پر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو رسول اللہ نے انکو حبشہ۔ جو امن و امان کی جگہ تھی ہجرت کر جانے کا حکم دیا تا کہ وہاں مسلمان ان کافروں کے ظلم و ستم سے محفوظ رہیں یہ ماہ رجب 5 نبوت کا واقعہ ہے۔ پس گیارہ مرد یا بقول بعض بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں چھپ کر مکہ سے نکل آئے اور پا پیادہ سمندر کے کنارے پہنچ کر کشتی کے ذریعے حبشہ کی طرف روانہ ہوگئے''

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص 56)

اگر حضرت ابوبکر 5 بعثت نبوی تک ایمان لائے ہوتے تو لازمی تھا کہ وہ ضرور ضرور اس پہلی ہجرت کے موقع پر ہجرت کرنے والوں کے لیڈر کے طور پر جاتے مگر تاریخ و سیرت کی کتابیں اس بات کی گواہ ہیں کہ حضرت ابوبکر ہجرت اولیٰ کے وقت حبشہ نہیں گئے۔ کیونکہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے نام تاریخ و سیرت کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ نام بنام لکھے ہوئے ہیں جن میں حضرت ابوبکر کا نام نہیں ہے

ہجرت اول میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں بنی امیہ کی معروف ہستیاں حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبد الرحمن بن عوف اور بنی ہاشم کی معروف ہستیاں حضرت مصعب ابن عمیر اور حضرت عثمان ابن مظعون اور خود آنحضرت کی بیٹی جو چاہے صلبی ہوں یا ربیبہ یعنی حضرت عثمان کی زوجہ اس ہجرت میں شامل تھیں جب بنی ہاشم اور بنی امیہ کی معروف ہستیاں تک پیغمبر اکرمؐ کے حکم سے حبشہ کو ہجرت کر گئیں تو بنی تیم کے قبیلے کا کوئی فرد اگر اس وقت یعنی 5 بعثت نبوی تک ایمان لایا ہوتا تو وہ کیسے ٹھہر سکتا تھا۔ جبکہ آنحضرت کی رحلت کے بعد ابو سفیان نے بنی تیم کے بارے میں جو الفاظ استعمال کر کے حضرت علی کو بھڑکانا چاہا تھا وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

نمبر 3۔ حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت سے سعد بن وقاص کی روایت کی تائید

شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلی دفعہ ہجرت کا حال لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ تمام صحابی خیریت کے ساتھ حبشہ پہنچ گئے اور نجاشی کے قرب میں امن و امان سے رہنے لگے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد آنحضرتؐ اور مشرکوں کے درمیان صلح کی

جھوٹی خبر اڑائی ہوئی ان تک پہنچی۔ اور یہ اس خبر پر مطمئن ہو کر حبشہ سے لوٹ پڑے۔ جب مکہ کے اطراف میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ تو کسی نے بے پر کی اڑائی تھی۔ اور کفار مکہ تو اسی طرح مسلمانوں کو ایذا رسانی کے درپے ہیں۔ یہ لوگ مکہ کے اطراف میں جان پہچان کے لوگوں میں ٹھہر گئے۔ کچھ عرصہ بعد رسول خدا کی اجازت سے پھر دوبارہ حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے، اس مرتبہ اور بہت سے مسلمان بھی ان لوگوں کے ساتھ ہو گئے اور اس طرح جب بھی کوئی کسی مسلمان کو کافر حد سے زیادہ ستاتے تو وہ حبشہ کو ہجرت کر جاتا"۔

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص 51)

شیخ عبدالحق کے اس بیان سے ثابت ہے کہ اس دوسری دفعہ اور بہت سے مسلمان بھی ان لوگوں کے ساتھ گئے اور بعد میں بھی ہجرت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

چنانچہ ان مہاجرین حبشہ میں بنی امیہ کے عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن اور بنی ہاشم کے مصعب ابن عمیر اور حضرت عثمان ابن مظعون اور خود آنحضرت کی بیٹی جو چاہے صلبی ہو یا ربیبہ یعنی زوجہ حضرت عثمان بن عفان تو پہلی دفعہ میں ہجرت کرنیوالوں میں شامل تھیں اور دوسری دفعہ ہجرت کرنے والوں میں دوسرداروں کے علاوہ سردار بنی امیہ ابو سفیان کی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ اور بنی ہاشم میں حضرت ابو طالب کے فرزند حضرت جعفر طیار تک شامل تھے۔ لیکن حضرت ابو بکر کا نام دوسری دفعہ ہجرت کرنے والوں میں بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے لہذا سعد ابن وقاص کی روایت بالکل صحیح اور درست ہے۔

نمبر 4۔ حضرت ابو بکر کی ہجرت حبشہ کے بیان سے سعد

ابن وقاص کی روایت کی تائید

مورخین و محدثین نے حضرت ابو بکر کی ہجرت حبشہ کو بیعت عقبہ کے بعد بیان کیا ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں حضرت ابو بکر کی ہجرت کا حال اسطرح لکھا ہے:

"حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی یہ ہجرت بیعت عقبہ کے بعد مدینہ کی ہجرت سے پہلے ہوئی۔ جب آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا ہم اس شہر میں جس کو چھوڑ کر ابو بکر چلے جائیں کس طرح رہیں گے۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ کے پاس گئے اور آپ کو واپس لانا چاہا۔ لیکن حضرت ابو بکر ؓ برک الغماد نامی موضع کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ان لوگوں کے کہنے سننے سے آپ مکہ کی طرف واپس آئے"

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص 57)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب مدارج النبوت کے بیان سے واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر بیعت عقبہ کے بعد ہجرت حبشہ کے لئے روانہ ہوئے اور بیعت عقبہ دو دفعہ ہوئی ایک بیعت عقبہ اولی کہلاتی ہے اور دوسری بیعت عقبہ ثانیہ پہلی بیعت عقبہ 11 بعثت نبوی میں ہوئی اور بیعت عقبہ ثانیہ 12 بعثت نبوی میں ہوئی اور بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا عام حکم دے دیا تھا لہذا حضرت ابو بکر کا بیعت عقبہ اولی یعنی 11 بعثت نبوی کے بعد ہی حبشہ کے لئے ہجرت کر کے جانا ہو سکتا ہے لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر بیعت عقبہ اولی کے قریب قریب ہی ایمان لائے تھے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے کفار قریش کے ساتھ بہت ہی اچھے تعلقات تھے اور وہ ان سے بہت ہی مانوس تھے۔ اور حضرت ابو بکر کے اب

11 بعثت نبوی کے قریب ایمان لانے کے باوجود حضرت ابوبکر کا کفار قریش کے ساتھ طرز عمل ایسا تھا جسکی وجہ سے انہوں نے حضرت ابوبکر کے ایمان لانے کو کوئی اہمیت نہ دی اور حضرت ابوبکر کے طرز عمل کی بناء پر ہی انہیں حضرت ابوبکر کا ایمان لانا برا نہ لگا۔ اور یہ بات ان کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ:

''جب آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ: ہم اس شہر میں جسکو چھوڑ کر ابوبکر چلے جائیں کس طرح رہیں گے''

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص 570)

مذکورہ بیان سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر کو کفار قریش سے کوئی خطرہ نہیں تھا ۔شاید آنحضرت کا حکم ہونے کی وجہ سے چونکہ مسلمان بعد میں بھی رفتہ رفتہ حبشہ کو جاتے رہے لہذا حضرت ابوبکر بھی حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر کے چل پڑے لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوت میں یہ لکھتے ہیں کہ:

''لیکن جب آپ قبیلہ قارہ کے نزدیک پہنچے تو مالک ابن دغنہ نے اپنے پاس روک لیا اور قریش کے شر سے اپنی پناہ میں لے لیا''

بہر حال یہ دونوں باتیں ہو سکتی ہیں، یعنی مالک ابن دغنہ نے بھی پناہ دے دی ہو اور اہل مکہ بھی پہنچ گئے ہوں اور منت سماجت کر کے واپس لے آئے ہوں ۔لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جسطرح حضرت عمر عاص ابن وائل کی پناہ میں رہے اسی طرح حضرت ابوبکر مالک ابن دغنہ کی پناہ میں رہے۔

مذکورہ بیان پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر 11 بعثت نبوی کے قریب قریب ہی مسلمان ہوئے تھے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت تک بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ جس سے سعد ابن وقاص کی روایت کی واضح طور پر تائید ہوئی ہے۔

اور پانچویں بات جس سے سعد ابن وقاص کی روایت کی تائید ہوتی ہے وہ حضرت عائشہ کی منگنی کے ٹوٹنے کا واقعہ ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔

نمبر 5۔ حضرت عائشہ کی منگنی کے ٹوٹنے سے سعد ابن وقاص کی روایت کی تائید

ان شواہد و حقائق میں سے جو حضرت سعد ابن وقاص کی روایت کی تائید کرتے ہیں ایک حضرت عائشہ کی منگنی کے ٹوٹنے کا واقعہ ہے۔

ہم نے حضرت عائشہ کے عقد اور رخصتی کا تفصیلی بیان تو اپنی غیر مطبوعہ کتاب ''عظمت ناموس رسالت'' میں کیا ہے۔ یہاں پر صرف اتنا حصہ پیش کرتے ہیں جس سے سعد ابن وقاص کی روایت کی تائید ہوتی ہے

ان تمام مستند تاریخوں اور سیرت نگاروں نے جنھوں نے حضرت عائشہ سے پیغمبر اکرمؐ کے رشتے کا پیغام دینے کا حال لکھا ہے یہ بیان کیا ہے کہ جس وقت حضرت خولہ بنت حکیم نے حضرت عائشہ کے لئے حضرت ابوبکر کو پیغمبر کا پیغام پہنچایا تو اس وقت انکی منگنی جبیر ابن مطعم یا اس کے بیٹے سے ہوئی ہوئی تھی جیسا کہ تذکار صحابیات کے مصنف نے ام المومنین حضرت عائشہ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

''حضور کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت عائشہ کی نسبت جبیر ابن مطعم کے بیٹے (یا بروایت دیگر خود جبیر ابن مطعم) سے ہوئی تھی۔ مگر ان لوگوں نے یہ نسبت اس لئے فسخ کر دی کہ حضرت ابوبکر صدیق اور انکے اہل خاندان مسلمان ہو چکے تھے''۔

(تذکار صحابیات ص 49)

اور سید سلیمان ندوی صاحب ''سیرت عائشہ صدیقہ'' میں مسند امام احمد بن حنبل

کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان سے پوچھنا ضرور تھا۔ حضرت ابو بکر نے جبیر سے جا کر پوچھا تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی اب کیا کہتے ہو، جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔ جبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا اس کی بیوی نے کہا اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا بچہ بددین ہو جائیگا ہم کو یہ بات منظور نہیں"۔

(سیرت عائشہ صدیقہ ص 25)

(بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل ج6 ص 211)

اور ابن جریر طبری نے اس طرح لکھا ہے کہ:

"ام رومان نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ مطعم ابن عدی نے اپنے بیٹے کیلئے عائشہ کو مانگا تھا اور ابو بکر نے آج تک وعدہ خلافی نہیں کی ہے۔ ابو بکر مطعم کے پاس گئے ان کی وہ بیوی بھی موجود تھی جن کے بیٹے کے لئے عائشہ کو مانگا گیا تھا۔ اس بڑھیا نے کہا کہ اگر ہم اپنے بیٹے کی شادی تمہاری لڑکی سے کر دیں تو غالباً تم اسے صابی بنا لو گے اور جس مذہب کو تم نے اختیار کیا ہے اس میں اسے بھی شامل کر لو گے، ابو بکر نے مطعم سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ اس نے کہا جو کچھ کہہ رہی ہے وہ ٹھیک ہے۔ بے شک ہمیں یہ اندیشہ ہے یہ سن کر ابو بکر اٹھے یہاں سے نکل آئے اور اس طرح اللہ نے ابو بکر کو ان کے وعدے کے ایفا سے بری الذمہ کر دیا جو انہوں نے اپنی لڑکی سے متعلق مطعم سے کیا تھا"

(ترجمہ تاریخ طبری ترجمہ محمد ابراہیم ایم اے ندوی نفیس اکیڈمی حصہ اول ص 492.493)

جبیر ابن مطعم سے منگنی ہوئی تھی یا نکاح ہوا تھا؟

صاحبان علم جانتے ہیں کہ "منگنی" ہندوستان والوں کی رسم ہے۔ عرب میں منگنی کا دستور ہی نہیں تھا عرب رشتہ کی بات چلاتے تھے اگر فریقین اس رشتہ پر رضامند ہو جاتے تو مہر ادا کر کے نکاح کر لیتے تھے۔ اس وجہ سے اگرچہ تذکار صحابیات کے مصنف نے ص 98 پر اور سلمان ندوی نے سیرت عائشہ صدیقہ کے ص 28 پر اور امام احمد بن حنبل نے ص 211 پر اور مورخ شہیر ابن جریر طبری نے تاریخ طبری میں جو ترجمہ تاریخ طبری ترجمہ محمد ابراہیم ایم اے ندوی نفیس اکیڈمی حصہ اول کے ص 492.493 پر منگنی ہونے کا بیان کیا ہے لیکن طہ حسین مصری نے۔ اور وزیر معارف حکومت مصر جناب محمد حسین ہیکل نے اور مورخ شہیر ابن خلدون نے آنحضرتؐ کا نکاح حضرت عائشہ سے مدینہ میں ہونا قرار دیا ہے کیونکہ پیغمبرؐ کسی کی منکوحہ سے ہرگز ہرگز نکاح نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر منگنی بھی ہوئی ہوتی تو پیغمبرؐ جو خلق عظیم کے مالک تھے کسی کی چڑھی ہوئی ہانڈی کو چولہے سے اتار کر اپنی ہانڈی نہیں چڑھا سکتے تھے ویسے بھی ان روایات کے مطابق اس وقت حضرت عائشہ کی عمر 5.6 سال تھی اس شادی سے کیا فائدہ تھا نہ رخصتی ہوئی نہ کوئی جنسی ضرورت پوری ہوئی نہ گھر کے کام کاج میں مدد ملی نہ بچوں کی دیکھ بھال کی ضرورت پوری ہوئی ایسے بے فائدہ اور فضول نکاح کا کوئی مقصد ہی نہیں تھا لہذا پیغمبر ایسی لڑکی سے نکاح کا پیغام دے ہی نہیں سکتے تھے اصل بات جو نکلتی ہے وہ یہ کہ حضرت ابو بکر جب 11 بعثت نبوی کے قریب مسلمان ہو گئے تو چونکہ جو نئے مسلمان ہوتے تھے وہ بھی پیغمبرؐ کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کر جاتے تھے حضرت ابو بکر نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا جیسا کہ بیان ہو چکا کہ انہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد 11 بعثت نبوی میں ہجرت کا ارادہ کیا لہذا انہوں نے سوچا کہ حضرت عائشہ جبیر ابن مطعم کی بیوی ہے لہذا اسکی امانت اس کے سپرد کرتا چلا جاؤں اس غرض سے حضرت ابو بکر اسکے گھر گئے اور دراصل انہیں رخصتی کے لئے کہا مگر چونکہ جس وقت نکاح یا منگنی ہوئی تھی

حضرت ابوبکر ایمان نہیں لائے تھے مگر اب وہ 11 بعثت نبوی میں ایمان لا چکے تھے لہذا انہوں نے اسی بنا پر رخصت کرنے سے انکار کر دیا لہذا انہیں مجبوراً حضرت عائشہ کو بھی ہجرت کے لئے ساتھ لیجانا پڑا جیسا کہ سیرت عائشہ کے مصنف نے انکا ہجرت حبشہ کے وقت حضرت عائشہ کا ساتھ جانا لکھا ہے۔ جو باتیں اختصار کے ساتھ اوپر لکھی گئی ہیں آگے چل کر اسکی تفصیل بیان ہوگی بہر حال اس سے سعد ابن وقاص کی روایت کی واضح طور پر تائید ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ کے عقد اور حضرت ابوبکر کے ایمان لانے کے بارے میں مزید تحقیق

یہ بات مسلمات تاریخیہ سے ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں کسی اور سے عقد نہیں کیا اور حضرت خدیجہ نے رمضان 10 بعثت نبوی میں وفات پائی علامہ سید سلمان ندوی سیرت عائشہ صدیقہ میں لکھتے ہیں۔

وفات خدیجہ۔ 11 ''رمضان 10 نبوت میں ہجرت سے تین سال پہلے انہوں نے وفات پائی۔ اس وقت آنحضرت کی عمر شریف پچاس کی تھی اور حضرت خدیجہ 65 برس کی تھی''۔

(سیرت عائشہ صدیقہ سلمان ندوی ص 24)

اور تذکار صحابیات کا مصنف اس طرح لکھتا ہے:

''11 رمضان 10 نبوی کو انہوں نے پیک اجل کو لبیک کہا اور مکہ کے قبرستان میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر تقریباً 65 برس کی تھی''۔

(تذکار صحابیات ص 38)

اور علامہ شبلی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں اس طرح لکھتے ہیں:

''حضرت خدیجہ نے رمضان 10 نبوی میں وفات کی ان کی عمر 65 برس تھی''۔

سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ 249

لہذا حتماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے 11۔ رمضان 10 بعثت نبوت تک کسی اور سے عقد نہیں فرمایا۔

حضرت سودہ سے نکاح:۔ حضرت خدیجہ کے بعد پہلے عقد کے بارے میں تذکار صحابیات کا مولف ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے وفات پائی تھی بن ماں کے بچوں کو دیکھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جانثار صحابیہ حضرت خولہ بنت حکیم نے ایک دن بارگاہ نبوی میں عرض کی یا رسول اللہ خدیجہ کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپ کو ملول دیکھتی ہوں۔ حضور نے فرمایا: ہاں! گھر کا انتظام اور بچوں کی تربیت خدیجہ کے سپرد تھی۔ خولہ نے عرض کی تو پھر آپ کو ایک رفیق وغمگسار کی ضرورت ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے نکاح ثانی کے لئے سلسلہ جنبانی کروں حضورؐ نے اسے منظور فرمایا:

حضرت خولہ اب حضرت سودہ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بیان کی۔ حضرت سودہ نے بخوشی حرم نبوی بننے پر اظہار رضا مندی کیا ان کے والد زمعہ نے بھی حضور کا پیغام قبول کر لیا، اور اپنی لخت جگر کا نکاح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے چار سو درھم پر خود پڑھا دیا:

تذکار صحابیات صفحہ 42

اس کے بعد تذکار صحابیات کا مولف لکھتا ہے

''یہ مبارک نکاح رمضان 10 بعد بعثت میں ہوا''۔ تذکار صحابیات صفحہ 42

مذکورہ واضح اور دوٹوک بیانات سے ثابت ہوا کہ:

نمبر1۔ حضرت خدیجہ کی رحلت ماہ رمضان 10 بعثت نبوی کی 11 تاریخ کو ہوئی۔

نمبر2۔ پیغمبرؐ بن ماں کی بچیوں کو دیکھ دیکھ کر افسردہ رہتے تھے۔

نمبر3۔ خولہ نے پیغمبرؐ سے خدیجہ کی وفات کے بعد ان کے ملول رہنے کا سبب پوچھا۔

نمبر4۔ حضورؐ نے فرمایا گھر کا انتظام اور بچوں کی تربیت خدیجہ کے سپرد تھی۔

نمبر5۔ خولہ نے ایک رفیق وغمگسار کی ضرورت کا اظہار کرکے آپ کے نکاح ثانی کے لئے سلسلہ جنبانی کرنے کو کہا۔

نمبر6۔ اس روایت کے مطابق خولہ نے کسی کا نام نہیں لیا بلکہ آنحضرتؐ کے منظور فرمانے پر خود ہی سودہ بنت زمعہ کے پاس پیغمبر کا پیغام لے گئیں۔

نمبر7۔ حضرت سودہ اور ان کے والد نے اس کو بخوشی منظور کرلیا اور انکے والد نے اپنی لخت جگر کا نکاح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار سو درھم پر خود پڑھایا۔

نمبر8۔ آنحضرتؐ نے حضرت سودہ کا مہر پہلے ادا کیا نکاح بعد میں ہوا۔

نمبر9۔ آنحضرتؐ کا یہ نکاح حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد اسی مہینہ اور اسی سال میں ہوگیا اور حضرت سودہ بنت زمعہ ام المومنین بن کر آنحضرت کے گھر تشریف لے آئیں۔

نمبر10۔ دنیا کا کوئی بھی معقول انسان اس شادی پر پیغمبرؐ پر کسی بھی قسم کا اعتراض نہیں کرسکتا

ایک من گھڑت داستان

اب ایک من گھڑت داستان اور عجیب وغریب افسانہ

سنیئے۔ سید سلیمان ندوی اپنی کتاب سیرۃ عائشہ صدیقہ میں اس طرح لکھتے ہیں:

''حدیثوں میں آیا ہے کہ نکاح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے سامنے کوئی چیز پیش کر رہا ہے پوچھا کیا ہے، جواب دیا کہ آپ کی بیوی ہیں۔ آپ نے اسکی طرف دیکھا تو حضرت عائشہ تھیں''۔ سیرت عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی صفحہ 26

ہم ان تمام باتوں کو لکھنا پسند نہیں کرتے جن سے رنگیلا رسول کے مصنف نے استفادہ کیا ہے لہٰذا ہم صرف ایک ہی روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس نے مزید تسلی کرنی ہو وہ حدیث کی کتابیں، صحیح بخاری وصحیح مسلم واستیعاب ومدارج النبوت اور تاریخ کی کتابوں میں تاریخ خمیس کا مطالعہ کریں۔ لیکن ہم جو بات عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ:

یہ بات تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلمہ ہے کہ پیغمبر کا خواب وحی ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہوتی جس میں تصویر دکھا کر یہ کہا گیا ہو کہ یہ آپ کی بیوی ہے تو پھر تو اپنی طرف سے خود حضرت ابوبکر کے پاس یہ پیغام بھجوانا چاہیے تھا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے۔

لیکن تمام تاریخوں میں تمام حدیث کی کتابوں میں تمام تفسیروں میں اور تمام سیرت کی کتابوں میں ایک بھی روایت ایسی نہیں ملتی کہ پیغمبر نے خود حضرت ابوبکر کے پاس اس مضمون کا پیغام بھیجا ہو۔ بلکہ جس طرح حدیث مبارک:

''انا مدینۃ العلم وعلی بابھا'' میں جوڑ لگایا گیا اسی طرح اسی مذکورہ خولہ کی روایت میں جوڑ لگا کر وہ پیوند لگایا گیا جسے سید سلیمان ندوی نے سیرت عائشہ صدیقہ میں اس طرح لکھا ہے:۔

''جان نثاروں کو اسکی بڑی فکر ہوئی حضرت عثمان بن مظعون المتوفی 2ھ

ایک مشہور صحابی ہیں انکی بیوی خولہ بنت حکیم آپ کے پاس آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ آپ دوسرا نکاح کرلیں آپ نے فرمایا، کس سے خولہ نے کہا، بیوہ اور کنواری دونوں قسم کی لڑکیاں موجود ہیں جس کو آپ پسند فرمائیں اس کے متعلق گفتگو کی جائے فرمایا وہ کون ہیں۔ کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری ابوبکر کی لڑکی عائشہ۔ ارشاد ہوا بہتر ہے تم انکی نسبت گفتگو کرو"۔ سیرت عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی صفحہ 24

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو ضرورت تھی ایک ایسی شریک حیات کی جو امور خانہ داری کی دیکھ بھال کرے، بچوں کی سرپرستی کرے۔ لیکن یہ روایت یہ کہتی ہے کہ آنحضرت نے حضرت عائشہ کے بارے میں فرمایا کہ بہتر ہے تم انکی نسبت گفتگو کرو۔

اور حضرت سودہ کے ہاں جانا۔ انکا راضی ہونا اور 400 درہم مہر پر نکاح ہونا اور رخصت ہوکر پیغمبر اکرمؐ کے گھر رخصت ہوکر آنا اس روایت سے خارج کردیا اور اس روایت کو اس سے آگے اس طرح سے بڑھایا کہ:۔

"حضرت خولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پاکر پہلے حضرت ابوبکر کے گھر آئیں اور ان سے تذکرہ کیا۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ جس طرح سے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز نہیں عرب اپنے منہ بولے بھائیوں کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے اس بناء پر حضرت ابوبکر نے کہا: خولہ عائشہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔ آپ سے اسکا نکاح کیونکر ہوسکتا ہے۔ حضرت خولہ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں۔ اور اس قسم کے بھائیوں سے نکاح جائز ہے۔ حضرت ابوبکر کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے قبول کیا"۔ سیرۃ عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی صفحہ 25۔ بحوالہ صحیح بخاری صفحہ 760 باب تزویج الصغار من الکبار

حضرت عائشہ پہلے جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے منسوب تھیں

اس کے بعد سید سلیمان ندوی سیرت عائشہ صدیقہ میں لکھتے ہیں کہ:

"لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہوچکی تھی، اس لئے ان سے بھی پوچھنا تھا۔ حضرت ابوبکر نے جبیر سے جاکر پوچھا کہ تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا کہتے ہو، جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا، جبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا۔ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا بچہ بد دین ہوجائیگا ہم کو یہ بات منظور نہیں"۔

سیرۃ عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی صفحہ 25

بحوالہ مسند احمد حنبل جزو 6 صفحہ 211

اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ کی منگنی جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے کی ہوئی تھی تو اگرچہ عربوں میں منگنی کا رواج نہیں تھا بلکہ رشتہ پر اتفاق ہوجانے کے بعد مہر ادا کرکے نکاح ہوجاتا تھا جیسا کہ حضرت سودہ کے سلسلہ میں ہوا۔ لیکن روایت کے مطابق اگر انہوں نے منگنی ہی کی ہوئی تھی۔ تو پہلے ہی خولہ کو بتلا دیتا تھا کہ عائشہ کی تو منگنی جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے ہوئی ہوئی ہے لیکن ایک تو اس طرح یہ من گھڑت بات نہیں بنائی جاسکتی تھی کہ عائشہ تو آنحضرت کی بھتیجی ہے ان سے انکی شادی کس طرح ہوسکتی ہے دوسرے یہ بات نہیں بنائی جاسکتی تھی کہ حضرت ابوبکر وعدے کے بڑے پکے تھے کیونکہ اگر یہ بات تھی تو جبیر ابن مطعم سے پوچھنے کے لئے جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خلق عظیم کے مالک تھے ہرگز ہرگز کسی کی جو لے پھر

چڑھی ہوئی ہانڈی اتار کر اپنی ہانڈی نہیں چڑھا سکتے تھے۔ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے منگنی نہیں بلکہ نکاح ہوا ہوا تھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ ہرگز کسی کی منکوحہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہ بات ہم آگے چل کر ثابت کرینگے کہ مکہ میں رہتے ہوئے حضرت عائشہ کی شادی آنحضرت سے نہیں ہوئی تھی اور جن روایات میں مکہ میں شادی کا ہونا بیان ہوا ہے وہ وہی ہیں جن سے رنگیلا رسول لکھا گیا۔

ویسے بھی پانچ چھ برس کی عمر کی یہ شادی جتنی اختلافی ہے اور غیر ثابت ہے اس سے کہیں زیادہ عجیب وغریب ہے کیونکہ جس نکاح کے ہونے سے کوئی نتیجہ ہی پیدا نہیں ہوتا وہ ایک فضول سی بات ہے۔ اس وقت کی شادی سے نہ کوئی جنسی ضرورت پوری ہوئی نہ ضرورت فطری کے پورا ہونے کا کوئی احتمال تھا نہ امور خانگی کی دیکھ بھال میں کوئی مدد مل سکتی تھی۔ اور کسی تاریخ سے کسی تفسیر سے کسی سیرت کی کتاب سے یا کسی حدیث کی کتاب میں ایک بھی روایت ایسی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ پانچ چھ برس کی یہ لڑکی رسماً ہی سہی شوہر کے گھر میں آکر بسی ہو اور پیغمبر کا دل بہلانے کا ہی سبب بنی ہو۔

جب کہ سلیمان ندوی صاحب نے سیرت عائشہ صدیقہ میں حضرت عائشہ کے نکاح کا حال اس طرح لکھا ہے:

''حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی کہ میرا نکاح ہوگیا۔ جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی تب سمجھی کہ میرا نکاح ہوگیا ہے اس کے بعد میری والدہ نے سمجھا بھی دیا''۔ سیرۃ عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی صفحہ 27

بحوالہ طبقات ابن سعد صفحہ 40

اور حضرت عائشہ صدیقہ کے نکاح کا حال علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب سیرۃ عائشہ صدیقہ میں اس طرح لکھا ہے کہ:

''حضرت عطیہ حضرت عائشہ صدیقہ کے نکاح کا واقعہ اس سادگی سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں انکی انا آئی اور انکو لے گئی حضرت ابو بکر نے آکر نکاح پڑھا دیا'' (سیرت عائشہ صدیقہ صفحہ 26)

نکاح کا اسلامی طریقہ

دوسری بات جو قابل غور ہے وہ اس زمانے میں نکاح کا طریقہ ہے یعنی اس زمانے میں نکاح کیسے ہوتا تھا۔ خود حضرت عائشہ زمانہ جاہلیت کے نکاحوں کی چار اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:

''زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح کے ہوتے تھے ایک تو وہ نکاح ہے جو آج ہوتا ہے کہ کوئی دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا بہن کے نکاح کا پیغام دیتا مہر ادا کرتا اور نکاح کرتا'' تلخیص الصالح جلد ششم صفحہ 145

اس کے بعد زمانہ جاہلیت کے تین طریقوں کا بیان کرنے کے بعد نکاح کا چوتھا طریقہ اس طرح بیان فرماتی ہیں:

''جب محمد مصطفیٰ پیغمبر ہوئے تو کفر کے زمانہ کے سب نکاح موقوف کر دیے مگر جو نکاح اس وقت لوگ کرتے ہیں قائم رہا۔ بخاری اور ابوداؤد اس کے راوی ہیں''

تلخیص الصحائح جلد ششم صفحہ 145

مہر پہلے نکاح بعد میں

مذکورہ روایت تلخیص میں بخاری اور ابوداؤد سے لی گئی ہے حضرت عائشہ کے اس بیان سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں نکاح کے لئے مہر پہلے ادا کیا جاتا تھا اور نکاح بعد میں ہوتا تھا اور یہی اسلامی طریقہ تھا جو پیغمبر اکرم کی شریعت کے مطابق ہے لہذا اگر پیغمبر کا نکاح حضرت

عائشہ سے ہجرت سے پہلے ہوا ہوتا تو یقینی طور پر پیغمبرؐ مہر ادا کر کے نکاح کرتے مکہ میں اس
وقت آپکے پاس روپے پیسے کی بھی کوئی کمی نہیں تھی خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو ملیکۃ
العرب حضرت خدیجہ الکبریٰ کے مال سے مستغنی کر دیا تھا۔
علاوہ ازیں پیغمبر اکرمؐ نے جتنے بھی نکاح کیے وہ مہر ادا کیے بغیر نہیں کیے۔ دوسری
تمام ازدواج سے نکاح کیا تو پہلے مہر دیا اور پھر نکاح کیا حتیٰ کے اسیری میں آئی ہوئی
کنیزوں کو آزاد کر کے مہر دیا اور پھر نکاح کیا۔ حتیٰ کے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ زہراؑ
کا نکاح کیا تو پہلے حضرت علی سے زرہ بکوا کر مہر وصول کر لیا پھر نکاح کیا۔ اور سودہ بنت
زمعہ جن سے حضرت خدیجہ کے بعد نکاح کیا تو 400 درہم مہر پہلے ادا کیا پھر نکاح کیا۔ کیا
کوئی تصور کر سکتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ایک بیوہ عورت سے نکاح کریں تو 400 درہم مہر پہلے ادا
کر کے نکاح کریں۔ لیکن حضرت عائشہ سے جن کے کنواری ہونے کا بہت چرچا کیا جاتا
ہے اس زمانے میں ان سے مفت میں ہی نکاح پڑھوا لیا، اور نکاح کے چار پانچ سال بعد
1 یا 2ھ میں بھی جب حضرت ابوبکر نے خود ہی کہا کہ تم اپنی بیوی کو بلوا کیوں نہیں لیتے تو فرمایا
میرے پاس دینے کو مہر نہیں ہے جیسا کہ سید سلمان ندوی نے سیرت عائشہ صدیقہ میں لکھا
ہے کہ:

''حضرت عائشہ کو صحت ہوئی تو حضرت ابوبکر نے آ کر عرض کی یا رسول اللہ اب
آپ اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں بلوا لیتے، آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس
مہر ادا کرنے کیلئے روپے نہیں ہیں۔ گذارش کی کہ میری دولت قبول ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی سو روپے حضرت ابوبکر سے قرض لے کر حضرت
عائشہ کے پاس بھجوا دیئے'' (سیرت عائشہ صدیقہ صفحہ 31، بحوالہ طبقات ابن سعد صفحہ 43)
اور تذکار صحابیات کے مصنف نے اس طرح لکھا ہے کہ:

''جب صحت بحال ہوئی تو صدیق اکبر نے حضور سے عرض کیا یا رسول اللہ عائشہ کو
آپ رخصت کیوں نہیں کرا لیتے۔ فرمایا فی الحال میرے پاس مہر نہیں ہے صدیق اکبر نے
اپنے پاس سے پانچ سو درہم حضور کی خدمت میں بطور قرض حسنہ پیش کیے جو آپ نے قبول
فرمائے اور وہی حضرت عائشہ کے پاس بھیج کر انہیں شوال سن 1 ھجری یا بروایت دیگر سن
2 ھجری میں رخصت کرا لیا اس وقت حضرت عائشہ کی عمر نو سال تھی۔ بعض جدید سیرت نگار
اس طرف گئے ہیں کہ رخصتانے کے وقت حضرت عائشہ کی عمر سترہ (17) برس کے لگ بھگ
تھی۔ (تذکار صحابیات صفحہ 49)

16 یا 17 سال عمر تھی:۔ تذکار صحابیات کے مصنف نے تو یہ لکھا تھا کہ بعض سیرت نگار
اس طرف گئے ہیں کہ رخصتانے کے وقت حضرت عائشہ کی عمر سترہ برس کے لگ بھگ تھی
لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرت عائشہ صدیقہ میں اسطرح لکھا ہے۔
''بعض بے احتیاط لوگوں نے بھی سیرت عائشہ میں اس طرح لکھا ہے کہ کمسنی کی
یہ شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے موزوں نہیں اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ
ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس کی بجائے 16 برس کی تھی
(سیرت عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی صفحہ 26 حاشیہ نمبر 2)

کیا پیغمبرؐ کے پاس مہر دینے کے لئے رقم نہیں تھی؟

جہاں تک رخصتی کے لئے پیغمبرؐ کی طرف نسبت دے کر یہ کہا گیا ہے کہ
آنحضرتؐ نے یہ کہا کہ میرے پاس دینے کے لئے مہر نہیں ہے قطعی خلاف واقعہ و حقیقت
بات ہے کیونکہ پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد حضرت علیؑ اپنی والدہ فاطمہ بنت اسد، فاطمہ بنت
محمد، فاطمہ بنت زبیر، ام المومنین سودہ بنت زمعہ جناب ام کلثوم وغیرہ مخدرات کو ساتھ لیکر گھر

کے سارے قیمتی سامان کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔

اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے مسجد کے لئے زمین ہدیتاً یعنی مفت قبول نہ کی، بلکہ اس کے لئے 30 دینار قیمت ادا کی اور حضرت ابوبکر تو باہر کے باہر خالی ہاتھ آئے تھے اور جب پیغمبرؐ نے بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد انکی جاگیریں فقراء میں تقسیم کیں تو حضرت ابوبکر ان لینے والوں میں شامل تھے۔

مدینہ میں مہر ادا کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے

کہ نکاح مدینہ میں ہوا

جہاں تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت عائشہ کے ساتھ نکاح کا تعلق ہے تو مدینہ آنے کے سال دو سال بعد مہر ادا کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عائشہ کے ساتھ نکاح مدینہ آنے کے بعد ہوا تھا۔

لیکن مشہور سیرت نگار اور مورخین نے بھی بالفاظ واضح اس بات کو تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری اپنی کتاب "الشیخان" میں جسکا حضرت ابوبکر صدیق کے نام سے ترجمہ ہو چکا ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بعد میں یہی اسماء آنحضرت کے اہل بیت اور قرابت داروں میں بھی ہو گئیں۔ کیونکہ رسالتمآبؐ نے آپکی چھوٹی سوتیلی بہن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدینہ میں عقد فرمایا۔

(اردو ترجمہ حضرت ابوبکر صدیق از طٰہٰ حسین مصری جلد اول باب 13 صفحہ 106)

مذکورہ بیان سے صاف ثابت ہے کہ حضرت عائشہ کے ساتھ عقد ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا۔

اور محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر اپنی کتاب الفاروق عمر میں حضرت حفصہؓ سے حضور کے نکاح کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کے ضمن میں حضرت عائشہ سے عقد کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"حضرت حفصہ بنت عمر خنیس ابن حذافہ کی بیوی تھیں جو سابقون الاولون میں سے تھے۔ واقعہ بدر سے چند مہینے پہلے خنیس نے حضرت حفصہؓ کو چھوڑ دیا اور آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔ جس طرح سے پہلے عائشہ بنت ابی ابکرؓ سے کیا تھا۔

(حضرت عمر فاروق اعظم صفحہ 78)

محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر کے مذکورہ بیان سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت کے بعد مدینہ آنے کے بعد ہی ہوا تھا۔ اور دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت حفصہؓ کو اس کے شوہر کے چھوڑنے کے بعد اسی طرح سے نکاح کیا جس طرح اس سے پہلے حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ سے کیا تھا اور محمد حسین ہیکل کے اس بیان پر ہم حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے عنوان کے تحت تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

اہل سنت کے مذکورہ دونوں دانشوروں کے علاوہ مورخ شہیر ابن خلدون اپنی معروف تاریخ میں حضرت عائشہؓ کی مدینہ آمد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"عبداللہ ابن اریقط (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کے ہمراہ بغرض رہبری گئے تھے) مدینہ سے واپس ہو کر مکہ واپس آکر ان دونوں بزرگوں کے بخیریت مدینہ پہنچ جانے کی عبداللہ بن ابوبکر کو اطلاع دی اس خبر کے بعد عبداللہ بن ابوبکر مع اپنی بہن عائشہ اور انکی ماں ام رومان اور طلحہ بن عبداللہ کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ سے عقد کیا،

(تاریخ ابن خلدون حصہ اول صفحہ 72)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اگر کسی کے لئے کوئی جھوٹی فضیلت ہی گھڑنی پڑے تو اس میں کچھ تو عقل میں آنے والی بات ہو۔ محض حریر کے کپڑے میں جبرئیل کے حضرت عائشہؓ کی تصویر دکھانے پر رسول اللہ کا عاشق ہو جانا ثابت کرنے کے لئے معلوم نہیں کتنے جھوٹ بولنے پڑے ہیں اور پھر ان جھوٹی اور گھڑی ہوئی باتوں کو آپ دوسروں سے فضیلت کے طور پر منوانا چاہتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اہل سنت کے سارے ہی افراد عقل کے کورے نہیں ہونگے۔

جبیر ابن مطعم کو کیا مجبوری تھی

اچھا علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ سوچیں کہ چونکہ جبرئیل نے ریشم کے کپڑے میں آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ کی تصویر دکھائی تھی جس سے آپ ان کے عاشق ہو گئے اور پانچ چھ برس کی عمر میں ہی ان سے نکاح کر لیا۔ لیکن جبیر ابن مطعم سے اس سے کچھ ہی پہلے منگنی یا نکاح جو کچھ بھی ہوا ہو اسے تو جبرئیل نے ریشم کے کپڑے میں انکی تصویر نہ دکھائی تھی وہ ایک جوان آدمی تھا اسے چار پانچ سال کی بچی سے منگنی یا نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

تذکار صحابیات کے مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ بعض "سیرت نگار اس طرف گئے ہیں کہ رخصتانے کے وقت حضرت عائشہ کی عمر 17 برس تھی" اور سیرت عائشہ صدیقہ کے مصنف نے "بعض بے احتیاط لوگوں کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ کی عمر 16 برس تھی۔ اور پھر بڑی سختی کے ساتھ پانچ چھ برس کی عمر میں نکاح ہونے پر اصرار کیا ہے۔ تو دراصل اہل سنت کے وہ محققین جو اس طرف گئے ہیں کہ حضرت عائشہ کی

رخصتی یا نکاح 16.17 برس کی عمر میں ہوا مبنی برحقیقت ہے اور بالکل ٹھیک ہے۔ کیونکہ پانچ چھ برس کی عمر پر اصرار صرف ان گھڑی ہوئی فضیلت کی روایات کو تسلیم کرنے کی مجبوری کی بنا پر ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد آنحضرت نے مکہ میں ماہ رمضان 10 بعثت نبوی میں صرف اور صرف حضرت سودہ بنت زمعہ سے عقد کیا۔ مہر پہلے دیا اور انہیں اپنے گھر لے آئے۔

اور حضرت عائشہ کے پانچ چھ ماہ کی عمر میں عقد کی روایات ان افسانوں میں رنگ بھرنے کے لئے ہے جو فضیلت کے عنوان سے گھڑی گئی ہیں۔ مگر جبیر ابن مطعم کو تو اس سے پہلے یعنی چار پانچ سال کی لڑکی سے منگنی یا نکاح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور جبیر ابن مطعم کے ساتھ منگنی ہو یا نکاح، دونوں صورتوں میں خلق عظیم پر فائز پیغمبر اکرمؐ ہرگز ہرگز نکاح نہیں کر سکتے تھے۔ نہ کسی کی چولہے پر چڑھی ہوئی ہانڈی اتار کر اپنی ہانڈی چڑھاتے اور نہ ہی نکاح پر نکاح کرتے۔

اور جبیر ابن مطعم کے انکار کے الفاظ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر انہیں ایام میں ایمان لائے تھے۔ کیونکہ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ،

"اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا بچہ بددین ہو جائیگا ہم کو یہ بات منظور نہیں"

(سیرت عائشہ صدیقہ سلمان ندوی ص 25
بحوالہ مسند امام احمد حنبل جزو 6 ص 211)

روایت کے الفاظ یہ کہتے ہیں کہ یہ رخصت کی بات تھی اور جبیر ابن مطعم سے نکاح ہوا تھا [illegible] حضرت ابوبکرؓ ابھی دس یا گیارہ بعثت نبوی میں مسلمان ہوئے تھے اور پیغمبرؐ کے حکم سے [illegible] کہ مسلمان کافروں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں

تا کہ وہ انہیں پھر اپنے دین پر نہ پلٹا لیں اور حضرت عائشہ جبیر ابن مطعم کے ساتھ نکاح کی
وجہ سے اب انکی امانت تھیں لہذا حضرت ابو بکرؓ نے چاہا کہ ہجرت سے پہلے اسے رخصت
کر جاؤں وہ یہ بات پوچھنے گئے تھے کہ وہ جواب ملا۔ جو سیرت عائشہ صدیقہ کے حوالہ سے
اوپر نقل کیا گیا ہے۔

یعنی جبیر ابن مطعم کے والدین نے حضرت عائشہ کو اس وجہ سے رخصت کر کے
لانے سے انکار کر دیا کہ وہ ان کے بیٹے کو بددین بنادے گی۔

جب انہوں نے حضرت عائشہ کو ان کے والد کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے
رخصت کر کے لانے سے انکار کر دیا تو وہ اب مجبور تھیں کہ اپنے باپ کے ساتھ ہی رہیں لہذا
بعض سیرت نگاروں نے ان کے اپنے باپ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جانے کا
امکان ظاہر کیا ہے جیسا کہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ:

مسلمانوں نے اپنے وطن سے دو بار ہجرتیں کی ہیں پہلے ملک حبش میں اور اس
کے بعد مدینہ میں، حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر نے بھی حبش کی طرف
ہجرت کرنی چاہی تھی اور برک الغماد تک جو مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر ایک منزل ہے پہنچ
چکے تھے۔ اتفاق سے ابن الدغنہ نامی ایک شخص کہیں سے آرہا تھا اس نے یہ دیکھ کر کہ ابو بکر
بھی اب وطن چھوڑ رہے ہیں قریش کی بدقسمتی پر اس کو افسوس ہوا اور نہایت اصرار سے اپنی
پناہ میں مکہ واپس لایا۔ ممکن ہے کہ اس سفر میں حضرت عائشہ اور انکا خاندان بھی ہمراہ ہو"۔

(سیرت عائشہ صدیقہ جلد اول صفحہ 29
بحوالہ صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 552 باب الہجرت)

اب تک کے بیان سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ یہ ہیں:

نمبر 1۔ سابقہ اوراق میں نقل کردہ سیرت نگاروں کے بیان سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر

نے حبشہ کی یہ ہجرت بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد فرمائی اور مسلمہ طور پر بیعت عقبہ اولیٰ 11 بعثت
نبوی میں ہوئی اس سے ثابت ہوا کہ وہ 11 بعثت نبوی کے قریب قریب ایمان لائے۔

نمبر 2۔ جبیر ابن مطعم سے پوچھنے والی بات صرف رخصت کے بارے میں تھی تا کہ ہجرت
کرتے وقت جبیر ابن مطعم کی امانت انکو سپرد کر جائیں۔ جسے اس کی ماں نے اسی وجہ سے
مسترد کر دیا کہ اب ابو بکر مسلمان ہو گئے ہیں اور انکی بیٹی بھی ان کے ساتھ مسلمان ہو گئی ہے
لہذا وہ ہمارے بیٹے کو بددین کر دے گی۔

نمبر 3۔ 5 بعثت نبوی میں حضرت ابو بکر کے ہجرت نہ کرنے کا سبب بھی یہی تھا لہذا اسعد
ابن وقاص کی روایت بالکل صحیح ہے کہ ان سے پہلے تو پچاس سے زیادہ آدمی مسلمان ہو چکے
تھے

نمبر 4۔ جس طرح حضرت عمر 5 بعثت نبوی تک ایمان نہیں لائے تھے بلکہ مسلمہ طور پر
6 بعثت نبوی میں ایمان لائے تھے اسی وجہ سے وہ 5 بعثت نبوی میں حبشہ کی طرف ہجرت
کرنے والوں کے ساتھ نہیں گئے تھے اسی طرح حضرت ابو بکر بھی 5 بعثت نبوی تک ایمان
نہیں لائے تھے لہذا وہ بھی اسی وجہ سے 5 بعثت نبوی میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ نہیں
گئے تھے جبکہ ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ۔ حضرت عثمان ابن عفان معہ اپنی زوجہ کے حضرت
عبدالرحمن بن عوف حضرت عثمان ابن مظعون اور حضرت جعفر طیار جیسی معروف ہستیاں
ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔

اور حضرت عمر نے 6 بعثت نبوی میں ایمان لانے کے بعد حبشہ کی طرف ہجرت
اس لئے نہیں کی کیونکہ عاص بن وائل سہمی یا بقول ابو جہل نے انہیں پناہ دیدی تھی لہذا وہ
6 بعثت نبوی میں ایمان لانے کے باوجود بے خطر ہو گئے تھے کیونکہ ہجرت کے محرکات صرف

تین تھے نمبر 1 مسلمان ہونے والوں پر کفار کا ظلم وتشدد، نمبر 2 پیغمبر کا مسلمان ہونے والوں کو حکم کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں تا کہ کفار ان پر تشدد کر کے پھر سے سابقہ مذہب پر نہ پلٹا لیں اور تیسرے یہ کشش کہ حبشہ میں جانے کی صورت میں امن وسکون حاصل ہو جائیگا اور کفار کے تشدد سے نجات حاصل ہو جائیگی۔ چونکہ حضرت عمر کو یہ امن وسکون عاص بن وائل کے پناہ دینے کی وجہ سے مکہ میں ہی حاصل ہو گیا تھا بنا بریں انہوں نے 6 بعثت نبوی کے بعد بھی حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی۔ جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

"صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمر اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا۔

اس نے پوچھا کہ کیا ہنگامہ ہے لوگوں نے کہا عمر مرتد ہو گئے۔ عاص ابن وائل نے کہا اچھا تو کیا ہوا میں نے عمر کو پناہ دی"۔ سیرۃ النبی شبلی جلد 1 صفحہ 227

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی عاص بن وائل یا ابو جہل ہے جس نے آنحضرت کے قتل کا وہ گرانقدر انعام مقرر کیا تھا اور یہی حضرت عمر تھے جو اس اعلان پر انعام کے حصول کے لئے آنحضرت کو قتل کرنے کے لئے گئے اور وہی عاص بن وائل ہے جس نے حضرت عمر کے مسلمان ہو جانے پر انکو پناہ دی۔ جبکہ مسلمانوں پر ان کے ظلم وتشدد کا حال یہ تھا کہ عمار یاسر کے باپ کو مار مار کر شہید کر دیا اور خود عمار یاسر کو جب چھوڑا جب ان سے نامناسب الفاظ کہلوا لئے اور ہجرت کے حکم سے پہلے کئی ایسے تھے جو تشدد برداشت نہ کرتے ہوئے مرتد ہو گئے۔

حضرت ابو بکر بھی 11 بعثت نبوی کے بعد حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے روانہ تو ہوئے تھے کیونکہ پیغمبر کا یہی حکم تھا کہ جو کوئی نیا اسلام لائے وہ کفار کے ظلم وتشدد سے بچنے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کر جائے۔

اب اس کے بعد دو روایتیں ہیں ایک سید سلیمان ندوی کی سیرت عائشہ صدیقہ میں اور دوسری شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوت میں۔ دونوں میں ہی حضرت ابو بکر کا حبشہ کی طرف ہجرت کر کے برک الغماد تک پہنچ جانا لکھا ہے جو مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا علامہ سید سلیمان ندوی حضرت عائشہ کی زبانی اس طرح لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر نے بھی حبش کی طرف ہجرت کرنی چاہی تھی اور برک الغماد تک جو مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر ایک منزل ہے پہنچ چکے تھے اتفاق سے ابن الدغنہ نام ایک شخص کہیں سے آ رہا تھا اس نے یہ دیکھ کر کہ ابو بکر بھی اب وطن چھوڑ رہے ہیں قریش کی بد قسمتی پر اس کو افسوس ہوا اور نہایت اصرار سے اپنی پناہ میں مکہ واپس لایا"۔

(سیرت عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی صفحہ 29
بحوالہ صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 552 باب الہجرت)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں اس طرح لکھا ہے:

"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ ہجرت بیعت عقبہ کے بعد مدینہ کی ہجرت سے پہلے ہوئی جب آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا ہم اس شہر میں جس کو چھوڑ کر ابو بکر چلے جائیں کس طرح رہیں گے۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ کے پاس گئے اور آپ کو واپس لانا چاہا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ برک الغماد نامی موضع کے قریب پہنچ چکے تھے ان لوگوں کے کہنے سننے سے آپ مکہ کی طرف واپس ہوئے۔

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صفحہ 57)

دونوں روایتوں کے مطابق حضرت ابوبکر حبشہ کی طرف ہجرت کرکے برک الغماد
تک پہنچ چکے تھے۔ ان لوگوں کے کہنے سننے سے آپ مکہ کی طرف واپس ہوئے۔

(مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص 57)

دونوں روایتوں کے مطابق حضرت ابوبکر حبشہ کی طرف ہجرت کرکے برک الغماد
تک پہنچ چکے تھے اب ایسا ہوسکتا ہے کہ ادھر مکہ سے کفار قریش کو لینے پہنچ گئے ہوں اور دوسری
طرف سے ابن الدغنہ کہیں سے آتا ہوا مل گیا ہو اور ان دونوں کی حضرت ابوبکر سے ملاقات
برک الغماد میں ہی ہوئی ہو۔ اور ابن الدغنہ نے پناہ کی پیش کش کی ہو اور کفار قریش نے بھی
واپسی کی درخواست کی ہو لہذا حضرت ابوبکر کفار قریش کی درخواست اور ابن الدغنہ کی پناہ کی
پیش کش دونوں قبول کرکے واپس مکہ تشریف لے آئے۔

نمبر 5۔ ان دونوں روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے کفار قریش کے ساتھ
بہت ہی اچھے تعلقات تھے اور وہ ان سے بہت مانوس تھے اور حضرت ابوبکر کے ایمان لانے
کے باوجود حضرت ابوبکر کا طرز عمل ایسا تھا جسکی وجہ سے کفار قریش نے حضرت ابوبکر کے
ایمان لانے کو کوئی اہمیت نہیں دی، اور انہیں حضرت ابوبکر کا ایمان لانا برا نہ لگا اور یہ بات
انکے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ،

"جب آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ
ہم اس شہر میں جس کو چھوڑ کر ابوبکر چلے جائیں کس طرح رہینگے"

اور ابن الدغنہ کے بارے میں سلمان ندوی کے الفاظ یہ ہیں کہ،

"اتفاق سے ابن الدغنہ نامی شخص کہیں سے آرہا تھا اس نے یہ دیکھ کر کہ ابوبکر بھی
اب وطن چھوڑ رہے ہیں قریش کی بدقسمتی پر اسکو افسوس ہوا اور نہایت اصرار سے اپنی پناہ میں
مکہ لے آیا"۔

جبکہ اسلام قبول کرنے والوں پر قریش کے ظلم وتشدد کا حال یہ تھا کہ بہت سے
آدمی اسلام سے پھر گئے، عمار یاسر کے والد بزرگوار اور انکی والدہ کو مار مار کر شہید کردیا اور خود
عمار یاسر کو اس وقت چھوڑا جب ان سے نامناسب الفاظ کہلوا لئے۔ علامہ محمد اشرف سیالوی
کے بزرگوں میں سے کسی کو ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ وہ تقیہ کے بارے
میں اس طرح سے چبا چبا کر باتیں نہ کرتے۔

بہر حال اب ہم پیغمبر اکرم کی ہجرت کے بیان کی طرف توجہ کرتے ہیں اور
ہجرت کے بیان سے پہلے بیعت عقبہ ثانیہ کا بیان کرتے ہیں جو مقدمہ ہے آنحضرتؐ کی
ہجرت کا۔

بیعت عقبہ ثانیہ کا بیان

11 بعثت نبوی میں موسم حج کے موقع پر عقبہ کے مقام پر بنو خزرج کے 12 آدمی
مشرف بہ اسلام ہوئے تھے آنحضرتؐ نے ان کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے اپنے ابن عم
حضرت مصعب ابن عمیر اور حضرت عبداللہ بن مکتوم کو ان کے ہمراہ کردیا تھا تھوڑے ہی
دنوں میں مدینہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی شخص، عورت و مرد سے مسلمان نہ ہو۔

(تاریخ ابن خلدون جلد 3 ص 40
تاریخ طبری جلد 4 ص 387)

مصعب 12 بعثت نبوی میں حج کے موقع پر تہتر مردوں اور دو عورتوں کو لیکر مکہ آئے تاکہ آپ کو
مدینہ منورہ کی دعوت دیں طبری نے انصار مدینہ کی زبانی اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"وہ رات ہم نے اپنی قوم کے ساتھ اپنی قیام گاہ میں بسر کی جب ایک ثلث
رات گذر گئی، ہم حسب قرارداد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اپنی

فرودگاہوں سے خفیہ طور پر دبے قدم نہایت خاموشی کے ساتھ ایک ایک کر کے نکلے۔ گھاٹی کے پاس والے درے میں جمع ہوئے، ہم ستر آدمی تھے ان میں دو عورتیں انہیں کی بیویاں تھیں ایک نسیبہ بنت کعب ام عمارہ بنی قازن بن النجار کی بیویوں میں سے تھی، دوسری اسماء بنت عمرو بن عدی بن سلمہ کی بیویوں میں سے تھی، یہی ام منیع ہے ہم سب لوگ درہ میں جمع ہو کر رسول اللہ کا انتظار کرنے لگے"۔ (ترجمہ تاریخ طبری جلد اول صفحہ 120)

انصار مدینہ کے مذکورہ بیان سے ثابت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ قرارداد پاس ہو چکی تھی کہ آنحضرتؐ کے ساتھ عقبہ کے نزدیک درہ میں نصف شب کے قریب ملاقات ہوگی۔ لہذا وہ اپنی فرودگاہوں سے منیٰ میں حاجیوں کو سوتا ہوا چھوڑ کر خفیہ طور پر دبے قدم نہایت خاموشی کے ساتھ ایک ایک کر کے نکلے۔ تاکہ کسی کو اس بات کا علم نہ ہو سکے اور حسب قرارداد یہ بات راز میں ہی رہے لہذا وہ عقبہ کے قریب پہنچ کر رسول اللہ کا انتظار کرنے لگے، ادھر رسول اللہؐ نصف شب کے قریب رات کے اندھیرے میں حسب وعدہ گھر سے نکلے۔ یکہ و تنہا ہر طرف جان کے دشمن تاک میں لگے ہوئے، سنسان گلیاں، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا پہاڑوں کا سفر دل میں خیال کیا کسی کو ساتھ لے لوں۔ جو ہمدرد و غمگسار ہو اور جو اس راز کو افشا نہ کرے، اور یہ راز جب تک ضرورت ہے راز ہی رہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں مکہ میں ہی موجود تھے، مگر ایک ابن الدغنہ کی پناہ میں کفار قریش کی محبت اور حسن سلوک میں مگن دوسرے حضرت عمر، عاص بن وائل یعنی ابوجہل کی پناہ میں ایک حبشہ کی طرف ہجرت کر کے روانہ ہوئے، اور کفار کے کہنے سننے سے واپس آگئے اور ابن الدغنہ کی پناہ میں ہیں دوسرے عاص بن وائل کی پناہ کی وجہ سے چھ ہجری سے لیکر آج تک میرے حکم کے باوجود حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی۔ کیا ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ کیا ان کو ساتھ لیجانے سے یہ راز صیغہ راز میں رہ سکے گا؟ پیغمبر اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل نے فیصلہ کیا نہیں ہرگز نہیں، یہ دونوں اعتماد کے قابل نہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کے ان دونوں بزرگوں پر اعتماد نہ کیا رات کے اندھیرے میں اپنے چچا عباس کے گھر پہنچے، جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے ابھی تک وہ حالت کفر میں تھے، چچا کو جگایا عباس ابن عبدالمطلب گھر سے باہر آئے، فرمایا چچا اب میں مکہ میں نہیں رہ سکتا، اب میں مکہ چھوڑ کر چلا جاؤنگا۔ مدینہ سے آئے ہوئے مسلمانوں نے مجھے مدینہ آنے کی دعوت دیدی ہے میں مدینہ چلا جاؤنگا، آج رات، آدھی رات کے قریب انہوں نے میری بیعت کرنی ہے۔ چچا میں اکیلا ہوں، آپ میرے ساتھ چلے چلیں یقیناً پہلے تو عباس ابن مطلب نے کہا ہوگا بھتیجے ہم تیری حفاظت کرینگے، ہماری موجودگی میں ہمارے ہوتے کوئی تیری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا، ہم تیری حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں چچا اب میں مکہ میں نہیں رہونگا۔ اب میں ضرور ضرور مدینہ چلا جاؤنگا۔ بس چچا آپ میرے ساتھ چلیں، آج رات وہ گھاٹی کے پاس درہ میں آ چکے ہونگے، آج انہوں نے میری بیعت کرنی ہے عباس مجبور ہو گئے، اور بھتیجے کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے، اور مقام موعود پر جانے کے لئے دونوں چچا بھتیجے روانہ ہو گئے، اور جہاں کا وعدہ تھا وہاں پہنچ گئے اب طبری سے انصار کا بیان سنیئے لکھتے ہیں کہ:

"آپؐ تشریف لائے آپؐ کے ساتھ آپؐ کے چچا عباس ابن عبدالمطلب تھے اگرچہ یہ اب تک اپنی قوم کے دین پر قائم تھے، مگر وہ چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے کام میں مصروف ہوں اور ان کے لئے پوری طرح اطمینان و اعتماد حاصل کریں"

(ترجمہ تاریخ طبری جلد اول صفحہ 120)

مکہ اور منیٰ کے درمیان گھاٹی کے قریب درہ میں پہنچ کر سب سے پہلے عباس ابن مطلب نے

بنوخزرج سے خطاب کیا طبری نے اس خطاب کو اس طرح نقل کیا ہے۔

عباس ابن عبدالمطلب کا خزرج سے خطاب

''سب سے پہلے عباس نے گفتگو شروع کی اور کہا اے گروہ خزرج (عرب انصار کے اس قبیلہ کو چاہے خزرج ہوں یا اوس ایک ہی نام خزرج سے موسوم کرتے تھے) محمدؐ ہمارے ہیں۔ تم بھی واقف ہو۔ ہم نے ان کو اپنے ان قوم والوں سے جو میرے مسلک پر ہیں بچایا ہے۔ اپنی قوم کی وجہ سے انکی خاص عزت و وقعت ہے۔ وہ اپنے وطن میں امن وحفاظت کے ساتھ ہیں۔

مگر اب وہ اس بات پر بالکل تل گئے ہیں کہ تمہارے یہاں جا رہیں اور وہیں سکونت اختیار کرلیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ جس غرض سے تم نے ان کو دعوت دی ہے اسے پورا کروگے اور ان کے مخالفین سے ان کی حفاظت کروگے تو بیشک تم اس بار کو اٹھالو۔ ورنہ اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہارے یہاں چلے جانے کے بعد تم ان کا ساتھ چھوڑ دوگے اور ان کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ گے تو بہتر یہ ہے کہ اسی وقت ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ یہاں بھی اپنی قوم کی وجہ سے وہ معزز ہیں اور اپنے وطن میں بحفاظت واطمینان رہ رہے ہیں''۔

(ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول صفحہ 121)

حضرت عباس کے مذکورہ خطاب سے صاف ثابت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلنے سے پہلے اپنے چچا کو یہ سب باتیں کہی تھیں۔ حضرت عباس کا یہ خطاب ترجمہ تاریخ ابن ہشام جلد اول کے صفحہ 491 پر بھی اسی طرح لکھا ہے۔ اس کے جواب میں بنوخزرج نے جس طرح یقین دہانی کرائی اسے ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ طبری میں اسطرح سے نقل کیا ہے۔

بنوخزرخ کی یقین دہانی اور بیعت کا حال

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

''ہم سے جو کچھ تم نے کہا ہم نے اسے سنا اب آپ رسول اللہ صلعم فرمائیں کہ آپؐ کیا چاہتے ہیں؟ بخدا آپؐ جو چاہیں اپنے لئے عہد و پیمان لے سکتے ہیں،

رسول اللہؐ نے گفتگو شروع کی، پھر قرآن پڑھ کر سنایا۔ اللہ کی دعوت دی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی پھر فرمایا: میں اس شرط پر تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کروگے، جس طرح تم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر براء نے آپکا ہاتھ پکڑا۔ اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو بجا طور پر نبی مبعوث فرمایا۔ ہم آپ کی اس طرح حفاظت کرینگے۔ جس طرح کہ ہم اپنی آزاروں کی حفاظت کرتے ہیں اس شرط پر ہم نے رسول اللہ صلعم کی بیعت کی۔ بخدا ہم اہل حرب اور اہل جماعت ہیں، اور یہ فخر ہم کو وراثتاً اپنے بزرگوں سے ملتا رہا ہے''۔ (ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول صفحہ 121)

''بیعت کرنے کے بعد بنوخزرج اپنی آرام گاہوں کی جانب لوٹ گئے اور صبح تک سوتے رہے''۔ (ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ 491)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنوخزرج سے بیعت لینے کے بعد واپس لوٹ آئے اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب کے سب مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ ابن ہشام ''تمام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم'' کے عنوان کے تحت اس طرح لکھتے ہیں۔

تمام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم

تاریخ ابن ہشام میں لکھا ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیدیا کہ مہاجر اصحاب اور وہ مسلمان جو مکہ

میں آپ کے ساتھ تھے مدینہ کی جانب نکلیں ۔ وہاں ہجرت کر جائیں اور اپنے انصار بھائیوں سے جا ملیں فرمایا:

"ان اللہ قد جعل لکم اخواناً و داراً تامنون بھا"

"اللہ نے تمہارے لئے ایسے بھائی اور ایسا گھر فراہم کر دیا ہے کہ وہاں بے خوف رہ سکو"

(ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 514,515)

ہم پہلے بیان کر چکے کہ ہجرت کے تین محرکات تھے۔ نمبر 1۔ کفار کا ظلم و تشدد۔ نمبر 2۔ پیغمبرؐ کا حکم کہ مسلمان ہونے والے حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں تا کہ کفار تشدد کے ذریعہ انہیں اپنے سابقہ مذہب پر نہ لوٹا لیں جیسا کہ ہجرت کے حکم سے پہلے بہت سے ایمان لانے والوں کو اپنے سابقہ مذہب کی طرف پلٹا لیا تھا۔ نمبر 3۔ حبشہ میں امن وامان اور سکون کے ساتھ بسر کرنے کی کشش۔

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد پہلے کے دو محرکات تو وہی تھے۔ تیسرا محرک بھی تھا تو وہی جو حبشہ کی ہجرت کے لئے تھا مگر اب حبشہ کی بجائے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہو گیا تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نگرانی میں مسلمانوں کو مدینہ کی طرف روانہ کرتے رہے۔

مگر حضرت ابو بکر کے لئے چونکہ ہجرت کے تینوں محرکات میں سے کوئی سا بھی محرک درپیش نہ تھا۔ نہ کفار کے ظلم و تشدد کا کوئی امکان تھا۔ نہ ظلم و تشدد کی وجہ سے کسی خلاف نتیجہ کا خوف تھا نہ امن وامان کا کوئی مسئلہ تھا۔ ابن الدغنہ جس کی پناہ میں وہ تھے ان کی ہجرت کو قریش کی بد قسمتی سمجھتا تھا"۔ (سیرۃ عائشہ صدیقہ جلد اول صفحہ 29)

اور کفار قریش حضرت ابو بکر کے اتنے گرویدہ تھے کہ جب "انہوں نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا ہم اس شہر میں جس کو چھوڑ کر ابو بکر چلے جائیں کس طرح رہیں گے۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ کے پاس گئے اور انہیں واپس

لائے"۔ (مدارج النبوت صفحہ 57)

بنا بریں حضرت ابو بکر کو کسی قسم کا کوئی خوف و خطر نہیں تھا اور ان کے لئے امن وامان کا کوئی مسئلہ بھی نہیں تھا انہیں یہیں مکہ میں کامل امن وامان حاصل تھا لہذا وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریحی حکم کے باوجود ہجرت کر کے مدینہ نہ گئے۔ لیکن حضرت عمر کا معاملہ مختلف تھا، وہ بھی عاص بن وائل کی پناہ میں تھے اور آنحضرتؐ کے حکم کے باوجود وہ امن وامان کی جگہ 6 بعثت نبوی میں ایمان لانے کے باوجود حبشہ ہجرت کر کے نہیں گئے، کیونکہ وہ امن وامان انہیں یہاں مکہ میں ہی حاصل تھا عاص بن وائل کی پناہ میں ہونے کی بنا پر کوئی شخص انہیں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا تو پھر وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے کیوں گئے۔ کیونکہ امن وامان ان کے لئے باعث کشش نہیں تھا لہذا ان کے لئے یہی دیکھنا پڑے گا کہ انہیں ہجرت کے لئے کیا چیز باعث کشش بنی۔ جہاں تک حکم پیغمبرؐ کا تعلق ہے تو وہ حکم پیغمبرؐ کے باوجود 6 بعثت نبوی سے 12 بعثت نبوی تک مکہ میں ہی رہے اور حبشہ کی طرف ہجرت نہ کی لہذا انکی یہ ہجرت نہ تو امن وامان کی تلاش میں ہو سکتی ہے اور نہ ہی حکم پیغمبرؐ کی تعمیل میں۔

شب ہجرت تک بیعت عقبہ ثانیہ کا راز نہ کھلا

بیعت عقبہ ثانیہ کی کاروائی۔ جیسا کہ ہم نے مستند تاریخوں سے نقل کیا ہے۔ اتنی راز دارانہ طریقہ سے ہوئی کہ وہ شب ہجرت تک راز ہی رہی۔ اور اس راز داری کی انتہا یہ تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی ہاشم کے ایک فرد یعنی حضرت عباس ابن مطلب کو تو جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے مگر وہ خود کو پیغمبرؐ کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ اعتماد میں لیا۔ لیکن مکہ کے مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اس معاہدہ کے وقت ساتھ لینا مناسب نہ

سمجھا۔ اور یہ معاہدہ آدھی رات کے قریب اس طرح سے ہوا کہ انصار مدینہ بھی تاریخ طبری کے الفاظ ہیں "اپنی فرودگاہوں سے خفیہ طور پر دبے قدم، نہایت خاموشی کے ساتھ ایک ایک کر کے نکلے اور گھاٹی کے پاس والے درہ میں جمع ہو گئے"۔

اور کیونکہ اس راز کا مسلمانوں کی بحفاظت ہجرت کے لئے راز رہنا انتہائی ضروری تھا۔ لہذا یہ سب کے لئے راز ہی رہا۔

اگرچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ حکم ایسا ہی تھا جیسا کہ 5 بعثت نبوی میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم تھا۔

لہذا سارے مسلمان بھی یہی سمجھتے تھے کہ جس طرح پہلے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف بھیج کر خود مکہ ہی میں رہ کر توحید کا پرچار اور اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے اسی طرح اب بھی مسلمانوں کو مدینہ بھیج کر خود مکہ میں ہی توحید کا پرچار اور اسلام کی تبلیغ فرماتے رہیں گے

اور یہی وجہ ہے کہ سارے سیرت نگار اور تمام مورخین یہی لکھتے ہیں کہ پیغمبر شب ہجرت سے پہلے ہجرت کے لئے خدا کی اجازت کا انتظار کرتے رہے حالانکہ یہ بات ناممکن ہے کہ پیغمبر اپنی ہجرت کے لئے تو اجازت کا انتظار کرتے رہے ہوں لیکن انصار مدینہ سے مدینہ آنے کا عہد اور معاہدہ خدا کی اجازت کے بغیر ہی کر لیا ہو!

دراصل پیغمبر ہجرت کی اجازت کا انتظار نہیں کر رہے تھے بلکہ کسی پیشوا، کسی رہنما اور کسی لیڈر کے لئے انتہائی خود غرضی کی بات ہے یہ کہ وہ اپنے پیروکاروں کو مصیبت میں پھنسا ہوا چھوڑ کر چلا جائے۔ لہذا پیغمبر پوری ذمہ داری کے ساتھ مسلمانوں کی ہجرت کی نگرانی کر رہے تھے آپ چاہتے تھے کہ تمام مسلمان بحفاظت ایک ایک کر کے مدینہ چلے جائیں تو پھر میں جاؤں۔ اس لئے پیغمبر کا حکم عام تھا کہ مسلمان سب کے سب مدینہ چلے

جائیں اس کے لئے کسی کی طرف سے خاص طور پر اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب خدا اور پیغمبر نہیں چاہتے تھے کہ کوئی مسلمان مکہ میں رہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے کہ،

"والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شئی حتی یھاجروا" (الانفعال۔73)

"یعنی جو لوگ ایمان تو لائے ہیں لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی، تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔ تم کو انکی سرپرستی سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

اس راز کے شب ہجرت تک راز رہنے کی ایک اور دلیل اور بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ راز کھل جاتا تو دارلندوہ میں پیش کی گئی تجویزوں میں سے ایک تجویز یہ نہ ہوتی کہ پیغمبر کو جلاوطن کر دیا جائے یعنی انہیں مکہ سے نکال دیا جائے۔

اس سے بالفاظ واضح ثابت ہوتا ہے کہ کفار تک یہ بات پہنچی ہی نہ تھی کہ پیغمبرؐ انصار مدینہ سے مدینہ میں جا کر سکونت اختیار کرنے کا عہد اور معاہدہ کر چکے ہیں۔

اگر اس بات کا کفار کو پتہ چل جاتا تو نہ یہ تجویز پیش ہوتی کہ پیغمبرؐ کو مکہ سے نکال دیا جائے نہ وہ جواب دیا جاتا جو اس تجویز کا دیا گیا بلکہ اس تجویز کے جواب میں یہ کہا جاتا کہ پیغمبر تو خود ہی جانے کے لئے آمادہ ہیں لہذا انہیں نکالنے کی تجویز کیسی۔ ہمارے سر سے یہ مصیبت اب خود ہی ٹل جائے گی۔

لیکن دارلندوہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ دارلندوہ میں پیغمبرؐ کو جلاوطن کرنے کی تجویز پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ کفار قریش کو اب تک اس بات کا علم نہ ہوا تھا کہ پیغمبرؐ نے مدینہ چلے جانے کا حتمی ارادہ کر لیا ہے، اور یقینی طور پر اگر دارالندوہ میں پیغمبرؐ کے قتل کرنے کی تجویز منظور نہ ہوئی، ہوتی، تو نہ پیغمبر ابھی مکہ سے جاتے، اور نہ ہی خدا فوری طور پر نکل جانے کا حکم دیتا، بلکہ پیغمبرؐ اپنی پوری کوشش کے ساتھ تمام مسلمانوں کو مدینہ بھیج کر روانہ

ہوتے اور اپنا وعدہ ضرور پورا کرتے۔

دارلندوہ میں قریش کا مشورہ اور آنحضرتؐ کے قتل کی تجویز

علامہ شبلی نے قریش کے دارلندوہ میں اجلاس عام میں پیش کیجانے والی تجاویز کو اس طرح بیان کیا ہے۔

ایک نے کہا: محمدؐ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کردیا جائے۔

دوسرے نے کہا: جلاوطن کردینا کافی ہے

ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے انکا خاتمہ کردے۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جایگا اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔

اس آخر رائے پر اتفاق ہوگیا، اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کرلیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

(شبلی کی سیرۃ النبی جلد 1 صفحہ 269)

تمام تاریخوں۔ حدیث وسیرت کی کتابوں کے علاوہ قران کریم میں بھی سورہ الانفال کی آیت نمبر 30 میں ان ہی تین تجاویز کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر ہم آگے چل کر پیغمبرؐ کے واقعہ ہجرت میں کرینگے۔

کفار نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کس وقت کیا؟

تمام تاریخیں اور سیرت کی کتابیں یہ کہتی ہیں کہ پہلی تجویز یعنی آنحضرتؐ کو قید

کردینا اس وجہ سے نامنظور کیا گیا تھا کہ جب بنی ہاشم کو اس بات کا علم ہوگا تو وہ انہیں چھڑا کر لیجائینگے۔ بنابریں یہ تجویز متفقہ طور پر نامنظور کردی گئی تھی۔ لہذا اس بات کا تقاضا یہ تھا کہ قتل کی تجویز کے منظور کیئے جانے کے بعد بنی ہاشم کو اطلاع ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنے منصوبے پر عملدرآمد کرلیں۔ پس انہوں نے انتہائی عجلت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ جیسا کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں لکھا ہے کہ:

''اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کرلیا''۔ (سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ 269)

اور ابن جریر طبری نے اس طرح لکھا ہے کہ:

''حسب قرارداد عشا کے بعد کفار آپ کے دروازے پر جمع ہوئے''

(اردو ترجمہ تاریخ طبری نفیس اکیڈمی حصہ اول صفحہ 128)

''جب رات کا اندھیرا ہوا تو قریش کے منتخب جوان آپؐ کے دروازے پر جمع ہوگئے''۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 530)

غرضیکہ تاریخ وسیرت کی مستند کتابوں سے یہی بات ثابت ہے کہ کفار قریش نے سرشام ہی یا رات کا اندھیرا چھاتے ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو گھیر لیا تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو گھیرنے کے بعد کفار کا پروگرام کیا تھا۔ یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کب قتل کریں اور کس طرح قتل کریں۔

کفار کا پیغمبر اکرم صلعم کو قتل کرنے کیا پروگرام تھا

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ: ''اور تاک میں لگے کہ کب آپ سو جائیں اور وہ حملہ کرکے آپ کو ختم کردیں''۔ (اردو ترجمہ تاریخ طبری نفیس اکیڈمی حصہ اول صفحہ 128)

اور ابن ہشام نے اسطرح لکھا ہے کہ: "اور انتظار کرنے لگے کہ آپ سو جائیں تو حملہ کریں"۔ (ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ 530)

پیغمبر اکرم صلعم کو قریش کے مشورہ کی خبر کب اور کیسے ہوئی

تمام حدیث اور تاریخ کی مستند کتابیں یہ کہتی ہیں کہ قریش کے اس مشورہ کی اطلاع جبرئیل امین نے آ کر دی چنانچہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

"حضرت جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر کہا کہ آپ آج رات اپنے اس بستر پر جس پر آپ معمولاً استراحت فرماتے ہیں نہ سوئیں، چنانچہ حسب قرارداد عشاء کے بعد کفار آپ کے دروازے پر جمع ہوئے اور تاک میں لگے کہ جب آپ سو جائیں وہ حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں۔ رسول اللہ نے جب دیکھا کہ کفار آ گئے ہیں انہوں نے علی ابن ابی طالبؑ سے کہا تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو۔ اور سو جاؤ تم کو انکی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ رسول اللہ جب سوتے تھے تو ہمیشہ اس چادر کو اوڑھتے تھے"۔ (ترجمہ تاریخ طبری نفیس اکیڈمی حصہ اول صفحہ 128)

اور ابن ہشام نے اس طرح سے لکھا ہے:

"مذکورہ مشورہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبرئیل آئے اور کہا آج رات آپؐ اس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر آپؐ روزانہ آرام فرماتے ہیں۔

راوی نے کہا جب رات کا اندھیرا ہوا تو قریش کے منتخب جوان آپؐ کے دروازے پر جمع ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ سو جائیں تو حملہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو ان مقامات پر ملاحظہ فرمایا، تو علی ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہ سے فرمایا تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ، میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو۔ اور اس چادر میں

سو جاؤ ان کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ چیز تم کو نہ پہنچ سکے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی چادر اوڑھ کر آرام فرمایا کرتے تھے۔ (ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 530)

مذکورہ مستند تاریخوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کو کفار کے مشورہ کی اطلاع خدا نے جبرئیل کے ذریعہ عین وقت پر پہنچائی اور آنحضرتؐ نے کفار کو محاصرہ کیے ہوئے دیکھ کر حضرت علیؑ کو اپنی چادر اوڑھ کر سونے کا حکم دیا۔

امام بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں بھی یہی لکھا ہے کہ:

"فاتی جبرئیل النبی صلعم فاخبرہ بذالک (الشوریٰ) المشرکین وامرہ ان لایبیت فی مضجعه الذی کان فیه فاذن اللہ عنک ذالک الخروج الیٰ المدینة فامر رسول اللہ صلعم علی ابن ابی طالب ان ینام فی مضجعه"۔ (تفسیر معالم التنزیل امام بغوی)

ترجمہ:۔ (یعنی جب کفار قریش نے دارلندوہ میں وہ مشورہ کیا اور آنحضرت صلعم کے قتل پر اتفاق کر لیا تو) جبرئیل امین پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرکین کے اس مشورہ کی آنحضرتؐ کو خبر دی اور اللہ کی طرف سے یہ حکم پہنچایا کہ آج کی رات جہاں آپ سوتے ہیں وہاں نہ سوئیے کیونکہ خدا نے آپؐ کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے بستر میں سو جائیں"

ہجرت کے حکم اور تعمیل حکم میں کوئی وقفہ نہیں ہے

(امام بغوی کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرئیل نے مشورہ کی خبر شب ہجرت ہی پہنچائی تھی اور اللہ کی طرف سے یہ حکم پہنچایا کہ وہ آج

کی رات اپنے بستر میں نہ سوئیں جو:۔ "فاخبره بذالک (الشوریٰ) المشرکین وامره ان لایبیت فی مضجعه" سے ظاہر ہے۔

اور جبرئیل نے یہ خبر پہنچانے اور خدا کی طرف سے اپنے بستر میں نہ سونے کا حکم پہنچا کر خدا کا یہ حکم سنایا کہ آپ یہاں سے مدینہ چلے جائیں۔جو:۔ "فاذن الله عنک ذالک الخروج الی المدینه" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

پس مدینے جانے کا حکم سن کر پیغمبرؐ نے بھی اس وقت علیؑ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیدیا جو:۔ "فامر رسول الله صلعم علی ابن ابی طالب ان ینام فی مضجعه" سے ظاہر ہے۔

پس بالاتفاق محدثین ومفسرین ومورخین حضرت علیؑ آنحضرت صلعم کے بستر میں سو گئے، اور کفار حضرت کو سوتے دیکھتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو رہے ہیں، لہذا یہاں پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جب کفار کا پروگرام یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو جائیں تو سب مل کر یکبارگی حملہ کر دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر ڈالیں۔ تو جب وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ رسول سو رہے ہیں تو انہوں نے سوتا ہوا دیکھ کر حملہ کیوں نہ کیا۔

کفار نے یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ آنحضرتؐ سو رہے ہیں حملہ کیوں نہ کیا؟

اس بارے میں کہ جب آنحضرتؐ کے سو جانے پر قتل کرنے کا پروگرام تھا تو پھر انہوں نے آپ کو سوتے ہوئے دیکھ کر آپ پر حملہ کیوں نہ کیا؟ حقائق وواقعات اور موقع کی صورت حال سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ کفار قریش تو حسب پروگرام حملہ کرنے کے لئے

تیار ہو گئے تھے، لیکن ضرور کوئی رکاوٹ پڑ گئی، اور اسکا پتہ علامہ مجلسی کی حیات القلوب میں درج اس واقعہ سے چلتا ہے کہ:

"جب رات ہوئی اور قریش مشورہ کے مطابق جمع ہوئے تاکہ حضرتؐ کے گھر میں داخل ہوں، ابولہب نے کہا: رات کو گھر میں جانے نہ دوں گا، کیونکہ اس میں بچے اور عورتیں بھی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی گزند پہنچے۔ رات بھر محمدؐ کی نگرانی کرو صبح کو ہم داخل ہونگے"۔ (حیات القلوب جلد 2 صفحہ 503)

اور تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابوجہل کی تجویز کے مطابق تمام قبائل کو محمدؐ کے قتل میں شریک کیا گیا تھا اور بنی ہاشم میں سے ابولہب ان کے ساتھ تھا اور یہ بات بالکل عقل میں آنے والی ہے کہ ابولہب کو محمدؐ کے ساتھ تو دشمنی ضرور تھی۔ مگر عورتوں اور بچوں کے ساتھ اسے کوئی دشمنی نہ تھی۔ لہذا وہ اکڑ گیا اور اس نے کہا: "رات کو گھر میں جانے نہ دونگا۔ کیونکہ اس میں عورتیں اور بچے بھی ہیں" اور اس میں خاندان کی عزت اور عربوں کی حمیت کا سوال بھی تھا۔ پس کفار قریش حضرت علیؑ کو بستر رسول پر سوتا ہوا دیکھ کر یہ سمجھتے رہے کہ یہ رسول سو رہے ہیں۔ لیکن اندر داخل ہونے کی جرات نہ کر سکے۔ اور صبح ہونے تک خدشہ تھا کہ کہیں بنی ہاشم کو پتہ نہ چل جائے کیونکہ اسی وجہ سے تو آنحضرتؐ کو قید کرنے کی تجویز نامنظور ہوئی تھی کہ جب بنی ہاشم کو پتہ چلے گا تو وہ چھڑا کر لے جائیں گے لہذا صبح تک انتظار کرنا بھی خلاف مصلحت تھا۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی ایسے آدمی کے ذریعہ باہر بلایا جائے جس کے کفار قریش کے ساتھ بھی اچھے تعلقات ہوں اور وہ مسلمان بھی ہو گیا ہو جس کے بلانے پر رسول اللہ باہر آسکیں اور اس کو اس سارے معاملہ اور منصوبے کا کوئی علم بھی نہ ہو اور جب اس کے بلانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر

نکلیں تو سب یکبارگی حملہ کر کے ان کو قتل کر دیں۔

قرآن ہجرت پیغمبرؐ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

قرآن میں ہجرت پیغمبر کو بیان کرنے والی دو آیات ہیں پہلی آیت کفار قریش کے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کرنے اور ان تجاویز کی حکایت کرتی ہے، جو وہاں پیش ہوئیں اور اس تجویز پر عملدرآمد کی تدبیر کا ذکر کرتی ہے اور دوسری آیت پیغمبرؐ کے گھر کا محاصرہ کرنے کے بعد اس تدبیر کی حکایت کرتی ہے کہ پیغمبر کو کس طرح سے قتل کیا جائے:

پہلی آیت اس طرح ہے:

"واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک اویقتلوک او یخرجوک، ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین"۔ (الانفال۔30)

ترجمہ:۔ اے رسول اس وقت کو یاد کرو جب کفار تمہارے بارے میں تدبیریں کر رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا تم کو قتل کر دیں۔ یا تم کو نکال دیں (قتل کی تجویز پاس ہونے کے بعد) وہ تو اپنی (تجویز قتل پر عملدرآمد کے لئے) تدبیریں کر رہے تھے اور خدا ان کے خلاف تدبیر کر رہا تھا، اور خدا سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اس آیت میں پہلے حصہ میں جن تین تجاویز کے پیش کئے جانے کا بیان کیا گیا ہے، حدیث و تاریخ و سیرت کی تمام مستند کتابوں میں یہی تینوں تجاویز بیان کی گئی ہیں، جن میں سے دو تجاویز نامنظور ہو گئیں اور تیسری تجویز یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

جب قتل کرنے کا پروگرام روبہ عمل آنے لگا تو پہلی تدبیر یہ قرار پائی کہ پیغمبرؐ سو جائیں تو یکبارگی حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں مگر پیغمبرؐ کے گھر کا محاصرہ کرنے کے بعد اس تدبیر

پر عمل درآمد اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ ابولہب اکڑ گیا اور اس نے کہا کہ:

"اب رات کو اندر داخل نہ ہونے دونگا کیونکہ اندر عورتیں اور بچے بھی ہیں"

اس کے بعد کفار نے جو تدبیر سوچی اس کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے کہ:

ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ (الانفال۔30)

وہ تو اپنی (تجویز قتل پر عملدرآمد کے لئے) تدبیر کر رہے تھے۔ اور خدا انکی تدبیر کے خلاف تدبیر کر رہا تھا۔

اس آیت میں خدا نے جہاں کفار کے لئے مکر کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اپنے لئے بھی یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ اور مکر کا لفظ انسانوں کی طرف سے کسی کا بُرا چاہنے کی تدبیر کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں خدا کا مکر اس بُرا چاہنے کی تدبیر کو الٹ دینا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے ہم نمونے کے طور پر قرآن کریم سے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

خداوند تعالی نے ایک اور مقام پر کفار کے حضرت عیسیٰؑ کے خلاف قتل کے منصوبے کو اور اپنی تدبیر کو اسی لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یعنی یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کے لئے انہیں پکڑنے کے واسطے جو تدبیر کی تھی اسے بھی مکر ہی کہا ہے۔ اور خدا نے اس کے مقابلہ میں جو تدبیر کی اسے بھی مکر ہی کہا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

"ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین"۔ (آل عمران۔54)

اور ان یہودیوں نے (عیسےٰ کو پکڑ کر قتل کرنے کی) ایک تدبیر کی اور اللہ نے بھی (ان کے مقابلہ میں) ایک تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اور خدا کی یہ تدبیر قرآن میں بھی محفوظ ہے اور انجیل میں بھی محفوظ ہے۔

قرآن نے تو اجمالی طور پر یوں بیان کیا ہے کہ:

"ولکن شبه لهم"۔(النساء۔157)

"یعنی جو شخص حضرت عیسے کو پکڑوانے آیا تھا خدا نے اسکو حضرت عیسے کے مشابہ بنادیا اور حضرت عیسے کی بجائے خود اس کو پکڑوا دیا اور یہ شخص خود حضرت عیسے کا حواری یعنی صحابی تھا"

اور انجیل برنباس میں اس واقعہ کو فصل نمبر 211 سے لیکر فصل نمبر 217 تک بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

چنانچہ کفار قریش نے بھی یہی تدبیر کی کہ پیغمبرؐ کو گھر سے باہر نکالنے کے لئے انکے کسی ماننے والے کو ہی استعمال کیا۔ چنانچہ واقعہ ہجرت کی حکایت کرنے والی دوسری آیت اس بات کو کھول کر بیان کر رہی ہے کہ کفار نے پیغمبرؐ کو اپنی طرف سے آدمی بھیج کر باہر نکالا وہ آیت اس طرح ہے۔

"الا تنصروه فقد نصره الله اذاخرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذ هما في الغار اذيقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا، فانزل الله سكينته عليه وايده بجنود لم تروها وجعل كلمة الذين كفروا السفلى وكلمة الله هي العلياء والله عزيز حكيم"۔(التوبہ۔40)

ترجمہ:۔ اگر تم اس (رسول) کی مدد نہیں کرو گے (تو کچھ پروا نہیں ہے خدا اسکا مددگار ہے) یقیناً اللہ نے تو اسکی ایسے وقت میں مدد کی تھی جب کہ ان کافروں نے اسے (قتل کرنے کے لئے) ایسی حالت میں نکالا تھا کہ وہ (رسول) دو میں کا دوسرا تھا (اور اس وقت بھی مدد کی) جب کہ وہ دونوں غار میں تھے (اور اس وقت بھی مدد کی) جبکہ ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ حزن نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

پس اللہ نے اپنے رسول پر سکینہ نازل فرمائی اور اسکی (ایسے لشکروں کے ساتھ مدد کی جنکو تم نے نہیں دیکھا۔ اور کافروں کی بات کو اس نے نیچا کر دکھایا، اور اللہ ہی کا بول بالا رہا، اور اللہ

زبردست حکمت والا ہے۔

یہ آیت ہجرت کے موقع کے ایسے تین مقامات کی نشاندہی کر رہی ہے جو انتہائی خطرناک تھے اور جن میں پیغمبر کی جان کو یقینی طور پر خطرہ تھا، ان مقامات میں سے قران نے ہر مقام کو لفظ " اذ " سے شروع کیا ہے اور سید سلیمان ندوی نے واقع تحریم کے بیان میں اس طرح لکھا ہے کہ، "جن لوگوں کو قرآن مجید کے عام طرز ادا سے آگاہی ہے، یا محاورات عرب پر عبور ہے وہ جانتے ہیں کہ "اذ" کے بعد ہمیشہ نئے سرے سے واقعہ شروع ہوتا ہے۔ (سیرت عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی صفحہ 102)

سورہ توبہ کی مذکورہ آیت نمبر 30 میں جو واقعہ ہجرت کو بیان کر رہی ہے تین مقامات پر لفظ " اذ " استعمال ہوا ہے، جو تین نئے مقامات خطر کی نشاندہی کرتے ہیں جن میں پیغمبر کی جان کو حتمی طور پر خطرہ تھا اور وہ یہ ہیں۔

نمبر1۔ "اذاخرجه الذين كفروا ثاني اثنين"

نمبر2۔ "اذهما في النار"

نمبر3۔ "اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا"

اب ہم نمبروار ان مقامات خطر کی علیحدہ علیحدہ تفصیل بیان کرتے ہیں جن میں ہر صورت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قتل کیا جانا متوقع تھا۔

نمبر1۔ "اذاخرجه الذين كفروا ثاني اثنين" پہلے خطرے کا مقام وہ تھا جب کافروں نے اس (پیغمبرؐ) کو ایسی حالت میں نکالا کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا اور لازماً یہاں پر مکہ سے نکالنا مراد نہیں ہوسکتا، بلکہ گھر سے نکالنا مراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اگلے مقام خطر غار کا ذکر ہے، جو مکہ میں ہی ہے۔ لہذا حتماً یہ دوسرا آدمی پیغمبرؐ کے ساتھ گھر سے ہی چلا تھا۔ اور اسے کفار نے پیغمبر کو باہر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ کیونکہ اگر پیغمبرؐ اپنے گھر سے خود

اپنے آپ نکلتے تو اس کے لئے عربی میں لفظ "خرج" آتا ہے، جو فعل لازم ہے "اخرج" نہ آتا جو فعل متعدی ہے۔ کیونکہ خرج کے معنی ہیں "نکلا" اور "اخرج" کے معنی ہیں "نکالا" یعنی "اخرج" فعل متعدی ہونے کی بناء پر فاعل اور مفعول دونوں کو چاہتا ہے۔ پس یقینی طور پر یہاں "اخرج" کے فاعل کافر ہیں، اور خدا نے اسے محذوف بھی نہیں رکھا، بلکہ بالکل واضح طور پر فرمایا: "اخرجه الذين كفروا" یعنی کافروں نے اسکو نکالا اور اس فقرے میں ثانی اثنین نکالنے کے فعل کی حالت کو بیان کرنے کے لئے ہے، یہ دوسرے آدمی کی مدح میں نہیں ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ کافروں نے پیغمبرؐ کو ایک دوسرے آدمی کی معرفت گھر سے باہر نکالا،

بالفاظ دیگر "ثاني اثنين" حال ہے جسکا ذوالحال "اخرجه الذين كفروا" ہے اور لفظ "اذ" کے بعد ثانی اثنین تک خطرے کے صرف ایک مقام کا بیان ہے۔ یعنی دوسرے آدمی کے ساتھ دو میں کا دوسرا آدمی بنا کر نکالنا خداوند تعالیٰ کی نظر میں انتہائی خطرناک تھا لہذا خدا نے اپنے رسول کی یہ مدد کی کہ اس دوسرے آدمی کے بلانے پر باہر آنے کی صورت میں قتل ہونے سے بچا لیا کافروں کو تو اندھا کر دیا، اور اس دوسرے آدمی کو پیغمبر کی گرفت میں دیدیا اور پیغمبرؐ اس دوسرے آدمی کو اپنے ساتھ ہی لے گئے تا کہ پیچھے رہ جانے کی صورت میں ہجرت کا راز فاش نہ ہو جائے کہ پیغمبرؐ گھر سے نکل گئے ہیں۔

اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت سے بے خبری اور لاعلمی نہیں ہے وہ جانتا ہے کہ فعل لازم کہاں آتا ہے اور فعل متعدی کہاں آتا ہے، خرج کہاں بولا جاتا ہے اور اخرج کہاں بولا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعون کے لوگوں نے قتل کا پروگرام بنایا تھا جب اسکی اطلاع ایک آدمی نے حضرت موسیٰ کو دی تو حضرت موسیٰ مصر سے نکل گئے قتل کے خوف

سے قرآن اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

"وجاء رجل من اقصا المدينة يسعیٰ، قال يا موسیٰ ان الملا ياتمرون بك ليقتلوك فاخرج انی لك من الناصحين، فخرج منها خائفاً يترقب قال رب نجنی من القوم الظالمين"۔ (القصص۔21۔20)

ان آیات کا ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس طرح کیا ہے۔

ترجمہ۔ "اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا، کہا اے موسیٰ۔ دربار والے مشورہ کرتے ہیں۔ تجھ پر، کہ تجھ کو مار ڈالیں۔ سو نکل جا، میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں، پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچا لے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے"

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب غور کریں کہ یہاں بھی فرعون کے درباروالوں نے موسیٰ کے قتل کا مشورہ کیا، یہاں بھی ایک نیک آدمی نے موسیٰ کو اس مشورہ کی اطلاع دی، یہاں بھی موسیٰ قتل ہونے کے خوف سے نکلے، اگر قتل ہونے کے خوف سے نکلنے کے لئے "اخرج" استعمال ہو سکتا ہوتا، تو خدا یہاں بھی "اخرج" استعمال کرتا مگر یہاں موسیٰ کو قتل ہونے کا خوف ضرور تھا مگر کسی کے نکالنے سے نہیں نکلے لیکن پیغمبرؐ کافروں کے بھیجے ہوئے آدمی کے آواز دینے اور بلانے پر نکلے اسلئے فرمایا "اخرجه الذين كفروا ثاني اثنين" یعنی دو میں دوسرا بنانے والے کافر تھے اور وہ دوسرا آدمی بھی کافروں کا بھیجا ہوا تھا۔ اگر پیغمبرؐ گھر سے خود نکلتے تو خدا یوں کہتا "اذ خرج من بيته"۔

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ کے صفحہ 244 جلد دوم طبع مصر پر ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر کا آنحضرتؐ کے در دولت پر آ کر آواز دینا لکھا ہے اور آنحضرتؐ کے پیچھے روانہ ہونا بیان کیا ہے فتح الباری کے الفاظ یہ ہیں۔

"کان المشرکون یرمون علیاً وهم یظنون انه نبی صلعم فجاء ابوبکر فقال یا رسول الله صلعم"۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری ابن حجر عسقلانی)

"یعنی مشرکین حضرت علیؑ پر پتھر برسا رہے تھے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ رسول اللہ سوئے ہوئے ہیں۔ پس ابوبکر آئے اور آواز دی کہ یا رسول اللہ"۔

اس کے بعد ابن حجر کی اس روایت کے مطابق حضرت علیؑ نے انہیں بتایا کہ وہ بیئر میمون کی طرف گئے ہیں پس ابوبکر روانہ ہو گئے اور راستے میں ان سے جا ملے۔

لیکن قران کہتا ہے کہ پیغمبرؐ گھر سے ہی اس دوسرے آدمی کے ساتھ گئے اور اس دوسرے آدمی کو کفار نے بھیجا تھا تا کہ وہ انہیں آواز دے کر باہر بلائے اور ان کے باہر آنے پر کفار انہیں قتل کر دیں۔ لہذا خدا نے انکی اس تدبیر کو پلٹ دیا۔ ومکروا ومکر الله والله خیر الماکرین۔ یعنی پیغمبر حضرت ابوبکر کو پکڑ کر ساتھ ہی لے گئے۔

ہم یہ بات سابقہ اوراق میں ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت ابوبکر تقریباً 11 بعثت نبوی کے آس پاس ہی ایمان لائے تھے جو حضرت عائشہ کی جبیر کی طرف سے منگنی کے ٹوٹنے یا رخصتی نہ کرنے سے ثابت ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر کے ایمان لانے کے باوجود انہیں کفار قریش کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ بلکہ کفار قریش کے ساتھ ان کے اتنے اچھے اور خوشگوار تعلقات تھے کہ کفار قریش حضرت ابوبکر کے واقعہ بیعت عقبہ اولی کے بعد مکہ سے پہلے حبشہ کی طرف روانہ ہو جانے کے صورت میں ان کے بغیر مکہ میں رہنا بے لطف و بے مزہ اور ناخوشگوار تصور کرتے تھے۔

ان حالات میں اگر ہجرت مدینہ کے وقت کفار قریش نے انہیں اپنے پروگرام سے اندھیرے میں رکھتے ہوئے کسی بہانے سے انہیں پیغمبرؐ کو باہر بلانے کے لئے بھیج دیا ہو، تو یہ کوئی بعید بات نہیں ہے اور اس صورت میں ہی قرآن کریم کی آیت "اذ اخرجه

الذین کفروا ثانی اثنین" کا معنی صحیح بیٹھتا ہے۔ کیونکہ قرآن کی رو سے پیغمبرؐ کے اس ساتھی کا پیغمبرؐ کے گھر سے ہی ایک ساتھ نکلنا ثابت ہوتا ہے۔

یہ آیت مدح کی آیت نہیں ہے بلکہ مذمت کرنے والی ہے اسکا آغاز ہی یہاں سے ہوتا ہے کہ الا تنصروه یعنی اگر تم پیغمبرؐ کی مدد نہیں کرتے (تو کوئی پروا نہیں ہے) یہ مدح نہیں ہے بلکہ مذمت ہے۔ اس کے بعد خدا نے ان مواقع کا ذکر کیا، جو پیغمبرؐ کے لئے انتہائی خطرناک تھے اور جن میں پیغمبرؐ کی جان کو یقینی طور پر خطرہ تھا لہذا "ثانی اثنین" تعریف نہیں ہے یہ تو "حال" ہے "اذ اخرجه الذین کفروا" کا جو اس حال کا "ذوالحال" ہے۔ لہذا یہ مقام مذمت میں آیا ہے، کیونکہ یہ دوسرا شخص کافروں کی طرف سے پیغمبرؐ کو قتل کرنے کے سلسلہ میں استعمال ہوا تھا لیکن خدا نے بچا لیا۔ اب یہ کمال ہے حکومت کے طرفداروں کا کہ خالص مذمت کی آیت کو بھی مدح کے معنی میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

نمبر 2۔ دوسرے مقام خطر کو جس میں پیغمبرؐ کی جان کو یقینی خطرہ تھا ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "اذهما فی الغار" یعنی دوسرا موقع وہ ہے جب وہ دونوں غار میں تھے۔ یہ دوسرا مقام خطر تھا، جس میں پیغمبر کی جان کو یقینی خطرہ تھا۔ کیونکہ کفار قریش نقش پا دیکھنے کے ماہر "ابوکرز" کو جسے ہمارے یہاں "کھوجی" کہتے ہیں، ساتھ لیکر پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے اور اپنے طریقہ پر کھوج لگاتے ہوئے غار کے دہانے پر پہنچ گئے تھے، جن لوگوں کو حج وعمرہ کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور انہوں نے اس غار کو دیکھا ہے وہ اس نقش پا کو دیکھ کر پتہ چلانے کے ماہر کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور اگر غار کے دہانے پر خدا کے حکم سے مکڑی نے جالا نہ تنا ہوتا اور اس جالے پر کبوتری نے انڈے نہ دیئے ہوتے تو غار میں سے ان کو دیکھ کر پکڑ لینا بہت ہی آسان تھا، جبکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں کے

نشانات کے ذریعہ کھوج لگانے والے نے صاف کہ دیا تھا کہ اب اس غار سے آگے پاؤں کے نشانات نہیں جاتے اور غار کے اوپر مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس کے اندر نہیں گئے، لہذا اس نے یہ حتمی فیصلہ دیدیا کہ یا تو وہ آسمان پر چلے گئے ہیں، یا زمین میں سما گئے ہیں، پس وہ سب کے سب مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے

ایک اور بات بھی خاص طور پر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ نقش پا دیکھنے کا ماہر یہ کھوجی نقش پا کے پیچھے پیچھے سیدھا غار ثور پہنچا، یہ کھوج لگانے والے ہمارے یہاں بھی بڑے ماہر ہوتے ہیں، اور نقش پا کو جسے ہمارے یہاں (پیٹر) کہتے ہیں اس کو آخر تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ یہ (ابوکرز) عرب کا ماہر کھوجی تھا تب ہی تو اس نے اس سنگلاخ اور پہاڑی زمین میں نقش پا کو غار کے دہانے تک پہنچا دیا، اور پھر دعوے کے ساتھ کہ دیا کہ اب اس سے آگے نقش پا نہیں چلتے، یا تو وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں یا زمین میں سما گئے ہیں۔

شاید وہ مکڑی اور وہ کبوتری بھی خدا کے اس لشکر میں تھی جس کے ذریعہ خدا نے اپنے پیغمبر کی مدد کی جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ "وایدہ بجنود لم تروھا" اور خدا نے اپنے پیغمبر کی ایسے لشکر سے مدد کی جس کو تم نے دیکھا تک نہیں۔

نمبر 3۔ تیسرے مقام خطر کو جب کہ پیغمبر کی جان کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا تھا، خدا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اذیقول لصاحبه لا تحزن ان لله معنا

پھر ہم نے اپنے پیغمبر کی اس وقت مدد کی جب وہ اپنے ساتھی سے کہ رہا تھا کہ حزن وملال نہ کر یا افسوس نہ کر، یا غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔

یہ تیسرا مقام خطر تھا کہ جب پیغمبر کی جان خطرہ سے دوچار ہوئی۔ پیغمبرؐ کے اس ساتھی نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔ کفار غار کے دھانے پر کھڑے تھے کیا اس سے بھی زیادہ جان کے خطرے کی بات کوئی ہو سکتی ہے کہ کفار غار کے دہانے پر کھڑے ہوں اور اندر سے کوئی چیخ چیخ کر رونا شروع کر دے۔ مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں نے تو کفار کو اس طرف سے غافل کر دیا تھا۔ مگر رونے کی آواز سن کر غار کے اندر کسی کے وجود سے آگاہ ہونے میں کیا چیز رکاوٹ بن سکتی تھی۔ اگرچہ غار کے اس ساتھی کے رونے کے بارے میں بہت سی باتیں بنائی گئی ہیں۔ لیکن غار کا یہ ساتھی چاہے جس وجہ سے بھی رویا ہو، غار کے دہانے پر کھڑے ہوئے کفار کو پتہ چلنے کے لئے کافی تھا، لہذا قدرت نے اس موقع پر بھی اپنے پیغمبرؐ کی مدد کی، اور چیخ چیخ کر رونے والے ساتھی کی آواز کو غار سے باہر نہ نکلنے دیا۔
اب اس آواز کو باہر نہ نکلنے دینے کے لئے خدا نے کیا انتظام کیا۔ قدرت نے اس کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے کہ: "وایدہ بجنود لم تروھا"
ہمارے پیغمبرؐ کے ساتھی نے تو غار میں بھی پکڑوا دینے کے لئے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی لیکن خدا نے اپنے پیغمبرؐ کی ایسے لشکر کے ساتھ مدد کی جسے کوئی بھی نہ دیکھ سکا۔ گویا غار کو مکمل طور پر "ساؤنڈ پروف" بنا دیا کہ اس میں سے کوئی بھی آواز باہر نہ نکل سکے اور پیغمبرؐ کے ساتھی کے کے رونے کی آواز کو اور پیغمبر کے لا تحزن کہنے کی آواز کو غار سے باہر نہ نکلنے دیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر یہ رونا چپکے چپکے ہوتا تو اس صورت میں خطرے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

حضرت ابوبکرؓ شب ہجرت پیغمبرؐ کے ساتھ کس طرح گئے؟

قرآن نے شب ہجرت پیغمبرؐ کے گھر سے جانے کا بیان جس تفصیل کے ساتھ کیا ہے وہ

بالکل واضح ہے کہ کفار نے ایک آدمی کو پیغمبرؐ کے پاس اس لئے بھیجا تا کہ وہ پیغمبرؐ کو گھر سے آواز دے کر بلائے اور جب وہ اس کے باہر بلانے پر باہر نکلیں تو وہ انہیں قتل کر دیں اور اسکو ہم نے اوراق سابقہ میں سورہ توبہ کی آیت نمبر 40 سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مگر حضرت عائشہ کی شادی کی طرح حضرت ابوبکر کی ہجرت کے اصل واقعہ کو چھپانے کے لئے جو افسانے گھڑے گئے اس میں گھڑنے والوں نے خوب طبع آزمائیاں کی ہیں۔

اور یہ بات علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ افسانے سارے کے سارے ہی جھوٹے اور من گھڑت ہوتے ہیں۔ مگر ماہر افسانہ نگاروں کا کمال یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے، جیسا کہ یہ کوئی سچا واقعہ ہے، مگر شیخین کی تعریفوں اور فضیلتوں کے بیان میں افسانہ نگاروں نے جتنے افسانے گھڑے ان کا جھوٹا اور من گھڑت ہونا نصف النہار پر چمکتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ روشن اور نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ان کے عقیدت مند انہیں کو جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ دوسرے بھی ان جھوٹے افسانوں کو فضیلت کے عنوان سے تسلیم کر لیں۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ایک ایک کر کے مدینہ کیطرف ہجرت کر رہے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے باوجود مدینہ کی طرف ہجرت نہ کی۔ لہذا آنحضرتؐ کے حکم کے باوجود، حضرت ابوبکر کے ہجرت نہ کرنے کے بارے میں کوئی نہ کوئی وجہ گھڑنی ضروری تھی لہذا یہ کہا گیا کہ حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ سے ہجرت کی اجازت چاہی تھی، مگر آپ نے روک دیا، کہ تم میرے ساتھ چلنا، حالانکہ کسی کو بھی آنحضرتؐ سے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی، اور آنحضرتؐ نے یہ بات صیغہ راز میں رکھی ہوئی تھی کہ آپؐ نے بھی مدینہ

جانے کا وعدہ کر لیا ہوا ہے اسی لئے تمام مسلمان اور کفار قریش آخر وقت تک یہی سمجھ رہے تھے کہ جس طرح مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تھا مگر خود مکہ میں رہ کر توحید کا پرچار اور اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے تھے اسی طرح اب بھی مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے کر خود مکہ میں ہی توحید کا پرچار کرتے رہیں گے۔

اور خود آنحضرتؐ کے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کرنے کا سبب یہ بتلایا کہ آنحضرتؐ خدا کے حکم کا انتظار کر رہے تھے حالانکہ پیغمبرؐ نے انصار مدینہ سے مدینہ آنے کا عہد و پیمان خدا کے حکم اور اجازت کے بغیر نہ کیا تھا اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پیغمبرؐ نے خدا کے حکم اور اجازت کے بغیر ہی انصار مدینہ سے عہد و پیمان کر لیا تھا، تو ہر صورت پیغمبرؐ پر اپنے عہد و پیمان کا ایفا واجب تھا۔ وہ دوسروں کو "واوفو بالعقود" کا درس دیتے تھے کیا خود اپنے عہد و پیمان سے وعدہ خلافی کرتے؟ البتہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کی نگرانی میں تمام مسلمانوں کو مدینہ روانہ کریں جیسا کہ ہم نے سابق میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

لیکن علامہ شبلی نعمانی نے بخاری کے حوالہ سے اپنی کتاب سیرت النبی میں صفحہ 269 پر اور اس کے بعد جو کچھ لکھا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ:

"ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اور صلعم دوپہر کے وقت ابوبکر کے گھر گئے۔ آپ نے فرمایا: "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے"۔ (سیرت النبی صفحہ 269)

اس میں سب سے پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ جب دو تین دن پہلے ہجرت کی اجازت ہو گئی تھی، تو اب کس بات کا انتظار تھا، جب دو تین دن پہلے ہجرت کی اجازت ہو گئی تھی تو پھر کیوں نہ گئے؟ کیا اب اس بات کا انتظار تھا کہ جب تک کفار قریش دار لندوہ میں جمع ہو کر میرے قتل پر اتفاق نہ کر لیں اور مجھے قتل کرنے کے لئے میرے گھر کو نہ گھیر لیں اس وقت تک نہ جاؤ نگا۔

دراصل بات وہی صحیح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار مدینہ سے آنے کا وعدہ کر لیا تھا اور تمام مسلمانوں کو مدینہ چلے جانے کا حکم دے چکے تھے اور اب صرف انکی نگرانی کر رہے تھے تا کہ وہ سب کے چلے جانے کے بعد جائیں۔

دوسری قابل غور بات اس پر اثر داستان یا من گھڑت افسانے کی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے اب تک ہجرت نہ کرنے کے لئے یہ بات بنائی گئی تھی کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے ہجرت کے لئے اجازت چاہی تھی مگر آنحضرتؐ نے روک دیا تھا کہ تم میرے ساتھ چلنا حالانکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم عام کے بعد کسی کے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور پیغمبرؐ اس بات کو صیغہ راز میں رکھنے کے لئے بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت مسلمانوں میں سے بھی کسی کو بھی اپنے ساتھ نہیں لے گئے تھے اور اس بات کو صیغہ راز میں رکھنے کے لئے صرف اپنے چچا عباس پر اعتماد کیا تھا جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے لہٰذا وہ اس راز کو بعد میں بھی اپنا مشن پورا ہونے تک کسی مسلمان پر افشا نہیں کر سکتے تھے۔

مگر اب جو اس افسانے کی رو سے پیغمبرؐ نے ان کے گھر جا کر یہ کہا کہ: "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے"۔ تو حضرت ابوبکر نے نہایت بے تابی سے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا ارشاد ہوا۔ ہاں!

(سیرت النبی شبلی نعمانی صفحہ 270)

پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ پیغمبرؐ نے پہلے کبھی یہ نہ کہا تھا کہ تم ابھی نہ جاؤ تم میرے ساتھ چلنا۔ اگر پہلے یہ کہا ہوتا تو حضرت ابوبکر کو بیتاب ہو کر پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ جبکہ اب بیتاب ہو کر پوچھنا بھی غلط۔ جھوٹ اور من گھڑت بات ہے اور جس طرح سے وہ گئے اسے چھپانے کے لئے گھڑی گئی ہے۔

تیسری قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے ہجرت کے لئے چار مہینے سے

دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں عرض کی ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں محسن عام کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا" ارشاد ہوا اچھا مگر بہ قیمت حضرت ابوبکر نے فوراً قبول کیا"۔ (سیرت النبی جلد 1 صفحہ 270)

اس افسانہ میں یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں اول یہ کہ ہجرت کے لئے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں۔ جبکہ ہجرت مدینہ کا سوال اس وقت تک خواب و خیال میں بھی نہ تھا کیونکہ مدینہ جانے کا معاہدہ 12 بعثت نبوی میں ذوالحجہ کے مہینہ میں تقریباً 12 تاریخ کو عقبہ کے مقام پر بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ہوا جو ہجرت کی رات تک زیادہ سے زیادہ ڈھائی مہینے بنتے ہیں۔ لیکن سیرۃ النبی شبلی۔ تاریخ طبری۔ سیرۃ ابن ہشام۔ مدارج النبوت اور جن جن سیرۃ و تاریخ لکھنے والوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے سب نے یہی لکھا ہے کہ ہجرت کے لئے چار مہینے پہلے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں اور یہ بات غلط ثابت ہو گئی۔

دوسری بات جو اس پر اثر داستان یا من گھڑت افسانے میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے ان میں سے ایک اونٹنی آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی تو آپؐ نے ہدیہ کے طور پر لینا قبول نہ کیا۔ وجہ یہ لکھی کہ: "محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا ارشاد ہوا کہ اچھا مگر بہ قیمت حضرت ابوبکر نے مجبوراً قبول کیا"

یہ بات بھی بالکل خلاف واقعہ اور قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ یا تو یہ کہا جائے کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کیا۔ درآنحالیکہ حضرت ابوبکر کے آنحضرتؐ پر مالی احسانات کے اتنے افسانے بیان کئے جاتے ہیں کہ آنحضرت کو ان کے بوجھ سے اٹھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا اور اگر آنحضرتؐ نے کبھی بھی کسی سے بھی کوئی ہدیہ قبول کیا ہے اور یقیناً قبول کیا ہے تو پھر یہاں یہ بات صرف زیب داستان کے لئے ہے اور اس افسانے میں

رنگ بھرنے کے لئے ہے۔

ایک اور بات اونٹنی کی قیمت خرید اور قیمت فروخت ہے۔ شبلی نے سیرۃ النبی میں، طبری نے اپنی تاریخ میں، غرض سب ہی نے اونٹنی بہ قیمت لینے کی داستان لکھی ہے، اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں وضاحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ وہ دونوں اونٹنیاں حضرت ابوبکر نے چار سو درہم میں خریدی تھیں یعنی دو سو درہم فی اونٹنی لیکن آنحضرتؐ سے ایک اونٹنی کی قیمت 900 درہم وصول کئے۔ مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 74

شاید موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے کوئی بڑے سے بڑا بلیک مارکیٹر بھی اتنی زیادہ قیمت وصول نہ کرتا ہوگا۔ اس جھوٹے افسانے میں رنگ بھرنے کے لئے اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ صحابہ کی پیروی کرنے والوں کے لئے اس طرح بلیک مارکیٹ میں چیزیں فروخت کرنے کا جواز مل جائیگا۔ بلکہ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس میں حضرت ابوبکر کی بھی بڑی بدنامی ہے اگر مجبوراً قیمت لینی ہی تھی تو فرماتے کہ یا حضرت میں نے یہ اونٹنی دو سو درہم میں خریدی تھی اگر آپ دینا ہی چاہتے ہیں تو پھر آپ دو سو درہم ہی دیدیجئے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ نہ اونٹنیاں خریدی گئیں، نہ ہدیہ کے طور پر پیش ہوئی، نہ آنحضرتؐ نے قیمتاً لینے کو کہا، نہ حضرت ابوبکر نے بلیک مارکیٹ میں نو سو درہم وصول کئے، یہ سب کچھ ان کے واقعہ ہجرت کو جس طرح ہوا تھا اور جس طرح قرآن نے بیان کیا تھا اسے چھپانے کے لئے گھڑا گیا ہے۔

قصہ لمبا ہوگیا مختصر طور پر خلاصہ کرکے بیان کرتا ہوں کہ کسی روایت میں ہے کہ اونٹنی کی پیش کش اس وقت کی جب دو تین دن پہلے آنحضرتؐ ابوبکر کے گھر آئے۔ کسی میں ہے اونٹنی کی پیش کش ہجرت والی شب ہوئی، جب اس پراثر داستان اور من گھڑت افسانہ کی رو سے آنحضرتؐ حضرت ابوبکر کے گھر آئے، کسی روایت میں ہے کہ اونٹنی کی پیش کش اس

وقت ہوئی جب مالک بن نویرہ تیسرے دن حضرت ابوبکر کے لئے دو اونٹنیاں غار پر لیکر آیا، کسی روایت میں ہے کہ شب ہجرت جب آنحضرتؐ حضرت ابوبکر کے گھر گئے، تو حضرت اسماء بنت ابوبکر نے کھانا پکا کر ساتھ دیا۔ اور کھانا باندھنے کے لئے جب رسی نہ ملی تو اپنا کمر کا پٹکا جسے عربی میں نطاق کہتے ہیں پھاڑ کر کھانا باندھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اسماء بنت ابوبکر کو ذات النطاقین کا خطاب دیا۔ کسی میں ہے کہ حضرت اسماء روزانہ غار میں کھانا دیکر آتی تھیں آخری دن جب کھانا باندھنے کے لئے کمر کا پٹکا پھاڑ کر باندھا تو حضرت ابوبکر نے انہیں ذات النطاقین کا خطاب دیا، کسی میں ہے کہ عبداللہ ابن ابوبکر روزانہ بکریاں چراتے ہوئے غار کے دہانے تک جاتے تھے اور وہ دونوں انکا دودھ پی لیتے تھے اور بکری کا گوشت ذبح کرکے کھاتے تھے مگر کسی روایت میں یہ نہیں لکھا کہ کچا ہی گوشت کھاتے تھے یا پکا کر کھاتے تھے۔ کیونکہ غار میں پکانے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ان کے علاوہ بھی اور بہت سی روایتیں ہیں میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

یہ سارے افسانے حضرت ابوبکر کے شب ہجرت تک ہجرت نہ کرنے کی وجہ کو چھپانے اور قرآن نے جس طرح ان کا ساتھ ہونا بیان کیا ہے۔ اسے پوشیدہ رکھنے اور حضرت ابوبکر کی من گھڑت فضیلتیں بیان کرنے کے لئے گھڑے گئے ہیں۔

البتہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یہ لکھا ہے کہ شب ہجرت آنحضرتؐ حضرت ابوبکر کے گھر نہیں گئے بلکہ حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے گھر آئے تھے لیکن انہوں نے اسکی وضاحت نہیں کی کہ وہ خود آئے تھے یا کفار نے انہیں بھیجا تھا ۔جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔

اب ہم طبری سے یہ بیان کرتے ہیں کہ شب ہجرت پیغمبر اکرمؐ جانے سے پہلے حضرت علی کو کیا کیا ہدایات دیکر گئے۔

شب ہجرت پیغمبرؐ حضرت علیؑ کو کیا کیا ہدایات دے کر گئے؟

ہجرت کے سلسلہ میں حضرت علی کی شاندار خدمات کو چھپانے اور ان کے مقابلہ میں اصحاب کو لانے کیلئے معاویہ کے حکم سے گھڑی ہوئی روایات میں سے وہ روایات ہیں جو ہجرت کے واقعہ سے متعلق ہیں۔ اور چونکہ گھڑی ہوئی بات اصلی جیسی ہو ہی نہیں سکتی لہذا ان روایتوں میں گھڑنے والوں نے پیغمبرؐ پر بھی اتہام لگائے ہیں اور حضرت ابوبکر کی حیثیت کو بھی اونٹنی کی قیمت لینے کے سلسلہ میں داغدار کر دیا ہے لیکن اصل بات اصل ہی ہوتی ہے اور صاف نظر آتی ہے ہم نے ان روایتوں کو جنہیں شبلی نے بھی پر اثر داستان کے طور پر نقل کیا ہے اپنی غیر مطبوعہ کتاب "عظمت ناموس رسالت" میں نقل کر کے ان پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہاں پر صرف اصل حقیقت کو مختصراً بیان کرتے ہیں جو یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی کو اپنی جگہ صرف اپنی جان کا فدیہ بنا کر ہی نہیں چھوڑ گئے تھے۔ بلکہ چونکہ آپ صادق وامین کے لقب سے مشہور تھے اور کافر بھی آپ کو امین سمجھتے ہوئے اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ لہذا آپ حضرت علی کو یہ فریضہ سپرد کر کے گئے تھے کہ وہ ان کے پاس جس جس کی امانتیں رکھی ہوئی ہیں، وہ ان کو واپس کر دیں۔

اس کے علاوہ حضرت علی نے ہجرت کے سلسلہ میں کیا کیا کام کرنے ہیں، اس کے لئے بھی مفصل ہدایت دے کر گئے تھے جیسا کہ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ پیغمبر ہجرت کے لئے جاتے وقت حضرت علی کو یہ ہدایات دے کر گئے تھے کہ:

"وارسل الی الطعام واستاجرنی دلیلاً یدلنی بطریق المدینه واشرلی راحلة ثم مضی رسول الله صلعم واعمی الله الابصار الذین کانوا یرصدونه عنه

وخرج علیهم رسول الله"۔ (طبری جلد 2 صفحہ 1244 طبع مصر)

ترجمہ۔ جب آنحضرت صلعم گھر سے شب ہجرت روانہ ہونے لگے تو حضرت علی سے فرمایا:

"ہم کو کھانا بھیجا کرنا، اور ایک راہنما کو اجرت پر مقرر کرنا جو مجھ کو مدینہ کی راہ پر لے چلے اور ایک سواری ہمارے لئے خرید لینا یہ کہہ کر آپ روانہ ہوئے اور خدا نے ان کافروں کو جو آپکا محاصرہ کیئے ہوئے تھے اندھا کر دیا اور رسول اللہ صاف ان کے سامنے سے نکل گئے۔

مذکورہ روایت تاریخ طبری کے اردو ترجمہ شائع کردہ نفیس اکیڈمی مترجم محمد ابراھیم ایم اے ندوی کے حصہ اول میں صفحہ 129 پر ہے۔

ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص یہ تسلیم کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آنحضرت صلعم حضرت علی کو صرف اپنی جان کا فدیہ بنا کر اور محض اپنے بستر پر سونے کا حکم دے کر نہیں جا سکتے تھے۔ بلکہ آپ اس رازدار قدرت اور فدیہ رسالت کو اپنی اور اسکی حفاظت کا یقین دلا کر اور اپنے متعلق تمام امور یعنی امانتوں کا ادا کرنا۔ مکہ والوں کے مال کی واپسی اہل حرم اور پردگیان عصمت کی حفاظت۔ غار میں کھانا بھیجنے اور سفر کے لئے زاد راہ کا انتظام کرنے، سواریوں کا اہتمام کرنے، غرض جملہ سامان وضروریات کی فراہمی ودرستی کا انتظام کرنے اور کفار کی امانتیں سپرد کرنے کے بعد تمام گھر والوں اور مال ومتاع ساتھ لیکر ہجرت کرنے کا کام سپرد کر کے گئے تھے۔

حضرت علیؑ نے پیغمبرؐ کی ہدایات کے مطابق تمام انتظام کیئے

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر در منشور میں لکھتے ہیں:

"فمکث هو وابوبکر فی الغار ثلاثة ایام یختلف الیهم بالطعام عامر بن فهیره وعلی یجهز هم فاشتر ثلاثة اباعیر من اهل البحرین واستاجر لهم

دلیلا. فلما کان بعض اللیل من اللیلة الثالثة اتاهم علی با لابل و الدلیل ورکب رسول الله ورکب ابوبکر اخریٰ فتوجهوا نحو المدینة "۔ (تفسیر درالمنثور جلد 3 صفحہ 240 طبع مصر)

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ اور ابوبکر تین روز تک غار میں پڑے رہے اور عامر بن فہیرہ ان کے لئے کھانا لاتا تھا اور حضرت علیؑ اس کھانے کا انتظام کرتے تھے۔ پس آپ (حضرت علیؑ) نے تین اونٹ بحرین کے اونٹوں میں سے خریدے اور ایک راہنما کو اجرت پر کیا۔ جب تیسری رات کا کچھ حصہ گذر گیا تو حضرت علیؑ اونٹ اور اس راہبر کو ساتھ لائے ایک اونٹ پر رسول اللہ اور ایک اونٹ پر ابوبکر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اصل بات اصل ہی ہوتی ہے اور جھوٹ گھڑی ہوئی بات چاہے جس طرح ملمع کاری سے تیار کی جائے پھر بھی جھوٹ ہی ہوتی ہے تفسیر درالمنثور کی یہ روایت کتنی حقیقت ہے اسکا ایک ایک لفظ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ سچ ہے۔

اس روایت سے واقعہ ہجرت کے ان تمام طومار موضوعات کا پورا پورا پول کھل گیا، جو معاویہ کے موضوعات ہیں۔ جو معاویہ کے فرمان شاہی اور سلطنت کے حکم کے ذریعہ تیار و مرتب کئے گئے اور جنکی ترتیب و تدوین میں خزانوں کے خزانے لٹائے گئے تھے۔

ان موضوعات اور من گھڑت روایات کا مقصد حضرت علیؑ کی شاندار خدمات کو چھپانا اور کم سے کم ان سے ملتے جلتے واقعات کا دوسروں کے لئے بیان کرنا فرمان شاہی کے ذریعہ ہر راوی کا فرض عین تھا۔ (دیکھو کتاب الاحداث امام ابوالحسن مدائنی)

درالمنثور کی اس روایت نے بتا دیا کہ آنحضرتؐ نہ حضرت ابوبکر کے گھر دو تین پہلے گئے۔ نہ ان سے کوئی مشورہ ہوا نہ کوئی قرارداد ہوئی۔ نہ اسماء نے کھانا پکا کر دیا نہ کمر بند پھاڑ کر کھانا باندھا۔ نہ اسماء نے روزانہ کھانا پہنچایا۔ نہ اونٹوں کی پیش کش ہوئی، نہ چار مہینے

پہلے ہجرت کے لئے دو اونٹ چار سو درہم میں خریدے۔ نہ آنحضرت کو ایک اونٹ نو سو درہم میں بیچا۔ یہ سب باتیں اس جھوٹے افسانے میں رنگ بھرنے کے لئے گھڑی گئی ہیں تا کہ قرآن نے جس طرح سے انکا ساتھ ہونا بیان کیا ہے وہ کسی پر نہ کھلے اس پر بھی علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور ان کے ہم مشرب یہ توقع رکھتے ہیں کہ ساری دنیا کے لوگ انکی گھڑی ہوئی روایات کو اصحاب کی فضیلت کے عنوان سے قبول کر لیں۔ حالانکہ خلفائے ثلاثہ کی فضیلت میں بیان کردہ تمام کی تمام روایات ایسے ہی افسانے اور معاویہ کے حکم سے گھڑی ہوئی من گھڑت داستانیں ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ کا مدینہ پہنچنا اور حضرت علیؑ کی ہجرت کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ یکم ربیع الاول 13 بعثت نبوی کو غار ثور سے نکل کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے یہ بات سابقہ اوراق میں ثابت کی جا چکی ہے کہ غار ثور میں قیام کے دوران کھانا پہنچانے کا انتظام بھی حضرت علیؑ نے کیا بحرین کے اونٹوں میں سے تین اونٹ خرید کر اونٹوں کا انتظام بھی حضرت علیؑ نے کیا اور راستہ بتانے والے کو اجرت پر مقرر کرنے کا انتظام بھی حضرت علیؑ نے کیا، اور اونٹوں اور رہبر کو ساتھ لیکر خود غار ثور پر پہنچا کر آئے۔

مکہ سے روانہ ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ پہنچ کر مدینہ کے قریب "قبا" میں قیام کیا۔ "قبا" مدینہ کے نزدیک ایک بستی کا نام ہے ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلعم بنی عمرو بن عوف کے عزیز کلثوم بن ہدم کے پاس جوان کے خاندان بنی عبید سے تھے فروکش ہوئے"۔ (اردو ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول صفحہ 136)

اور ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں کہ جب آپؐ "قبا" میں منزل سعد بن خزیمہ میں پہنچے تو لوگوں نے عرض کی کہ مدینہ چلئے تو آپؐ نے فرمایا:

"ما انا مدخلها حتٰی یقدم ابن عمی وابنتی یعنی علیا وفاطمة رضی الله عنها"۔ (فصول المہمہ صباغ مالکی)

"یعنی میں مدینہ میں داخل نہ ہونگا جب تک میرا ابن عم میرا چچازاد بھائی اور میری بیٹی یعنی علیؑ اور فاطمہؑ رضی اللہ عنھما نہیں آجاتے،

اور مورخ شہیر ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

علی ابن ابی طالب تین شبانہ روز مکہ میں ٹھہرے رہے اور جب انہوں نے لوگوں کو وہ تمام امانتیں جو رسول اللہ صلعم کے پاس رکھوائی گئی تھیں، ان کے مالکوں کو واپس کردیں۔ وہ رسول اللہ صلعم کے پاس چلے آئے اور آپؐ ہی کے ساتھ کلثوم بن ہدم کے یہاں ٹھہرے"۔

(اردو ترجمہ تاریخ نفیس اکیڈمی حصہ اول صفحہ 136)

اور شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں حضرت علیؑ کی ہجرت کے عنوان کے تحت اس طرح لکھتے ہیں:

"جناب امیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے وہ بھی آگئے اور یہیں قبا میں ٹھہرے"۔ (سیرۃ النبی جلد 1 صفحہ 275)

اور علامہ مجلسی نے حیات القلوب میں شیخ طوسی کے حوالہ سے اس طرح لکھا ہے:

"حضرت علیؑ فاطمہ زہراؑ۔ اور اپنی والدہ معظمہ فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلب اور دوسری مخدرات کو ہمراہ لیکر مکہ سے روانہ ہوئے۔ (حیات القلوب مجلسی)

مذکورہ شواہد اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے جانے کے بعد تیسرے دن جو پیغمبرؐ کے اہل وعیال اور اپنی والدہ کے ساتھ ہجرت کی وہ پیغمبرؐ کی ہدایت کے مطابق تھی۔

اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ حضرت علی علیہ السلام کو یہ ہدایت دے کر نہ گئے

ہوتے کہ تم کفار کی امانتیں واپس کرکے میرے اہل وعیال اور اپنی والدہ کو ساتھ لیکر مدینہ آجانا تو آنحضرت صلعم ہرگز مقام "قبا" پر لوگوں سے یہ نہ کہتے کہ جب تک میرا ابن عم اور میری بیٹی نہ آجائے میں "مدینہ میں داخل نہ ہونگا"۔

پیغمبرؐ تو انصار مدینہ کے اصرار کے باوجود جب تک حضرت علی علیہ السلام مخدرات عصمت کو ساتھ لیکر نہ پہنچے مدینہ میں داخل نہ ہوئے، چونکہ پیغمبرؐ حضرت علیؑ کو پیغام دے کر آئے تھے۔

لیکن حضرت ابوبکر چونکہ باہر سے باہر آئے تھے، اور انکے اہل وعیال میں سے کسی کو کوئی علم نہ تھا کہ ابوبکر کہاں چلے گئے، لہذا انہیں اپنے اہل خانہ کے قریب میں آنے کی امید نہ تھی پس وہ خارجہ بن زید کے ہمراہ چلے گئے اور اسی کے گھر میں جو مقام سخ میں تھا اور مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھا جاکر ٹھہر گئے۔

چنانچہ محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر حضرت ابوبکر کے حال میں لکھتے ہیں کہ:

"مدینہ میں انکا قیام شہر کے نواح میں مقام سخ پر خارجہ بن زید کے ہاں تھا جو قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارث سے تعلق رکھتے تھے"۔

(اردو ترجمہ سیرۃ حضرت ابوبکر صدیق محمد حسین ہیکل صفحہ 55)

حضرت ابوبکر کے اہل وعیال کی ہجرت کا بیان اور مدینہ کا قیام

چونکہ حضرت ابوبکر باہر سے باہر آئے تھے اور ان کے اہل وعیال کو کوئی علم نہ تھا کہ ابوبکر کہاں چلے گئے لہذا ان کے پاس حضرت ابوبکر کا دیا ہوا کوئی پروگرام بھی نہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ فوراً نہ آسکے۔

اس بارے میں کہ حضرت ابوبکر کے اہل وعیال نے کب ہجرت کی؟ اور کس کے ساتھ ہجرت کی؟ مختلف روایات ہیں جو سب کی سب ایک دوسرے کے خلاف اور متضاد ہیں، اور ہر ایک نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ٹپاریں ماری ہیں، ہم نے ان سب پر اپنی غیر مطبوعہ کتاب ''عظمت ناموس رسالت'' میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ لیکن دو روایتیں ایسی ہیں جنہیں مختلف ہونے کے باوجود جمع کیا جاسکتا ہے۔

ایک روایت تو وہ ہے جسے مورخ شہیر ابن جریر طبری اور مورخ شہیر ابن خلدون نے نقل کیا ہے طبری نے اس طرح لکھا ہے۔

''عبداللہ بن اریقط نے مکہ جا کر جب عبداللہ بن ابی بکر کو ان کے باپ کا پتہ اور مقام بتادیا وہ اپنے باپ کے بیوی بچوں کو لیکر ان کے پاس آنے کے لئے مکہ سے چلے۔ طلحہ بن عبداللہ بھی ساتھ ہوئے۔ اس قافلہ میں ام رومان، عائشہ اور عبداللہ بن ابی بکر کی ماں ساتھ ساتھ تھیں یہ مدینے پہنچ گئے''(ترجمہ تاریخ طبری اردو ترجمہ حصہ اول صفحہ 147)

اس روایت میں ایک غلطی یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی بکر کی ماں قتیلہ نامی تھی وہ مسلمان نہ ہوئی تھی اور آخر تک کافر رہی اور کافر مری اس نے ہجرت نہیں کی۔

دوسرے اس روایت میں حضرت اسماء بنت ابوبکر کے نام کا ذکر نہیں ہوا جن کے لئے یہ افسانہ گھڑا گیا تھا کہ انہوں نے روٹیاں پکا کردیں اور اپنا کمر کا پٹکا پھاڑ کر کھانا باندھا اور روزانہ کھانا غار میں پہنچایا کرتی تھیں مگر ہجرت کے وقت اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ انکا ذکر نہیں ہے، البتہ بچوں میں بچوں کے مجمل ذکر میں انکا نام سمجھا جاسکتا ہے لیکن بچوں میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر بھی تھے جو کافر تھے جنگ بدر میں پیغمبرؐ سے لڑنے آئے تھے اور فتح مکہ تک کافر رہے، اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے انکا اپنی بہن بھائیوں کے ساتھ ہجرت کرنا غلط ہے۔

اسی روایت کو ابن خلدون نے اس طرح بیان کیا ہے

''عبداللہ بن اریقط (جنہیں حضرت علیؑ نے رہبر کے طور پر اجیر مقرر کر کے ساتھ بھیجا تھا) مدینہ سے واپس ہو کر مکہ واپس آکر ان دونوں بزرگوں کے بخیریت مدینہ پہنچ جانے کی عبداللہ بن ابی بکر کو اطلاع دی، اس خبر کے بعد عبداللہ ابن ابی بکر معہ اپنی بہن عائشہ اور انکی ماں ام رومان اور طلحہ بن عبداللہ کے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ سے عقد کیا''۔

(اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون حصہ اول صفحہ 72)

یہاں پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت ابوبکر کے اہل خانہ عبداللہ بن اریقط کی اطلاع دینے کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے اور یہ عبداللہ بن اریقط وہ شخص ہے جسے حضرت علیؑ نے اجیر مقرر کر کے راستہ بتلانے کے لئے ساتھ کیا تھا یہ بات حضرت علیؑ سے متعلق روایت کی تائید کرتی ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ حضرت ابوبکر کے خاندان میں ایک تو ان کے والد ابوقحافہ تھے جو اپنی زندگی کے آخری دن تک ایمان نہیں لائے اس لئے انہوں مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی۔ حضرت ابوبکر کی پہلی بیوی قتیلہ تھی وہ بھی اپنی زندگی کے آخری دن تک ایمان نہیں لائی۔ لہذا اس نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی حضرت ابوبکر کا ایک بیٹا جو ام رومان سے تھا اور حضرت عائشہ کا حقیقی بڑا بھائی تھا وہ بھی ایمان نہ لایا تھا اور جنگ بدر میں کفار کے ساتھ ہو کر لڑنے کے لئے آیا تھا اور فتح مکہ کے وقت دوسرے ایمان لانے والوں کے ساتھ ایمان لایا تھا لہذا اس نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت نہ کی تھی۔

دوسری روایت سیر الصحابہ کی ہے جو انہوں نے حضرت طلحہ کی ہجرت کے عنوان کے تحت اس طرح لکھی ہے کہ:

''حضرت طلحہ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے۔ چنانچہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ تشریف لے جارہے تھے اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے راہ میں ملاقات ہوئی انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کررہے ہیں غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکر کے اہل وعیال کو لیکر مدینے پہنچے''۔ (سیر الصحابہ جلد دوم مہاجرین حصہ اول بحوالہ طبقات ابن سعد قسم دوم جزو ثالث صفحہ 154)

یہ روایت طبری اور ابن خلدون کی روایت سے تھوڑی سی مختلف ہے لیکن دونوں جمع کے قابل ہیں یعنی عبداللہ بن اریقط نے مدینہ آکر انکے پہنچانے اور جگہ اور مقام کی اطلاع بھی دی ہو اور طلحہ نے بھی اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کرلی ہو۔ اب چاہے طلحہ حضرت ابوبکر کے اہل وعیال کو ساتھ لیکر مدینہ گئے ہوں یا حضرت عبداللہ بن ابی بکر کے ساتھ طلحہ گئے ہوں فرق کچھ بھی نہیں ہے۔

لیکن اس مقام پر حضرت طلحہ کا معاملہ خاصا قابل غور ہے پیغمبرؐ کا حکم تھا کہ سب مسلمان ہجرت کرجائیں۔ کفار ہجرت کرنے والے مسلمانوں پر جو سختیاں کررہے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں تھیں عمار یاسر کے ماں باپ کو اتنا مارا کہ شہید ہی کرڈالا خود عمار یاسر سے نامناسب الفاظ ادا کرا کر چھوڑا اور وہ روتے ہوئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے

لیکن طلحہ نے آنحضرت کو اور حضرت ابوبکر کو ہجرت کرتے ہوئے دیکھ کر بھی ہجرت نہ کی، اور اپنا مال تجارت لیکر مکہ پہنچے، اس مال تجارت کو فروخت کرکے کتنے عرصہ میں

فارغ ہوئے کوئی شہادت نہیں ہے۔ مگر کوئی شخص بے اطمینانی اور جان کے خطرے کی حالت میں دوکان کھول کر نہیں بیٹھ سکتا اگر حضرت طلحہ کو کفار قریش سے کسی قسم کا خوف ہوتا تو راستے سے ہی آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑتے اور اپنا مال تجارت مکہ کی بجائے مدینہ پہنچا کر بیچ لیتے۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ بنی تیم کے افراد کو کفار قریش سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا عرصے سے اپنے کاروبار میں مشغول تھے اور مطمئن طور پر زندگی بسر کررہے تھے جب عبداللہ بن اریقط نے حضرت ابوبکر کے مقام قیام کا پتہ بتلایا اور حضرت ابوبکر کے خاندان والے مدینہ جانے لگے تو طلحہ بھی ساتھ ہولئے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق راستہ میں آنحضرت زُبیر کو ملے تھے اور انہوں نے دونوں کو کپڑے دیئے تھے اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ دونوں روایات پیغمبرؐ پر احسان چڑھانے کے لئے گھڑی گئی ہیں ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ زبیر پہلے ہی ہجرت کرچکے تھے اور طلحہ اب عبداللہ بن ابی بکر کے ساتھ گئے۔

بہرحال روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر کے خاندان کے یہ افراد مدینہ پہنچے تو انہوں نے حضرت ابوبکر کے ساتھ قیام نہ کیا۔ کیونکہ انہیں وہاں جاکر پتہ چل گیا کہ انہوں نے دوسری شادی کرلی ہے اور وہ اپنی نئی بیوی کے ہمراہ ہی سکونت پذیر ہیں۔ جیسا کہ محمد حسین ہیکل وزیر معارف حکومت مصر نے اپنی کتاب حضرت ابوبکر صدیق میں لکھا ہے:۔

''ابوبکر کے اہل وعیال ان کے ساتھ مقام سخ میں خارجہ بن زید کے ہاں نہ ٹھہرے تھے بلکہ ام رومان انکی بیٹی عائشہ اور ابوبکر کے تمام لڑکے مدینہ میں حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے قریب مقیم تھے۔ ابوبکر سخ سے روزانہ وہاں آیا کرتے تھے البتہ ان کا مستقل

قیام اپنی ہی بیوی کے ساتھ سخ ہی میں تھا"۔ (ترجمہ ابوبکر صدیق محمد حسین ہیکل صفحہ 55)

حضرت عائشہ کے عقد اور رخصتی کے سلسلہ میں مزید تحقیق اور اصل حقیقت

ہم نے اس سلسلے میں ہجرت سے پہلے عقد کے بیان کو جس طرح سے بیان کیا جاتا ہے نقل کیا ہے یہاں پر اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے ہجرت کے بعد رخصتی کے بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے، مزید تحقیق پیش کرتے ہیں۔

کچھ سیرت نگار تو ان ہی روایات کی صحت پر اصرار کرتے ہیں جو ہجرت سے تین سال پہلے، حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد، جبرئیل کے ریشمی کپڑے پر حضرت عائشہ کی تصویر دکھانے والی روایات کے مطابق، 5 یا 6 سال کی عمر میں نکاح کو بیان کرتی ہیں۔

لیکن طہ حسین مصری نے اپنی کتاب ابوبکر جلد 1 باب 13 صفحہ 106 میں اور سابق وزیر معارف حکومت مصر محمد حسین ہیکل نے حضرت عمر فاروق اعظم کے صفحہ 78 پر حضرت حفصہ کے عقد کے ضمن میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں صفحہ 72 پر حضرت عائشہ کے عقد کو مدینہ میں ہونا بیان کیا ہے۔

اور جیسا کہ سابق میں بیان ہو چکا کہ بعض محققین نے عقد کے وقت حضرت عائشہ کی عمر 17 سال لکھی ہے اور جنہوں نے مکہ میں عقد کے وقت 5 سال کی عمر لکھی ہے انکے مطابق بھی 1 ھجری یا 2 ھجری میں انکی عمر 9 سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔

لہٰذا قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ سترہ سال کی ہوں یا 9 سال کی۔ اگر مکہ میں انکا عقد ہو گیا ہوتا۔ تو مدینہ میں ہجرت کے بعد آنحضرتؐ کا فرض بنتا تھا کہ وہ انہیں انکی ماں ام رومان کے پاس بے آسرا نہ رہنے دیتے اور ان کے مدینہ آتے ہی حضرت ابوبکر

سے بھی اور حضرت ام رمان سے بھی رخصتی کے لئے کہتے بلکہ حضرت ابوبکر کو بھی یہ چاہیے تھا کہ انکے مدینہ آتے ہی آنحضرتؐ سے رخصتی کے لئے کہتے یہاں آکر تو سال دو سال انتظار کرنے کی کوئی تک نہیں تھی۔

اب چاہے یہ رخصتی سلمان ندوی کی سیرت عائشہ صدیقہ کے مطابق 1 ھ میں ہوئی ہو یا علامہ عینی شارح بخاری کی تحریر کے مطابق 2 ھجری میں ہوئی ہو۔ غور طلب بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے کیوں اتنے عرصے تک اس بارے میں کوئی پروا نہیں کی اور قطعاً توجہ نہیں کی اور جب حضرت ابوبکر نے خود ہی کہا کہ تم اپنی بیوی کو بلوا کیوں نہیں لیتے؟ تو صاحب خلق عظیم نے بڑی بے رخی کے ساتھ جواب دیا کہ "میرے پاس دینے کے لئے مہر نہیں ہے۔ جب کہ پیغمبر اکرم صلعم نے عرب کے دستور اور اسلامی شریعت کے مطابق ہر زوجہ کا مہر نکاح سے پہلے ادا کیا۔ لیکن اس کنواری لڑکی سے مکہ میں مفت میں ہی نکاح پڑھوالیا اور تین سال تک مکہ میں رخصت کی طرف دھیان نہ دیا اور اب مدینے میں آکر بھی دو سال تک توجہ نہ دی، بالکل ہی بے غرض رہے، اور جب حضرت ابوبکر نے خود ہی کہا کہ اب اپنی بیوی کو بلوا کیوں نہیں لیتے؟ تو بڑی بے رخی سے جواب دیا کہ میرے پاس دینے کے لئے مہر نہیں ہے، حالانکہ جب آپؐ کو مسجد کے لئے زمین دینے کی پیش کش ہوئی تو آپؐ نے وہ زمین مفت میں قبول نہ کی بلکہ 30 دینار دے کر خرید کی۔ کیونکہ حضرت علیؑ بعد میں تمام اہل خاندان کو اور آنحضرت کا وہ سارا سامان منقولہ جو اونٹوں پر لادا جا سکتا تھا ساتھ لیکر آئے تھے جبکہ حضرت ابوبکر باہر سے باہر آئے تھے، انکے اہل وعیال تک کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئے، عبداللہ بن اریقط نے واپس آکر بتلایا تو پتہ چلا، لہٰذا وہ گھر سے کوئی چیز نہ لا سکے تھے اور خود خارجہ بن زید کے گھر میں رہ رہے تھے، اور وہ انکا کفیل بنا ہوا تھا جب بنی نضیر کو جلاوطن کیا گیا اور انکی جاگیریں فقراء مہاجرین

وانصار میں تقسیم کی گئیں تو ان فقراء میں انصار میں سے صرف ابودجانہ انصاری تھے، اور مہاجرین میں جنہیں بنی نضیر کی جاگیروں میں سے دیا گیا حضرت ابوبکر ان میں شامل تھے اور یہ جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے، اور آنحضرتؐ کی مکہ میں صرف غیر منقولہ جائداد ہی رہ گئی تھی لہذا آنحضرتؐ اتنی ہلکی اتنی سبک اور اتنی غیر ذمہ دارانہ بات نہیں کہہ سکتے تھے، کہ میرے پاس مہر دینے کیلئے نہیں ہے، ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے معلوم نہیں کتنے جھوٹ بولے گئے حالانکہ سچ بات کہنے میں بھی نہ تو حضرت ابوبکر کی کوئی توہین ہوتی تھی۔ نہ آنحضرتؐ کی شان کے خلاف کوئی بات ہوتی تھی۔ اور مکہ میں نکاح کی بجائے مدینہ میں نکاح کی صورت میں بھی حضرت عائشہ کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور مکہ میں نکاح کی صورت میں انکی شان کوئی زیادہ نہیں ہو گئی تھی۔

یہ بات تو سب کو تسلیم ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے حضرت عائشہ جبیر ابن مطعم کے ساتھ منسوب ہو چکی تھی اور جبیر ابن مطعم کو 5 سال کی بچی کے ساتھ نسبت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لہذا اہل سنت کے جن دانشوروں اور محققین نے نکاح کے وقت 16 یا 17 سال عمر لکھی ہے وہ بالکل قرین عقل ہے۔

چونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عائشہ اور انکی ماں اس نسبت یا نکاح کے وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے لہذا جبیر ابن مطعم اور اس کے ماں باپ نے اس رشتہ کو قبول کر لیا تھا لیکن رخصت سے پہلے تقریباً 11 بعثت نبوی میں وہ مسلمان ہو گئے تھے لہذا جب انہوں نے ہجرت حبشہ کے لئے جانے سے پہلے 11 بعثت نبوی میں انہیں رخصت کے لئے کہا تو انہوں نے رخصت کر کے لانے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ یہ لڑکی ہمارے لڑکے کو بد دین کر دے گی۔ اور مدینہ میں آنحضرتؐ کی حضرت عائشہ کے ساتھ عقد اور رخصتی کے اصل واقعہ میں بھی حضرت عائشہ کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ جب حضرت عائشہ

اپنی ماں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آگئیں تو چونکہ حضرت عائشہ کا نکاح جبیر ابن مطعم سے ہوا تھا لہذا کوئی بھی مسلمان نکاح پر نکاح نہیں کر سکتا تھا نہ حضرت ابوبکر کسی سے کہہ سکتے تھے نہ ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے کہہ سکتے تھے نہ پیغمبر اکرم صلعم کسی کی منکوحہ سے پیغام دے سکتے تھے لہذا اتنا عرصہ گذر گیا۔ اس میں نہ حضرت ابوبکر کا کوئی قصور ہے نہ آنحضرتؐ پر غیر ذمہ داری، لاپرواہی اور بے غرضی کا الزام آتا ہے۔ لیکن جب وہ آیت نازل ہو گئی جس میں کسی مسلمان عورت کا نکاح مشرک سے اور مسلمان مرد کا نکاح مشرکہ سے حرام ہو گیا اور جو ایسے نکاح ہوئے ہوئے تھے وہ فسخ ہو گئے، تو اب حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ عائشہ کا نکاح جبیر ابن مطعم سے فسخ ہو گیا ہے۔ لہذا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس کے ساتھ عقد کر لیں۔ کیونکہ ایک تو جبیر ابن مطعم کے رخصتی کے انکار سے اس کے دل کو ٹھیس پہنچی ہوئی ہے اور دوسرے اب نکاح کے فسخ ہونے سے وہ ملول ہے۔ اگر آپ اس سے عقد فرمالیں تو اس کے دل کو جو صدمہ پہنچا ہوا ہے اس کا مداوا ہو جائیگا اور آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کی درخواست قبول کر کے حضرت عائشہ کے ساتھ عقد سے پہلے اپنے ہی پاس سے مہر ادا کر کے عقد فرمالیا ہو تو اس سے بتلایئے حضرت عائشہ کی شان میں کیا کمی آتی ہے۔ جبکہ اس زمانے میں اگر کوئی شخص کسی سے یہ کہتا تھا کہ تم میری بیٹی سے یا میری بہن سے شادی کر لو تو اس بات کو عیب نہیں سمجھا جاتا تھا جیسا کہ بخاری نے ایک باب ہی اس عنوان سے لکھا ہے کہ:

''باب عرض الانسان بنته او اخته علی اهل الخیر''۔ (بخاری صفحہ 252)

''باب اس امر میں کہ انسان اپنی بیٹی یا بہن کو خود سے اہل خیر (نیک آدمیوں) کے سامنے نکاح کے لئے پیش کرے''۔

پس صحابہ کے بارے میں ایسی جھوٹی اور من گھڑت روایات کو فضیلت کا نام دینا

اور ہر اس شخص سے جو تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہے یہ توقع رکھنا کہ وہ بھی ان من گھڑت باتوں کو انکی فضیلت کے عنوان سے مان لیں جو حقیقت میں فضائل ہیں ہی نہیں، غلط بات ہے۔

اب ہم حضرت ابوبکر کا تذکرہ مدینہ ہجرت کر کے آنے پر چھوڑتے ہیں اور یہاں پر حضرت عمر کے ایمان لانے اور ہجرت کرنے کا بیان کر کے، پھر دونوں کے لئے علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اسلامی جنگوں کے سلسلہ میں جن فضیلتوں کو بیان کیا ہے انکا جائزہ لیجئے۔

حضرت عمر کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کا بیان

زمانہ جاہلیت میں حضرت عمر کے بارے میں تمام تاریخیں متفق ہیں کہ وہ زمانہ جاہلیت کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھے اور اسلام لانے سے پہلے، مسلمانوں پر ظلم ڈھانے، اور تشدد کرنے میں، وہ سب سے بڑھ چڑھ کر تھے، اور وہ پیغمبر گرامیؐ اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے۔ اور تمام مستند تاریخوں میں ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ:۔ ایک دن ابوجہل نے یہ اعلان کیا کہ جو کوئی پیغمبر اکرم صلی علیہ وآلہ کو قتل کریگا میں اسے سو اونٹ اور چالیس ہزار درھم دونگا۔ حضرت عمر نے کہا، میں یہ کام کر سکتا ہوں۔ حضرت عمر مسلح ہو کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو قتل کرنے کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں نعیم ابن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی انہوں نے پوچھا اے عمر کہاں جا رہے ہو، عمر نے کہا محمدؐ کے قتل کو، نعیم نے کہا بنی ہاشم سے کس طرح بچو گے، حضرت عمر نے کہا شاید تو نے دین تبدیل کر لیا ہے، اگر ایسا ہو تو پہلے تجھے قتل کروں، پھر سعد ابن وقاص سے جھپٹ ہوئی، سعد نے کہا پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو جو مسلمان ہو گئے ہیں یہ سن کر طیش آ گیا، بہن کے گھر پہنچے، بہن اور بہنوئی کو مار پیٹ کر لہولہان کر دیا اور تلوار لٹکا کر آگے بڑھے۔

خلاصہ ترجمہ تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد سوم صفحہ 32-31 سیرۃ النبی شبلی صفحہ 208 وروضۃ الاحباب جلد اول صفحہ 130 (وقائع سال ششم) تاریخ الاسلام دہلوی جلد دوم صفحہ 53 حاشیہ بخاری مترجم صفحہ 13 وغیرہ۔

یہاں تک کسی کو اختلاف نہیں ہے، اب اس سے آگے مسلح حالت میں کیوں گئے، اگر آنحضرتؐ کو قتل کرنے کا خیال ترک کر دیا تھا۔ تو تلوار گھر میں رکھ کر خالی ہاتھ کیوں نہ گئے اور اگر مسلح حالت میں قتل ہی کرنے گئے تھے تو پھر قتل کرنے کی بجائے، مسلمان ہونے کا اعلان کیوں کر دیا، بہرحال اس میں اختلاف ہے اور دل کا حال خدا ہی بہتر جانتا ہے ان کے عقیدت مندوں کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمر اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآن سن کر اسلام کی طرف راغب ہو گئے تھے جیسا کہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اس سے پہلے اپنے سابقہ ارادہ سے توبہ کر چکے تھے اور اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآن مجید کی آیات سن کر اور صحیفہ میں پڑھ کر اسلام کی طرف راغب ہو چکے تھے اور اسی نعمت سے مالا مال ہونے کے لئے وہاں حاضر بارگاہ ہوئے تھے۔" (تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 261)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے جو موقف اختیار کیا ہے یہی موقف حضرت عمر کے دوسرے عقیدت مندوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے چھ بعثت نبوی میں اسلام قبول کیا اس سے پہلے چھ سال تک وہ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن رہے۔ یہ دشمنی اور اختلاف کس بناء پر تھا؟ یہ دشمنی اور اختلاف اسی بناء پر تو تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے وہ قرآنی آیات سنی تھیں ان میں توحید کا بیان تھا اور بتوں کی مذمت تھی، اور آخرت کی خبر تھی۔

لہذا خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں سے تو قرآنی آیات سن کر انکی مخالفت اور دشمنی شدید سے شدید تر ہوتی چلی جاتی تھی، لیکن بہن اور بہنوئی کو قران پڑھتے ہوئے سن کر پہلے تو اُن کی خوب پٹائی کی اور جب مار مار کر انہیں لہو لہان کر دیا اور پھر قرآنی آیات بہن اور بہنوئی کی زبان سے سن کر ان کے دل پر اثر ہو گیا اور خود پیغمبر گرامی اسلامؐ کی زبان مبارک سے قرانی آیات سن کر ان کے دل پر الٹا اثر ہوا۔

اب بھی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے دیکھ کر تو کوئی اثر نہ ہوا۔ اگر پہلے اثر لے لیتے تو بہن اور بہنوئی کو پٹائی کر کے لہولہان نہ کرتے، اس سے ثابت ہوا کہ اب بھی بہن یا بہنوئی سے قرآن سننے کے بعد کوئی اثر نہ لیا تھا اسی وجہ سے بہن اور بہنوئی پر وہ تشدد کیا جو تاریخوں کے اوراق میں محفوظ ہے۔

اب اگر مذکورہ تاریخوں کی وہ بات صحیح نہ مانی جائے کہ بہن اور بہنوئی کو لہولہان کر کے وہ پیغمبرؐ کی طرف انہیں قتل کرنے کے لئے گئے تھے۔ لیکن ان پر حضرت حمزہ کو شمشیر بکف دیکھ کر اور آنحضرتؐ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اتنا رعب طاری ہوا کہ سارا بدن کانپنے لگا اور تلوار ہاتھ سے گر گئی اور بے ساختہ پکار اٹھے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔ (مذکورہ تاریخوں کا حوالہ ملاحظہ ہو)

بلکہ یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا، تو اس کا محرک بہن کا قرآن کی تلاوت کرنا نہیں ہو سکتا، بلکہ تاریخیں گواہ ہیں کہ جب حضرت عمر کی بہن نے ان سے یہ کہا کہ وہ ہر قسم کا ظلم سہ لے گی لیکن اسلام کو نہیں چھوڑے گی تو حضرت عمر جیسے ذہین صاحب فہم وفراست سیاسی اونچ نیچ سے آگاہ شخص نے حالات سے اندازہ لگا لیا کہ اب اسلام اس کے ظلم وستم ڈھانے اور انہیں ستانے سے نہیں رکے گا بلکہ اسکی ترقی کے آثار نظر آرہے ہیں لہذا اب بہتر یہی ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی

مخالفت کی بجائے اسلام میں داخل ہو کر اپنے مقصد کے حصول کے لئے کوشش کی جائے۔

اور اس ذہنی انقلاب کے بعد جب وہ پیغمبرؐ کے پاس پہنچے تو تاریخوں میں جس طرح سے کانپنے اور تلوار کے گر جانے کا واقعہ لکھا ہے وہ بھی واقع ہو گیا ہو، اور حضرت عمر کے دل میں مذکورہ مقصد کے لئے اسلام قبول کرنے کا خیال بھی پیدا ہو گیا ہو جس کی تصدیق ان کے آئندہ کے کردار وعمل سے ہی ہو سکتی ہے، بہر حال اس خیال سے قتل کے ارادہ کا ترک کرنا بھی ممکن ہے، جسے علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اس سے پہلے اپنے ارادہ سے توبہ کر چکے تھے''۔ (تحفہ حسینیہ محمد اشرف سیالوی صفحہ 261)

اور اپنے ارادہ سے توبہ کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اب انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ آنحضرت صلعم کو قتل کر کے جو 100 اونٹ اور چالیس ہزار درھم کمانے تھے اور قتل کرنے کے نتیجے میں ہیرو بن کر جس دنیاوی اقتدار کی تمنا تھی وہ دنیا اب اسلام کو قبول کر کے حاصل کی جائے، کیونکہ وہ مسلمانوں پر ظلم وتشدد کر کے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔

بہر حال ان کے ایمان لانے میں کیا حکمت تھی اس کا صحیح پتہ انکے آئندہ کے اعمال وافعال اور رفتار و کردار سے ہی ہو سکتا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ جب حضرت عمر آنحضرتؐ کو قتل کیے بغیر واپس لوٹ کر آئے تو کفار قریش نے انہیں گھیر لیا، اور شور مچانا شروع کر دیا کہ عمر نے اپنا دین بدل دیا ہے اتنے میں عاص بن وائل (اور بعض کے نزدیک ابوجہل) وہاں آنکلا، جس نے آنحضرتؐ کے قتل کے لئے وہ انعام مقرر کیا تھا اور جس کے حاصل کرنے کے لئے، حضرت عمر نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی، اسی ابوجہل نے کہا کہ پھر کیا

ہوا عمر میری پناہ میں ہے۔ (صحیح بخاری مترجم کتاب مناقب اسلام عمر پ 15 صفحہ نمبر 39-23)

اور مدارج النبوت میں اس طرح لکھا ہے کہ: ''حضرت عمر اپنے ماموں ابوجہل کی پناہ میں رہے''۔ (مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صفحہ 92)

عربوں کی ایک صفت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر کوئی ان سے پناہ مانگے تو وہ اس کو پناہ دے دیتے ہیں مگر ابوجہل جو اسلام اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا اور جو شخص مسلمان ہوتا تھا اس کے ظلم وستم کی چکی میں پستا تھا مگر حضرت عمر کے مسلمان ہونے پر وہ از خود کہتا ہے کہ پھر کیا ہوا عمر میری پناہ میں ہے''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا حکم یہ تھا کہ جو بھی اسلام قبول کرے وہ کفار کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کر جائے تا کہ وہ تشدد کے ذریعہ انہیں پھر اپنے سابقہ دین پر پلٹنے کے لئے مجبور نہ کر دیں، کیونکہ 5 بعثت نبوی سے پہلے بہت سے مسلمان اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے ظلم وتشدد سے اپنے سابقہ دین پر پھر گئے تھے۔

حضرت عمر 6 بعثت نبوی میں ایمان لائے تھے اور 12 تک تقریباً 6 یا 7 سال باوجود پیغمبرؐ کے حکم عام کے ہجرت کر کے حبشہ نہیں گئے۔

چونکہ ہجرت کے محرکات تین تھے

اول کفار کا ظلم وتشدد، جس سے حضرت عمر ابوجہل کی پناہ میں ہونے کی وجہ سے امن میں تھے۔

دوم پیغمبرؐ کا حکم جو کفار کے ظلم وتشدد سے بچنے کے لئے تھا چونکہ حضرت عمر ابوجہل کی پناہ میں تھے لہذا کفار کے ظلم وتشدد سے بچے ہوئے تھے اسی وجہ سے پیغمبرؐ کے حکم کے مطابق حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔

تیسرے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی کشش جو وہاں امن وسکون کے حاصل ہونے کی وجہ سے تھی۔

حضرت عمر کو ابوجہل کی پناہ میں ہونے کی وجہ سے وہ امن وسکون یہیں مکہ میں ہی حاصل تھا، لہذا حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں ان کے لئے کوئی کشش نہ تھی۔

حبشہ کی طرف ہجرت کے وقت بھی ہجرت کے یہی تین محرکات تھے، مگر حضرت عمر کے لئے ان میں سے کوئی سا بھی محرک ایسا نہیں تھا، جسکی وجہ سے وہ حبشہ کی طرف ہجرت کرتے، تو اب مدینہ کی طرف ہجرت کرنے میں ان تینوں محرکات کے علاوہ اور کونسا نیا محرک تھا جس کی وجہ سے انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اسکا پتہ انکے آئندہ کے اعمال وافعال اور رفتار وکردار سے ہی ہو سکتا ہے اور ان اعمال وافعال میں سے ایک اسلامی جنگوں میں کردار ہے جس کا خود علامہ محمد اشرف صاحب سیالوی نے ہر جنگ کے لئے شہادت قران کے عنوان سے بیان کیا ہے لہذا ہم بھی اس سے آگے اسلامی جنگوں میں شہادت قران کو ہی پیش کرتے ہیں۔

جنگ بدر اور شہادت قرآن

مسلمان جب تک مکہ میں رہے ظلم سہتے رہے لیکن جب وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، تو یہاں بھی کفار انکو ختم کرنے کے درپے ہو گئے، لہذا سب سے پہلے خدا نے مسلمانوں کو ان الفاظ کے ساتھ لڑنے کی اجازت دی کہ:

''اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علیٰ نصر ھم لقدیر الذین اخرجوا من دیار ھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ''۔ الحج۔ 39

اب جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں انکو بھی لڑنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ ان

پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور بیشک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ جو اپنے شہر مکہ سے یہ کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور کوئی بات نہیں (نہ کسی کا خون کیا نہ ڈاکہ مارا) ناحق نکالے گئے۔

اس آیت میں کافروں کے ساتھ لڑنے کی اجازت ہوگئی اس اجازت کے بعد حالات نے دنیا کے طالبوں اور آخرت کے طلبگاروں کو امتحان میں ڈال دیا۔ ابوسفیان تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا لہذا مدینہ میں یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ ابوسفیان کا قافلہ اونٹوں پر سامان لاد کر ادھر سے گذرے گا، لہذا جن کے دلوں میں مال دنیا کی تڑپ تھی وہ خوش ہو رہے تھے کہ ابوسفیان کا گراں قدر بیش بہا مال تجارت لوٹیں گے اور مالا مال ہو جائیں گے۔ مگر دوسری طرف اس کے ساتھ ہی یہ خبریں بھی پہنچ رہی تھیں کہ قریش کا لشکر پورے سامان کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ اس موقع پر مدینہ کا دفاع لازم تھا۔ لہذا وحی الٰہی حرکت میں آئی اور خداوند تعالیٰ نے قتال و جہاد کو مسلمانوں پر واجب قرار دیدیا اور ارشاد فرمایا:

"کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون"۔ (البقرہ۔216)

ترجمہ:۔ اے مسلمانو تم پر جہاد قتال واجب کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ تم کو ناگوار معلوم ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہارے نزدیک ناگوار ہو لیکن وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم بہت ہی پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بری ہو، اور اللہ تو (اس بات کو) جانتا ہے (مگر) تم نہیں جانتے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ آیت پہلی مرتبہ جہاد کو واجب کرنے والی ہے۔ یہ آیت یہ کہتی ہے کہ اس جہاد کے فرض ہونے پر کچھ اصحاب کو بہت برا لگا، اور انہوں نے

جہاد کو واجب قرار دینے کو ناپسند کیا۔ وہ تو ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنا چاہتے تھے۔ وہ اس کے مال تجارت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے اور یقیناً یہ بات علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کو بھی معلوم ہوگی کہ مدینہ کے وہ لوگ جنہیں منافقین کہا جاتا ہے ابھی تک ایمان ہی نہیں لائے تھے، وہ تو جنگ بدر کی فتح کے بعد اس فتح سے مرعوب ہو کر بعد میں ایمان لائے یہ خالص مہاجر و انصار مدینہ میں سے ہی کچھ لوگ تھے جنہیں ابوسفیان کا مال تجارت لوٹنا تو پسند تھا۔ لیکن لڑنا اور کفار قریش کے ساتھ جہاد و قتال کرنا پسند نہیں تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ابوسفیان کے قافلہ سے مقابلہ ہو جائے تو ایک تو گنتی کے چند آدمیوں سے مقابلہ دشوار نہ ہوگا۔ دوسرے مال فراواں آسانی کے ساتھ ہاتھ آئیگا۔ لہذا اس آیت میں وہ بات بھی بیان کر دی گئی ہے جو مسلمان پسند نہیں کرتے تھے اور وہ بات بھی بیان کر دی گئی، جو مسلمان چاہتے تھے۔

خداوند تعالیٰ نے جہاد فرض کرنے کے بعد ایک واضح لائحہ عمل دیا جو اس طرح بیان ہوا۔ "یاایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً فلا تولوھم الادبار، ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفاً لقتال او متحیزاً الی فئۃ فقدباء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر" (الانفال۔16-15)

اے ایمان لانے والو جب تمہارا کفار سے میدان جنگ میں مقابلہ ہو تو (خبردار) انکی طرف پیٹھ نہ پھیرنا اور اس شخص کے سوا، جو لڑائی ہی کے واسطے پینترا بدلے یا اپنی ہی فوج کے کسی گروہ سے جا کر ملتا ہو، جو شخص بھی اس (جنگ والے) دن کفار کی طرف سے پیٹھ پھیرے گا۔ وہ یقینی طور پر خدا کے غضب میں آگیا اور اسکا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

یہ وہ دستورالعمل ہے کہ صرف اس پر عمل کرنے والا ہی مدح و ستائش کا مستحق

ہے۔ جو شخص جنگ سے بھاگ کھڑا ہو وہ شخص خدا کے نزدیک نہ صرف مدح وستائش کا مستحق نہیں ہے بلکہ وہ خدا کے غضب کا سزوار ہے اور خدا کا فیصلہ اس کے لئے یہ ہے کہ اسکا ٹھکانا جہنم ہے۔

ابھی مسلمانوں کے لئے کفار سے لڑنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ محض جہاد کے فرض ہونے سے ہی ان کے چھکے چھوٹ گئے اور جہاد کی فرضیت اور قتال کا حکم سننے کے بعد مسلمانوں کی جو حالت تھی اسکا ایک نقشہ سورہ محمد میں خدا نے اس طرح سے کھینچا ہے۔

ویقول الذین آمنوا لولا انزلت سورة فاذا انزلت سورة محکمة وذکر فیھا القتال رایت الذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشیّ من الموت فاولیٰ لھم" (محمد۔20)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں (پہلے تو) یہ کہتے تھے کہ (جہاد کے بارے میں) کوئی سورة کیوں نازل نہیں کی گئی لیکن جب صاف صاف (حکم جہاد دینے والی) سورت اتاری گئی اور اس میں جہاد وقتال کا ذکر کیا گیا، تو تم نے ان لوگوں کو کہ جن کے دلوں میں (کفار کی محبت کا) روگ ہے، دیکھا کہ وہ تمہاری طرف اس نظر سے دیکھتے ہیں جس طرح وہ دیکھا کرتا ہے، جس پر موت کی غشی طاری ہو، ان کے لئے خرابی ہے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اس آیت میں پنجاب کے کسی سکھ سے خطاب نہیں ہے بلکہ یہ وہی مسلمان تھے جو جنگ بدر میں کچھ تو خوشی خوشی قربتاً الی اللہ اپنی آخرت کی فلاح وبہبود کے لئے شریک ہوئے تھے اور کچھ با دل نخواستہ ساتھ لگ چلے گئے۔ انہیں خدا نے "فی قلوبھم مرض" کی صفت سے موصوف کیا ہے اور یہ مرض یا تو مال دنیا کی طلب اور خواہش کا تھا، یا کفار قریش سے محبت کا تھا، چونکہ وہ لوگ جنہیں منافق کہا جاتا ہے ابھی ایمان ہی نہیں لائے تھے۔

خداوند تعالیٰ نے جہاد وقتال کو واجب قرار دینے کے ساتھ ہی اس محکم سورت میں جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے ہی ایک اور واضح دستور العمل بھی دیا اور ارشاد فرمایا:

"فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتّیٰ اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق، فاما منا بعد واما فداءً حتّیٰ تضع الحرب اوزارھا"۔ (محمد۔4)

"پس جب تمہاری میدان جنگ میں کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کے ساتھ لڑتے ہوئے انکی گردنیں اڑاؤ یہانتک کہ جب تم میدان جنگ میں لڑتے ہوئے ان کو خوب قتل کر چکو، اور لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے، تو پھر کس کس کے انکی مشکیں باندھ کر انکو قیدی بنالو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو۔

اصحاب کا گناہ پیغمبر کی گردن میں ڈال دیا گیا

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورہ محمد کی آیت نمبر 4 اور سورہ انفال کی آیت نمبر 5 تا 7 جو آگے چل کر تحریر کی جائیں گی، یہ کہتی ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ خدا کی طرف سے حکم جہاد ملنے کے بعد گھر سے نکلے تھے اور پیغمبر کے گھر سے نکلنے کو خدا نے اپنے حکم سے نکلنا کہا ہے مگر بعض مورخین نے بنی امیہ کے حکم سے گھڑی ہوئی روایات پر اعتماد کر کے یہ لکھ ڈالا کہ پیغمبر اکرم ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلے تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی نے اس الزام کو رد کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے۔

"عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کو لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے، قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی۔ اس میں جہاں اس واقعے کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں:۔

"کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین

لکارھون، یجادلونک فی الحق بعد ماتبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون واذا یعدکم اللہ احد الطائفتین انھا لکم و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم "۔(الانفال۔5تا7)

جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی کے ساتھ نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہوگئی۔ گویا کہ وہ موت کے منہ میں ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو گروہوں میں ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا۔ اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے، ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ:

نمبر1:۔ جب آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جاتا ہے۔

نمبر2:۔ مدینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات (الشوکۃ) یعنی ابوسفیان کا کاروان تجارت، اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔ اس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلہ میں 40 آدمی تھے اور آنحضرت صلعم مدینہ سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے تین سو آدمی 40 آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کرسکتے تھے۔ اس لئے اگر آنحضرتؐ قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلہ کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے"۔ (الفاروق شبلی صفحہ 85-84)

یہ وہ بات ہے جس پر شبلی صاحب نے صحیح صحیح محاکمہ کیا ہے لیکن انکی نظر شاید بخاری کی اس روایت پر نہیں پڑی جس میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ اگر وہ بخاری کی یہ روایت دیکھ لیتے

تو پھر شاید وہ یہ محاکمہ نہ کرتے۔ بخاری کی وہ روایت یہ ہے کہ:

"انما خرج رسول اللہ یرید عیر قریش حتٰی جمع اللہ بینھم وبین عدوھم علیٰ غیر میعاد" (صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 3)

رسول اللہ تو قریش کے تجارتی قافلہ کو لوٹنے کے ارادہ سے نکلے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ناگہاں طور پر ان کا اور ان کے دشمنوں کا سامنا کر دیا۔

یہ جھوٹی روایت کیوں گھڑی گئی اور پیغمبرؐ پر یہ اتہام کیوں لگایا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں جانے والے یہ مسلمان سب کے سب پیغمبرؐ کے بدری اصحاب کہلاتے تھے چونکہ دونوں گروہوں کے آنے کی خبریں مل رہی تھیں اور ان اصحاب کی خواہش یہ تھی کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ان کے ہاتھ آجائے جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ:

"تودون ان غیر ذات الشوکۃ لکم"

یعنی یہ اصحاب پیغمبرؐ تھے، جو یہ چاہتے تھے، کہ ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹا جائے، لہذا بدری اصحاب کو بچا کر پیغمبرؐ پر تہمت جڑ دی۔ حالانکہ جب ان اصحاب پیغمبرؐ کو معلوم ہوا کہ حکم قتال صادر ہوگیا ہے اور پیغمبرؐ گھر سے لڑنے ہی کے لئے نکلے ہیں اور پیغمبر صلعم نے انکو یہ سچی بات بتلا دی تو انہوں نے قریش کے ساتھ لڑنے سے اپنی ناراضی، ناخوشی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا، بلکہ قرآن تو اس سے بھی بڑھ کر اس سے آگے یہ کہتا ہے کہ سچی بات معلوم ہوجانے کے بعد ان بدری اصحاب نے پیغمبرؐ سے ہی جھگڑنا شروع کر دیا۔

قرآن کے الفاظ یہ ہیں:۔

"یجادلونک فی الحق بعد ماتبین"

"یہ بدری اصحاب سچی بات معلوم ہوجانے کے بعد تجھ سے ہی لڑنے جھگڑنے لگ گئے"

لیکن چونکہ بنی امیہ کے حکمرانوں کی ایک روش یہ رہی ہے کہ ان حقائق کے مقابلہ

میں جن سے اصحاب کی مذمت ثابت ہوتی ہو ایسی روایات وضع کرائی جائیں جن سے اصحاب پیغمبر تو بچے رہیں اور ان کے تمام عیوب، جو چھپائے نہ جاسکیں، انہیں پیغمبر صلعم کی گردن میں ڈال دیا جائے، لہذا جو بات اصحاب پیغمبرؐ چاہتے تھے، اسے پیغمبرؐ کے نام لگا دیا۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ ہم یہ بات سابقہ اوراق میں ثابت کر آئے ہیں، کہ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ، کسی کی تعریف کرنی ہو، یا بری بات پر مذمت، وہ کسی کا نام لے کر نہ تو تعریف کرتا ہے، نہ نام لے کر مذمت کرتا ہے، بلکہ جمع کا ہی صیغہ استعمال کرتا ہے اور مراد اس سے وہ ہوتا ہے جس نے وہ کام کیا ہے۔

کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تمام کے تمام اصحاب پیغمبرؐ لڑنے کے لئے تیار ہی نہ ہوں اور قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے خلاف پیغمبر سے ہی لڑ جھگڑ رہے ہوں اور پیغمبرؐ پھر بھی میدان کارخ کرلیں، مگر اس سے بھی ہرگز ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قریش کے خلاف لڑنے سے کچھ لوگ گریزاں ضرور تھے۔ لہذا آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کون تھے۔

کفار قریش سے لڑنے کو ناپسند کس نے کیا؟

علامہ شبلی نے اس بات کو تو بجا طور پر رد کیا ہے کہ: "پیغمبرؐ گھر سے قریش کا قافلہ لوٹنے کو نکلے تھے"، مگر اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کونسے اصحاب تھے، کہ جو کفار قریش کے ساتھ لڑنے کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ کفار قریش کے ساتھ جنگ کرنے کی سچی بات ظاہر ہوجانے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے ہی لڑنے جھگڑنے لگ گئے تھے، اگر صحیح مسلم نے ان کے نام نہ لکھے ہوتے تو اندازہ سے بھی کہا جاسکتا تھا کہ یہ وہی مہاجرین مکہ ہونگے، جن کے کفار قریش کے ساتھ نہایت اچھے تعلقات تھے، جو ان

سے بہت مانوس تھے اور کافی عرصہ تک انکی پناہ میں رہے تھے۔ لیکن ایک واقعہ کے بیان میں یہ بات کھل گئی۔

چونکہ یہ کفر و اسلام کے درمیان پہلا معرکہ تھا، مسلمان اسلحہ جنگ کے لحاظ سے کمزور اور کفار کی تعداد کے مقابلہ میں کم تھے اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ضروری خیال کیا کہ انصار و مہاجرین کا عندیہ معلوم کریں کہ وہ کہاں تک عزم و ثبات کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرسکتے ہیں چنانچہ آنحضرتؐ کے استفسار پر لوگوں نے مختلف جوابات دیئے۔ کچھ حوصلہ شکن تھے اور کچھ ہمت افزا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے جواب پر آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔

مقداد ابن اسود نے پیغمبرؐ کے چہرے پر تکدر کے آثار دیکھے تو کہا کہ "یارسول اللہ ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

"اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون"

یعنی اے موسیٰ تم جاؤ اور تمہارا خدا جائے اور تم دونوں ہی لڑو ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔

"اس ذات گرامی کی قسم جس نے آپ کو خلعت رسالت پہنایا ہے ہم آپ کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں رہ کر لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو فتح و نصرت عطا کرے"۔

اس جواب سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا تکدر جاتا رہا اور آپؐ نے مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے انصار کی طرف رخ کرکے پوچھا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ سعد ابن معاذ انصاری نے بڑی گرم جوشی سے کہا کہ یارسول اللہ ہم

آپ پر ایمان لائے اور اطاعت کا عہد و پیمان کیا لہذا ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ سمندر میں پھاندیں گے تو ہم آپ کے ساتھ پھاندیں گے اور کوئی چیز ہماری راہ میں حائل نہ ہوگی۔ آپ اللہ کا نام لیکر اٹھ کھڑے ہوں ہم میں کی ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اس جواب سے انتہائی خوش ہوئے اور فرمایا:

"واللہ الکافی انظر الیٰ مصارع القوم"۔ (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 14)

"یعنی خدا کی قسم اب میں دشمن کے گر کر مرنے کی جگہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں"۔

یہ بات یاد رہے کہ ابھی تک مدینہ میں وہ لوگ ایمان نہیں لائے تھے جنہیں منافقین کہا جاتا ہے۔ مدینہ میں ایمان لانے والے منافقین جنگ بدر کے بعد جنگ بدر کی فتح سے مرعوب ہو کر ایمان لائے تھے۔

بیشک جنگ بدر میں ایسے اصحاب بھی تھے جنکا جواب مقداد ابن اسود کے جواب سے ہم آہنگ تھا، اور ایسے اصحاب بھی تھے جن کی نمائندگی کرتے ہوئے، سعد ابن معاذ نے وہ جواب دیا جس کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ بہت خوش ہوئے۔ لیکن ان ہی بدری اصحاب میں وہ بھی تھے جن کی شان میں قرآن یہ کہتا ہے کہ:

"فاذا انزلت سورۃ محکمۃ و ذکر فیھا القتال رایت الذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی من الموت، فاولیٰ لھم" (سورہ محمد۔ 20)

یعنی جب ایک محکم سورت نازل کی گئی اور اس میں قتال و جہاد کے فرض کیے جانے کا ذکر کیا گیا تو تم نے ان لوگوں کو دیکھ لیا جن کے دلوں میں روگ ہے، وہ تمہاری طرف اس طرح سے دیکھتے ہیں، جس طرح سے وہ دیکھا کرتا ہے، جس پر موت کی غشی طاری ہو، ان کے لئے خرابی ہے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ جنگ بدر میں جانے والے اصحاب میں کوئی

پنجاب کا سکھ نہیں تھا، جنہیں خدا نے یہ کہا ہے کہ ان کے دلوں میں مرض تھا۔

یہ مرض ان کے دلوں میں ان کافروں کی محبت کا تھا جنہوں نے انہیں پناہ دے رکھی تھی جن کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات تھے، لہذا وہ ان کے سامنے ہونا نہیں چاہتے تھے، لہذا وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ جہاد کے لئے جانے کو ناپسند کرتے تھے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ پیغمبر اکرم قریش کے ساتھ لڑنے کے لئے جا رہے ہیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سے ہی جھگڑنے لگ گئے۔ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ کوئی تاریخی روایت نہیں ہے بلکہ قرآن کہتا ہے کہ: "یجادلونک فی الحق بعد ماتبین"

وہ سچی بات معلوم ہو جانے کے بعد تجھ سے ہی جھگڑنے لگ گئے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب سارے ہی بدری اصحاب کو بڑے سے بڑا گناہ کرنے کے باوجود بخشا ہوا سمجھتے ہیں۔ لیکن قرآن ان کے لئے یہ کہتا ہے کہ ان کے لئے خرابی ہے اور یقیناً جو اصحاب جہاد کا نام سن کر اور کفار قریش کی خبر سن کر پیغمبر سے ہی لڑنے جھگڑنے لگ گئے تھے۔ ان میں پنجاب کے سکھوں میں سے کوئی نہیں تھا بلکہ سورہ انفال کی آیت واضح طور پر اعلان کر رہی ہے کہ:

"ان فریقاً من المومنین لکارھون"

یہ ایمان لانے والوں میں سے ہی کچھ لوگ تھے جو کفار قریش کے ساتھ لڑنا اور جہاد کرنا نہیں چاہتے تھے اور ان ایمان لانے والوں کے دلوں میں جو مرض تھا وہ مرض نفاق نہ تھا بلکہ یہ مال دنیا کی محبت کا مرض تھا یا کفار کی محبت کا مرض تھا لہذا وہ کفار قریش کے ساتھ لڑنے اور جہاد کرنے کی سچی بات سن کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سے ہی جھگڑنے لگ گئے، اور سچی بات معلوم ہو جانے کے بعد انکی حالت یہ ہو گئی تھی، جیسا کہ موت کے منہ میں

ہانکے جارہے ہیں۔ مگر، پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ، بادل ناخواستہ اصحاب فداکار کے ساتھ بدر کے میدان تک لگے چلے گئے۔

معرکہ جنگ کا حال

جب معرکہ، کارزار گرم ہوا اور قریش کی طرف سے نامی گرامی افراد میدان میں نکل کر مبارز طلب ہوئے تو مسلمانوں کی طرف سے انصار نے سبقت کی۔ لیکن کفار قریش نے ان سے لڑنا اپنی توہین سمجھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کو آواز دی۔

"اے محمد ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر لوگوں کو بھیجئے"

چنانچہ وہ انصاری اپنی صفوں میں واپس آگئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے انکی جگہ اپنے عزیزوں میں سے عبیدہ بن حارث، حمزہ بن عبدالمطلب اور علی ابن ابی طالب کو بھیجا ان کے پہنچتے ہی انفرادی جنگ کا آغاز ہوگیا۔ اور حضرت عبیدہ اور حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ نے قریش کی طرف سے آئے ہوئے تینوں سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، مگر چونکہ اس جنگ میں حضرت عبیدہ بن حارث زخمی ہوگئے تھے لہذا وہ ان زخموں سے جانبر نہ ہوسکے، اور میدان جنگ میں ہی جام شہادت نوش فرمایا، جنگ بدر میں یہ اسلام کے پہلے شہید تھے

اس کے بعد کفار کی طرف سے جو بھی علم لے کر آگے بڑھا وہ حضرت علیؑ کی تلوار سے زندہ بچ کر نہ گیا۔ کفار کی نامی گرامی شخصیتوں کے قتل ہوجانے کے بعد دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور فرادا جنگ کی بجائے یک بارگی حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنا شروع کردیا۔

پیغمبرؐ کی بارگاہ خداوندی میں دعا

یہ وہ موقع تھا کہ جب دشمن کی بڑھتی ہوئی یلغار کو دیکھ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے

بارگاہ احدیت میں یہ دعا کی:

"اللهم ان يهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لاتعبد فی الارض اللهم انجزلی ماوعدتنی"۔ (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 87)

بارالہا اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ بارالہا اپنے وعدہ فتح ونصرت کو پورا کر۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس دعا کے بعد نیند کی ذرا سی جھپکی لی، اور آنکھیں کھول کر فرمایا خدا کا شکر ہے اس نے میری دعا قبول فرمالی، اور ہماری امداد کے لئے فرشتے بھیج دیئے ہیں اور یہ فرمایا ہے کہ:

"اذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم انی ممدكم بالف من الملائكة مردفين"۔ (الانفال 9)

جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کررہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کی (اور جواب دیا کہ) میں ایک ہزار فرشتوں سے جو پے درپے آئیں گے تمہاری مدد کرونگا۔

یہ دعا پیغمبرؐ نے کی تھی اور انکو ہی بذریعہ وحی بشارت دی گئی، اور جیسا کہ ہم سابق میں ثابت کرآئے ہیں کہ قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ نام کسی کا نہیں لیتا اگر تعریف کرتا ہے تو جمع کے صیغہ میں اور مذمت کرتا ہے تو بھی جمع کے صیغے میں مگر اس سے مراد وہی ہوتا ہے جس نے وہ تعریف یا مذمت کا کام کیا ہے تمام مراد نہیں ہوتے۔

لیکن علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں مومنین کی فریاد سننا اور فرشتے امداد کو بھیجنا ثابت ہے۔ تحفہ حسینیہ صفحہ 228)

اگرچہ دعا پیغمبرؐ نے کی تھی اور فرشتے بھی پیغمبرؐ کی خاطر ان کی مدد کررہے تھے، جو میدان جنگ میں لڑ رہے تھے۔

لیکن علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے جنگ بدر میں جانے والے مسلمانوں میں سے جن کے دلوں میں (کفار کی محبت اور احسان مندی) کا روگ تھا وہ بھی چھپالیا، جو لڑنے کے لئے جانا پسند نہیں کرتے تھے وہ بھی چھپالیا، جو ابو سفیان کا قافلہ لوٹنا چاہتے تھے اسکا بھی ذکر نہ کیا۔ جو جنگ کا نام سن کر ہی پیغمبرؐ سے لڑنے جھگڑنے لگ گئے تھے، اسکا بیان بھی چھپالیا۔ جن کی حالت جنگ کا نام سن کر ایسی ہوگئی تھی جیسی کہ ان کی ہوتی ہے جن پر موت کی غشی طاری ہو ان کا بھی ذکر نہ کیا۔ اور پیغمبرؐ نے جو بارگاہ خداوندی میں دعا کی تھی اسے ان کے حصہ میں ڈال دیا۔

بہر حال مفت کی تعریف چاہے جس کی کیجائے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت حمزہ کے پرزور حملوں سے کافروں کے قدم ڈگمگا گئے اور اس طرح تیتر بتر ہوئے جس طرح شیر کے حملے سے بھیڑیں تیتر بتر ہوتی ہیں۔ سعید کہتے ہیں کہ:

"رایت علیاً یوم بدر یحمحم کما یحمحم الفرس ویقول الشعر فما رجع حتی خضب سیفه دما"۔ (کنز العمال جلد 5 صفحہ 270)

سعید کہتے ہیں کہ میں نے بدر کے دن علیؑ کو لڑتے ہوئے دیکھا ان کے منہ سے گھوڑے کے ہانپنے کی سی آواز نکل رہی تھی اور برابر رجز پڑھتے جارہے تھے اور جب پلٹے تو انکی تلوار خون سے رنگین تھی۔

جنگ ختم ہونے سے پہلے قیدی بنانے کا سلسلہ اور اسیران جنگ سے سلوک

جب قریش کے نامی گرامی سردار قتل ہوگئے اور دشمن شکست کی آخری منزل پر پہنچ گیا تو اپنا مال واسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، لہذا مسلمانوں نے ان کے ساتھ لڑتے

ہوئے قتل کرنے کی بجائے انہیں پکڑ پکڑ کر اسیر کرنا شروع کردیا تو سعد ابن معاذ نے آنحضرتؐ سے عرض کی:

"یا رسول الله اول وقعة اوقعها الله بالمشرکین کان الاثخان احب الی من الاستفیاء الرجال"۔ (تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 88)

یارسول اللہ یہ پہلا معرکہ تھا جس میں اللہ نے مشرکین کو شکست دلائی ان لوگوں کو گرفتار کرنے کی بجائے، انہیں اچھی طرح سے کچل دینا مجھے زیادہ پسند تھا۔

جنگ سے پہلے اور جہاد فرض قرار دینے کے بعد جنگ کے قواعد وضوابط اور اسیروں کے لئے دستور العمل بتلایا جاچکا تھا، کہ میدان میں جب دشمن سے مقابلہ ہوجائے تو جم کر لڑو، لڑائی میں ثابت قدم رہو، پیٹھ نہ پھراؤ، جو پیٹھ پھرائے گا وہ خدا کے غضب کا سزاوار ہوگا اور دشمن کا میدان جنگ میں لڑتے ہوئے خوب خون بہاؤ اور جب جنگ ہتھیا ڈال دے تو دشمن کی مشکیں کس لو اور پھر چاہے تو احسان کرکے رہا کردو یا فدیہ وصول کرکے چھوڑ دو۔

لہذا پیغمبر نے اس دستور العمل اور حکم خداوندی کے مطابق کچھ اسیروں پر احسان کرکے اور کچھ سے فدیہ لیکر رہا کردیا۔ پس اس سلسلہ میں نہ تو کسی سے رائے لینے کی ضرورت تھی اور نہ ہی حکم خداوندی کے مطابق عمل کرنے سے کسی عتاب کا سوال پیدا ہوتا تھا چونکہ شیخین کفار قریش سے لڑنے کیلئے جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ لہذا میدان جنگ میں ان کی کوئی کارگذاری نہ تھی اس لئے اسیران جنگ کے بارے میں فیصلہ کے سلسلہ میں شیخین کی کارگزاری دکھانے کے لئے انکی رائے کا بیان گھڑ آگیا۔

مگر یہاں بھی حضرت عمر کی رائے کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی رائے پر فوقیت دکھانے کیلئے ایک روایت گھڑی گئی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے تو قیدیوں کو قتل

کر دینے کی رائے دی تھی اور حضرت ابوبکر نے فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی رائے دی اور پیغمبر
نے حضرت ابوبکر کی رائے کو پسند کر کے قیدیوں سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا، مگر خدا نے فدیہ لیکر
چھوڑ دینے کو ناپسند کیا اور پیغمبرؐ کو عذاب کی تہدید کی اور حضرت عمر کی رائے کو پسند فرمایا:

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں اس بات کو طبری کے صفحہ 1355 کے
حوالہ سے اپنی کتاب الفاروق میں "قیدیوں کے معاملہ میں حضرت عمر کی رائے" کے عنوان
کے تحت صفحہ نمبر 87 پر نقل کیا ہے۔

اس روایت میں نہ صرف حضرت عمر کی رائے کو پیغمبر اکرمؐ کی رائے پر فوقیت دی
گئی ہے بلکہ حضرت عمر کو ایک الہامی شخصیت قرار دیا ہے چنانچہ محمد حسین ہیکل سابق وزیر
معارف حکومت مصر اپنی کتاب "حضرت عمر فاروق اعظمؓ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"مسلمانوں نے اس جنگ میں دشمن کے ستر آدمی گرفتار کئے جن میں بیشتر قریش
کے سردار اور اعیان واکابر تھے ان قیدیوں کے متعلق مسلمانوں میں سب سے زیادہ مخالفانہ
روش حضرت عمر کی تھی اور وہ ان سب کو قتل کر دینا چاہتے تھے"۔

اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا اور بات
فدیہ قبول کر لینے پر ختم ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لیکر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔
لیکن اس کے فوراً بعد وحی آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ماکان لنبی ان یکون له اسریٰ حتی یثخن فی الارض تریدون
عرض الدنیا والله یرید الاخره والله عزیز حکیم"۔

نبی کو مناسب نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی رہیں جب تک کہ ملک میں خوب قتل نہ
کریں تم لوگ تو دنیا کی متاع چاہتے ہو۔ اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت
والا ہے"۔

اس طرح اسیران بدر کے سلسلہ میں حضرت عمر کی رائے نے الہامی شخصیت
ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ جیسا کہ اس سے پہلے اذان کے مسئلہ میں ظاہر ہو چکا تھا۔ اس
سے نبی کریم علیه التحیه والتسلیم اور مسلمانوں کی نگاہ میں حضرت عمر کی حیثیت بلند اور
ان کی رائے وقیع ہو گئی"۔ (حضرت عمر فاروق اعظم محمد حسین ہیکل صفحہ 177)

یعنی ان حضرات کا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صاحب وحی یعنی پیغمبرؐ تو الہامی
شخصیت نہیں تھے ہاں حضرت عمر الہامی شخصیت تھے، کیونکہ انکے نزدیک پیغمبرؐ تو نماز میں
اکٹھا کرنے کے لئے عیسائیوں کی طرح ناقوس بجوانا چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے کہا کہ اس
طرح سے اذان دیکر اکٹھا کیا جائے، حالانکہ اذان شریعت کا ایک رکن ہے اور حتمی طور پر
دوسرے احکام شریعت کی طرح اذان بھی وحی خدا کے ذریعہ نازل ہوئی۔ اسی طرح پیغمبرؐ
نے جو رائے قائم کی، وہ ایسی تھی کہ خدا کو عذاب کی تہدید کرنی پڑی اور قدرت کی نظر میں
حضرت عمر کی رائے درست تھی۔

یہاں پر پھر اصحاب کے عیوب کو پیغمبرؐ کی گردن میں ڈال دیا گیا ہے، حالانکہ
سورہ انفال کی آیت نمبر 68 میں عتاب کا رخ ان اصحاب کی طرف ہے جنہوں نے میدان
جنگ میں خونریزی کے ذریعہ دشمن کا صفایا کرنے کی بجائے دینا کے لالچ میں انہیں گرفتار
کرنا شروع کر دیا آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

"ماکان لنبی ان یکون له اسریٰ حتی یثخن فی الارض"

یعنی نبی کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ان کے لئے کسی کو قیدی بنایا جائے جبتک کہ
میدان جنگ میں لڑتے ہوئے خوب اچھی طرح سے خونریزی نہ کرلیں اور جنگ اپنے
انتھیار نہ ڈال دے۔ مگر مسلمانوں نے یعنی اصحاب بدر میں سے کچھ نے دنیا کے لالچ میں
مال غنیمت لوٹنا اور کافروں کو پکڑ پکڑ کر گرفتار کرنا شروع کر دیا اور اس بات کو آیت کے

دوسرے حصہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

"تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ"

تم لوگ دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے

اس روایت کے گھڑنے کا واضح مقصد یہ ہے کہ جن اصحاب نے جہاد کے واجب ہونے کو ناپسند کیا تھا۔ جن اصحاب نے کفار سے جنگ کرنے کے لئے جانے سے کراہت کا اظہار کیا تھا۔ جن اصحاب کو اس جنگ میں جاتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا جیسا کہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں جن اصحاب کی جنگ کا نام سن کر ایسی حالت ہوگئی جیسی کہ انکی ہوتی جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ جو جنگ کا نام سن کر پیغمبر سے ہی لڑنے جھگڑنے لگ گئے تھے اور ان کا نام صحیح مسلم نے واضح الفاظ میں لکھ دیا تھا، کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تھے، چونکہ انکے کافروں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے وہ آخر وقت تک کافروں سے مانوس رہے، کافروں کے بغیر مکہ میں رہنا بے لطف، بے مزہ اور ناخوشگوار سمجھتے تھے اور وہ آخر وقت تک ایک ابن الدغنہ کی پناہ میں رہ رہا تھا اور دوسرا عاص بن وائل سہمی یا ابوجہل کی پناہ میں تھا لہذا ان کے مقابلہ میں جاتے ہوئے مناسب نہ معلوم ہوا لہذا ان کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کیلئے اور آیت کے عذاب کے تہدیدی لہجے کا رخ جو ان کی طرف تھا اسے موڑ کر پیغمبرؐ کی طرف کر دیا، کہ انہوں نے غلطی کی اور فدیہ لینے پر رضامند ہو گئے، جسکے لئے خدا نے عذاب کی تہدید اور تنبیہ کیلئے آیت نازل کی۔ حالانکہ آیت کا رخ اصحاب کی طرف ہے کہ تم نے میدان جنگ میں لڑتے ہوئے دشمن کا اچھی طرح خون بہانے سے پہلے اسیر کرنا کیوں شروع کر دیا۔ یہ عذاب کی تہدید حضرت عمر کا کہنا نہ مان کر قیدیوں کو قتل نہ کرنے کی وجہ سے نہ تھی۔ معلوم نہیں حضرت عمر کے مداح اس بات کو حضرت عمر کی فضیلت کس طرح قرار دیتے ہیں اس میں فضیلت کی کونسی بات ہے۔ کیونکہ قیدیوں کو قتل کر دینے کی

رائے کو دنیا کا کوئی بھی شریف اور عقلمند انسان پسند نہیں کر سکتا قیدیوں کو قتل کرنے کا نہ تو قرآن میں کوئی حکم ہے نہ ہی کسی حدیث میں آیا ہے اور نہ ہی کسی مہذب قوم میں یہ قانون ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور نہ ہی اسلام کا یہ شعار ہے اور سب سے پہلے اسلام نے ہی قیدیوں کے ساتھ برا سلوک کرنے کو حقوق انسانی کے خلاف قرار دیا ہے، اور قرآن نے تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ہی یہ دستور العمل دیدیا تھا کہ جب جنگ ختم ہو جائے تو دشمنوں کی کس کس کے مشکیں باندھ لو، یعنی انکو قید کر لو پھر یا تو احسان کر کے انہیں چھوڑ دو یا فدیہ لیکر انہیں رہا کر دو۔

مختصر یہ ہے کہ آیت کا عتاب اس بناء پر نہیں تھا کہ ان سے فدیہ لینے کی بجائے انہیں قتل کیوں نہ کیا، بلکہ وجہ عتاب یہ تھی کہ تم نے یعنی اصحاب نے میدان جنگ میں پوری طرح خونریزی سے پہلے ہی انہیں اسیر کیوں کیا اور اب جبکہ انہیں اسیر کر کے مدینہ لایا جا چکا تھا تو سورہ محمد کی آیت نمبر 4 کی رو سے ان سے فدیہ لیکر انہیں چھوڑ دینا عین منشائے الٰہی اور حکم خداوندی کے مطابق تھا اور جتنا عرصہ وہ قید رہے ان کے ساتھ اتنا بہترین سلوک کیا گیا کہ آج اقوام متحدہ کا منشور بھی اس کے مقابلہ میں صرف زبانی کلامی ہے۔ پس جنگ بدر میں شیخین کا کردار جہاد کے واجب ہونے پر جہاد کو ناپسند کرنا ہے۔ جہاد کیلئے جانے کو موت کے منہ میں جانا سمجھنا ہے اور قیدیوں کے بارے میں بیان کردہ روایت کا فضیلت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی پیغمبرؐ نے حکم خدا کی موجودگی میں کسی سے مشورہ لیا نہ حضرت ابوبکر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا نہ حضرت عمر نے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا، یہ صرف مذکورہ ناپسندیدہ افعال پر پردہ ڈالنے، انکو چھپانے اور برسراقتدار آنے کے بعد انکو کسی طرح سے بچانے کے لئے یہ افسانہ گھڑا گیا ہے۔

اصحاب پیغمبرؐ کی مال دنیا سے محبت کا بیان

جنگ بدر کے سلسلہ میں اصحاب بدر میں سے ان لوگوں کے لئے جو مال غنیمت لوٹنے پر پڑ گئے اور تقسیم کے سلسلہ میں بھی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تو خدا نے ان اصحاب بدر کی شان میں یہ آیت نازل کی۔

تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرہ

تم لوگ تو مال دنیا کے طلبگار ہو اور اللہ آخرت کو بہتر سمجھتا ہے

علامہ شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں ایک عنوان ہی، "مال غنیمت کی محبت" قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے تحت علامہ شبلی اصحاب کی مال دنیا سے محبت کا بیان کرتے ہوئے صفحہ 614-613 پر کئی واقعات تحریر کرنے کے بعد صفحہ 615 پر تحریر فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں غنیمت کی نسبت متاع دنیوی کا لفظ آتا ہے اور اس کی طرف انہماک اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی۔ جنگ احد میں جب اس بناء پر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت میں مصروف ہو گئے تو یہ آیت اتری:

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرہ۔ آل عمران

تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے۔

(سیرت النبی شبلی جلد 1 صفحہ 615)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ مال غنیمت لوٹنے والے صرف وہ اصحاب ہی نہ تھے جو درہ پر تعینات تھے بلکہ اصل لوٹنے والے تو وہ اصحاب تھے جو میدان میں موجود تھے اور میدان میں کافروں کا چھوڑا ہوا مال لوٹنے میں مصروف تھے اور ان کو لوٹتے ہوئے دیکھ کر ہی درہ پر تعینات اصحاب پیغمبر نے درہ کو چھوڑا تھا، بہر حال اس کے بعد شبلی صاحب لکھتے

ہیں۔

"جنگ بدر میں لوگوں نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کر دی بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا تو یہ آیت اتری۔

تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ، (الانفال)

تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے (سیرت النبی شبلی جلد 1 صفحہ 615)

جنگ بدر اسلام کی سب سے پہلی جنگ تھی کہا جا سکتا تھا کہ ابھی شروع شروع کی بات تھی۔ ہو سکتا ہے کہ آخر میں عربوں کی اس حالت کی اصلاح ہو گئی ہو۔ لیکن علامہ شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ عربوں کی یہ عادت آخر تک نہ بدلی۔ جنگ حنین اسلام کی تقریباً سب بڑی آخری جنگ تھی اس کے بارے میں شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوہ حنین میں جو 8 ھجری میں واقع ہوا تھا اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ صحیح بخاری غزوہ حنین کے ذکر میں ہے:۔

"فاقبل المسلون علی الغنائم واستقبلو ن بالسھام"

"تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا۔ (سیرت النبی شبلی جلد 1 صفحہ 615)

جنگ بدر میں اصحاب کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن ہم اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور اب جنگ احد کے بارے میں شہادت قران پیش کرتے ہیں۔

جنگ احد اور شہادت قران

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے ایک عنوان غزوہ احد اور شہادت قران کے

نام سے قائم کیا ہے اس آیت کے تحت قرآن نے جن اصحاب کی تعریف کی ہے وہ واقعاً تعریف کے قابل تھے ہم بھی ان کو لائق تعریف سمجھتے ہیں مگر جنگ احد میں شرکت کرنے والے تمام اصحاب پیغمبر اس تعریف کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

ہمیں جنگ احد کے تمام حالات تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم صرف چیدہ چیدہ نکات بیان کرتے پر ہی اکتفا کرینگے۔

اس جنگ میں کفار کا لشکر تین ہزار کی تعداد میں تھا مسلمان اگرچہ ایک ہزار کی تعداد میں نکلے تھے لیکن عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین اپنے تین سو ساتھیوں کو لیکر راستہ سے ہی واپس ہو گیا۔ لہذا مسلمان صرف 700 کی تعداد میں رہ گئے۔

اس قلیل تعداد سے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے آنحضرت نے کوہ احد کو اپنی پشت پر رکھا اور مدینہ کو سامنے کے رخ پر تا کہ دشمن کو ہر سمت سے حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن بائیں جانب کوہ احد کے وسط میں ایک درہ تھا جس کی وجہ سے اس بات کا احتمال تھا کہ کہیں دشمن چکر کاٹ کر اس درہ کے ذریعہ لشکر اسلام کے پیچھے سے حملہ نہ کر دے لہذا آنحضرتؐ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ ابن جبیر کی زیر نگرانی کھڑا کر دیا اور اسے تاکید کی کہ خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست جب تک اسے حکم نہ دیا جائے کسی حالت اور کسی صورت میں اپنا مورچہ نہ چھوڑے، بخاری میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمیں ایک ایک کر کے لے جا رہے ہیں تو پھر بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا، جب تک کہ میں تمہیں اجازت نہ دوں۔ اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دیدی ہے تو بھی اس مقام پر جمے رہنا، جب تک کہ تمہیں میرا حکم نہ پہنچے"

(تاریخ خمیس جلد 1 صفحہ 423 بحوالہ بخاری)

کوہ احد کے درہ میں تیر اندازوں کو کھڑا کرنے کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے بقیہ

لشکر کی صف بندی کی میمنہ پر سعد ابن عبادہ انصاری کو مقرر کیا اور میسرہ پر اسید ابن حضیر انصاری کو مقرر کر کے رایت جنگ حضرت علیؑ کو سپرد فرمایا:

اس جنگ میں ابو دجانہ انصاری، حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ نے حملوں پر حملے کر کے دشمن کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا۔

حضرت علیؑ دونوں صفوں کے درمیان علم کو فضا میں لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کئے جا رہے تھے اور لشکر قریش میں سے جو بھی علم ہاتھوں میں لیتا اسے تہ تیغ کر دیتے۔ یہاں تک کہ آپ نے آٹھ علمداروں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارا۔ اور اس طرح تمام پرچم برداروں کا خاتمہ کر دیا ابن اثیر نے لکھا ہے کہ: "کان الذی قتل اصحاب اللواء علیؑ"۔ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد 2 صفحہ 107)

"یعنی جس نے تمام علمداروں لشکر کو قتل کیا وہ علیؑ تھے"

بالآخر اللہ کا وعدہ فتح پورا ہوا۔ لیکن اصحاب کی مال غنیمت کی محبت اور پیغمبرؐ کی حکم عدولی کے نتیجے میں جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

"ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما ارٰکم ما تحبون"۔ (آل عمران۔152)

اور اللہ نے تو اپنا فتح کا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جب تم کافروں کو خدا کے حکم سے قتل کئے جا رہے تھے، یہانتک کہ جب تم ہی نے نامردی دکھائی اور کام میں جھگڑا کیا اور جب وہ تمہیں تمہاری خوشی کی چیز یعنی فتح دکھا چکا تھا تم نے ہی نافرمانی کی۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب قرآن کے الفاظ اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر اور عصیتم، اصحاب پیغمبر ہی کی شان میں نازل ہوئے ہیں یہ پنجاب کے کسی سکھ کے بارے میں نازل نہیں ہوئے مگر اس سے مراد صرف وہی اصحاب ہیں جو ان افعال کے

مرتکب ہوئے۔

لشکر کفر کا فرار اور مسلمانوں کا مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہونا

علمبرداران لشکر کے قتل ہو جانے کے بعد دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے مسلمانوں نے جب کفار کو دوڑتے اور میدان خالی کرتے دیکھا تو ان پر حرص وطمع غالب آ گئی۔ اور دشمن کی طرف سے غافل ہو کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے، درہ کوہ کے محافظوں نے جب مال غنیمت لٹتے دیکھا تو ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا، عبداللہ بن جبیر نے انہیں پیغمبر کا حکم یاد دلایا مگر دس سے بھی کم آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی بات نہ سنی اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے طبری لکھتے ہیں۔

''اجعلوا يقولون الغنيمة الغنيمة فقال عبدالله مهلاً اما علمتم ماعهد اليكم رسول الله صلى الله عليه وسلم فابوا فانطلقوا''۔ (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 193)۔

''یعنی انہوں نے غنیمت غنیمت پکارنا شروع کر دیا۔ عبداللہ نے کہا کہ ٹھہرو۔ کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں ہے، مگر انہوں نے ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے چل دیئے''۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب لوٹنے کے سلسلہ میں صرف درہ کے محافظوں کا نام لیتے ہیں۔ لیکن اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر دوسرے اصحاب مال غنیمت لوٹنے میں مصروف نہ ہوتے تو وہ بھی مال غنیمت کے لالچ میں درہ کو نہ چھوڑتے یہاں بھی جنگ بدر والی غلطی دہرائی گئی ہے حالانکہ جہاد فرض ہونے کے ساتھ جو دستور العمل دیا گیا تھا۔ اگر اس پر عمل کیا جاتا تو ہرگز یہ نوبت نہ ہوتی اور وہ دستور العمل یہ تھا کہ میدان میں جم کر لڑو، پیٹھ نہ

پھیرو اور دشمن سے لڑتے ہوئے انکا خوب خون بہاؤ، یہاں تک کہ لڑائی ہتھیار ڈال دے، تو پھر انکی مشکیں کس لو اور انہیں قیدی بنالو، مگر انہوں نے جنگ بدر میں بھی جنگ ختم ہونے سے پہلے مال غنیمت لوٹنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا اگر خدا کی طرف سے فرشتوں کی امداد نہ ہوئی ہوتی تو جنگ بدر میں ہی اس عذاب کا مزہ دیکھنا پڑتا، تو جنگ احد میں خدا نے انہیں امتحان میں ڈال دیا، اب ہر جنگ میں فرشتوں کو خدا نے نہیں بھیجنا تھا لہذا خدائی دستور العمل کی خلاف ورزی کرنے اور پیغمبرؐ کی نافرمانی کی وجہ سے یہ نتیجہ نکلا لہذا مال دنیا کی طمع میں صرف درہ کے محافظوں کو ہی مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

خالد ابن ولید کا عقب سے حملہ

خالد ابن ولید نے درہ کوہ کو خالی دیکھ کر عقب سے حملہ کر دیا عبداللہ ابن جبیر نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ مگر چند آدمی اس یلغار کو نہیں روک سکتے تھے ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ چند افراد پیغمبر صلعم جنہوں نے درہ کو نہیں چھوڑا یقیناً قابل تعریف ہیں۔ لیکن جو اصحاب خدا کے حکم اور قرآن کے بتلائے ہوئے دستور العمل کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مال غنیمت پر لوٹ پڑے اور وہ اصحاب بھی جو پیغمبرؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دوسرے اصحاب کو مال غنیمت لوٹتے ہوئے دیکھ کر مال غنیمت لوٹنے کے لئے درہ کو چھوڑ کر چل دیئے ان کے لئے کیا فضیلت ہے اور کیا تعریف ہے۔

بہر حال مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ کہ ایک طرف سے پسپا ہونے والی فوج اور دوسری طرف سے خالد ابن ولید نے گھیر ڈال لیا۔ اس دوطرفہ یلغار سے مسلمان حواس باختہ ہو گئے۔ جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل

گئی اور مسلمان حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

لیکن حضرت علیؑ نے ایک لمحہ کے لئے بھی میدان نہ چھوڑا اور جان سے بے نیاز ہو کر دشمن کی صفوں پر حملے کرتے رہے اور تیر و تلوار کے وار سہتے رہے اور دشمن کی فوج کو درہم وبرہم کرتے ہوئے پیغمبرؐ کے سینہ سپر رہے اور پورے ثبات قدم کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کے ساتھ برسرپیکار رہے ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

"وكان علي ممن ثبت مع رسول الله يوم احد حين انهزم الناس وبايعه على الموت"۔(طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 23)

یعنی احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؑ رسول اللہؐ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور آپؑ نے موت پر پیغمبرؐ کی بیعت کی تھی۔

اور تیروں تلواروں کے وار سے گھائل ہو جانے کے باوجود آپؑ کے قدم نہ ڈگمگائے علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"اصابت عليا يوم احد ستة عشر ضربة"۔(تاریخ الخلفاء۔صفحہ 114)

احد کے دن حضرت علیؑ کو تلوار کی سولہ (16) ضربیں لگیں

مشرکین کا پیغمبر اکرم صلعم پر ہجوم

حضرت علیؑ میدان جنگ میں کفار قریش کے ساتھ مصروف پیکار تھے کہ مشرکین نے پیغمبرؐ پر ہجوم کیا۔ جس سے پیغمبر اکرم صلعم بھی زخمی ہو گئے ان حملہ آوروں میں سے عبداللہ ابن حمید کو ابو دجانہ انصاری نے تہ تیغ کیا قبیلہ انصار کے چند آدمیوں نے پیغمبرؐ پر حملہ ہوتے دیکھا تو وہ آگے بڑھ کر حائل ہوئے۔ انصار کو دیکھ کر کفار کچھ پیچھے ہٹ گئے۔ اور تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر تیر برسانے لگے ابو دجانہ انصاری تیروں کی بوچھاڑ میں پیغمبر

کے سینہ سپر بن گئے اور آنحضرت پر جھک گئے اور اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے۔ آخر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے قدموں میں شہید ہو کر جان دی۔

پیغمبرؐ کے قریب ہی مصعب ابن عمیر بھی دشمن کے حملوں کو روکنے میں مصروف تھے کہ ابن قمیہ نے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے پیغمبرؐ کو قتل کر دیا ہے چنانچہ اس نے اپنی صفوں کے قریب پہنچ کر فخریہ لہجے میں کہا کہ میں نے محمد (صلی اللہ وعلیہ وآلہ) کو قتل کر دیا ہے یہ سنتے ہی لوگوں نے شور مچا دیا کہ "الا ان محمداً قد قتل" محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ہماری جانیں قربان ان اصحاب پیغمبرؐ پر جنہوں نے پیغمبرؐ کی اس طرح جان بچاتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ اب آپ ہی انصاف کریں کہ کیا وہ اصحاب جو مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے اور اس شکست کے ذمہ دار بنے؟ اور کیا وہ اصحاب جو پیغمبرؐ کو میدان جنگ میں اکیلا چھوڑ کر فرار ہو گئے وہ بھی اسی بات کے مستحق ہیں جس کے مستحق وہ اصحاب تھے جنہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور سرخرو ہو کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوئے۔

اصحاب پیغمبرؐ کا میدان جنگ سے فرار

مسلمان کچھ تو پہلے ہی منتشر ہو چکے تھے جو باقی رہ گئے تھے۔ پیغمبر اکرم صلعم کے قتل کی خبر سن کر ایک عام بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگ تو بھاگ کر احد پہاڑ پر چڑھ گئے اور کچھ لوگوں نے مدینہ پہنچ کر دم لیا، طبری لکھتے ہیں:

"تفرق عنه اصحابه و دخل بعضهم المدينة و انطلق بعضهم فوق الجبل الى الصخرة فقاموا عليها ، و جعل رسول الله يدعوا الناس الى عباد

الله الی عباد الله "۔ (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 201)

آنحضرتؐ کے اصحاب آپؐ کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ ان میں سے کچھ تو مدینہ پہنچ گئے۔ کچھ پہاڑ کے اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئے۔ اور اس پر ڈیرے ڈال دیے پیغمبر خدا صلعم انہیں پکارتے تھے اے خدا کے بندوں میرے پاس آؤ اے اللہ کے بندوں میرے پاس آؤ

شاید علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ کہیں کہ جناب تاریخ کا کیا اعتبار ہے، اس میں سچ جھوٹ سب کچھ لکھا ہوتا ہے تو قرآن مجید بھی پہاڑ پر چڑھنے والوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے: " اذ تصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم "۔ (آل عمران۔ 153)

اس وقت کو یاد کرو جب تم پہاڑ پر چڑھے چلے جا رہے تھے اور رسول پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے اور تم مڑ کر بھی نہیں دیکھتے۔

بہر حال طبری کا بیان قرآن مجید کے بیان کے مطابق ہے۔ اور طبری نے کوہ احد کی چٹان پر بیٹھنے والوں میں حضرت عمر اور طلحہ بن عبد اللہ کا خصوصیت کے ساتھ نام لکھا ہے۔ اور تفسیر وحدیث وتاریخ کی کتابوں میں خود حضرت عمر کا یہ بیان درج ہے کہ "میں احد پہاڑ پر اس طرح سے چڑھا جیسا کہ پہاڑی بکری چڑھتی ہے"۔

تفسیر نیشاپوری جلد 4 صفحہ 110

تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 108

تفسیر در منثور سورہ آل عمران

مسند امام احمد حنبل جلد اول صفحہ 429 سطر 13

البدایہ والنھایہ ابن اثیر جذری صفحہ 340

کنز العمال جلد اول صفحہ 438 حدیث 4301

روضۃ الصفا جلد دوم طبع بمبئی صفحہ 91

روضۃ الاحباب جلد اول صفحہ 261

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں طبری کے حوالہ سے اس طرح لکھا ہے:

علامہ طبری نے بسند متصل جس کے رواۃ حمید ابن سلمہ محمد ابن اسحٰق۔ قاسم ابن عبد الرحمٰن بن رافع ہیں روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضر نے حضرت عمر اور طلحہ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا۔ کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے جو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ" یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی"۔

قاضی ابو یوسف نے خود حضرت عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گذرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ پر کیا گذری میں نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس نے کہا کہ رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہ کر تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی، ابن ہشام میں ہے کہ انس نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے"۔

الفاروق شبلی صفحہ 91

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

بہر حال طبری نے جہاں کوہ احد کی چٹان پر بیٹھنے والوں میں حضرت عمر اور طلحہ کا نام لکھا ہے وہاں انکی گفتگو بھی درج کی ہے۔ جس سے انکے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"قال بعض اصحاب الصخرہ لیت لنا رسولاً الی عبد الله ابن ابی فیاخذ لنا امنة من ابی سفیان یاقوم ان محمد قد قتل فارجعوا الی قومکم

"قبل ان یاتو کم فیقتلو کم"۔ تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 201)

یعنی چٹان پر بیٹھنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ ابن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابوسفیان سے امان کی درخواست کرتا۔ اے لوگوں محمدؐ تو قتل ہو گئے۔ اب اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے کہ وہ آئیں اور ہمیں قتل کر دیں۔ تاریخ طبری والا یہ بیان ترجمہ تاریخ کامل جلد 6 صفحہ 248 پر بھی لکھا ہوا ہے۔ لیکن تاریخ طبری اور تاریخ کامل کی مذکورہ عبارت سے یہ بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ یہ کہنے والا قوم قریش سے ہے اور چٹان پر بیٹھے ہوئے لوگوں میں نمایاں افراد حضرت عمر اور حضرت طلحہ تھے۔ مگر طبری اور تاریخ کامل میں واضح الفاظ میں انکا نام نہیں لکھا، جنہوں نے یہ کہا کہ محمدؐ تو قتل ہو گئے اے قوم تم اپنے پچھلے دین کی طرف پھر جاؤ۔

لیکن امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں انکا نام بھی واضح طور پر اس طرح لکھا ہے۔

"ان الشخین هربا یوم احد ورجع عمر ينشف دموعه ويسئل علياً العفو، فقال الست المنادى قتل محمدا فارجعوا الى دينكم فقال انما قالها ابوبكر"۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

ترجمہ:۔ اس میں شک نہیں کہ حضرات شیخین (یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) جنگ احد میں بھاگ گئے تھے پھر عمر آنسو پونچھتے ہوئے واپس آئے اور حضرت علی سے معافی کے خواستگار ہوئے آپ نے فرمایا کیا تم نے یہ ندا نہیں دی تھی کہ محمدؐ قتل ہو گئے لہذا اے لوگو تم اپنے سابقہ دین کی طرف لوٹ جاؤ حضرت عمر کہنے لگے کہ یہ بات تو ابوبکر نے کہی تھی،

یہ بات صرف تاریخ وحدیث کی کتابوں میں ہی نہیں ہے بلکہ قران مجید نے بھی

اپنے انداز میں یہی بات کہی ہے۔

ارشاد رب العزت ہے: "ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئاً"۔ (آل عمران۔144)

ترجمہ۔ نہیں ہیں محمدؐ مگر رسول ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس اگر محمدؐ مرجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جائیگا تو وہ خدا کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ یعنی وہ خود اپنی ہی عاقبت خراب کریگا۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب قران کریم کی آل عمران کی مذکورہ آیت نمبر 144 واضح الفاظ میں کہہ رہی ہے کہ کسی نے یہ کہا تھا کہ "محمدؐ تو قتل ہو گئے اے قوم تم اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ جاؤ" اور تمہاری مستند حدیث وتاریخ کی کتابیں یہ کہہ رہی ہیں کہ یہ بات حضرت عمر نے کہی تھی، اگر آپ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو قران کو تو آپ نہیں جھٹلا سکتے لہذا آپ ہی بتلا دیں کہ جنگ احد میں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے آدمیوں میں کوئی پنجاب کا سکھ بھی تھا جس نے یہ بات کہی تھی۔

اور سنیئے سورہ آل عمران ہی کی ایک آیت میں ان اصحاب کی خدا کے بارے میں بھی بدگمانیوں کا ان الفاظ میں بیان آیا ہے: وطائفة قد اهمتهم انفسهم يظنون بالله غير الحق ظن الجاهلية۔ (آل عمران 154)

اور ان میں ایک گروہ ایسا تھا جن کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور وہ خدا کے بارے میں بھی ایام جاہلیت (یعنی زمانہ کفر کی سی) باتیں کر رہے تھے۔

سورہ آل عمران کی اس آیت میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

"وليبتلى الله مافى صدوركم وليمحص مافى قلوبكم والله عليم

بذات الصدور"۔(آل عمران154)

اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ خدا تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے (یعنی اس طرح تمہارے دلوں کی باتیں ظاہر ہو جائیں) اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ خالص ہو کر سامنے آجائے اور خدا تو دلوں کی باتوں سے اور حالات سے آگاہ ہی ہے۔ یعنی اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس جنگ میں جو کچھ لوگوں کے دلوں میں تھا وہ ظاہر ہو گیا اور یہ دل کی بات ہی تو ہے، اور یہ دل کی بات ہی تو تھی جو تاریخ طبری جلد2 صفحہ 201 کے حوالے سے گذشتہ اوراق میں نقل ہو چکی ہے۔

اور اس جنگ نے یہ فیصلہ دیا کہ بعض اصحاب پیغمبر دنیا کی طلب میں اسلام سے وابستہ ہوئے تھے۔ قران نے برملا کہا ہے۔

"منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ"۔(آل عمران)

تم میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا کے طلبگار ہیں۔ اور ان کے یہ کہنے سے کہ محمد تو قتل ہو گئے اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ وہ دین اسلام کو دین حق اور محمد صلعم کو سچا نبی سمجھ کر اسلام نہیں لائے تھے بلکہ مال دنیا کی طلب میں اسلام سے وابستہ ہوئے تھے اور جب دیکھا کہ محمد صلعم تو زندہ ہیں لہذا پھر اظہار ندامت کر کے ساتھ ہو گئے اور دنیا کی طلب دل میں چھپائے ہوئے اسلام سے وابستہ رہے۔

جنگ احد میں پہاڑ کے اوپر چڑھنے کا اقبال

حضرت عمر خود فرماتے ہیں کہ ہم احد کے دن رسول اللہ صلعم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور میں پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا تھا۔ ازالۃ الخفاء کے اصل عربی الفاظ اس طرح ہیں:

"تفرقنا عن رسول الله يوم احد فصعدت

الجبل"۔(ازالۃ الخفاء، جلد1 صفحہ168)

ازالۃ الخفاء کے علاوہ مندرجہ ذیل تفسیر وحدیث وتاریخ کی کتابوں میں بھی حضرت عمر کا میدان چھوڑ کر چلے جانا اور احد پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جانا تحریر ہوا ہے:

تفسیر نیشاپوری جلد4 صفحہ110۔ تفسیر کبیر جلد3 صفحہ108۔

تفسیر درالمنثور سورہ آل عمران۔ نہایہ ابن اثیر جذری صفحہ340۔

روضۃ الصفا جلد دوم مطبوعہ بمبی صفحہ91 روضۃ الاحباب جلد اول صفحہ261 وغیرہ

منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد حنبل جلد1 صفحہ429۔

شہدائے احد کے ایمان کی گواہی

اس جنگ میں ستر اصحاب پیغمبر شہید ہوئے جن میں سے تین خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے قریبی عزیز تھے باقی 67 شہید انصار مدینہ میں سے تھے۔ لیکن ایک دو کے سوا پیغمبر کی قوم کے تمام افراد یعنی مہاجرین قریش سب کے سب میدان سے فرار کر گئے۔ کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے کچھ مدینہ پہنچ گئے اور کچھ بہت ہی دور نکل گئے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد جب بھاگے ہوئے اصحاب بھی لوٹ آئے تو پیغمبر ان کے ہمراہ شہدائے احد کی لاشوں پر پہنچے۔ تو پیغمبرؐ کو ان شہداء کی شہادت پر بہت غم اور صدمہ ہوا۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ حضرت حمزہ کی لاش پر پہنچے اور انکے کٹے پھٹے اعضاء پر نظر ڈالی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے ابن مسعود کہتے ہیں:

"ما رأينا رسول الله صلى الله عليه وسلم [illegible] على حمزة رضى الله عنه"

(سیرۃ حلبیہ جلد2 صفحہ273)

یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا شدت کیساتھ روتے ہوئے کبھی نہیں

دیکھا جتنا حضرت حمزہ پر روتے دیکھا۔

اس کے بعد آپ دوسرے شہداء کے لاشوں کے پاس پہنچے اور ان کے اس دنیا سے باایمان رخصت ہونے اور جنتی ہونے کی گواہی دی، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں "فضل الشھداء فی سبیل اللہ" کے باب میں یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"ان رسول اللہ قال لشھداء احد ھو لاء اشھد علیھم ، فقال ابوبکر یا رسول اللہ السنا باخوانھم اسلمنا کما اسلموا وجاھدنا کما جاھدوا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، بلی، ولا ادری ماتحدثون بعدی"۔ (موطا امام مالک مطبع فاروقی دہلی صفحہ 173)

یعنی بالتحقیق رسول اللہ نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا کہ میں ان کے ایمان کی اور انکے جنتی ہونے کی گواہی دیتا ہوں تو حضرت ابوبکر نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں۔ جس طرح سے وہ اسلام لائے اسی طرح سے ہم اسلام لائے جس طرح سے انہوں نے جہاد کیا اسی طرح سے ہم نے جہاد کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ تم لوگ میرے بعد کیا کیا احداث (یعنی بدعنوانیاں اور دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کرو گے۔

اس بات کو امام واقدی نے بھی اپنی کتاب المغازی میں غزوہ احد کے باب میں بیان کیا ہے اور انہوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کے جواب میں یہ فرمایا کہ: "ولا ادری ماتحدثون بعدی فبکی ابو بکر بکاء اشدیدا فقال ء انا لکائنون بعد ک"۔ (کتاب المغازی واقدی باب غزوہ احد صفحہ 102)

یعنی آنحضرت نے حضرت ابوبکر کے جواب میں فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھ کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث اور کیا کیا بدعتیں ایجاد کرو گے پس

حضرت ابوبکر بہت شدت سے روئے اور کہا کیا ہم آپ کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب جذب القلوب میں صفحہ 283 پر اس بات کو نقل کیا ہے۔

واقعات احد اور اس صحیح السند حدیث سے جو درایتاً بھی صحیح ہے اور ایک حقیقت ہے معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی کی تمام گھڑی ہوئی روایتیں۔ عشرہ مبشرہ والی روایت اور نجوم والی روایت اور بدریوں کے بارے میں اس روایت کی کہ جو بدری ہے وہ بخشا یا جا چکا ہے بعد میں جتنا بڑا گناہ کرتا رہے، قلعی کھل گئی ہے، خصوصاً جبکہ بدر میں جانے والے اصحاب کا حال قرآن نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ جہاد واجب ہوا تو انہوں نے ناپسند کیا۔ اور سچی بات معلوم ہو جانے پر کہ آنحضرت کفار قریش سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں، آنحضرتؐ سے ہی لڑنے جھگڑنے لگ گئے۔

جنہیں خدا نے دنیا کا طالب کہا اور فی قلوبھم مرض کے ذریعہ انہیں مخاطب کیا اور تاریخوں میں اور صحیح مسلم میں ان کا نام بھی ظاہر ہو گیا۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ہم ان اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو فی الحقیقت قابل مدح تھے، مگر جن کو قرآن نے حدیث نے اور تاریخ نے وہ کچھ کہا جو بیان ہوا، تو انہیں بس ایسا ہی سمجھا جا سکتا ہے جیسا کہ قرآن نے، صحیح احادیث نے اور تاریخ نے بیان کیا ہے اور معاویہ کے حکم سے فضائل صحابہ میں جو احادیث گھڑی گئی ہیں جن کا بیان آگے چل کر آئیگا وہ سب کی سب نہ صرف قرآن کے، صحیح احادیث کے، اور تاریخ کے خلاف ہیں بلکہ درایتاً اور عقلاً بھی غلط باطل اور نامعقول ہیں۔

بہر حال چونکہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اصحاب کے فضائل کے عنوان

سے جنگوں کا بیان اور شہادت قران کا عنوان قائم کیا ہے لہذا ہمیں بھی جنگوں کا حال کچھ تفصیل سے بیان کرنا پڑا ہے۔ جنگوں کے تعلق سے وہ آیات قرآن جو اصحاب پیغمبر کے فضائل کے عنوان سے بیان ہوئی ہیں وہ ان ہی اصحاب کی شان میں ہیں جنہوں نے استقامت دکھائی، جو ثابت قدم رہے، اور جن کے ایمان اور جنتی ہونے کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے گواہی دی۔ لیکن بھاگنے والوں کی شان میں وہ آیات ہیں جو بھاگنے والوں سے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

غزوہ خندق اور شہادت قران

مذکورہ عنوان کے تحت علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے قرآن کریم کی دو آیات سے استدلال کیا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے:

"قال اللہ تعالیٰ ولمارای المومنون الاحزاب قالوا ھذا ماوعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایماناً و تسلیما"۔ (سورہ احزاب۔ 21)

اور جب مومنوں نے کفار کے لشکر دیکھے تو کہا یہ ہے وہ جس کا ہمیں اللہ تعالی اور اس کے رسول نے وعدہ دیا اور سچ فرمایا اللہ تعالی نے اور اس کے رسول نے اور لشکر ہائے کفر دیکھ کر نہ بڑھا مگر ان کا ایمان اور حکم خداوندی پر رضامندی اور اطاعت"۔

(تحفہ حسینیہ صفحہ 232)

اسکے بعد دوسری آیت اس طرح سے نقل کرتے ہیں:

قال تعالیٰ: "ورد اللہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیراً و کفی اللہ المومنین القتال و کان اللہ قویا عزیزا"

اور اللہ تعالی نے کفار کو انکے قلبی غیظ اور جلن کے ساتھ لوٹایا وہ کچھ بھی بھلائی اور کامیابی حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالی نے مومنین کو لڑائی میں کفایت فرمائی اور اللہ تعالی قوی اور غالب ہے"۔ (تحفہ حسینیہ 232)

اس کے بعد علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ان آیات سے اس طرح استدلال فرماتے ہیں

ان آیات مقدسہ میں بھی جنگ احزاب اور غزوہ خندق میں شامل مہاجرین وانصار کی ایمانی پختگی اور جذبہ جہاد و سرفروشی کا بیان کیا ہے اور اللہ تعالی کے ان پر خصوصی کرم کا، کہ اپنی قدرت کاملہ سے کفار کو بھگا دیا اور انہیں کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہ ہونے دیا"۔ (تحفہ حسینیہ صفحہ 232)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب جن اصحاب کی قران سورہ احزاب کی آیت نمبر 21 میں تعریف کر رہا ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ آیت صرف ان اصحاب کی تعریف کر رہی ہے جنہوں نے لشکر کفار کو دیکھ کر مذکورہ بات کہی دوسرے اصحاب کی شان میں اس سورہ میں اس طرح فرمایا ہے:

"اذ جاءکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا وھنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالاً شدیدا"۔ (الاحزاب 10-11)

اس وقت کو یاد کرو جب وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر آپڑے اور جس وقت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور دل کھنچ کر گلوں میں آگئے اور تم خدا پر طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے یہی وقت تھا وہ جبکہ ایمان لانے والوں کو آزمائش میں ڈالا گیا اور انہیں بڑی سختی کے ساتھ جھنجوڑا گیا۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ایسے وقت میں کمزور دل لوگوں کا گھبرا جانا، یا

ڈر کی وجہ سے آنکھوں کا پتھرا جانا یا دلوں کا کھنچ کر گلے میں آ جانا کمزور دلوں کے لئے یقینی طور پر ایک معمول کی بات تھی۔ لیکن خدا جو علیم بذات الصدور ہے یہ کہہ رہا ہے کہ:

"وتظنونا باللہ الظنونا"

یعنی ایمان لانے والوں میں سے بہت سے ایسے تھے جو خدا کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے تھے۔ جو ضعیف الایمان ہونے کی دلیل ہے اور یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جو جنگ احد میں اصحاب پیغمبر کے بارے میں فرمائے تھے کہ:

"ویظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ"

یعنی وہ خدا کے بارے میں ناحق زمانہ جاہلیت یعنی زمانہ کفر کی سی باتیں کرنے لگے تھے اور یہ بات ہم جنگ احد کے بیان میں لکھ آئے ہیں کہ کیسے کیسے نامور اصحاب پیغمبر نے کیا کیا کچھ کہا تھا:

قران کسی کا نام لیکر کسی کی مذمت نہیں کرتا ہو سکتا ہے کہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ کہیں کہ جنگ احزاب میں خدا نے جو یہ کہا ہے کہ "وتظنون باللہ الظنونا" تو یہ منافقین کے لئے کہا ہے۔ لیکن تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ معتب ابن قشیر نے جو بدری صحابی تھے جو علامہ سیالوی صاحب کے نزدیک سب کے سب بخشے بخشائے ہیں یہ تک کہہ دیا تھا کہ:

"کان محمد یعدنا ان نا کل کنوز کسری وقیصر واحدنا الیوم لایا من علی نفسہ ان یذھب الی الغائط"۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد 2 صفحہ 233)

محمدؐ ہم سے یہ وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ وقیصر کے خزانوں پر ہاتھ صاف کریں گے اور آج یہ حالت ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے جانا چاہے تو وہ اپنی جان کو محفوظ نہیں سمجھتا۔

بہر حال اس موقع پر جہاں ضعیف الایمان لوگ طرح طرح کی بدگمانیاں

کر رہے تھے وہاں سچے دل سے ایمان لانے والوں اور پیغمبر کی حقیقی معرفت رکھنے والوں کا ایمان بڑھتا ہی جا رہا تھا لہذا انہوں نے وہ کچھ کہا جسے خدا نے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 21 میں بیان کیا اور جسے علامہ محمد اشرف سیالوی نے غلط طور پر تحفہ حسینیہ کے صفحہ 232 پر استدلال کے لئے استعمال کیا۔

ہم ان اصحاب کو جنکی قران نے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 21 میں تعریف کی ہے قابل تعریف سمجھتے ہیں اور ان اصحاب کو جن کی حالت سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 11,10 میں بیان ہوئی انہیں قرآن کی بیان کردہ صفت کا حامل سمجھتے ہیں۔

علامہ سیالوی صاحب نے جنگ کا خاتمہ بالکل ہی بغیر لڑے اس طرح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی کرم تھا کہ اپنی قدرت کاملہ سے کفار کو بھگا دیا اور انہیں کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑا۔ حالانکہ خدا سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 11,10 میں یہ کہہ رہا ہے کہ تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور دل کھنچ کر گلوں میں آ گئے اور تم خدا پر طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے۔

عمر ابن عبدود کی مبارز طلبی اور اصحاب کی حالت

جنگ خندق میں کفار کے ساتھ ایک اکیلا عمر ابن عبدود ایک ہزار پہلوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ معارج النبوت میں ملا معین لکھتے ہیں کہ جب عمر ابن عبدود نے مبارز طلب کیا تو حضرت عمر نے کہا کہ یہ تو عمر ابن عبدود ہے۔ اور اسکی شجاعت کا ایک واقعہ سنا کر مسلمانوں کے حواس باختہ کر دیئے اور حسین دیار بکری نے اپنی تاریخ خمیس میں عمر ابن عبدود کی مبارز طلبی کے وقت اصحاب کا حال اس طرح لکھا ہے کہ:

"فلما کان یوم الخندق خرج مسلحا لیری مکانہ فجال وطلب

المبارزة والاصحاب ساكتون كانما على رؤوسهم الطير لانهم كانوا يعلمون شجاعته"۔ (تاریخ الخمیس دیار بکری الجزء الاول صفحہ 548-547)

یعنی جب خندق والے دن عمر ابن عبدود فوج میں سے جوش وخروش کے ساتھ نکلا تا کہ اپنی شجاعت کا دبدبہ لوگوں کو دکھائے، وہ گھوڑے کو جولان کر کے مبارز طلب کرنے لگا اور اصحاب پیغمبر کی یہ حالت تھی کہ وہ ڈر کے مارے ایسے سہمے ہوئے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ اسکی شجاعت سے واقف تھے۔

یہ بات تاریخ وحدیث کی اکثر کتابوں مثل تاریخ کامل، کنز العمال، مستدرک حاکم، حبیب السیر، سیرت حلبیہ، حیواۃ الحیوان وغیرہ میں بھی لکھی ہوئی ہے، مگر جو نقشہ اصحاب پیغمبر کا اس موقع پر قرآن نے کھینچا ہے وہ تاریخوں اور حدیث کی کتابوں سے زیادہ اصحاب پیغمبر کی صحیح تصویر کشی کر رہا ہے جو اس طرح ہے۔

فاذا جاء الخوف رايتهم ينظرون اليک تدور اعينهم كالذی يغشى عليه من الموت (الاحزاب)

یعنی جس وقت خوف کا وہ موقع آیا تو اے پیغمبرؐ تم نے انہیں دیکھا کہ انکی آنکھیں اس طرح گھوم رہی ہیں جیسے کہ ان پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔

جنگ بدر میں بھی خدا نے ان اصحاب کی حالت کا نقشہ ان الفاظ کے ساتھ کھینچا تھا کہ: يجادلونک فی الحق بعد ما تبين كانما يساقون الى الموت (الانفال۔۵)

وہ تجھ سے کفار قریش کے ساتھ لڑنے کی سچی بات سن کر اس سچی بات یعنی قریش سے جنگ کرنے کے بارے میں جھگڑنے لگے انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔

جنگ بدر میں بھی صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ہی قریش کی طاقت وقوت کا ذکر کر کے مسلمانوں کو خوف زدہ کیا تھا اور اب جنگ احزاب میں بھی عمر ابن عبدود کی شجاعت وبہادری کا ذکر کر کے حضرت عمر نے ہی مسلمانوں کے اوسان خطا کئے، اور انکی ایسی حالت بنادی جسکا ذکر مورخین ومحدثین نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ: "كانما على رؤوسهم الطير"

ترجمہ۔ انکی ایسی حالت ہوگئی گویا کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔

حضرت علیؑ کا عمر ابن عبدود کے مقابلہ میں جانا

عمر ابن عبدود مبارز طلب کر رہا تھا اور پیغمبرؐ فرما رہے تھے کہ کون ہے جو اس کتے کا جواب دے، مجمع اصحاب میں سناٹا تھا اور تاریخ خمیس کے مطابق اصحاب کا یہ حال تھا جیسا کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہے۔ مجمع اصحاب میں صرف حضرت علیؑ تھے جو یہ کہتے تھے کہ "انا له يا نبی الله" اے اللہ کے رسول میں اسکا مقابلہ کرونگا۔ پھر جس شان سے پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو میدان جنگ میں بھیجا وہ تاریخوں میں اور حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ حتی کہ اس بات کو اہل سنت کے مشہور ومعروف عالم ومحدث فاضل روزبہان نے بھی اپنی کتاب کشف الغمہ میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"قال النبی صلی الله عليه وسلم برز الايمان كله الى الكفر كله"

کشف الغمہ۔ حیواۃ الحیوان، تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ 112

یعنی جب حضرت علیؑ عمر ابن عبدود کے مقابلہ کے لئے میدان کی طرف نکلے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کل کا کل ایمان یا ایمان مجسم کل کے کل کفر یا کفر مجسم کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔

ہمیں جنگ کے حالات بیان کرنا مقصود نہیں۔ اس جنگ میں کفار کے چار جنگجو بہادر مارے گئے یعنی عمرابن عبدود جو ایک ہزار سواروں کے مقابل سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کا بیٹا حسل ابن عمرو اور نوفل ابن عبداللہ تو حضرت علیؑ کی تیغ شرربار سے مارے گئے اور ایک بھاگتے ہوئے کسی کا تیر کھا کر گھائل ہوگیا اور مکہ جاکر مرگیا اور باقی نے بھاگ کر جان بچائی اور اپنے لشکر میں واپس پہنچ کران کی جان میں جان آئی۔

جب حضرت علی علیہ السلام کفر وایمان کا یہ معرکہ سر کر کے پیغمبر گرامی اسلامؐ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو آنحضرتؐ نے انہیں سینہ سے لگایا، اور انکی اس عظیم خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

"ضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین"

(مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 32)

یعنی خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت ثقلین یعنی جن وانس کی عبادت سے افضل ہے

اور اہل سنت کے بہت سے مشہور ومعروف مورخین ومحدثین نے حضرت علیؑ کی خندق کی جنگ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم لمبارزة علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روز خندق علیؑ کا عمر ابن عبدود کے ساتھ جنگ کرنا میری تمام امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے۔

مستدرک الحاکم الجزء الثالث کتاب المغازی صفحہ 32

مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد 2 ص 234

معارج النبوة ملا معین رکن چہارم باب ششم صفحہ 108

ینابیع المودة شیخ سلمان قندوزی صفحہ 64-127-137

نزل الابرار مرزا معتمد خان صفحہ 39

تاریخ حبیب السیر جزء سوم صفحہ 47

سیرت حلبیہ الجزء الثانی صفحہ 341

بہرحال ان چند سورماؤں کے مارے جانے اور باقی کے پسپا ہوجانے سے کفار کی ہمتیں پست ہوگئیں اور وہ واپس اپنی لشکرگاہ میں لوٹ گئے۔ قرآن کریم اس بارے میں اس طرح کہتا ہے: "وردالذین کفروا بغیظهم لم ینالوا خیرا وکفی اللہ المومنین القتال وکان اللہ قویا عزیزا"۔ (الاحزاب۔25)

"اور اللہ تعالی نے کفار کو ان کے قلبی غیض اور جلن کے ساتھ لوٹا دیا۔ وہ کچھ بھی بھلائی اور کامیابی حاصل نہ کرسکے اور اللہ تعالی نے مومنین کو لڑائی میں کفایت فرمائی۔ اور اللہ تعالی قوی وغالب ہے"۔ ترجمہ تحفہ حسینیہ صفحہ 232

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالی نے مومنین کو لڑائی میں کفایت کس طرح فرمائی۔ کیا بغیر لڑے ہی کفایت فرمائی یا کچھ لڑائی ہوئی اور اسے کافی بنادیا تو تاریخیں بتاتی ہیں کہ لڑائی تو ہوئی اور حضرت علیؑ کے ذریعہ لشکر کفر کے سورماؤں اور نامی گرامی پہلوانوں کو قتل کرا کے اور لشکر کفر کے حوصلے پست کرا کے مومنین کو لڑائی میں کفایت فرمائی اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوگئے اور اپنے لشکر میں پہنچ کر بھاگتوں کی جان میں جان آئی۔

دوسرے ایک غیبی امداد کے ذریعہ کفایت کی وہ اس طرح کہ جب عمر ابن عبدود اور اس کے ساتھی حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ اور باقی بھاگ کر اپنے لشکرگاہ میں پہنچ گئے تو انہیں ایک زبردست بادوباراں نے آلیا۔ جس سے کفار کے خیمے تک اکھڑ گئے اور وہ بلا کی سردی میں ٹھٹھرنے لگے۔ اللہ تعالی نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اس کا حال

یوں بیان کیا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمة اللہ علیکم اذا جاء کم جنودا فارسلنا علیھم ریحا و جنودا لم تروھا"۔ (الاحزاب۔9)

اے ایمان لانے والوں اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جس وقت تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے۔ تو ہم نے ان پر ہوا کا طوفان اور ایسا لشکر بھیجا جسکو تم نے نہیں دیکھا۔

لشکر کفار کی خبر لانے کا حکم اور بعض اصحاب کی حالت

عمر ابن عبدود اور اس کے بیٹے عسل ابن عمرو، اور نوفل ابن عبداللہ کے قتل ہو جانے کے بعد جب عمر ابن عبدود کے باقی ساتھی فرار کر کے اپنے لشکر گاہ میں پہنچ گئے تو پیغمبر نے رات کو اپنے اصحاب میں سے بعض کو کفار کے لشکر کی خبر لانے کے لئے کہا۔ اہل سنت کے معروف و مشہور عالم و مفسر قرآن جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور و معروف تفسیر الدر المنثور میں اس کا حال اسطرح لکھا ہے۔

"اخرج الفریابی و ابن عساکر عن ابراھم التمیمی عن ابیہ قال قال رجل لو ادرکت رسول اللہ صلعم تحملت و لفعلت فقال حذیفہ را بنی لیلة الباردة ماقبلہ وما بعدہ برداً کان اشد منہ فحانت منی التفاتہ فقال الا رجل یذھب الی ھولاء فیاتینابخبرھم جعلہ اللہ معی یوم القیامة قال فما قام منا انسان قال فسکتوا، ثم عاد فسکتو . ثم قال یا ابا بکر فقال استغفر اللہ و رسولہ : فقال ان شئت ذھبت فقال صلعم یا عمر فقال استغفر اللہ و رسولہ ثم قال یا حذیفہ فقلت لبیک فقمت حتی اتیت وان جنبی یضربان من البرد فمسح راسی و وجھی ثم قال اذھب ائت ھولاء

القوم حتی تاتینا بخبرھم ولا تحدث حدثا حتی ترجع ثم قال اللھم احفظہ من بین یدیہ و من خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ و من فوقہ و من تحتہ حتی یرجع" (تفسیر الدر المنثور السیوطی جلد 5 صفحہ 185)

ترجمہ: امام فریابی اور ابن عساکر نے ابراھم تیمی سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے: وہ کہتا ہے کہ ایک شخص نے حذیفہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلعم کو پاتا تو میں ان کی خدمت کرتا۔ حذیفہ نے کہا کہ میں شب احزاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا حضرت نماز شب نہایت جاڑے میں پڑھ رہے تھے۔ کہ اتنی سخت سردی نہ اس سے پہلے کبھی پڑی تھی۔ اور نہ بعد میں پڑی۔ آنحضرت ہم لوگوں کی طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا کی کوئی ایسا آدمی ہے جو ان لوگوں کے پاس جا کر ان کے لشکر کی خبر ہمارے پاس لائے۔ خدا اسکو قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ داخل کریگا۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کا فرمان سنکر ہم میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ پیغمبرؐ نے پھر اپنی بات دہرائی مگر سب خاموش رہے۔ پیغمبرؐ نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا۔ مگر پھر بھی سب ساکت ودم بخود رہے۔

اس کے بعد آپؐ نے ابوبکر سے کہا کہ تم چلے جاؤ وہ معاف فرمایئے کہہ کر رہ گئے۔ حضرت عمر سے فرمایا کہ اے عمر تم چلے جاؤ وہ بھی معاف فرمایئے کہہ کر رہ گئے اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اے حذیفہ تم چلے جاؤ تو میں نے کہا لبیک۔ اور کھڑا ہو کر حاضر خدمت ہو گیا۔ اور اس وقت سردی اس شدت کی تھی کہ میرے دونوں پہلو سردی سے لرز رہے تھے۔ حضرت نے میرے سر اور چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور فرمایا اس قوم کی طرف جاؤ اور انکی خبر لاؤ مگر واپسی تک کوئی نیا کام نہ کرنا۔ اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ بار الہا جب تک یہ لوٹ کر آئے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے اس کے دائیں

اس کے بائیں سے اس کے اوپر سے اور اس نیچے سے اسکی حفاظت فرما

اس کے بعد حذیفہ کہتے ہیں۔ قال فلان یکون ارسلها کان احب الی من الدنیا و ما فیها ، قال فانطلقت فاخذت امشی نحوهم کانی امشی فی حمام قال فوجدتهم ریحا فقطعت اطنابهم وابنیتهم ذهبت بخیولهم ولم تدع شیئاً الا اهلکته وابو سفیان قاعد یصطلی عند نار له قال فنظرت الیه فاخذت سهماً فوضعته فی کبد قوسی قال و کان حذیفه رامیاً فذکرت قول رسول الله صلعم لاتحدثن حدثا حتا ترجع قال فردت سهمی فی کنانتی"

(تفسیر درالمنثور سیوطی جلد 5 صفحہ 185)

ترجمہ: اس آدمی نے (جس نے یہ کہا تھا کہ اگر میں رسول اللہ کو پاتا تو انکی خدمت کرتا) کہا اگر پیغمبر اکرم مجھے بھیجتے تو یہ بات میرے لیے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہوتی۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے دعا دینے کے بعد میں کفار کی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور اب آنحضرت کی دعا کی برکت سے مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ میں گرم حمام میں چل رہا ہوں جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان پر ایسی آندھی آئی ہے۔ جس سے انکے خیموں کی طنابیں اور میخیں اکھڑ گئی ہیں۔ ان کے گھوڑے بھاگ گئے ہیں۔ اور کل چیزیں تباہ و برباد ہو گئی ہیں۔ اور ابوسفیان کھڑا ہوا آگ تاپ رہا ہے۔ حذیفہ بڑے نشانہ باز تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کی طرف دیکھا۔ تیر کو ترکش سے نکالا اور اس کو نشانہ پر مارنے کے لئے کمان میں جوڑا مگر مجھے رسول اللہ صلعم کا ارشاد یاد آ گیا کہ اپنی واپسی تک کوئی نیا کام نہ کر بیٹھنا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کا ارشاد یاد آتے ہی میں نے تیر کو واپس ترکش میں رکھ لیا۔ اور میں نے واپس آ کر آنحضرتؐ کو صورت حال سے آگاہ کیا اس کے بعد حذیفہ کہتے ہیں۔ فلما اصبحوا هزم الله الاحزاب و هو قوله فارسلنا علیهم ریحاً و

جنوداً۔ (تفسیر درالمنثور جلد 5 صفحہ 185)

پھر جب صبح ہوئی تو وہ لشکر بھاگ گیا۔ اس کی طرف آیہ کریمہ "فارسلنا علیهم ریحاً و جنوداً لم تروها (یعنی ہم نے ان پر ہوائے تند اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہ دیکھا) میں اشارہ ہے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اس میں شک نہیں کہ شجاع اور بہادر لوگوں کے مقابلے میں جنگ کرنے کے لئے میدان میں جانا ہر کسی کا کام نہیں ہے بلکہ یہ کام شجاع اور بہادر لوگ ہی انجام دیتے ہیں۔ لیکن عمرو ابن عبدود اور عسل ابن عمرو اور نوفل ابن عبداللہ جیسے شجاعان عرب کے حضرت علی کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد رات کی تاریکی میں، خاموشی کے ساتھ آنحضرت کی دعاؤں کے سایہ تلے۔ دشمن کے لشکر گاہ کی خبر لینے کے لئے جانا ایسا کام نہیں تھا جس کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے حکم و فرمان کو ماننے سے انکار کیا جائے اور پھر ایسی حالت میں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ یہ فرما رہے ہیں کہ جو کوئی دشمن کے لشکر کی خبر لا کر دے گا وہ قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکر بھی اور حضرت عمر بھی خاص طور پر نام لیکر حکم دینے کے باوجود جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو انہیں آنحضرت کی بات کا یقین نہیں تھا۔ یا جنت پر ایمان ہی نہ رکھتے تھے۔ یا اپنے دنیاوی منصوبوں کی تکمیل کے لئے ایسا رسک لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ جس میں جان کو کسی بھی قسم کا خطرہ کا خیال ہو۔ اور یہ تینوں باتیں بحیثیت مجموعی بھی ہو سکتی ہیں۔

لیکن حضرت حذیفہ سے جب وہ کام کہا گیا۔ تو انہوں نے فوراً لبیک کہا۔ اور آنحضرت کی دعاؤں کے سایہ تلے روانہ ہو گئے۔ اور آنحضرت کے حکم کی اتنی پاسداری کی کی تیر کمان میں جوڑ کر جب آنحضرت کا حکم یاد آیا تو تیر کمان سے نکال کر واپس رکھ لیا تا

کہ آنحضرت کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو اور دشمن کے لشکر گاہ کی جو حالت دیکھی تھی وہ آ کر بیان کر دی۔ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ایسے اصحاب پیغمبر قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے لائق ہیں۔ جنہوں نے وہ لائق قدر کام کیا۔ اور قران و حدیث و تاریخ نے بھی انہیں کی تعریف کی ہے نہ کہ ان کی جنگی حالت لشکرِ کفر کو دیکھ کر ایسی ہو گئی جیسے کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہو، یا جنگی حالت ایسی ہو گئی ہو کہ جیسا کہ اس کی ہوتی ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ اور جو ایسے مقام پر جانے سے بھی انکار کر دے جہاں دشمن سے مقابلہ کی کوئی بات نہ ہو اور پیغمبر اسے قیامت کے دن اپنے ساتھ جنت میں رہنے کی بشارت بھی دے رہے ہوں۔ اور آپکا نام بھی واضح طور پر لیا ہو۔

پس قران کریم میں تعریف والی بات ان ہی کی شان میں ہیں جنہوں نے وہ قابل تعریف کام کیا ہے۔ اور مذمت والی آیات بھی ان ہی کی شان میں ہیں جنہوں نے وہ قابل مذمت کام کیا ہو۔ نہ تعریف والی آیات کو ان پر چپکایا جا سکتا ہے جنہوں نے وہ تعریف والا کام ہی نہ کیا ہو اور نہ ہی مذمت والی آیات ان سے منصوب کی جا سکتی ہیں جو اس کے مرتکب نہیں ہوئے

صلح حدیبیہ اور شہادت قران

حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے اصحاب کا پیغمبر کی بیعت کرنے کا حال خدا نے اسطرح سے بیان کیا ہے

"ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفیٰ بما عھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما"

(الفتح آیت 10)

بیشک جو لوگ تجھ سے بیعت کر رہے ہیں وہ خدا سے بیعت کر رہے ہیں اور خدا کی قوت و قدرت ان سب کی قوت و قدرت پر غالب ہے پس جو کوئی اب یہ عہد کرنے کے بعد اس عہد کو توڑے گا تو وہ اپنے نقصان کے لئے عہد توڑے گا اور جس نے اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کریگا تو خدا اسکو اجر عظیم عطا فرمائیگا۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اس آیت کو فوق ایدیھم تک نقل کیا ہے۔ اور باقی کو چھوڑ دیا ہے۔ جو اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ یہ بیعت دراصل ایک عہد تھا نہ صرف رسول کے ساتھ بلکہ خدا کے ساتھ بھی اجر کا مستحق صرف وہی ہوگا جو اس عہد پر قائم رہے گا۔ اور جو اس عہد کو توڑ دیگا وہ اپنا ہی نقصان کریگا۔

پیغمبر کو بیعت لینے کی ضرورت کیوں پڑی

مسلمان پر خدا کے حکم سے پیغمبر کی اطاعت فرض تھی اور جنگ بدر سے پہلے خدا کی طرف سے جہاد واجب ہو چکا تھا اور جنگ بدر۔ جنگ احد، اور جنگ خندق میں پیغمبر نے کوئی بیعت نہ لی تھی لہذا قابل غور بات یہ ہے کہ اب حدیبیہ کے مقام پر بیعت لینے کی ضرورت کیوں پڑی؟ جبکہ پیغمبر آئے بھی عمرہ کرنے کے لئے تھے۔ جنگ کرنے کے ارادہ سے نہ آئے تھے۔ اور کفار قریش کے عمرہ کرنے میں مانع ہونے کی وجہ سے ساری سفارت کاری اس بات پر ہو رہی تھی کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں، بلکہ عمرہ بجا لا کر واپس چلے جائیں گے۔ پیغمبر نے پہلے فراش ابن امیہ خزاعی کو قریش کے پاس سفارت کے لئے بھیجا مگر قریش نے انکی بات نہ مانی پھر آنحضرت نے حضرت عمر کو جانے کا حکم دیا کہ وہ جا کر قریش کو سمجھائیں کہ ہم صرف عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مگر حضرت عمر نے جس طرح جنگ خندق میں صرف لشکر کفار کے حالات معلوم کرنے کے لئے جانے سے معذرت کر لی

تھی اب بھی معذرت کر لی اور اپنی جان کے خطرے کا عذر پیش کر کے حضرت عثمان کا نام تجویز کیا کہ وہ مجھ سے زیادہ با اثر ہیں" (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 138)

حضرت عمر کے معذرت کر لینے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے حضرت عثمان کو دس مہاجرین کے ہمراہ قریش کے پاس سفارت کے لئے روانہ کیا۔ ان لوگوں نے قریش کو پیغمبر کا پیغام پہنچایا مگر قریش نے انکی بات نہ مانی اور انہیں اپنے ہاں روک لیا۔ ان لوگوں کے مکہ روک لئے جانے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان اور دوسرے مہاجرین قتل کر دیے گئے۔ اس افواہ پر مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور کہنے لگے کہ ہم اس قتل کا بدلہ لئے بغیر مدینہ واپس نہیں جائینگے۔ اگرچہ پیغمبرؐ کو مسلمانوں سے اس موقع پر بیعت لینے کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ مسلمانوں پر ہر صورت میں پیغمبر کی اطاعت واجب تھی اور حکم جہاد نافذ ہو چکا تھا۔ جس کے تحت اس سے پہلے تین بڑی جنگیں لڑی جا چکی تھیں لیکن پیغمبرؐ بدر اور احد و خندق میں جو مدینے میں ہی رہتے ہوئے لڑی گئی تھیں اپنے اصحاب کی حالت دیکھ چکے تھے جنہیں ہم تفصیل کے ساتھ سابقہ اوراق میں بیان کر آئے ہیں۔ لہذا اب جو آنحضرت نے مسلمانوں کو جنگ پر مصر دیکھا تو انہیں اس خیال سے کہ کہیں یہ وقتی اور ہنگامی جوش و ولولہ نہ ہو اور وقت آنے پر پہلے کی طرح راہ فرار اختیار نہ کر جائیں۔ انہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں میدان سے راہ فرار اختیار نہ کرینگے اور پورے ثبات قدم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرینگے۔ جیسا کہ تاریخ طبری میں جابر بن عبداللہ کے قول سے ثابت ہے کہ:

بایعنا رسول اللہ علی ان لانفر" (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 279)

جابر ابن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم راہ فرار اختیار نہیں کرینگے۔ بیعت کی وہ آیت جس کا آدھا حصہ پیش کر کے علامہ محمد

اشرف سیالوی صاحب نے یہ کہا ہے کہ اس آیت مقدسہ میں اس بیعت رضوان میں شامل حضرات کا کس قدر اعزاز و اکرام ہے۔ لیکن یہ آیت مشروط ہے عہد کے نہ توڑنے کے ساتھ اگرچہ خداوند تعالیٰ سورہ انفال کی آیت نمبر 16-15 میں یہ دستور العمل دے چکا تھا کہ:

"اے ایمان لانے والو جب تمہارا کفار سے میدان جنگ میں مقابلہ ہو تو انکی طرف سے پیٹھ نہ پھیرنا اور اس شخص کے سوا جو لڑائی ہی کے لئے پینترا بدلے یا اپنی فوج کے کسی حصہ سے جا کر ملتا ہو جو شخص بھی اس جنگ والے دن کفار کی طرف سے پیٹھ پھیرے گا وہ یقینی طور پر خدا کے غضب میں آ گیا اور اسکا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

لیکن اصحاب پیغمبرؐ نے نہ تو خدا کے غضب کی پرواہ کی اور نہ ہی جہنم سے ڈرے لہذا پیغمبر نے ضروری سمجھا کہ اگر ان کے اشتعال کی وجہ سے لڑائی چھڑ گئی اور یہاں دشمن کے گھر آئے ہوئے انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی تو بہت برا ہوگا۔ لہذا پیغمبرؐ نے ان سے اس بات پر بیعت لی یعنی یہ عہد لیا کہ وہ جنگ سے فرار نہیں کرینگے۔ لیکن صلح کی وجہ سے یہاں جنگ کی نوبت نہ آئی مگر جنگ خیبر اور جنگ حنین جو صلح حدیبیہ کے معاہدہ اور عہد کے بعد لڑی جانے والی جنگیں ہیں ان میں ان اصحاب نے اس عہد کو توڑ دیا اور راہ فرار اختیار کرنے میں وہی اپنی عادت پر قائم رہے۔ چنانچہ خیبر میں حضرت ابوبکر ایک دفعہ گئے اور واپس بھاگ آئے۔ حضرت عمر دو دفعہ گئے اور دونوں دفعہ بھاگ آئے۔ فوج انکو بزدل کہتی تھی اور وہ فوج کو بزدل کہتے تھے"

(ازالۃ الخلفا شاہ ولی اللہ مقصد دوم صفحہ 59)

(مناقب مرتضوی ترجمہ خصائص نسائی مطبع محمد لاہور

(روضۃ الصفا جلد دوم ص 132

(تاریخ ابوالفدا جلد اول ص 140)

(روضۃ الاحباب جلد اول صفحہ 261 نول کشور صفحہ 385

جب پیغمبر کے کانوں میں لشکر کا یہ شور پہنچا تو اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ۔ کل میں یہ علم اس مرد کو دونگا جو کرار و غیر فرار ہوگا وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ اسکے ہاتھ پر خیبر کو فتح کریگا۔ (بخاری)

"بہر حال یہ بیعت اس بات پر لی گئی کہ وہ راہ فرار اختیار نہیں کرینگے۔ اس بیعت کو بیعت رضوان بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اس بات کا عہد کیا ہے کہ وہ جنگ کی صورت میں فرار نہیں کرینگے۔

اس بیعت کی تکمیل کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان اور دوسرے مہاجرین کے قتل کئے جانے کی افواہ غلط تھی اور قبل اس کے کہ جنگ کی نوبت آئے وہ سب صحیح وسلامت واپس آگئے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جنگی ولولہ سرد پڑ گیا ادھر مشرکین قریش بھی لڑائی کے حق میں نہ تھے۔ چنانچہ دونوں طرف سے صلح پر رضامندی کا اظہار ہونے کے بعد کفار کی طرف سے حویطب اور سہیل ابن عمرو کو پیغمبر کی طرف سے حضرت علی کو صلح کی بات چیت کیلئے مقرر کیا گیا۔ جیسا کہ طبری لکھتے ہیں کہ:

"ان قریشا بعثوا سھیل ابن عمرو و حویطبا فولوھم صلحھم و بعث النبی علیا علیہ السلام فی صلحہ" (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 278)

"قریش نے سہیل ابن عمرو اور حویطب کو صلح کے اختیارات دے کر بھیجا اور آنحضرت نے علی علیہ السلام کو صلح کی گفتگو کے لئے منتخب فرمایا۔

حکم صلح کی مصلحت

خداوند تعالیٰ قران مجید میں ارشاد فرماتا ہے

"ولو لا رجال مومنون و نساء مومنات لم تعلموھم ان تطئوھم فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم لیدخل اللہ فی رحمتہ من یشاء لوتذیلوا لعذبنا الذین کفرو امنھم عذاباً الیما (سورہ الفتح آیت 25)

اگر کچھ ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں مکہ کے اندر نہ ہوتیں جن سے تم واقف نہ تھے تو انکو (لڑائی میں کفار کے ساتھ) پامال کر ڈالتے پس تم کو انکی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (لہذا یہ صلح اس لئے کرائی تا کہ) خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور اگر وہ ایماندار کفار سے الگ ہو جاتے تو ان میں جو لوگ کافر تھے ہم انہیں دردناک عذاب کی سزا دیتے۔

حضرت شیخ السلام مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ف 2: یعنی کچھ مسلمان مرد و عورت جو مکہ میں مقہور و مظلوم تھے۔ اور مسلمان ان کو پوری طرح جانتے نہ تھے۔ وہ لڑائی میں بے خبری میں پیس دیئے جائیں گے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو فی الحال لڑائی کا حکم دے دیا جاتا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو تم خود اس قومی نقصان پر متاسف ہوتے اور کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ دیکھو مسلمان مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اس خرابی کے باعث لڑائی موقوف رکھی گئی تا وہ مسلمان محفوظ رہیں۔ اور تم پر اس بے مثال صبر و تحمل کی بدولت خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔ نیز کافروں میں سے جن لوگوں کا اسلام لانا مقدر ہے ان کو بھی لڑائی کی خطرناک گڑبڑ سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کرے۔"

ف 3: یعنی اگر کفار مسلمانوں سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں سے کافروں کو کیسی دردناک سزا دلواتے ہیں۔

(تفسیر عثمانی صفحہ 667)

اگرچہ تاریخ کے بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کفار ہی صلح کے لئے آمادہ ہوگئے اور

آنحضرت صلعم نے انکے ارادہ صلح سے اتفاق کرلیا۔لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ آنحضرت نے یہ صلح خدا کے حکم سے فرمائی۔اور اس صلح میں خدا نے یہ مصلحت بیان فرمائی کہ لڑائی کی صورت میں وہ مسلمان جو کفار کے ساتھ رہ رہے تھے وہ بھی مارے جاتے۔لہذا پیغمبر کی اس صلح سے اصحاب کی ناراضگی اور برہمی صرف پیغمبر کے ساتھ ناراضگی اور برہمی نہ تھی بلکہ یہ حکم خدا کے خلاف بھی ناراضگی اور برہمی تھی۔

اکثر صحابہ کا غصہ، ناراضگی کا عالم اور نبوت میں شک کرنا

جیسا کہ سورہ فتح کی آیات سے ثابت ہے کہ یہ صلح پیغمبر نے خدا کے حکم سے فرمائی تھی۔لیکن اس کے باوجود بہت سے صحابہ اتنے ناراض ہوئے کہ آنحضرت کی نبوت میں ہی شک کرنے لگ گئے۔چنانچہ حضرت عمر نے اپنے اس شک کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ:"واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ"(تاریخ خمیس جلد 2 صفحہ 32)

خدا کی قسم میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس دن کے سوا کبھی شک نہیں کیا۔صحابہ کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ جب آنحضرت نے معاہدہ صلح کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ قربانیاں کرو اور سر کے بال منڈواؤ۔تو جو کچھ دیر پہلے بیعت کرکے آنحضرت کے حکم پر سر تسلیم خم کرنے کا عہد کرچکے تھے نافرمانی پر اتر آئے۔اور بار بار کہنے کے باوجود نہ قربانی کرنے پر آمادہ ہوئے نہ سر منڈوانے پر۔مورخ شہیر ابن جریر طبری لکھتے ھیں۔"واللہ ماقام منھم رجل حتی قال ذالک ثلاث مرات"

(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 283)

یعنی خدا کی قسم آنحضرتؐ کے تین مرتبہ حکم دینے کے باوجود کوئی بھی تعمیل کیلئے کھڑا نہ ہوا۔جب آنحضرتؐ نے یہ صورت حال دیکھی تو کبیدہ خاطر ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے

اور خود اپنی طرف سے قربانی کر کے اور سر منڈوا کر احرام کھول دیا۔جب صحابہ نے دیکھا کہ اب پیغمبرؐ کے فیصلہ میں تبدیلی نہیں آسکتی۔تو کچھ لوگوں نے بادل نخواستہ سر منڈوائے اور اکثر لوگوں نے صرف تھوڑے تھوڑے بال ترشوائے مگر ان کا غم وغصہ کسی طرح بھی کم نہ ہوا ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔

"جعل بعضھم یحلق بعضا حتی کاد بعضھم یقتل بعضا غما"

(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 283)

وہ آپس میں ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غم و غصہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کردینگے۔

جب پیغمبرؐ نے سر منڈانے والوں کو دیکھا تو فرمایا کہ خدا ان سر منڈوانے والوں پر رحم کرے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ فلما ظاھرت الترحم للمحلقین دون المقصرین، قال لا نھم لم یشکوا" (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 283)

یا رسول اللہ آپ نے سر منڈوانے والوں کے لئے دعائے رحمت کی ہے اور بال ترشوانے والوں کے لئے کچھ نہیں کہا فرمایا اس لئے کہ انہوں نے میری نبوت میں شک نہیں کیا۔اس سے ثابت ہوا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نہ صرف حضرت عمر کو آنحضرت کی نبوت میں شک ہوا تھا بلکہ ان کے علاوہ حضرت عمر کا ساتھ دینے والے اور بھی بہت سے اصحاب تھے جو پیغمبر کی نبوت میں شک کررہے تھے۔

اب علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب خود ہی غور کریں کہ پیغمبر کی نبوت میں شک کرنے والے یہ اصحاب کس تعریف کے مستحق ہیں اور یہ بھی سوچیں کہ اگر خدا کسی آدمی کے ایمان لانے پر راضی ہو اور اپنی رضا کا اظہار کردے اور وہی آدمی پھر کافر ہو جائے تو کیا خدا کی یہ رضا اور اسکا راضی ہونا وہیں کا وہیں تمہارے گا۔

غزوہ حنین اور شہادت قرآن

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے مذکورہ عنوان کے تحت سورۃ توبہ کی آیت نمبر 25-26 سے اسطرح استدلال کیا ہے۔

''قال تعالیٰ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرہ و یوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاً و ضاق علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین. ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا ذالک جزاء الکافرین''

(سورہ توبہ آیت 10)

اس آیت کا ترجمہ سیالوی صاحب نے اسطرح کیا ہے۔

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور علی الخصوص حنین کے دن جب کہ تمہیں تمھاری عددی کثرت بھلی معلوم ہوئی تو وہ کچھ تمھارے کام نہ آئی اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ دے کر پھرے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین نازل کی اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور ایسے لشکر اتارے جو تم نہیں دیکھتے تھے۔ اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کی یہی سزا ہے۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علامہ سیالوی صاحب لکھتے ہیں اس آیت کریمہ میں غزوہ حنین کے سرکار پر سکینت اور خصوصی اطمینان کا نزول ملائکہ کے ذریعہ انکی امداد کا صریح بیان ہے۔ اور ظاہر ہے جن کو اللہ تعالیٰ مومن بھی کہے ان پر سکینت بھی نازل کرے اور ملائکہ کے ذریعہ انکی امداد و نصرت بھی فرمائے کون سا مومن ہوگا جو ان کے متعلق شک و شبہ کا شکار ہوگا۔ اور تذبذب واضطراب کا مرتکب۔ کیونکہ نصرت خداوندی کے حقدار انبیاء و

رسل ہوتے ہیں یا مومنین مخلصین ''قال تعالی انا لننصر رسلنا والذین آمنوا''

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے سب سے پہلے تو اس آیت کے ترجمہ میں تصرف کیا ہے۔ واذا اعجبتم کثرتکم کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ جب کہ تمہیں تمہاری عددی کثرت بھلی معلوم ہوئی حالانکہ لغت میں راغب اصفہانی نے اسکا ترجمہ یہ کیا ہے۔ اور جنگ حنین کے دن جبکہ تم کو اپنی کثرت پر غرہ تھا۔

اس ترجمہ میں علامہ سیالوی صاحب نے اپنے ممدوح کو مذمت سے بچانے کے لئے ڈنڈی ماری ہے اور ان کے اپنی کثرت پر مغرور ہونے کو چھپایا ہے۔ یہ مغرور ہونا اس بنیاد پر تھا کہ آج تک جتنی جنگیں ہوئیں ان میں مسلمانوں کا تناسب کفار کے مقابلے میں تہائی ہوتا تھا۔ مگر آج کا تناسب تین گنا تھا یعنی کفار کی تعداد 4000 تھی اور مسلمانوں کا لشکر 12000 پر مشتمل تھا اس کثرت کی وجہ سے بعض اصحاب میں ایک نخوت اور غرور کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ علامہ شبلی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ:۔

''شوال سنہ 8ھ مطابق جنوری و فروری 630 اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین کی طرف بڑھیں کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا۔ کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے'' لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔: ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شینا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔ التوبہ

اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

(سیرہ النبی شبلی جلد اول صفحہ 504)

علامہ سیالوی صاحب نے جہاں اعجبتکم کثرتکم کے معنی کرنے میں

ڈنڈی ماری ہے وہاں ثم ولیتم مدبرین کا ترجمہ کرنے میں بھی ڈنڈی مار گئے اور اسکا
ترجمہ یہ کیا ہے کہ پھر تم پیٹھ دے کر پھرے"۔ لیکن اسکا صحیح ترجمہ وہ ہے جو شبلی صاحب نے کہا
ہے کہ پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے: اور پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلنے والوں کے لئے سزا جہاد واجب
کرنے کے ساتھ ہی سنا دی گئی تھی۔

علامہ سیالوی صاحب یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں کہ قرآن جب کسی کی
مدح کرتا ہے تو عمومی طور پر خطاب کرتا ہے، کسی کا نام نہیں لیتا۔ مگر اس کی حقیقی مراد وہی ہوتا
ہے جس نے وہ لائق مدح کام کیا ہے۔ اس طرح جب کسی کی مذمت کرتا ہے تو بھی عمومی طور
پر خطاب کرتا ہے کسی کا نام نہیں لیتا مگر اسکی حقیقی مراد وہی ہوتا ہے جس نے وہ قابل مذمت
کام کیا ہے

چنانچہ تاریخ یہ کہتی ہے کہ اپنی کثرت کو دیکھ کر یہ ناز کرنے والے حضرت ابوبکر
تھے۔ اور انہوں نے لشکر اسلام کی کثرت دیکھ کر یہ کہا تھا کہ " لن نغلب الیوم من قلة"
آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے۔" ہو سکتا ہے کہ علامہ سیالوی
صاحب اس بات کو تسلیم نہ کریں اور یہ کہیں کہ یہ کوئی صحابی نہیں تھا بلکہ پنجاب کا کوئی سکھ تھا
جس نے یہ کہا۔ لیکن آیت کے الفاظ یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ کوئی صحابی ہی تھا جو پچھلی جنگوں
میں اپنی فوجوں کی قلت کی وجہ سے شکست سے دوچار ہو چکا تھا۔

جنگ حنین میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

فتح کی بجائے وہلہ اول میں مطلع صاف تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو
رفقائے خاص میں سے کوئی بھی پہلو میں نہ تھا۔ ابوقتادہ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے

کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے
میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی اس نے مڑ کر مجھ کو
اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا اسی اثنا میں میں نے
حضرت عمر کو دیکھا پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی"

(سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ 505-504)

علامہ شبلی نے وہلہ اول میں مسلمانوں کی شکست لکھی ہے لیکن علامہ سید سلمان
ندوی نے سیرۃ النبی کے حاشیہ میں صفحہ 505 پر اس بات سے اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں

"مصنف نے اول وہلہ میں مسلمانوں کی شکست تسلیم کی ہے۔ یہ ابن اسحٰق وغیرہ
اہل سیر کی رائے ہے لیکن حدیث صحیح کا بیان یہ ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی لوگ
غنیمت پر ٹوٹ پڑے دشمنوں کے تیراندازوں نے موقع پا کر تیراندازی شروع کر دی جس
سے مسلمانوں میں بے ترتیبی انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگی۔ بخاری میں حضرت براء کے
الفاظ یہ ہیں۔ "وانا لما حملنا علیهم انکشفوا فاکببنا علی الغنائم فاستقبلنا
بالسهام" (بخاری غزوہ حنین)

اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ مال
غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہم کو تیروں پر دھر لیا۔

(حاشیہ سیرت النبی شبلی صفحہ 505 بحوالہ بخاری شریف)

عام بھگدڑ

مسلمان اس ناگہانی حملہ کے لئے تیار نہ تھے لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی یہاں تک
کہ ایک دوسرے کی خبر نہ رہی۔ اور جدھر جس کا رخ ہوا ادھر نکل گیا۔ صحیح بخاری نے ابوقتادہ کا

بیان اسطرح نقل کیا ہے۔ انهزم المسلمون وانهزمت معهم فاذا العمر ابن الخطاب في الناس فقلت ماذا شان الناس قال امر لله"

(صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 45)

یعنی مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی۔ اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگ نکلا۔ اچانک میں نے ان بھاگنے والے لوگوں میں عمر ابن الخطاب کو دیکھا تو میں نے کہا کہ کیا ہو گیا ہے لوگوں کو حضرت عمر نے کہا اللہ کی مرضی۔

پیغمبر اکرم صلعم اور انکے اصحاب خاص کا استقلال

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

"تیروں کا مینہ برس رہا تھا بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئیں تھی۔ لیکن ایک پیکر مقدس پا بر جا تھا؛ (سیرت النبی شبلی جلد اول صفحہ 510)

دوسرے مسلمان تو بھاگ گئے تھے مگر تعجب اس امر پر ہے کہ روز صلح حدیبیہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے اور موت پر پیمان باندھنے والے بھی ثابت قدم نہ رہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارہ ہزار کا جم غفیر راہ فرار اختیار کر گیا۔ اور پیغمبر کے پاس ایک روایت کے مطابق صرف چار آدمی باقی رہ گئے ایک علی ابن ابی طالب، دوسرے عباس ابن عبد المطلب، تیسرے ابوسفیان بن حارث اور چوتھے عبد اللہ ابن مسعود انصاری اور دوسری روایت کے مطابق دس آدمی ثابت قدم رہے۔ نمبر 1 علیؑ ابن ابی طالب، نمبر 2 عباس ابن عبد المطلب، نمبر 3 فضل ابن عباس، نمبر 4 ابوسفیان بن حارث، نمبر 5 ربیعہ ابن حارث نمبر 6 عبد اللہ ابن زبیر ابن عبد المطلب نمبر 7 عتبہ ابن ابولہب نمبر 8 معتب ابن ابولہب نمبر 9 ایمن ابن عبید نمبر 10 خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ۔

اس فہرست کو دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ ثابت قدم رہنے والے سب کے سب پیغمبر کے قریبی عزیز اور کچھ انصار تھے عتبہ اور معتب پسران ابولہب اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے مگر وہ بھی بیعت رضوان کرنے والوں کی نسبت زیادہ ثابت قدم ثابت ہوئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے اگرچہ جنگ احد کے بارے میں کہا ہے کہ وہاں بھی یہی صورت حال تھی،

احد میں کوئی پہاڑ پر تھا نبی کا سینہ سپر تھا کوئی

ہزار دعوے ہوں دوستی کے جگر جگر ہے دگر دگر ہے۔

پیغمبر اکرم خچر پر سوار میدان میں کھڑے تھے عباس اور فضل آپ کے دائیں بائیں استادہ تھے ابوسفیان بن حارث عقب سے زین پکڑے ہوئے تھے اور حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے سامنے تلوار سے دشمن کی یلغار روک رہے تھے اس وقت آنحضرتؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے جو آپ کے اطمینان قلب وسکون قلب کا ترجمان ہے۔

انا النبی لا کذب . انا ابن عبد المطلب

میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں (صحیح مسلم غزوہ حنین)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب بیشک خدا کا فرمان بالکل درست ہے اس نے مومنین پر اپنی سکینہ نازل فرمائی مگر ثابت قدم رہنے والوں پر۔ بھاگنے والوں کے لئے تو انکا بھاگنا گواہ ہے، کہ انہیں جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور وہ اپنی جان بچانے کیلئے بھاگ رہے تھے اور یقیناً خدا نے مدد بھی ان ہی ثابت قدم رہنے والے مومنین کی فرمائی اور ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جنہیں کسی نے نہیں دیکھا۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں پیغمبرؐ کے مذکورہ الفاظ نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو

انہوں نے نعرہ مارا "یامعشر الانصار یااصحاب الشجرہ ۔اوگروہ انصار ۔او اصحاب شجرہ (بیعت رضوان والے) (سیرت النبی جلد اول صفحہ 510)

یا اصحاب شجرہ کے الفاظ کے ذریعہ آواز دلوانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر یہ جتلا رہے تھے کہ تم نے تو روز صلح حدیبیا اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم جنگ سے فرار نہ کرینگے ۔اب تم کو کیا ہو گیا ہے۔ اگر اس دن بھی جنگ کی نوبت آجاتی تو تم اس دن بھی یہی کچھ کرتے ۔علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ثابت قدم رہنے والوں کے فضائل کی آیات کو بھاگنے والوں پر چپکانے سے کسی طرح بھی وہ مطلب حاصل نہیں ہوسکتا۔ جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جنگ تبوک اور شہادت قرآن

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے مہاجر وانصار کی تعریف میں جو آیات بحیثیت مجموعی نازل ہوئی ہیں ان سے جنگ تبوک اور شہادت قران کے عنوان میں استدلال کیا ہے جنکا اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم جنگ تبوک کے کچھ حالات اور نتائج مختصر طور پر بیان کرتے ہیں

جنگ تبوک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی وہ آخری جنگ ہے۔ جو نہ ہونے کے باوجود جنگ کہلاتی ہے۔ اس کے اسباب میں اکثر محدثین و مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ شام کے تاجروں کے ذریعہ یہ خبر ملی تھی کہ ہرقل بادشاہ روم مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کررہا ہے۔ لہذا پیغمبر اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ: شام سے قبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے انہوں نے خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر جمع کیا ہے۔ اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کردی ہیں۔

اس فوج میں لخم، جذام، غسان کے تمام عرب شامل ہیں اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک آگیا ہے۔ مواہب لدنیہ میں طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں اس بناء پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کیں۔

(سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ 533-534)

اور ابن خلدون نے اس طرح لکھا ہے۔

اس غزوہ کے محرک اصلی خود ہرقل بادشاہ قسطنطنیہ ہوا، کیونکہ وہ آپ کی پیہم کامیابیوں کو سن کر بقصد حملہ تیاری کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی خبر آپ کو بھی ہوئی تو آپ نے ماہ رجب 9ھ میں رومیوں کے خلاف جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دیدیا۔

(تاریخ ابن خلدون حصہ اول صفحہ 176)

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ علامہ شبلی نے اپنے کتاب سیرۃ النبی میں آگے چل یہ لکھا ہے کہ "تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی" (سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ 536)

کیا واقعا یہ خبر غلط تھی

یہ سوال انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ کیا واقعا یہ خبر غلط تھی کہ ہرقل بادشاہ روم حملہ کی تیاری نہیں کررہا تھا۔ کیونکہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ خبر غلط تھی تو پھر پیغمبر اکرم صلعم کی بات تو رہی ایک طرف جنہیں بنی امیہ کے زیر اثر حدیثیں، تاریخیں اور سیرت کی کتابیں لکھنے والوں اور اصحاب پیغمبر کا دفاع کرنے والوں نے ایک عام آدمی سے بھی گرا ہوا بنا دیا ہے۔ اور اس سے صرف شام کے قبطی تاجروں کی پہنچائی ہوئی خبر ہی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی بلکہ اس صورت میں تو خدا و جبرئیل و وحی و قران سب ہی جھوٹے بن جاتے ہیں (نعوذ باللہ)

کیونکہ اس غلط خبر پر عمل کرنے میں اور جنگ کی تیاریوں کے سلسلہ میں صرف پیغمبر ہی نہیں بلکہ خدا و جبرئیل و وحی و قران سب کے سب ملوث نظر آتے ہیں۔ اور سورہ توبہ کی آیت نمبر 38 سے لیکر آیت نمبر 183 تک تقریبا 85 آیات جنگ تبوک کے سلسلہ میں مسلمانوں کو ترغیب و تحریص و ترہیب و تعزیر و نفرین کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

چونکہ اس وقت گرمی کی شدت قحط کی پریشانی مسافت کی دوری۔ اپنی قلت۔ دشمن کی کثرت اور خرمہ کی تیاری کا وقت تھا لہذا لوگ جانے میں تامل کر رہے تھے۔ طرح طرح کے عذر تراشے جا رہے تھے اور خدا کی طرف سے جنگ کے لئے نکلنے کے سلسلہ میں تیاری کرنے کے بارے میں آیات کے نزول کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ کو غیب کا علم نہیں تھا لہذا شام کے تاجروں کی غلط خبر پر اعتبار کر لیا۔ اور جنگ کے ارادہ سے روانہ ہو گئے۔ تو خدا تو یقیناً عالم الغیب ہے خدا نے اس جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں جتنی آیات نازل کیں۔ اتنی کسی بھی جنگ کے بارے میں نازل نہیں کیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا نے واضح طور پر اس جنگ کے لئے جانے کا ان الفاظ کے ساتھ حکم دیا۔

"یا ایھا الذین آمنو مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل" (التوبہ۔38)

ترجمہ: اے ایمان لانے والوں تم کو کیا ہو گیا ہے جس وقت تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین پر بوجھل ہو جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے مقابل زندگانی دنیا پر راضی ہو گئے۔ حالانکہ زندگانی دنیا کا سرمایہ آخرت کے مقابل کچھ بھی نہیں ہے اور بالکل ہیچ ہے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب آیت مذکور میں غور کریں یہ آیت تمام اہل ایمان سے مخاطب ہے اور اصحاب پیغمبر کی کیسی تصویر کھینچ رہی ہے مگر ہمارے نزدیک قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ عمومی طور پر جمع کے صیغہ کے ساتھ مخاطب کرتا ہے۔ مگر مدح ہو یا مذمت مراد اس سے وہی ہوتا ہے جس سے وہ فعل سرزد ہوا۔ اس آیت سے آگے ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے۔ الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیماً التوبہ۔39

اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو خدا تم کو دردناک عذاب دیگا۔ اس آیت میں بھی خطاب اصحاب ہی سے ہے یہ پنجاب کے سکھوں سے خطاب نہیں تھا مگر اس سے مراد صرف وہی تھے جو ایسا کر رہے تھے۔ لہذا مہاجرین و انصار کی عمومی انداز میں تعریف ہو یا مذمت، نہ وہ سب کی تعریف ہوتی ہے اور نہ ہی سب کی مذمت ۔تعریف تو انکی ہوتی ہے جس نے وہ تعریف کا کام کیا اور مذمت اسی کی ہوتی تھی جس نے وہ مذمت والا کام کیا۔

بہر حال سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنے سخت احکامات دیتے وقت کیا خدا کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ خبر غلط ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یقیناً خدا کو علم تھا کہ یہ خبر بالکل صحیح ہے۔ اور خدا کو یہ بھی علم تھا کہ وہاں جنگ بھی نہیں ہوگی۔ اور جب اس سلسلہ میں وحی کا نزول جاری تھا اور وحی نازل ہو رہی تھی جو قرآن میں محفوظ ہے تو یقیناً پیغمبر کو بھی بذریعہ وحی یہ علم تھا کہ یہ خبر بھی صحیح ہے اور یہ جنگ بھی نہیں ہوگی۔

چونکہ اس جنگ کے ذریعہ مستقبل کے لئے بہت سے سبق اور بہت سی ہدایات دینی مطلوب تھیں اور اس جنگ کے ساتھ بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں وابستہ تھیں لہذا خدا نے پیغمبر کو بھی بذریعہ وحی۔ ان حکمتوں اور مصلحتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔

اور بعض سیرۃ اور تفسیر کی کتابوں سے ہمیں اس بات کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے کہ رومیوں کا حملہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن وہ اسلام کے لشکر کی روانگی کی خبر سن کر منتشر ہو گئے

اور حملہ کا ارادہ ترک کردیا۔ جیسا کہ منشور جاوید قرآن میں لکھا ہے کہ:

"دشمن از حرکت سپاہ اسلام آگاہ شدہ واز مقابلہ با لشکر فداکار وایثار گر خودداری کرد وبہ نحوی متفرق شدہ وانمود کرد کہ اصلاً نقشہ در کار نبودہ است

(منشور جاوید قرآن جلد 4 صفحہ 109)

یعنی جب دشمن کو لشکر اسلام کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو اس نے اسلام کے فداکار وایثار گر لشکر سے مقابلہ کا ارادہ ترک کردیا۔ اور کسی نہ کسی طرح سے وہاں سے چلتا بنا اور یہ ظاہر کیا کہ جیسا کہ اسکا اس قسم کا کوئی ارادہ و پروگرام نہیں تھا۔ پس بعض محدثین اور سیرت نگاروں کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ خبر غلط تھی۔ اور توہین پیغمبرؐ کے ساتھ علم خدا پر بھی واضح الفاظ میں اعتراض ہے۔

لشکر اسلام کی ہیت ترکیبی

جنگ تبوک میں شرکت کے لئے پیغمبر اکرم نے تمام لوگوں کو دعوت دی تھی۔ لیکن منافقین طرح طرح کے حیلے بہانوں سے اجازت طلب کر رہے تھے۔ اور اس جنگ میں شرکت نہ کرنے کے لئے پہلوتہی کر رہے تھے۔ لہذا وہ مختلف حیلے بہانوں کے ذریعہ پیچھے مدینہ میں ہی رہ گئے۔ اور اس جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ قرآن انکے شریک نہ ہونے کو اسطرح کہتا ہے:

لو خرجوا فیکم ما زادوکم الا خبالاً ولا اوضعوا خلالکم یبغونکم الفتنہ

(التوبہ۔40)

(یعنی اے پیغمبرؐ اچھا ہوا، جو منافقین تمہارے ساتھ نہ گئے) اگر وہ (اس جنگ کیلئے) تمہارے ساتھ نکلتے تو سوائے خرابی ڈالنے کے اور کچھ اضافہ نہ کرتے اور فتنہ اور بگاڑ

پیدا کرنے کیلئے تمہارے اندر گھوڑے دوڑاتے پھرتے۔

قرآن کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ منافقین حیلے بہانے کر کے مدینہ میں ہی رہ گئے اور ساتھ نہ گئے اور اسطرح پیغمبر منافقین کو چھوڑ کر باقی ہر قسم کے مسلمانوں کو اس جنگ میں ساتھ لیکر روانہ ہوگئے۔ اور اس جنگ میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی جو آنحضرت کے زمانہ کی تمام جنگوں کے مقابلہ میں سب سے بڑا لشکر تھا۔ جن میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے بھی اور مال غنیمت کے شیدائی اور دنیا کے طلبگار بھی تھے

یہ جنگ مستقبل کے لئے مینارہ ہدایت ہے

خدا اور اس کے رسول نے اس نا کردہ جنگ کے اندر روانگی سے لیکر واپسی تک اہل اسلام کے لئے بہت سے سبق اور ہدایت و رہنمائی کے کئی اصول تعلیم کئے ہیں۔

پہلا سبق یہ ہے کہ مملکت اسلامی کے دفاع کی طرف سے ہرگز ہرگز غافل نہیں رہنا چاہیے اور اس کے لئے پوری طرح تیاری کر کے چلنا چاہئے۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ اسلام ایک امن پسند دین ہے اور جارحیت و ملک گیری اور کشور کشائی کے لئے لشکر کشی کے سخت خلاف ہے کیونکہ یہ دنیاوی بادشاہوں، تاجداروں اور حکمرانوں کا شیوہ ہے۔ اسلام کا یہ اصول ہے کہ اگر دشمن کی طرف سے حملہ کی اطلاع ملے تو اس کے دفاع کی تیاری ضرور کرو لیکن اگر دشمن اس بات کا اظہار کرے کہ اسکا جنگ کرنے کا کوئی ارادہ اور پروگرام نہیں ہے تو اس پر خواہ مخواہ جنگ مسلط کر کے حملہ نہیں کرنا چاہیے۔

تیسرا سبق یہ ہے۔ کہ پیغمبر اسلامؐ نے روم کی سرحد تک جانے کے بعد واپسی اختیار کر کے یہ ثابت کردیا کہ اسلام امن پسند دین ہے جیسا کہ صلح حدیبیہ میں یہ ثابت کردیا تھا کہ اسلام صلح کے لئے آخری حد تک بھی جانے کیلئے تیار ہے۔

چوتھا سبق یہ ہے۔ کہ جب سربراہ مملکت دارالسلطنت سے کہیں باہر جا رہا ہو تو دارالسلطنت کو کسی کی نگرانی اور انتظام میں دیکر جانا چاہیے۔ پیغمبر اکرم نے یہ ہر دفعہ یہ سبق بڑی پابندی کے ساتھ دیا۔ اور جب بھی کبھی آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ کسی نہ کسی کو ضرور منتظم و نگران بنا کر گئے۔ لیکن اس دفعہ اس ہستی کو پیچھے چھوڑ کر گئے۔ جو بدر واحد و خندق و خیبر و حنین کا فاتح تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کو وحی الہی کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ جنگ نہیں ہوگی۔ لہذا اس فاتح جرنیل کو ساتھ نہ لیجانے سے کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ دوسرے چونکہ منافقین پیچھے مدینہ میں ہی رہ گئے تھے۔ لہذا ان سے بھی نمٹنے کے لئے علی جیسے بہادر جرنیل کی ہی پیچھے ضرورت تھی۔ لیکن ہر دفعہ کی نسبت اس دفعہ اتنا فرق تھا کہ پہلے جب بھی کسی کو مدینہ کا نگران بنا کر گئے۔ وہ محض وقتی طور پر نگران ہوتا تھا۔ مگر اس آخری موقع پر جب علی کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے تو ان کے بارے میں یہ فرما کر گئے کہ علی پیغمبر کے صرف وقتی طور پر قائم مقام نہیں ہیں بلکہ حضرت موسیٰ کے نائب حضرت ہارونؑ کی طرح آپ کے بعد بھی آپ کے جانشین ہیں۔ جیسا کہ بخاری میں ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا:

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی

(صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 54)

یعنی اے علی کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمھیں مجھ سے وہی نسبت و منزلت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اس موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو مثل ہارونؑ قرار دیکر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے خلیفہ و جانشین و وزیر تھے اسی طرح حضرت علیؑ میرے خلیفہ و جانشین و وزیر ہیں اور ان تمام مدارج پر فائز ہیں جن مدارج پر ہارون فائز

تھے۔ اور چونکہ ہارونؑ نبی بھی تھے اس لئے **لا نبی بعدی** کہہ کر صرف نبوت کا استثنا کیا اور لفظ بعدی کہہ کر یہ ثابت کر دیا کہ علی کی ہارون والی منزلت میری زندگی کے بعد بھی ہے۔ کیونکہ اگر یہ نیابت وقتی ہوتی تو **لانبی بعدی** کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

پانچواں سبق یہ ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ تبوک سے واپسی پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے قتل کا پروگرام کس نے بنایا؟ اور کیوں بنایا؟ جبکہ منافقین پیچھے مدینے میں ہی رہ گئے تھے اور ساتھ ہی نہ گئے تھے۔ کہیں یہ حضرت علی کے بارے میں مذکورہ حدیث سننے کے بعد دنیا کے طلبگاروں کی طرف سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش تو نہیں تھی۔ آج سیالوی صاحب حدیث منزلت کا جو مطلب لیتے رہیں مگر اصحاب پیغمبرؐ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اسکا مطلب کیا ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ انہوں نے جو ارادہ کیا تھا اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"و هموا بمالم ینالوا و ما نقموا الا ان اغنهم الله و رسوله من فضله"

(التوبہ۔74)

اور جس بات کا انہوں نے ارادہ کیا تھا اس میں وہ کامیاب نہ ہوئے اور نہیں برائی کی انہوں نے مگر اس کے بدلے میں کہ اللہ اور اسکے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مالدار بنا دیا تھا۔ اس آیت سے یہ بات واضح طور پر بیان کی ہے کہ یہ کام کرنے والے منافقین نہیں تھے اور نہ ہی اب نئے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے والے تھے۔ مگر یہ وہ لوگ تھے جنہیں پیغمبر اکرم صلعم نے مال غنیمت دے دے کر مالدار بنا دیا تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں اس طرح لکھتے ہیں۔

ف۔2: غزوہ تبوک سے واپسی میں آنحضرت صلعم لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستے کو تشریف لے جا رہے تھے تقریبا بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا

کہ آپ پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرا دیں۔ حضور کے ساتھ حذیفہ اور عمار تھے۔ عمار کو انہوں نے گھیر لیا تھا مگر حذیفہ نے مار مار کر ان کی اونٹیوں کے منہ پھیر دیئے۔ چونکہ چہرے چھپائے ہوئے تھے۔ حذیفہ وغیرہ نے ان کو نہیں پہنچانا بعد میں آنحضرت صلعم نے حذیفہ اور عمار رضی اللہ عنہما کو نام بنام ان کے پتے بتا دیئے مگر منع فرما دیا کہ کسی پر ظاہر نہ کریں اسی واقعہ کی طرف وھموا بمالم ینالوا میں اشارہ ہے کہ جو ناپاک قصد انہوں نے کیا خدا کے فضل سے پورا نہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی علامہ شبیر احمد صفحہ 457)

اگرچہ حذیفہ نے لوگوں کے بار بار پوچھنے کے باوجود ان کے نام نہیں بتائے اور پیغمبر کے اس راز کو افشاء نہیں کیا لیکن خدا نے قرآن میں واضح طور پر یہ کہا ہے کہ منافقین میں سے اس جنگ میں کوئی ساتھ نہیں گیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واضح طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر یہ بتایا کہ وہ تیری قوم کے آدمی تھے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ:۔

عن ابن شهاب قال حدثني عروه ان عائشه رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم حدثته انها قالت للنبي صلى الله عليه وسلم هل اتى عليك يوم كان اشد من احد ؟ قال لقد لقيت من قومك ما لقيت وكان اشد ما لقيت منهم يوم العقبة.

(صحیح بخاری طبع بیروت لبنان جلد چہارم
کتاب بداء الخلق باب اذا قال احد کم ص 139)

ابن شہاب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عروہ نے بیان کیا کہ ان سے زوجہ پیغمبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ نے جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ کسی دن تکلیف دیکھی ہے؟ تو نبی پاک نے فرمایا کہ میں نے تیری قوم سے ناقابل بیان تکلیف دیکھی ہے اور سب

سے زیادہ تکلیف میں ان سے روز عقبہ پائی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر کو عقبہ کے مقام پر قتل کرنے والے حضرت عائشہ کی قوم سے تھے۔ چھٹا سبق یہ ہے کہ 8 ھ میں جنگ موتہ کے موقع پر حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن طیار، اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے تھے پیغمبر اکرم نے روم کی سرحد پر پہنچنے کے باوجود جہاں پر وہ غسانی قبیلہ حکمران تھا۔ جس کے ساتھ جنگ موتہ میں یہ بزرگ صحابہ شہید ہوئے تھے۔ حضرت جعفر طیار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے عم زاد تھے لہذا آپ خود بھی قصاص کے لئے ان پر لشکر کشی کر سکتے تھے۔ لشکر بھی کافی تھا ابھی صرف ایک سال ہی گذرا تھا۔ لیکن پیغمبر اکرم صلعم نے زید بن حارثہ یا جعفر طیار یا عبداللہ بن رواحہ کے قصاص کیلئے اس وقت قطعی طور پر لشکر کشی کے لئے نہ سوچا۔ لیکن جنگ موتہ کے چند سال بعد 13 ھ میں اپنی موت سے کچھ ہی پہلے آپ زید بن حارثہ کے قصاص کے لئے زید بن حارثہ کے نوجوان لڑکے اسامہ بن زید کی ماتحتی میں جیش اسامہ کی روانگی کا انتہائی سختی کے ساتھ حکم دیتے ہیں۔ اور تمام اکابر صحابہؓ و انصار کو اس کی ماتحتی میں جانے کا حکم فرماتے ہیں۔ جیسا کہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ:

وحکم عالی چناں صادر شد کہ اعیان مہاجرین و انصار مثل ابوبکر صدیق، عمر فاروق، و عثمان ذوالنورین و سعد ابن وقاص و ابو عبیدہ بن جراح وغیرھم الاعلیٰ رار ضی اللہ عنھم اجمعین کہ ہمراہ او نبود در آں لشکر ہمراہ اسامہ باشند۔

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد 2 صفحہ 530)

یعنی حکم عالی اسطرح صادر ہوا کہ اعیان مہاجرین و انصار مثل ابوبکر صدیق،، عمر فاروق، و عثمان ذوالنورین و سعد ابن وقاص و ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ رضی اللہ عنھم اجمعین سب کے سب اسامہ کے لشکر کے ساتھ جائیں سوائے علی مرتضیٰ کے جنہیں اس کے ساتھ جانے کے

لئے نہیں کہا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم نے اس قصاص کو اپنی موت کے وقت تک کے لیئے کیوں موخر کیا؟ اور اکابر صحابہ مہاجرین و انصار کو ایک نوجوان لڑکے کے ماتحت کیوں کیا؟ اس بات سے بھی ہدایت کے کئی سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ جو صرف غور کرنے والوں کو دکھائی دیتے ہیں دل کے اندھوں کو دکھائی نہیں دے سکتے۔

ساتواں سبق یہ کہ جن تاریخوں اور سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔ ان سب نے یہ ہی لکھا ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم نے حذیفہ کو ان کے نام بتلا دیئے تھے جو پیغمبر صلعم کو قتل کرنے کا ارادہ سے حملہ آور ہوئے تھے لیکن پیغمبرؐ نے انہیں تاکید کر دی تھی کہ وہ ان کے نام کسی کو نہ بتلائیں۔ ان کے ناموں کے نہ بتلانے میں کیا مصلحت تھی۔ یہ بات تو خود پیغمبر ہی بہتر جانتے تھے۔ لیکن اچھی طرح غور کرنے سے جو اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی میں ان کے نام بتلانے سے اسلام کو کچھ خطرہ ہوگا۔ اور پیغمبرؐ کے بعد بتلانے سے خود حذیفہ کے لئے یہ بات بتانا نقصان دہ ہوگا۔ جو اس بات سے ثابت ہے کہ پیغمبر کے بعد حذیفہ نے بعض لوگوں کے بار بار پوچھنے اور انتہائی اصرار کے باوجود اپنی زندگی میں ان کے نام نہیں بتلائے۔ لیکن جب انکی موت کا وقت قریب آیا تو ایک انصاری کے پوچھنے پر انکو وہ نام بتلا دیئے۔ جو سیرت کی بعض کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے پڑھے ہیں لیکن ہم بھی انھیں مصلحتاً درج کرنا مناسب نہیں سمجھتے تا کہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کو برا نہ لگے۔ لیکن حماد وہ پنجاب کے سکھوں میں سے کوئی نہ تھا بلکہ یقینی طور پر اصحاب پیغمبر رضی اللہ عنھم میں سے ہی بارہ افراد تھے جنہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کو قتل کرنے کا ارداہ کیا تھا مگر وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہوئے۔

آٹھواں سبق اس میں یہ ہے کہ تاریخ بغداد اور اسد الغابہ اور الاستیعاب کے حوالہ سے

منشور جاوید قرآن میں یہ لکھا ہے کہ گھاٹی کے واقعہ کے بعد صبح کے وقت اسید بن حضیر پیغمبر کے پاس آئے اور کہا کہ صحرا کے درمیان سے چلنا گھاٹی کے راستے سفر کرنے سے بہت آسان ہے۔ آپ نے اس راستہ کو کیوں اختیار۔ پیغمبر اکرم نے انہیں گذشتہ رات کی واردات سنائی تو انہوں نے پیغمبرؐ سے درخواست کی کہ آپ ان کے نام بتلایئے تا کہ ان کے اپنے اپنے قبیلہ والے انکو قتل کر ڈالیں پیغمبر نے فرمایا۔ اس میں مصلحت نہیں ہے اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ کہیں کہ جس وقت محمدؐ کو قدرت و طاقت حاصل ہو گئی تو انہوں نے اپنے اصحاب کو قتل کر دیا"

(تفسیر منشور جاوید قرآن جلد 4 صفحہ 120

بحوالہ تاریخ بغداد جلد 1 صفحہ 161

اسد الغابہ جلد 1 صفحہ 291

الاستیعاب جلد 1 صفحہ 277

ہم اس پر کچھ تبصرہ نہیں کرتے خود پیغمبر اکرم صلعم کے الفاظ سے یہ بات واضح ہے کہ وہ اصحاب پیغمبر ہی تھے۔ جو پیغمبرؐ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے مرتکب ہوئے تھے۔ پنجاب کے سکھوں میں سے کوئی نہ تھا اور منافق مدینہ میں ہی رہ گئے تھے۔

ایسا ہی ایک واقعہ جنگ بنی مصطلق سے لوٹتے ہوئے پیش آیا۔ جب عبداللہ بن ابی نے پیغمبر کی شان کے خلاف توہین آمیز تقریر کی اور سورہ منافقین میں اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر نے پیغمبر سے عرض کی کہ مسلمانوں کے سر سے عبداللہ بن ابی کے شر کو ہٹانے کے لئے اسے کسی انصاری آدمی سے قتل کرا دیا جائے۔ پیغمبر اکرم صلعم نے انکی اس تجویز کو قبول نہ کیا اور فرمایا۔ اس موقع پر پروپیگنڈہ کرنے والے پروپیگنڈہ کریں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرا دیتے ہیں۔ (تاریخ الخمیس جلد صفحہ 471، سیرت حلبی جلد 2 صفحہ 302)

پیغمبر اکرم صلعم، عبداللہ ابن ابی کو بھی اس پروپیگنڈہ سے بچنے کے لئے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ پیغمبر اپنے اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں۔ قتل نہیں کراتے اور حضرت عمر کے مشورہ پر عمل نہیں

کرتے۔ حالانکہ وہ رئیس المنافقین تھا اور آنحضرتؐ کے خلاف توہین آمیز تقریر کرنے کا مرتکب ہوا تھا جسکا قرآن گواہ ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ فتح مکہ سے پہلے پیش آیا" حاطب ابن بلتعہ نے آنحضرت کی لشکر کشی کے لئے تیاری کی اطلاع ایک خط کے ذریعہ کفار قریش کو بھجوائی تھی کسی بھی لشکر سے ایسا خط پکڑا جائے تو اسکا کورٹ مارشل ہوتا ہے۔ اور اسے موت کی سزا دی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے بھی حاطب ابن بلتعہ کے لئے یہی سزا تجویز کی تھی۔ جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:۔

''خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حضرت حاطب کے افشائے راز پر حیرت ہوئی حضرت عمر بے تاب ہو گئے اور عرض کی کہ حکم ہو تو انکی گردن اڑا دوں۔

(سیرت النبی شبلی جلد 1 صفحہ 484)

اس سے ثابت ہوا کہ وہ حدیث جسے علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب بڑے زور شور سے بیان کرتے نہیں تھکتے کہ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ: جو اصحاب بدر ہیں اور بدری کہلاتے ہیں اللہ نے انہیں بخش دیا ہے۔ وہ بعد میں چاہے جتنا بڑا گناہ کریں انکی بخشش ہے۔ پیغمبر کی فرمودہ نہیں ہے بلکہ معاویہ کے حکم سے گھڑی ہوئی حدیثوں میں سے ایک حدیث ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو حضرت عمر اس بدری کو قتل کا مشورہ نہ دیتے اور یہی موقع تھا کہ پیغمبر اسے معاف کرتے وقت اس حدیث کو دہراتے۔ لیکن پیغمبر اکرم صلعم نے حاطب کو بدری ہونے کی بنا پر معاف نہیں کیا بلکہ ان کا عذر سن کر انکے عذر کو قبول کر لیا۔ جیسا کہ شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں لکھا ہے کہ:

''حضرت حاطب کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے اور اسکا کوئی حامی نہ تھا اس لیے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس صلہ میں ان کے عزیزوں کو کوئی ضرر نہ پہنچائیں گے۔ انہوں نے آنحضرت کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور آنحضرت نے اسے قبول کر لیا۔

(سیرہ النبی جلد اول صفحہ 484)

حاطب ابن بلتعہ منافق نہیں تھا۔ سابقین اسلام سے تھا مہاجرین اولین میں تھا اور اسکا

عذر بھی پیغمبر کے نزدیک قابل قبول تھا۔ پھر آنحضرت نے ان بارہ آدمیوں کو جنہوں نے خود پیغمبر کو قتل کرنا چاہا تھا اس وجہ سے قتل کرانا منظور نہ کیا کہ لوگ بعد میں یہ نہ کہیں کہ پیغمبر اپنے اصحاب کو قتل کرا دیا کرتے تھے۔ آنحضرت نے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کو بھی اس لئے قتل کرانا منظور نہ کیا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ پیغمبر اپنے اصحاب کو قتل کرا دیا کرتے تھے۔ تو حاطب ابن بلتعہ کے لئے بھی تو یہ بات ضرور تھی کہ اس کے قتل کرانے سے لوگ یہ کہتے کہ پیغمبر اپنے اصحاب کو قتل کرواتے ہیں۔ اس میں بدری ہونے کی کوئی رعایت نہیں ہے کہ بدری بعد میں جو چاہے گناہ کرتا رہے وہ بخشا بخشایا ہے۔

حجتہ الوداع کا بیان اور افشاء راز کا واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ 26 ذی قعدہ 10ھ کو مدینہ سے حج کے لئے روانہ ہوئے اس سفر میں پیغمبر کیساتھ حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد لکھی ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا، اور تمام ازواج رسول بھی آنحضرت کیساتھ تھیں آپ نے ظہر کے قریب وادی ذی الحلیفہ میں غسل احرام کے بعد احرام باندھا صحابہ نے بھی احرام باندھ لئے اور سب نے مل کر تلبیہ کہا تو لبیک اللھم لبیک کی آوازوں سے دشت و صحرا گونج اٹھے۔ 4 ذی الحجہ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ مکہ میں وارد ہوئے اور آٹھ ذی الحجہ کو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جنہوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول دیئے تھے وہ احرام حج باندھ لے خود پیغمبرؐ پہلے سے احرام باندھے ہوئے تھے اور حضرت علیؑ بھی آپ کے حسب ہدایت حالت احرام پر باقی تھے۔

جب سب احرام باندھ چکے تو مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور منی میں تشریف لائے اور دوسرے دن صبح کے وقت عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ غروب آفتاب تک وقوف فرمایا اور وہ مشہور و معروف خطبہ دیا جو

تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔جس میں آپ نے قرآن وعترت سے تمسک کرنے پر زور دیا۔غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانہ ہوئے اور مشعرالحرام میں مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی۔ مشعرالحرام سے صبح کے وقت روانہ ہوئے اور منیٰ میں قیام کیا اور رمی جمرات کے بعد قربانی دی اور سر منڈوا کر احرام کھول دیا۔اور اسی دن مکہ معظمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور بعد میں منیٰ میں واپس آ گئے جہاں 13 ذی الحجہ تک قیام فرمایا اور رمی جمرات کا فریضہ ادا کر کے حج سے فارغ ہو گئے۔حج سے فارغ ہوتے ہی ایک حکم پیغمبر کو وحی کے ذریعہ آیا پیغمبر اس حکم کی تعمیل کے لئے مصروف تھے کہ افشائے راز اور تظاہر ازواج کا واقع پیش آیا۔جس پر پردہ ڈالنے اور چھپانے کیلئے طرح طرح کی باتیں بنائی گئیں لہذا افشائے راز اور تظاہر ازواج کے واقعہ کی تحقیق تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہے

افشائے راز اور تظاہر ازواج کا قرآن سے بیان

سورۃ تحریم میں افشائے راز اور تظاہر ازواج کی آیت اسطرح سے آتی ہے

" و اذا اسر النبی الیٰ بعض ازواجه حدیثاً فلما نبات به و اظهر الله علیه عرف بعضه و اعرض عن بعض فلما نباها به قالت من انباک هذا قال نبانی العلیم الخبیر "

(سورۃ التحریم۔3)

علامہ شبلی نے اس آیت کا ترجمہ اپنی کتاب سیرۃ النبی میں اس طرح کیا ہے:

"اور جبکہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی۔اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔پھر جب ان سے کہا تو انہوں نے کہا آپ کو کس نے خبر دی پیغمبر نے کہا مجھ کو خدائے علیم وخبیر نے خبر دی"

(سیرۃ النبی جلد صفحہ 550)

اس آیت میں یہ بات تو واضح کر دی گئی ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنی جس بیوی کو وہ راز کی بات بتائی تھی اس نے اس راز کو فاش کر دیا اور دوسری بیوی کو بتلا دیا۔اب پیغمبر نے جو بات اپنی زوجہ کو بتلائی وہ تو وہی تھی جو پیغمبر نے اپنی بیوی کو بتلائی تھی۔لیکن وہ بات کیا تھی جسے قرآن نے: و اعرض عن بعض " کہا ہے یعنی کچھ باتوں کو بیان کرنے سے پہلو تہی کی یا اعراض کیا اور وہ بات وہی ہو سکتی ہے جو دوسری بیوی پر اس راز کے فاش ہونے کے نتیجہ میں ہوئی۔اس بات کا اشارہ اس سے اگلی آیت میں ہوا ہے اور وہ یہ ہے

" ان تتوبا الیٰ لله فقد صغت قلوبکما وان تظاهرا علیه فان الله هو مولاه و جبرئیل و صالح المومنین و الملائکة بعد ذالک ظهیراً "

(سورۃ التحریم۔ 4)

"اگر تم دونوں کی دونوں عورتیں خدا کے حضور میں توبہ کر لیں (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل (حق سے باطل کی طرف) مائل ہو گئے ہیں۔اور اگر تم دونوں کی دونوں ہمارے پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو اللہ اور جبرائیل اور صالح المومنین اس کے مددگار ہیں۔اور اس کے علاوہ کل فرشتے اس کی مدد کرنیوالے ہیں"

توضیح وتشریح: یہ آیت حرف شرط "ان" کے ساتھ شروع ہوتی ہے اور اسکی جزا محذوف ہے اور وہ ہے "یک خیر لکم (یعنی یہ بات یعنی توبہ کرنا تمہارے لیے بہتر ہوگا) جیسا قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے۔"فان یتوبوا خیر لهم (التوبہ - 74) یعنی اگر وہ توبہ کریں گے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔اس کے بعد وہ وجہ بتلائی گئی ہے جس کی وجہ سے ان پر توبہ لازم ہو گئی ہے۔اور وہ وجہ یہ بتلائی ہے کہ: فقد صغت قلوبکما" کیونکہ یقینی طور پر تم دونوں عورتوں کے دل (حق سے باطل کی طرف) مائل ہو گئے ہیں یا جھک گئے ہیں

بعض نے صغت کا ترجمہ کج ہو گئے ہیں یا ٹیڑھے ہو گئے ہیں کیا ہے اور بعض نے

یہ بحث کی ہے کہ صغت کے معنی مائل ہونے کے ہیں۔اور اس سے انہوں نے یہ معنی مراد لیے ہیں کہ ان کے دل توبہ کرنے کی طرف مائل ہو ہی گئے ہیں۔لیکن اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو پھر خدا کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ :فتو بوا الی اللہ توبة النصوح "یعنی اگر تمارے دل توبہ کی طرف مائل ہو ہی گئے ہیں تو پھر خلوص دل کے ساتھ اللہ کے حضور توبہ کرلو: لیکن خدا نے یہ نہیں کہا بلکہ انہیں چیلنج کرتے ہوئے کہتا ہے"ان تظاهرا عليه " یعنی اگر تم ہمارے پیغمبر کو اس کام کرنے سے روکنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کروگی تو ہم پیغمبر سے یہ کام کرا کر چھوڑیں گے اور اس کام میں پڑنے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کیلئے اللہ اور جبرئیل اور صالح المومنین اور سارے کے سارے فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

"پس ان تظاهرا عليه " اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے دل توبہ کی طرف نہیں بلکہ حق سے باطل کی طرف مائل ہوئے تھے۔اس میں شک نہیں ہے کہ "صغت صغوا کے مادہ سے ہے۔جس کے معنی جھکنے کے ہیں اور مائل ہونے کے ہیں۔لیکن کس چیز کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے؟ یقیناً اس چیز کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے جس کی طرف جھکنے اور مائل ہونے سے توبہ کرنی لازم ہوگئی۔اسی وجہ سے بعض نے محاورہ کے طور پر صغت کے معنی ٹیڑھے ہوگئے ہیں کج ہو گئے ہیں۔یا باطل کی طرف جھک گئے ہیں کیئے ہیں۔اور لفظ "تظاهرا " کا معنی کرنے میں بھی بہت سے مترجمین نے گھپلا کیا ہے اور ایسے گول مول معنی کیئے جس سے کچھ مطلب سمجھ میں نہ آئے۔کسی نے اس کا معنی مظاہرہ لکھا ہے اور کسی نے ایکا لکھا ہے۔اور دونوں معنی اس مطلب کو بیان نہیں کرتے جو لفظ تظاہرا سے خدا کو مطلوب ہیں۔کیونکہ اردو میں مظاہرہ دکھاوے کو کہتے ہیں یعنی کسی چیز کا اظہار کرنا دکھانا اور ایکا متحد ہونے اور متفق ہونے کے معنی میں ہے۔قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربی زبان میں الظہر پشت کو کہتے ہیں۔اور ظہیر اسکا اسم فاعل ہے۔جو اس آیت

کے آخر میں بھی آیا ہے یعنی مددگار: اور تظاهرا " فعل مونث حاضر کے تثنیہ کا صیغہ ہے لہذا " تظاهرا عليه " کے معنی لغت عربی کی مشہور کتاب مفردات القرآن میں یہ لکھے ہیں

"اگر پیغمبرؐ کے خلاف ایک دوسری کی مدد کروگی" یعنی جو کام پیغمبر کرنا چاہتے تھے اور وہ کام پیغمبرؐ نے اپنی ایک بیوی کے پوچھنے پر اسے بتلا دیا تھا اس کام میں رکاوٹ ڈالنے اور اس کام کو نہ ہونے دینے کے لئے پیغمبرؐ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کروگی تو خدا ، جبرائیل ، اور صالح المومنین اس کے مددگار ہیں اور ملاء اعلیٰ کے تمام فرشتے بھی اسکی مدد کے لئے تیار ہیں۔بالفاظ دیگر اگر تم پیغمبرؐ کو کسی طرح سے بھی اس کام سے روکنے کی کوشش کروگی تو خدا جبرائیل۔اور صالح المومنین اور سارے کے سارے فرشتے اس کام کرنے میں اسکی مدد کرینگے اور تم دونوں اس کو وہ کام کرنے سے روک نہ سکوگی۔کہاں یہ معنی و مفہوم اور کہاں مظاہرہ اور ایکا جسکا کچھ مطلب ہی نہیں۔

وہ ازواج کون تھیں ؟ اور راز کی بات کیا تھی ؟

اور ایک بہت بڑی سازش کا انکشاف

علامہ شبلی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ: "مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پرخطر تھا آیت مذکور یہ ہے" وان تتوبا الیٰ لله فقد صغت قلو بکما و ان تظاهرا عليه فان الله هو مو لاه و جبرئیل و صالح المومنين والملائكة بعد ذالک ظهیرا " (سورۃ التحریم۔ 4)

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کو جبرائیل اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اس پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے

تیار ہیں۔ روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کرلی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کردی جائیں۔ لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی کس قسم کی سازش ایسی کیا پر خطر ہو سکتی ہے جس کی مدافعت کے لئے ملاء اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو اس بنا پر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا۔

(سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ 554-555)

اگرچہ علامہ شبلی نے تظاہرا کے معنی لوگوں کی توجہ ہٹانے کیلئے پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کروگی کے بجائے مظاہرہ اور ایکا کرنا لکھا ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکے کہ یہ کوئی اتنی بڑی سازش تھی۔ جس کا اثر بہت ہی پر خطر تھا اور جسکی مدافعت کے لئے خدا، جبرائیل صالح المومنین اور سارے کے سارے فرشتوں کی مدد درکار ہوتی لیکن انہوں نے واشگاف الفاظ میں یہ بات تسلیم کی کہ وہ سازش کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ تھیں۔

اب یہ بہت بڑی ضرر رساں سازش کیا تھی۔؟ اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی یہ کس قسم کی سازش تھی جو انتہائی پر خطر تھی؟ تو اس کے بارے میں ہمارے پاس دو باتیں ہیں ایک شبلی صاحب کا قیاس جو ان دونوں عورتوں کو اس خطرناک سازش سے بچانے کے لئے دوسری غیر اہم بات کی طرف رخ موڑنے کے لئے کیا گیا ہے۔ اور دوسری علامہ مجلسی کی حذیفہ سے بیان کردہ روایت ہم بلا تبصرہ دونوں نقل کر دیتے ہیں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں کہ ان دونوں میں کونسی بات کو پر خطر سازش سمجھا جا سکتا ہے پہلے ہم علامہ شبلی کا قیاس ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

اس ضرر رساں سازش کے متعلق شبلی صاحب کا قیاس

علامہ شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی کے صفحہ 551 پر یہ لکھا ہے کہ "حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے۔ لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج شریک تھیں۔ (سیرۃ النبی شبلی صفحہ 551)

توسیع کا معاملہ صرف اتنا تھا کہ فتح خیبر کے بعد کیونکہ مال غنیمت بہت زیادہ آیا تھا لہذا ازواج پیغمبر نے بھی توسیع نفقہ کا مطالبہ کیا۔ اور بقول علامہ شبلی توسیع نفقہ کے سلسلہ میں تنگ طلبی کی تو خدا نے اپنے حبیب کو یہ حکم دیا کہ:

"یا ایھا لنبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیواۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلاً و ان کنتن تردن اللہ و رسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیما"

(الاحزاب 29-28)

اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اسکی آرائش و زینت کی خواہاں ہو تو آؤ میں تم کو کچھ ساز و سامان دے کر تمہیں شائستہ طریقہ سے رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور رسول اور آخرت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں جو نیکوکار ہیں انکے لئے بڑے سے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے"۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی ازواج کی طرف سے تنگ طلبی پر ناراض ہو کر ان سب سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ جسے تاریخ میں واقع ایلا کہا جاتا ہے اور حضرت حفصہ کو انکے سخت طرز عمل کی بنا پر طلاق بھی دیدی تھی لیکن پھر جتنا پیغمبر کی طرف سے ملتا ہے اسی پر راضی ہو جانے پر معاملہ ختم ہو گیا اور حضرت عمر پر مہربانی کرتے ہوئے حضرت حفصہ سے بھی رجوع کرلیا تھا۔ لہذا سورۃ احزاب کی آیات مقدسہ کے مطابق

پیغمبر کو ایلا ختم کرنے اور جس طلاق کے ذریعہ علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ آیہ ترجی" کے ذریعہ رجوع بھی کر لیا تھا۔ اور یہ معاملہ 6ھ میں ہی ختم ہو گیا تھا۔

لیکن چونکہ وہ اصل سازش کو چھپانا چاہتے ہیں لہذا اس مظاہرہ کے سلسلہ میں پھر اسی توسیع نفقہ کے تقاضے میں تنگ طلبی کو کھینچ کھانچ کر ملانے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: "معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج مطہرات کی کشش خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا تو ان بدنفسوں نے اشتعال دیکر بھڑکانا چاہا ہوگا۔ چونکہ مظاہرہ کے ارکان اعظم حضرت عائشہ و حضرت حفصہ تھیں اور ان کو خیال ہوا ہوگا کہ ان کے ذریعہ سے ان کے والدین حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو اس سازش میں شریک کر لینا ممکن ہے۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو رسول کی خاک پا پر قربان کر سکتے تھے چنانچہ جب عمر کو اذن نہ ملا تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ارشاد ہو تو حفصہ کا سر لیکر آؤں۔ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 558)

علامہ شبلی نے اپنے مذکورہ بیان میں پہلے تو توسیع نفقہ میں تنگ طلبی کے معاملہ کو واقعہ افشائے راز اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے تظاہر کے واقعہ کے ساتھ کھینچ تان کر ملایا اور پھر ماضی شکیہ کا سہارا لیکر یہ کہا کہ: ان بدنفسوں نے اشتعال دیکر بھڑکانا چاہا ہوگا اور چونکہ مظاہرہ کے ارکان اعظم حضرت عائشہ و حضرت حفصہ تھیں ان کو خیال ہوا ہوگا۔ اور اس ہوگا ہوگا کے ماضی شکیہ کو استعمال کر کے یہ کہا کہ:

" اگر عائشہ و حفصہ سازش بھی کرینگی اور منافقین اس سے کام لینگے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لئے موجود ہے اور خدا کے ساتھ جبرائیل و ملائکہ بلکہ تمام عالم ہے۔

(سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 558)

علامہ شبلی نے توسیع نفقہ کے سلسلہ میں تنگ طلبی کو واقعہ افشائے راز کے ساتھ گڈ

مڈ کر کے گھپلا ڈالا اس پر پردہ ڈالنے اور اس سازش کو چھپانے کی کوشش تو بڑی کی لیکن پھر بھی دو باتوں کو نہ چھپا سکے۔

نمبر 1۔ یہ کہ مظاہرے کے ارکان اعظم حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ تھیں جبکہ نفقہ میں تنگ طلبی کے مسئلہ میں تمام ازواج کا مطالبہ تھا

نمبر 2۔ یہ کہ اس خطرناک سازش میں منافقین حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے ذریعہ ابوبکر اور حضرت عمر کو شریک کر سکتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعہ افشائے راز اور واقعہ تظاہر ازواج کی بنی امیہ کی حکومتوں کے زیر اثر لکھی گئی تاریخوں میں اور سیرت کی کتابوں میں صحیح طور پر لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا ہر ایک نے ایسے واقعات کے ساتھ جن کا خود ان کے نزدیک اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس طرح گڈ مڈ کر کے لکھا ہے کہ کوئی بھی واقعہ افشائے راز اور تظاہر ازواج سے باخبر نہ ہو سکے اور نہ ہی اس راز کی بات کا کسی کو پتہ چل سکے۔

علامہ شبلی نے اپنے قیاس سے ماضی شکیہ کا سہارا لیکر ہوگا۔ ہوگا کے ذریعہ جو کچھ لکھا ہے وہ اوپر نقل ہو چکا اب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کے صحابی حذیفہ بن الیمان کا بیان سنیئے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان کی اس طویل روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ "جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ حج سے فارغ ہو چکے تو جبرائیل امین نازل ہوئے اور سورۃ عنکبوت کی ابتدائی آیتیں پیغمبر کو پہنچائیں جو یہ ہیں۔

"احسب الناس ان یترکو ان یقولو ا آمنا وھم لا یفتنون ۔ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔ (العنکبوت 2-3)

یعنی کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ بس اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جائینگے اور ان کا امتحان نہ لیا جائیگا اور بیشک ہم نے ان لوگوں کا بھی امتحان لیا ہے جو

ان سے پہلے تھے۔ پس خدا ان لوگوں کو بھی ضرور ضرور ظاہر کریگا جو اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور ضرور ظاہر کر کے رہیگا۔

جناب رسول خدا نے پوچھا کہ اے جبرائیل یہ فتنہ یا امتحان کیسا ہے۔ جبرائیل نے کہا یا رسول اللہ حق تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اسکی وفات کے قریب اسکو حکم دیا کہ اپنی امت میں اسکو اپنا خلیفہ مقرر کرے جو اس کا قائم مقام ہونے کا اہل ہے۔ تو جو لوگ خدا کے رسول کی اس امر میں اطاعت کرینگے وہی لوگ اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں۔ بیشک اب آپ کا وقت وفات قریب آ گیا ہے لہذا خدا آپ کو حکم دیتا ہے کہ اب اپنے بعد اپنی امت میں علی ابن ابی طالب کو مقرر کر دیں اور ان کو احکام دین کی وصیت کیجئے۔ وہ آپ کے خلیفہ ہیں۔ جو امت میں آپ کے قائم مقام ہیں خواہ لوگ اطاعت کریں یا نافرمانی۔ یہ ہے وہ فتنہ جس سے اس امت کا امتحان لیا جائیگا اور خدا آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ علی کو وہ سب کچھ تعلیم دیدیں جو خدا نے آپ کو تعلیم کیا ہے۔ یہ پیغام سن کر رسول خدا نے حضرت علی ابن ابی طالب کو طلب فرمایا۔ اور ایک رات اور ایک دن ان کو خلوت میں ان تمام علوم و حکمت کی تعلیم فرمائی اور جو کچھ وحی جبرائیل لائے تھے ان سے فرمایا۔

یہ حضرت عائشہ کی باری کا دن تھا حضرت عائشہ نے آنحضرت سے کہا کہ علی کے ساتھ آپکی خلوت بڑی طولانی ہو رہی ہے۔ آنحضرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عائشہ نے کہا آپ مجھ کو اس کی خبر کیوں نہیں دیتے شاید اس میں میری بھی کچھ بھلائی ہو۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ کہ اس میں بہتری اس کے لئے ہے جسکو خدا سعادت مند بنائے اور اس کے قبول کرنے کی توفیق دے اور وہ اس پر ایمان لائے۔ اور میں اس بات پر معمور ہوا ہوں کہ تمام لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں جب میں اس کی طرف تعمیل

کرنے کھڑا ہونگا اس وقت اے عائشہ تم بھی مطلع ہو جاؤ گی۔

حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ اس وقت آپ کیوں نہیں بتاتے؟ تا کہ سب سے پہلے میں ہی اس پر عمل کروں اور اس کو اختیار کروں۔ جس میں میری بھلائی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں بشرطیکہ تم اس کو اس وقت تک پوشیدہ رکھو جب تک میں خود لوگوں کو آگاہ نہ کروں۔ اگر تم اسکو افشاء نہ کروگی تو تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر تم نے اس کو افشاء کر دیا تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گی۔ یہ سنکر حضرت عائشہ نے وعدہ کیا کہ وہ اس راز کی حفاظت کرینگی اور اس کی افشاء نہ کرینگی۔ جب سرور کائنات نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ میری عمر آخر ہو رہی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں علی کو لوگوں کا امام و پیشوا بناؤں اور انکو اپنا خلیفہ مقرر کروں۔

لہذا تم اے عائشہ اس راز کو اپنے دل میں اس وقت تک پوشیدہ رکھو جب تک کہ خدا مجھ کو اس کے ظاہر کرنے کا حکم دے۔

یہ تھا وہ راز جو پیغمبر نے حضرت عائشہ کے اصرار پر اور اسے افشاء نہ کرنے کے وعدہ پر انہیں بتلایا تھا۔ لیکن حضرت عائشہ نے اس راز کو آگے حفصہ سے بیان کر دیا۔ افشائے راز کا یہ حصہ تو وہ ہے جسے پیغمبر نے بتلا دیا لیکن وہ بات جسے قران نے (واعرض من بعض) کہا ہے یعنی بعض باتوں کو بتلانے سے پیغمبرؐ نے پہلوتہی کی وہ بات یہ تھی کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ علی کی خلافت کا اعلان ہو۔ لہذا ان دونوں نے ملکر اس مسئلہ میں ایک دوسرے کی مدد کی تا کہ پیغمبر اس کام کو انجام نہ دے سکیں جو (ان تظاھرا علیہ) سے ظاہر ہے۔

چنانچہ ان دونوں کے باپوں کو پیغمبرؐ کی یہ بات پسند نہ آئی اور انہیں یہ بات بری لگی۔ اور انہوں نے یہ تحریک شروع کر دی کہ وہ پیغمبر کو یہ کام نہیں کرنے دینگے۔ پس انہوں

نے ابوعبیدہ جراح سالم مولا حذیفہ اور اپنے کچھ مہاجرین ساتھیوں کو ہمراہ لیکر طلقائے مکہ اور روسائے مکہ کو ایک جگہ جمع کیا اور انہوں نے انہیں اس راز سے آگاہ کیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ محمد خلافت کے بارے میں چاہتے ہیں کہ قیصر وکسریٰ کے طور وطریقے پر عمل کریں تا کہ خلافت قیامت تک انکی ذریت میں رہے۔ لہذا انھوں نے یہ اعلان ہونے سے پہلے ہی ایسی تدبیریں اختیار کرنی شروع کردیں جس سے پیغمبر اعلان کرنے سے پہلے ہی ہلاک ہوجائیں۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ 820-824)

حذیفہ بن الیمان کی اس روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے دراصل یہ دوسرے مرحلہ کی بات ہے پیغمبر نے "عرف بعضہ" کے مطابق جو بات بیان کردی تھی وہ تو وہ تھی جو پیغمبر نے بتادی تھی کہ آپ کی اس زوجہ نے آنحضرت کے راز کو فاش کردیا۔ لیکن وہ بات جس کے بیان کرنے سے پیغمبر نے اعراض کیا (اعرض عن بعض) وہ پہلے مرحلہ کی بات تھی جسے ایک معروف تابعی سلیم بن قیس ہلالی نے اپنی کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کی زبانی بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ کے صدر عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان کو خلیفہ نامزد کردیا تو اصحاب شوریٰ کے سامنے حضرت علی نے سخت احتجاج کیا اور انکے سامنے احادیث پیغمبرؐ ایک ایک کرکے بیان فرماتے تھے کہ پیغمبرؐ نے میرے بارے میں یہ فرمایا ہے۔ بتاؤ تم میں سے کون ایسا ہے جس کے بارے میں یہ فرمایا ہو اور اصحاب شوریٰ تصدیق فرماتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے۔

سلیم بن قیس ہلالی کہتے ہیں۔ کہ یہ سن کر طلحہ جو قریش کے اہم رکن تھے کہنے لگے ہم اس دعوے کا کیا کریں جو ابوبکر اور عمر اور ان کے ساتھیوں نے کرکے ان کی تصدیق کی تھی۔ اور ان کے وعدے پر گواہی دی تھی۔ جب وہ ان کے پاس آپ کو اس حالت میں

لائے تھے کہ آپ کے گلے میں رسی تھی اور انہوں نے آپکی دلیلوں کی تصدیق کی تھی۔ پھر یہ دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے آنحضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ خدا نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ نبوت وخلافت ہم اہل بیت میں جمع نہیں ہوسکتے۔ پس عمر، ابوعبیدہ، سالم، معاذ ابن جبل نے اسکی تصدیق کی تھی۔ پھر طلحہ نے متوجہ ہو کر کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا اور جس بات کا دعویٰ کیا ہے سب درست ہے اور آپ نے اپنے سابق ہونے اور بزرگی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ اسکا اقرار کرتے ہیں اور خوب جانتے ہیں مگر آپ کی خلافت پر ان پانچ آدمیوں نے گواہی دی ہے۔

طلحہ کا کلام سن کر آپ کو جوش آگیا اور وہ بھی فرما دیا جو نہیں کہنا چاہتے تھے۔ اور وہ بات بھی کھول کر بیان کردی جو عمر نے موت کے دن فرمائی تھی۔ آپ نے طلحہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اور سب لوگ سن رہے تھے۔

پانچ اصحاب کا کعبہ میں تحریری معاہدہ

اے طلحہ خداوند عالم جو صحیفہ قیامت کے دن پیش کریگا مجھے ان پانچ کا صحیفہ اس سے زیادہ پسند نہیں ہے۔ جنہوں نے آخری حج میں کعبہ کے اندر بیٹھ کر یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو قتل کردے یا انہیں موت آجائے تو یہ مجھ پر بوجھ ڈال کر ایسا غلبہ حاصل کرینگے کہ میں خلافت تک نہ پہنچ سکوں۔

(اسرار امامت ترجمہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی صفحہ 146)

اس کے بعد حضرت علی نے طلحہ کو ان کی گواہی کے جھوٹا ہونے کی دلائل پیش کیں ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ: ان کے جھوٹ اور باطل اور فسق وفجور پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ آلہ کے حکم سے (غدیر خم میں) مجھے امیر المومنین کہہ کر

سلام کیا تھا اور یہی خاص کر تم پر حجت ہے اور اس پر حجت ہے جو تمہارے ساتھ ہے یعنی زبیر اور ساری امت پر اور سعد ابن وقاص پر اور عبدالرحمن بن عوف پر اور تمہارے اس موجودہ خلیفہ پر یعنی عثمان پر ہم شوریٰ کے چھ ارکان جو زندہ موجود ہیں۔

(اسرار امامت ترجمہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی صفحہ 147)

شیخین کی خانہ ساز حدیث کی تردید مجلس شوریٰ سے

اس کے بعد آپ نے فرمایا: اگر عمر اور ان کے ساتھیوں نے صحیح حدیث بیان کی تھی تو عمر نے مجھے شوریٰ کا رکن کیوں نامزد کیا۔ میرا نام شوریٰ میں خلافت کے لئے رکھا تھا یا کسی اور بات کے لئے؟ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ شوریٰ خلافت کے سوا کسی اور امر کے لئے تھا تو پھر عثمان بھی امیر نہیں ہے۔ اور ہمیں حق ہے کہ ہم کسی اور کو مقرر کر دیں اور اگر یہ شوریٰ امامت و خلافت کے لئے تھا۔ تو پھر ارکان شوریٰ میں مجھے کیوں داخل کیا تھا۔؟ اس سے باہر کیوں نہ کر دیا؟ جب کہ ان کا خود بیان ہے کہ رسول خدا نے اپنے اہل بیت کو خلافت سے نکال دیا تھا اور انہیں یہ خبر دی تھی کہ اہلبیت کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اور اس وقت جب عمر نے ہمیں ایک ایک کر کے بلایا تھا اپنے بیٹے عبداللہ سے وہ بات کیوں کہی تھی؟ اور عبداللہ تو یہاں موجود ہیں۔ ہاں! اے عبداللہ تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جب ہم باہر آ گئے تو عمر نے تم سے کیا کہا تھا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ اب آپ نے خدا کی قسم دی ہے تو میں کہتا ہوں۔ کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ بنی ہاشم کے اس بزرگ کی بیعت کر لو جس کے سر کے آگے بال کم ہیں۔ وہ روشن دلیل پر لے چلے گا اور کتاب خدا اور شریعت رسول پر قائم کریگا۔ آپ نے فرمایا: ہاں اے ابن عمر اور تم نے کیا جواب دیا تھا عبداللہ نے کہا میں نے کہا تھا کہ آپ کو کیا مانع ہے کہ آپ انہیں خلیفہ مقرر

کر دیں آپ نے فرمایا کہ پھر عمر نے کیا جواب دیا تھا عبداللہ نے کہا میں اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتا، آپ نے فرمایا کہ سرورِ کائنات نے مجھے یہ سب بتلا دیا تھا۔ کہ تم نے کیا کہا اور انھوں نے کیا جواب دیا۔ عبداللہ نے کہا۔ انہوں نے کیا فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ اپنی زندگی میں بھی بتلا گئے تھے کہ یہ یہ ہوگا۔ اور وفات کے بعد اس رات خواب میں بتلایا جس رات تمہارے باپ کا انتقال ہوا ہے۔ اور جو آنحضرت کی خواب میں زیارت کرے وہ یقین رکھے کہ اس نے جاگتے ہوئے ان سے ملاقات کی ہے۔ عبداللہ نے کہا انہوں نے آپکو کیا خبر دی ہے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں بتا دوں تو تمہیں اس کی تصدیق کرنا پڑے گی۔ عبداللہ نے کہا یا تصدیق کر دونگا اور یا چپ ہو جاؤنگا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم نے اپنے باپ عمر سے یہ کہا کہ انہیں خلیفہ مقرر کر دینے میں کیا مانع ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں وہ تحریر مانع ہے جس کا ہم نے کعبہ میں بیٹھ کر معاہدہ کیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر۔ عبداللہ بن عمر یہ سن کر چپ ہو گئے اور کہنے لگے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے حق میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا نام نہ لیں۔

ابان نے سلیم سے روایت کی ہے کہ میں نے اس مجلس میں عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ حیران ہو کر رہ گئے اور انکی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے۔

پھر حضرت علی مرتضیٰ نے طلحہ اور زبیر اور ابن عوف اور سعد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ خدا کی قسم اگر ان پانچوں نے جھوٹ بولا ہے خدا کے رسول پر تو تمہیں انکی ولایت جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ سچے ہیں تو تم پانچ کو یہ جائز نہیں کہ مجھے اپنے ساتھ شوریٰ میں شامل کرو اس لئے کہ مجھے اس حالت میں شوریٰ میں شامل کرنا رسول اسلام کے منشاء و مرضی کے خلاف ہے۔ پھر آپ نے باقی لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اب بتلاؤ کہ تمہارے درمیان میرا کیا درجہ ہے اور آپ مجھے کیا سمجھتے ہو سچا یا جھوٹا سب نے کہا بلکہ آپ سچے اور

صدیق ہیں اور یہ وہم بھی نہیں ہے کہ آپ نے ظہور اسلام سے قبل یا بعد کبھی جھوٹ بولا ہو۔

(اسرار امامت ترجمہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی صفحہ 147-149)

پس پیغمبر اکرمؐ نے اپنی بیوی سے جس بات کے ظاہر کرنے سے اعراض یا پہلو تہی کی تھی وہ یہی معاہدہ تھا جو ان پانچ حضرات یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ، معاذ ابن جبل، اور سالم مولی حذیفہ نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر کیا تھا۔ کہ اگر محمد صلعم قتل کر دیئے جائیں یا مر جائیں تو خلافت وحکومت حضرت علیؑ کے پاس نہیں جانے دینگے اور حذیفہ بن الیمان کی روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ خانہ کعبہ میں ان پانچوں حضرات کے معاہدہ کرنے کے بعد کا مرحلہ ہے جب انہوں نے مذکورہ معاہدہ کرنے کے بعد طلقائے مکہ اور روسائے مکہ کو اس راز سے آگاہ کر کے ان کو اپنا ہم خیال بنایا اور انہوں نے یہ اعلان ہونے سے پہلے ہی ایسی تدبیریں اختیار کرنی شروع کر دیں جس سے پیغمبرؐ اعلان کرنے سے پہلے ہی ہلاک ہو جائیں۔ اس لئے پیغمبرؐ نے سورہ تحریم کی آیت نمبر 3 میں بیان کے مطابق" عرف بعضہ و اعرض عن بعض" راز فاش کرنے کی بات تو بتلائی لیکن خانہ کعبہ میں جن پانچ افراد نے معاہدہ کیا اور پھر انکی طرف سے طلقائے مکہ اور روسائے مکہ سے بیان کرنے پر انہوں نے جو تدبیریں اختیار کیں اس کے بیان کرنے سے پہلو تہی کی۔ ہو سکتا ہے کہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ کہیں کہ حذیفہ بن الیمان صحابی رسول کی روایت چونکہ حیات القلوب سے نقل کی ہے جو شیعوں کی کتاب ہے اور سلیم بن قیس ہلالی تابعی بھی شیعہ تھا لہذا ہمیں ان دونوں کی باتیں تسلیم نہیں ہیں تو اس بات کی تائید ایک طرح سے دوسری تاریخوں سے بھی ہوتی ہے۔ ابن سعد طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں

"قال لما قبض رسول اللہ صلعم اتی عمر ابا عبیدہ بن الجراح فقال ابسط یدک فلا بایعک فانک امین ھذہ الامة علی لسان رسول

اللہ فقال ابو عبیدہ لعمر مارایت لک فھة قبلھا منذاسلمت اتبایعنی و فیکم الصدیق و ثانی اثنین:

(ابن سعد طبقات الکبریٰ ق اجلد 3 صفحہ 129-129)

یعنی رسول اللہؐ کی رحلت فرماتے ہی حضرت عمر ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس آئے اور کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں کیونکہ تم اس امت کے امین ہو جیسا کہ رسول خدا نے فرمایا ابوعبیدہ نے کہا جب سے تم اسلام لائے ہو میں نے اس کے قبل تم کو مذاق کرتے نہیں دیکھا۔ کیا تم میری بیعت کرو گے درحالیکہ تمہارے درمیان صدیق، اور دو میں کا دوسرا ہے۔

دنیا کا کوئی بھی غیر جانبدار آدمی حضرت عمر کے اس فعل کی درستی کے لئے دلیل پیش نہیں کر سکتا کہ پیغمبر کا جنازہ بے غسل وکفن پڑا ہے اور آپ ابوعبیدہ کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کروں سوائے اس کے کہ اپنی جماعت کے کسی ہم عہد اور حلیف آدمی کے ہاتھ پر فوری طور پر بیعت کر کے اس کی حکومت کا اعلان کر دیا جائے مگر چونکہ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ابوعبیدہ بن جراح پہلے مرحلے میں خلیفہ بننے سے ڈرتے تھے جسکا بیان آگے آئیگا پس ابوعبیدہ نے حضرت عمر کو خلیفہ بنانے کے لئے حضرت ابوبکر کا نام تجویز کیا مگر وہ اپنے گھر مدینہ سے دو میل پرے محلہ سخ میں گئے ہوئے تھے لہذا حضرت عمر نے ابوعبیدہ کے پاس سے لوٹتے ہی مسجد نبوی میں تلوار نیام سے نکال لی اور کہنے لگے جو کوئی یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی میں اسے قتل کر دونگا۔

مولانا شبلی نعمانی نے اپنے کتاب الفاروق میں حضرت عمر کے اس عمل کو اس طرح سنوار کر پیش کیا ہے

"عام روایت ہے کہ حضرت عمر اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر

اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی میں اسکو قتل کردونگا۔

(الفاروق شبلی حصہ اول صفحہ 111 دوسرا ایڈیشن)

اور جس وقت اطلاع ملنے پر حضرت ابوبکر تشریف لائے اور انہوں نے مجمع کے سامنے وہ آیات تلاوت کیں جن میں آنحضرت کی موت کا ذکر تھا تو حضرت عمر نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ''او انها فی کتاب الله ما شعرت انها فی کتاب الله ثم قال یا ایها الناس هذا ابوبکر ذو سبقة فی المسلمین فبایعوہ فبایعوہ''

(البدایہ والنھایہ جلد 5 صفحہ 242)

یعنی کیا یہ آیت قران میں موجود ہے مجھے تو یہ علم ہی نہ تھا کہ یہ آیت قرآن میں ہے پھر کہا اے لوگوں یہ ابوبکر ہیں جنہیں مسلمانوں میں سبقت حاصل ہے تم انکی بیعت کرو تم ان کی بیعت کرو۔ یعنی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی بیعت بھی خود ہی بلا مشورے اور انتخاب کے کرنے کو تیار تھے اور حضرت ابوبکر کی بیعت کے لئے بھی بلا کسی مشورے اور انتخاب کے کہو رہے تھے۔ اتنے میں سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے جمع ہونے کی خبر ملی لہذا وہاں بھی یہ تینوں حضرات یعنی ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ہی گئے۔ چونکہ وہاں پہلے حضرت ابوبکر نے تقریر کی لہذا انہوں نے فرمایا کہ تم عمر یا ابوعبیدہ میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر بھی پہلے مرحلہ میں خلیفہ بننے سے ڈرتے تھے۔ لہذا حضرت عمر نے فوراً حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی اور بعد میں وہ کہا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر نے جو تقریر کی وہ بہت اچھی تھی مگر انکی ایک بات مجھے پسند نہیں آئی کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں آگے کیا جاؤں اور میری گردن ماری جائے۔

(صحیح بخاری باب رجم الحبلی من الزنا الجزء رابع صفحہ 120-119)

حضرت عمر کی آخری وقت میں یادرفتگاں کیوں؟

ایک بات جس سے مذکورہ پانچ آدمیوں کے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر عہد نامہ تحریر کرنے کی تصدیق ہوتی ہے وہ حضرت عمر کی آخر وقت میں یادرفتگاں ہے۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ ''جب حضرت عمر نے موت کو قریب دیکھا تو اپنے لڑکے سے کہا کہ حضرت عائشہ کے پاس جاؤ جا کر میرا اسلام کہو اور ان سے اجازت مانگو کہ میں ان کے گھر میں جناب رسول خدا اور ابوبکر کے پاس دفن کردیا جاؤں پس عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ کے پاس گئے اور یہ پیغام پہنچایا انہوں نے کہا سر آنکھوں سے بڑی خوشی سے اور کہا اے بیٹے عمر کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ امت کو بغیر محافظ کے نہ چھوڑ جانا اپنا جانشین ان پر مقرر کردو اپنے بعد ان کو حیران اور بغیر نگہبان کے نہ چھوڑنا مجھے ڈر ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو۔ پس عبداللہ آئے اور حضرت عمر کو یہ پیغام پہنچایا، حضرت عمر نے کہا حضرت عائشہ نے کس کو خلیفہ مقرر کرنے کا حکم دیا ہے اگر ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں انکو خلیفہ مقرر کرتا اور انکو حاکم بناتا۔ یا اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا۔ اور اگر سالم مولی حذیفہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا

(کتاب الامامت والسیاست صفحہ 22)

(تاریخ طبری الجزء الخامس صفحہ 34)

حضرت عائشہ کی طرح بعض صحابہ نے بھی حضرت عمر سے اسی قسم کی درخواست کی لہذا ان کے جواب میں بھی انہوں نے یہی فرمایا طبری کے الفاظ ہیں

" ان عمر ابن الخطاب لما طعن قیل له یا امیر المومنین لو استخلفت قال من استخلف لو کان ابو عبیدہ بن الجراح حیاً استخلفته الخ

(طبری جلد پنجم صفحہ 34)

جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو ان سے صحابہ کرام نے کہا کہ یا امیر المومنین آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں انہوں نے کہا کہ اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں انکو خلیفہ مقرر کرتا یا معاذ ابن جبل زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا یا سالم مولی حذیفہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا۔ یہ بات تاریخ طبری جلد پنجم صفحہ 34 کے علاوہ تاریخ خمیس جلد 2 صفحہ 227 اور تاریخ کامل الجزء الثالث صفحہ 25 پر بھی لکھی ہوئی ہے۔ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے بارے میں تو وہ اپنے دور حکومت میں بھی یہ کہا کرتے تھے کہ:

''اگر میری موت آگئی اور اس وقت ابوعبیدہ زندہ ہوئے تو میں انکو خلیفہ مقرر کروں گا (تاریخ اسلام ذھبی جلد 2 صفحہ 23)

تاریخ اسلام کے عربی الفاظ اسطرح ہیں ''ان ادر کنی اجلی و ابو عبیدہ حی استخلفتہ'' (تاریخ اسلام ذھبی جلد 2 صفحہ 23)

کیا محمد اشرف سیالوی صاحب غور کریں گے کہ یہ پانچوں حضرات یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت سالم مولی حذیفہ، وہی نہیں ہیں جن کے بارے میں حضرت علی نے اصحاب شوریٰ کے سامنے انکشاف کیا کہ انہوں نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر یہ معاہدہ کیا تھا۔ کہ حضرت علیؑ کے پاس خلافت نہ جانے دیں گے۔ یہ تاریخیں تو اہل سنت کے معتبر مورخین کی لکھی ہوئی ہیں لہذا ان کے بیان کو مانے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ اس معاہدہ کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے۔ جس کو حذیفہ بن الیمان نے بیان کیا کہ انہوں نے طلقائے مکہ اور روسائے مکہ سے یہ کہا کہ پیغمبر اپنے بعد قیصر و کسریٰ کی طرح حکومت کو اپنے ہی خاندان میں رکھنا چاہتے ہیں اور پھر ان طلقائے عرب اور سرداران قریش نے پیغمبر کو ہلاک کرنے کی تدبیریں کرنی شروع کر دیں لہذا پیغمبرؐ نے اپنی اس زوجہ سے اس بات کو تو بیان کر دیا کہ اس نے راز فاش کر دیا ہے مگر بعد میں جو سازشیں

ہوئیں اس سے پہلوتہی کی اور انکی سازش کے کامیاب ہونے سے پہلے ہی مکہ سے کوچ کر دیا کیونکہ پیغمبر مکہ سے اعلان کئے بغیر ہی روانہ ہو گئے تھے لہذا تہدیدی حکم نازل ہوا اور ''یا ایھا الرسل بلغ'' کی آیت میں ''واللہ یعصمک من الناس'' کے ذریعہ ضمانت دی کہ تمہارا یہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب ذرا ٹھنڈے دل کیساتھ غور کریں کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنانے کا حق اور اختیار نہیں تھا تو حضرت عمر کو یہ اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا؟ پھر پیغمبر نے تو اتنی مرتبہ اور اتنے طریقوں سے یہ فرمایا تھا کہ میرے بعد بارہ جانشین بارہ خلیفہ بارہ امام یا بارہ امیر ہونگے اور پیغمبر کی یہ حدیث اہل سنت کی تمام معتبر و مستند حدیث کی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے مثلاً صحیح بخاری پ 29 ص 623، صحیح مسلم جلد 2 ص 119، صحیح ترمذی ص 269، سنن ابی داؤد جلد 2 ص 210، مشکواۃ جلد 8 ص 93 مستدرک جلد 4 ص 501، مسند امام احمد حنبل جزو 3 ص 106 اور کنز العمال میں یہ حدیث کئی طریقوں سے وارد ہے ملاحظہ ہو جلد 6 ص 60-62-198-200 ان احادیث میں سب میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ بارہ کے بارہ قریش میں سے ہونگے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں اس حدیث کو پیغمبر کی پیشین گوئیوں میں شمار کیا ہے اور پیشین گوئی تو پیشین گوئی ہی ہوتی ہے۔ لہذا نہ تو بارہ سے ایک کم ہو سکتا ہے اور نہ بارہ سے ایک زیادہ اور نہ ہی قریش کے علاوہ کسی اور قبیلے سے ہوگا۔ لیکن حضرت عمر فرماتے ہے کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں اسکو خلیفہ بناتا یا اگر معاذ ابن جبل زندہ ہوتے تو میں اسکو اپنا خلیفہ بناتا۔ ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ابوعبیدہ تو قریش سے تھے لیکن معاذ ابن جبل انصار سے تھے اور سالم مولی حذیفہ آزاد کردہ غلام تھے۔ پیغمبر مسلم احادیث میں یہ فرما رہے ہیں کہ وہ سب کے سب قریش سے ہونگے لیکن حضرت

عمر کہتے ہیں کہ اگر معاذ ابن جبل انصاری یا سالم مولا حذیفہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا۔ ذرا سوچیں غور سے سوچیں پیغمبر فرما رہے ہیں کہ وہ قریش سے ہونگے حضرت عمر فرما رہے ہیں کہ میں معاذ ابن جبل یا سالم مولی حذیفہ کو خلیفہ بناتا جبکہ یہ دونوں قریش سے نہیں تھے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں ابن حجر کی فتح الباری جلد 13 ص 97-96-93، مسند احمد جلد 3 ص 183-129 جلد 4 ص 421، مسند ابوداؤد حدیث نمبر 926، 2133 کے حوالے سے یہ لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت کی تھی کہ امام قریش میں سے ہوں۔ (خلافت وملوکیت ص 295)

یہ (الائمة من قریش) کا ترجمہ کیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ امام قریش میں سے ہونگے۔

جب تک بنی امیہ کی حکومت رہی یہ حدیث قریش ہی کے حق میں تھی جب تک بنی عباس کی حکومت رہی جب بھی قریش ہی کے حق میں رہی۔ مگر جب ترکی میں سلطنت عثمانیہ قائم ہوئی جو قریش نہیں تھے مگر وہ خلیفہ کہلاتے تھے اور حکومت پر برسر اقتدار آنے والوں کو خلیفہ ماننے والے انہیں خلیفہ مانتے تھے۔ ابن خلدون نے سلطنت عثمانیہ کی تائید میں پیغمبر کا فرمان بدل دیا اس کی نئی تاویل کی اور یہ کہا کہ اس وقت حالات کی وجہ سے پیغمبر نے ایسا کہا تھا کیونکہ عربوں کا زیادہ سے زیادہ اتفاق کسی کی خلافت پر ہوسکتا تھا تو وہ قریش کی خلافت پر تھا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی تھی کہ امام قریش میں سے ہو۔ (خلافت وملوکیت ص 255 بحوالہ تاریخ ابن خلدون)

اور پھر مولانا مودودی نے اس کا جواز اس طرح دلیل دے کر ثابت کیا کہ: "اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اسلامی خلافت از روئے شریعت صرف ایک قبیلہ کا دستوری حق تھی" اور پھر ابن خلدون کا بیان کر کے لکھتے ہیں کہ: "اگر یہ منصب غیر قریشی کے لئے شرعاً ممنوع ہوتا تو

حضرت عمر اپنی وفات کے وقت یہ نہ کہتے کہ اگر حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا جانشین تجویز کرتا (خلافت وملوکیت ص 255)

مسلمانوں کے حضرت علی کے تعلق سے دو گروہ ہیں مسلمانوں کا ایک گروہ وہ ہے جو حضرت علی کو پیغمبر کے بعد سب سے افضل مانتا ہے اور دوسرا گروہ ترتیب خلافت کے لحاظ سے مرتبہ کا قائل ہے۔ یعنی پہلے مرحلہ حضرت ابوبکر، دوسرے مرحلہ میں حضرت عمر، تیسرے مرحلہ میں حضرت عثمان اور چوتھے مرحلہ میں حضرت علی علیہ السلام

پہلا طبقہ پیغمبر کی احادیث کی روشنی میں حضرت علیؑ کو کائنات میں سب سے زیادہ افضل مانتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ ترتیب خلافت کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت علیؑ کو چوتھے نمبر پہ افضل مانتا ہے اب علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب غور کریں کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اگر معاذ ابن جبل زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا۔ یا حذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اس کو خلیفہ بناتا۔ یعنی ترتیب خلافت کے لحاظ سے اگر حذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتا تو حضرت عمر اسکو تیسرے نمبر پر خلیفہ بناتے تو وہ حضرت عمر کے بعد ساری کائنات میں سب سے افضل ہو جاتا۔ علامہ اشرف سیالوی صاحب کچھ غور کریں آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ پیغمبر نے فرمایا تھا کہ وہ خلفاء یا امام قریش میں سے ہونگے یہ معاذ ابن جبل انصاری اور سالم مولی حذیفہ کو عمر کس وجہ سے اپنے بعد خلیفہ بناتے؟۔ کیا حضرت علی علیہ السلام نے جو شوریٰ کے وقت احتجاج میں یہ انکشاف کیا تھا کہ ان پانچ آدمیوں یعنی حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت ابوعبیدہ حضرت معاذ ابن جبل اور حضرت حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم نے حج کے موقع پر خانہ کعبہ میں بیٹھ کر یہ معاہدہ کیا تھا کہ حضرت علیؑ کے پاس حکومت نہیں جانے دینگے۔ وہ صحیح ثابت نہیں ہو رہا؟ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ کے ذریعہ قبائل قریش کی حمایت حاصل ہوگئی۔ اور معاذ ابن جبل کے ذریعہ انصار میں سے

معاون لئے اور اسطرح ایک مظبوط سیاسی جماعت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس سے وہ
اس سازش میں کامیاب ہو گئے۔

علامہ شبلی نے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی اور خطرناک وضرر رساں
سازش تھی۔ جس کے لئے خدا کو یہ کہنا پڑا کہ اگر تم اس معاملہ میں پیغمبرؐ کے خلاف ایک
دوسرے کی مدد کرو گی تو خدا۔ اور جبرائیل اور صالح المومنین اور سارے کے سارے فرشتے
پیغمبر کی مدد کے لئے تیار ہیں۔ مگر وہ اس سازش سے پردہ اٹھانے میں ناکام رہے۔ بلکہ
جان بوجھ کر اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور اس جھوٹی روایت کا سہارا لیا جسے وہ اس سے
پہلے صفحات میں ساقط الاعتبار کہہ چکے تھے۔ اور اب بھی اسے خطرے کی کوئی بات نہیں سمجھتے
تھے اور پھر اس خطرناک سازش کو نان ونفقہ میں تنگ حلقی کے واقعہ کے ساتھ ملا کر قیاسی
گھوڑے دوڑائے۔ جسے وہ خود لکھ چکے تھے۔ کہ یہ بھی ایسی بات نہیں ہے جس کے لئے اتنی
بڑی مدد کی ضرورت ہو۔

لیکن حذیفہ بن الیمان اور سلیم بن قیس ہلالی کی روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے
یہ واقعا ایک خطرناک اور ضرر رساں سازش کا واضح انکشاف ہے۔ کیونکہ طلقائے مکہ اور
روسائے قریش جو فتح مکہ کے موقع پر اپنی شکست کے نتیجہ میں محض کلمہ پڑھ کر داخل اسلام
ہوئے تھے یہ دیکھ کر اور سن کر بہت خوش ہوئے ہونگے کہ محمدؐ کا وفات کا وقت آخر قریب آ گیا
ہے۔ اور سب سے بڑھ کر خوشی کی بات انکے نزدیک یہ تھی کہ خود پیغمبرؐ کے اصحاب میں سے
سرکردہ حضرات اس بات کے خلاف ہیں کہ خلافت خاندان بنی ہاشم میں چلی جائے۔

حضرت عمر نے بھی اس مسئلہ کو ایک زیرک، ہوشیار اور قابل ترین انقلابی لیڈر کی
طرح صرف اس حد تک محدود رکھا کہ "پیغمبر علیؑ" کو اپنا جانشین بنا کر حکومت کو خاندان بنی
ہاشم میں محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم ہرگز کسی طرح بھی ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

لیکن اس بات کو آخر تک سامنے نہیں آنے دیا کہ اگر علیؑ نہ ہونگے تو پھر کون
ہوگا؟ کیونکہ اسطرح انکی ذات محل نزاع بن سکتی تھی۔ اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ تائید کا
حاصل ہونا مشکل ہو جاتا اس بات کے پردہ میں رہنے سے ہر وہ آدمی جو اس بات کی امید
رکھتا ہو ساتھ دینے کے لئے تیار ہو سکتا تھا۔ چنانچہ بنی امیہ کے رئیس و سردار ابوسفیان کے
لئے یہ بات بہت ہی خوش آئند تھی اور اس تحریک میں اسے اپنے اقتدار کا چانس صاف نظر
آ رہا تھا۔ کیونکہ صنادید عرب اور سرداران قریش میں سے جتنے بڑے بڑے سردار تھے ان
میں سے اکثر جنگ بدر میں کام آ چکے تھے۔ اور اب ان میں سے صرف ابوسفیان ہی زندہ
تھا۔ جو بنی امیہ کا رئیس تھا۔ اور بنی امیہ خاندانی برتری کے لحاظ سے بنی ہاشم کے بعد اپنے
آپ کو قریش میں سب سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے قبیلوں میں
بنی تیم اور بنی عدی کو تو کسی حساب وشمار میں ہی نہ سمجھتے تھے۔

لہٰذا ابوسفیان کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا فطری تھا کہ اگر علی کو خلیفہ نہ بننے دیا
جائے تو پھر بنی امیہ کے سردار کو ہی خلافت کے لائق سمجھا جائیگا۔ اور حضرت عمر اس بات سے
خوش تھے کہ حضرت علیؑ کے اعلان جانشینی کو رکوانے کے لئے قریش کی کل طاقت انکی ہموا
ہو گئی تھی۔

اعلان غدیر کی ایک خاص بات

سورۃ تحریم کی آیت نمبر 3 میں جو سابق میں نقل ہو چکی ہے یہ آیا ہے کہ:
"عرف بعضه و اعرض عن بعض" "یعنی آنحضرتؐ نے اپنی اس بیوی کو بعض باتیں
تو بتلا دیں اور بعض کو نہ بتلایا۔ تو وہ بات جو بتلائی وہ تو وہی تھی جو پیغمبرؐ نے راز افشا نہ کرنے

کے وعدہ پر اپنی اس بیوی کو بتلادی تھی، اسی لئے اس نے یہ پوچھا کہ "من انباک ھذا" آپ کو اس بات کی کس نے خبر دی" (کہ میں نے وہ راز کی بات آگے بیان کردی ہے)

لیکن وہ بات جو نہیں بتلائی وہ یہ تھی جو اس راز کے افشاء کرنے سے پروان چڑھی تھی۔ بلکہ پیغمبر نے یہ اعلان کئے بغیر اس سازش پر عمل درآمد سے پہلے ہی مکہ سے کوچ کا حکم دیدیا۔ اور پیغمبر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

غدیر خم کے مقام پر پہنچے تھے کہ خداوند تعالی کا یہ تہدیدی حکم نازل ہوا۔

"یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمک من الناس"

اے پیغمبر جو حکم تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسکی تعمیل کرو اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو ایسا ہے جیسا کہ تم نے کوئی کار رسالت انجام نہیں دیا اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچالیگا۔

اکثر مفسرین و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس حدیث کو 152 سے زیادہ مخرجین حدیث نے بیان کیا ہے۔

لیکن بعض نئے فرقوں کے بانیوں مثلاً غلام احمد پرویز اور بعض مفسرین مثلاً شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کی تفسیر میں اصلی بات سے اعراض کرنے لئے یہ موقف اختیار کیا ہے جیسا کہ پیغمبر کو کوئی پیغام بھیجنے سے پہلے یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ ہم تمھارے پاس جو احکام بھیجا کریں گے اگر تم نے وہ احکام نہ پہنچائے تو تم نے کار رسالت انجام نہ دیا۔

حالانکہ پیغمبر جب کوئی کار رسالت انجام ہی نہ دینگے تو پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ

انہوں نے رسالت کا کوئی کام انجام دیا ہے۔ جبکہ اس تفسیر میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے اس آیت کا ترجمہ اسطرح کیا ہے۔

"اے رسول پہنچادے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اسکا پیغام۔ اور اللہ تجھ کو بچالیگا لوگوں سے"

(تفسیر عثانی ص 153 ترجمہ مولانا محمود حسن)

آیت کے الفاظ پکار پکار کہہ رہے ہیں کہ کوئی نیا تازہ حکم ماضی قریب میں اترا ہے اور پیغمبر نے اسے کسی وجہ سے پہنچایا نہیں ہے اور یہ حکم ایسا ہے کہ اگر یہ نہ پہنچایا تو آج تک کا تمام کار رسالت اکارت، رایگاں اور ضائع ہو جائیگا۔ اور پھر اسے نہ پہنچانے کی جو وجہ حائل تھی اسکی ضمانت دی کہ اللہ تجھ کو بچالیگا لوگوں سے" یعنی اس پیغام کو پہچانے کو روکنے کے لئے آپکو جان سے مار دینے کی تدبیریں ہو چکی تھیں اور پروگرام بن چکا تھا۔ اور اس طرح کا اعراض کرنے والوں کے لئے اتنا بیان ہی کافی ہے۔ لیکن چونکہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں یہ لکھا ہے کہ:

"حضرت شیخ الاسلام نے ان امور کی حقیقت بھی واضح فرمادی جن کو خلافت خلفاء کے منافی سمجھا جاتا تھا مثلاً حدیث منزلت اور حدیث غدیر" (تحفہ حسینیہ ص 16)

انکی اس تحریر سے ثابت ہے کہ ان کے نزدیک حدیث منزلت اور حدیث غدیر صحیح اور ثابت ہیں۔ لیکن یہ ان کے نزدیک خلافت خلفاء کے منافی نہیں ہیں

لہذا ہمیں یہاں پر اعلان غدیر کے حوالے اور اسناد نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم آیہ بلغ میں جو خاص بات بیان ہوئی ہے اسکا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں

یہ آیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو مخاطب کرکے کہہ رہی ہے: "بلغ ما انزل الیک من ربک" "اے رسول پہنچادے جو تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔"

پیغمبر پر قرآن کی صورت میں اس سے پہلے جو کچھ نازل ہو چکا تھا وہ آنحضرت نے سب کا سب پہنچا دیا تھا۔ اصحاب کو لکھا دیا تھا۔ اور بہت سے اصحاب نے اسے حفظ کر لیا تھا۔ اور اس لئے آپ نے دوسرے مقامات کی طرح میدان عرفات میں بھی یہ فرمایا تھا۔ کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن اور دوسرے میری عترت۔ لہذا یہ اب تک نازل شدہ قرآن کے پہنچانے کا حکم نہ تھا۔ وہ تو سارے کے سارا پہنچایا جا چکا تھا۔ یہ کوئی تازہ حکم تھا۔ جو مکہ سے چلنے سے پہلے نازل ہوا تھا۔ جیسا کہ فرمایا "ما انزال الیک من ربک" جو تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی نیا اور تازہ حکم نازل ہوا تھا جو پیغمبر نے پہنچایا نہیں ہے۔

حالانکہ پیغمبرؐ کا کام اور فریضہ ہی پہنچا دینا ہے لہذا اس پیغام کو نہ پہنچانے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی۔ اور اس کے پہنچانے کے لئے خدا کا یہ ضمانت دینا کہ خدا تم کو لوگوں کے شر سے بچالیگا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ اسی پیغام کے پہنچانے کو روکنے کے لئے لوگ اس شر پر تیار ہو گئے تھے۔ اور وہ اس شر پر یقیناً اس وجہ سے تیار ہوئے کہ ان کو اس بات کا کسی طرح سے علم ہو گیا تھا۔ جس سے وہ خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی جسے آنحضرت نے اپنی بیوی کو جتلانا مناسب نہ سمجھا اور خدا نے اس کی طرف " واعرض عن بعض " کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ پیغمبر نے وہ بات اپنی بیوی کو نہ بتلائی جو اس راز کے افشاء کرنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ اب اس بات کو پہنچا دینے کے حکم دینے کے بعد خداوند تعالیٰ تہدیدی انداز میں فرما رہا ہے کہ " و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ " یعنی اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو ایسا ہوگا گویا کہ آپ نے کوئی کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ خدا نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم نے یہ نہ پہنچایا۔ بلکہ یہ کہا کہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو ایسا ہے جیسا کہ تم نے کوئی بھی کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کے شیخ الاسلام حدیث غدیر کے چاہے جو کچھ معنی کرتے رہیں لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جس کا نہ کرنا خدا کے نزدیک ایسا تھا جیسا کہ پیغمبر نے کوئی کار رسالت انجام ہی نہیں دیا اور یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ کام ایسا ہو کہ اب تک جو کچھ پہنچایا ہے اگر یہ کام نہ ہو تو وہ محفوظ نہ رہے گا۔ اور اس کام کے کرنے کی صورت میں ہی پیغمبر کا پہنچایا ہوا یعنی قرآن محفوظ رہ سکے گا۔

بیشک خدا نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون" بیشک یہ قرآن ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور یقیناً قرآن کی اس حفاظت سے مراد اس کے الفاظ اس کے حروف اس کے زیر اسے زبر اسکے پیش اس کے شد اس کے مد وغیرہ ہی کی حفاظت نہیں ہے بلکہ اس کے معنی کی حفاظت بھی اسی کے ذمہ ہے۔ اور اسی حفاظت کا اس نے غدیر کے دن انتظام کیا چنانچہ خطبہ میں بیان کردہ دیگر امور کے علاوہ ایک حدیث ثقلین بھی ہے جسے علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے مسلمہ فریقین تسلیم کرتے ہوئے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے عنوان "کلمۃ التقدیم" کے تحت صفحہ 13 پر نقل کیا ہے اور یہ حدیث ثقلین یہ کہتی ہے کہ جو قرآن کے ساتھ ساتھ پیغمبرؐ کے اہل بیت کی اطاعت و پیروی کریگا وہ گمراہ نہ ہوگا۔ بصورت دیگر گمراہی مقدر میں ہے۔ اور اس آیت کا یہ جملہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پیغمبرؐ نے وہ حکم اب تک کیوں نہ پہنچایا وہ فقرہ یہ ہے کہ: " واللہ یعصمک من الناس " اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچالیگا۔ اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ پیغمبرؐ نے وہ کام اب تک اس لئے نہ کیا تھا کیونکہ لوگوں نے اس کام کو کرنے سے روکنے کے لئے سازش کر کے نقصان پہنچانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اسی لئے پیغمبرؐ نے غدیر خم کے مقام پر اپنے خطبہ میں اس پیغام کو اب تک نہ پہنچانے اور اس کام کو نہ کرنے کی وجہ بتلاتے ہوئے، حمد و ثنائے پروردگار

کے بعد یہ ارشاد فرمایا۔

" اعلمنی انی ان لم ابلغ ماانزل الی فما بلغت رسالته . فقد ضمن لی تبارک و تعالیٰ العصمة وهوا لکافی الکریم فاوحی الی بسم الله الرحمن الرحم یا ایها الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک فی علی و ان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس"

(خطبہ غدیر از احتجاج طبرسی)

اس نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ جو حکم مجھ پر نازل کیا گیا۔ اگر میں اسے نہ پہنچاؤں تو یہ ایسا ہوگا جیسا کہ میں نے اسکا کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔ اس خداوند بزرگ و برتر نے مجھے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ مجھے لوگوں کے شر سے بچالے گا اور اللہ کی ذات کافی کریم ہے اس نے مجھے یہ وحی فرمائی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے علی کے بارے میں نازل کیا گیا ہے اسے پہنچادو اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا تم نے کوئی بھی کار رسالت انجام نہیں دیا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچالیگا۔

اس کے بعد آپ نے اپنے خطبہ کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: معاشر الناس ماقصرت فی تبلیغ ما انزله الی وانا مبین لکم سبب هذه الایت ان جبرئیل علیه السلام حبط الی مرارا ثلاثا یا مرنی عن السلام ربی وهو السلام ان اقوم فی هذا المشهد فاعلم کل ابیض و اسود ان علی ابن ابی طالب اخی و وصی و خلیفتی والامام من بعدی الذی محله منی محل هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی وهو ولیکم بعد الله ورسوله" (خطبہ غدیر از احتجاج طبرسی)

اے لوگوں جو کچھ اس نے نازل فرمایا ہے میں نے اس کے پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی اور اب میں اس آیت کا شان نزول بھی تمہارے لئے واضح طور پر بیان کرتا ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس تین مرتبہ آئے اور یہ حکم لائے سلام کے ساتھ میرے رب کی طرف سے جو خود سلام ہے، کہ میں اس مقام پر کھڑے ہو کر ہر گورے اور کالے کو یہ اطلاع دوں کہ علی ابن ابی طالب میرے بھائی میرے وصی، میرے خلیفہ، اور میرے بعد امام ہیں جس کی منزلت اور نسبت میرے ساتھ وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ وہ اللہ اور رسول کے بعد تم سب کا ولی ہے اور میرے بعد تم سب کا سرپرست و حاکم ہے اور سابقہ صفحات میں لفظ ولی کے معنی کے بارے میں مفصل بیان آچکا ہے لہذا وہاں پر رجوع کریں۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور ان کے شیخ الاسلام حدیث غدیر کا جو چاہے کچھ مطلب کرتے رہیں لیکن اہل سنت کے ایک بزرگ امام غزالی نے اپنی کتاب سر العالمین میں خطبہ غدیر کے بارے میں اس طرح فرمایا ہے۔

" ولکن اسفرت الحجة و جهها واجمع الجماهیر علی متن الحدیث من خطبة یوم الغدیر خم وهویقول من کنت مولاه فعلی مولاه فقال عمر بخ بخ لک یا اباالحسن لقد اصبحت مولیٰ لکل مومن و مومنة . هذا تسلیم و رضی و تحکیم ثم بعد هذا غلب الهوی بحب الریاسة وحمل عمود الخلافة وعقود البنود و خفقان الهوا وقعقعة الرایات و اشتباک ازدحام الخیول وفتح الامصار سقاهم کاس الهوا فعادوا الی الخلاف الاول فنبذه وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قلیلا وبئس ما یشرون"

(سر العالمین غزالی باب 3 . المقاله لثه الرابعه فی ترتیب الخلافه)

ترجمہ: امام غزالی خلافت کے سلسلے میں دوسروں کے نظریات رد کرنے کے بعد فرماتے ہیں

لیکن حجت قطعی نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی اور خطبہ غدیر میں جو کچھ پیغمبر نے فرمایا اس کے متن پر جمہور کا اجماع و اتفاق ہے۔ آپ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں علی بھی اسکا مولا ہے۔ یہ سنکر حضرت عمر نے کہا اے ابوالحسن تم کو مبارک ہو کہ تم میرے اور ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کے مولا قرار پائے حضرت عمر کا یہ کہنا صریحا اطاعت کا اقرار ہے۔ انکے مولا ہونے پر رضا مند ہو جانا ہے اور انکی حکومت کو مان لینا ہے اب اس کے بعد (صاف بات یہ ہے کہ) سلطنت کی محبت حکومت کے جھنڈے اٹھانے اور لشکر کے لئے علموں کے باندھنے اور جھنڈوں کے ہوا میں لہرانے اور گھوڑوں کی ٹاپوں کے نقش کے جال بنانے اور فوجوں کے ہجوم اور ملکوں کی فتح کی حرص غالب ہوئی اور اس نے ان کو خواہشات نفسانی کا جام پلا دیا۔ پس وہ سب اول کے خلاف (زمانہ جاہلیت) کی طرف پلٹ گئے۔ اور ارشاد نبوی کو پس پشت ڈال دیا اور بہت ہی کم داموں پر اسکو بیچ ڈالا۔ بیچا اور بہت ہی برا بیچا۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو اہلسنت کے معروف محدث و عالم ہیں حدیث غدیر کے بارے میں سطرح لکھا ہے کہ"

"ایں حدیث صحیح است بیشک روایت کردہ اند آنرا شانزدہ صحابہ و در روایتے مر احمد آمدہ کہ شنیدہ اند آں را از حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سی صحابی و گواہی دادند بداں مر علی را در وقت کہ نزاع و خلاف کردہ شد باوے در ایام خلافت وے و بیسار از اسانید اں صحاح و حسان است والتفات نیست بقول کسے کہ سخن کردہ است در صحت وے و نہ بقول بعضے کہ گفتہ اند زیادت اللھم وال من والاہ موضوع است زیرا کہ وارد شدہ از طرق متعددہ کہ تصحیح کردہ است اکثر آنرا۔ ذھبی کذا قال شیخ ابن حجر فی صواعق صفحہ 371 ، جلد 4 مناقب علی مطبوعہ بمبئی۔

ترجمہ: اور بے شک یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے

مثلاً ترمذی و نسائی اور امام احمد اور اس کے راویوں کے سلسلے (مولف کتاب سے لیکر حضور صلعم تک) بکثرت ہیں۔ اور اسکو سولہ صحابیوں نے روایت کیا ہے اور امام احمد کی ایک روایت ہے کہ اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیس صحابیوں نے سنا بیان کیا۔ اور جس وقت حضرت علی کے زمانہ خلافت میں ان سے مخالفت اور جھگڑا کیا (اور حضرت علیؑ نے واقعہ غدیر پر گواہی مانگی) تو انہوں نے اس واقعہ کی گواہی دی اور اس حدیث کی سند میں بہت سی صحیح اور حسن ہیں۔ اور جس نے بھی اس حدیث کے صحیح و معتبر ہونے میں کلام کیا ہے اس کی بات قابل التفات اور لائق توجہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کا قول لائق توجہ ہے جنہوں نے یہ کہا کہ اس حدیث میں "اللھم وال من والاہ" موضوع ہے۔ کیونکہ بہت سے طریقوں سے وارد ہوا ہے کہ جن میں سے اکثر کو علامہ ذہبی نے صحیح کہا ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے صفحہ 371 جلد 4 مناقب علی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مذکورہ بیان سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

1. حدیث غدیر بلا شک و شبہ صحیح حدیث ہے۔

2. اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے مثلاً ترمذی۔ ونسائی، و امام احمد حنبل وغیرہ۔

3۔ مسند میں امام احمد حنبل کی روایت کے مطابق اس حدیث کو تیس 30 صحابہ نے روایت کیا ہے

4۔ حضرت علی نے زمانہ خلافت ظاہری میں جب امیر معاویہ نے تنازعہ اور بغاوت کی اور حضرت علی نے اپنی امامت و سرداری ثابت کرنے کے لئے حدیث غدیر من کنت مولاہ پر گواہی چاہی تو صحابہ نے گواہی دی کہ ہم نے حضرت رسول خدا صلعم کو غدیر خم پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔

5۔اور جو شخص "وال من والاہ" کو موضوع کہتا ہے وہ جھوٹا ہے کیونکہ یہ بات بہت سے راویوں سے مروی ہے اور ان میں اسے اکثر طریقوں کو امام ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

6 یہ فیصلہ صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ ہی کا نہیں ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابن حجر نے بھی صواعق محرقہ میں یہ فیصلہ دیا ہے۔

7۔اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوہ میں یہ لکھا ہے کہ: اعلان غدیر کے بعد حضرت عمر نے حضرت علی کو مبارک باد دی انکی اصل عبارت میں اسطرح ہے۔

آمدہ است کہ ملاقات کرد علیؑ را عمرؓ بعد ازیں حکایت وگفت گوارندہ باش وشاد باش اے پسر ابو طالب کہ صبح کردی وشام کردی وگشتی مولائے ہر مومن مرد وزن، روایت کردہ است ایں حدیث را احمد از براء بن عازب وزید ابن ارقم انتہی

(صفحہ 861 مطبوعہ مطبع مظہر العجائب 1271ھ)

ترجمہ: روایت ہے کہ اس (واقعہ غدیر) کے بعد حضرت عمر حضرت علی سے ملے اور کہا خوش ہو اور شاد ہو اے فرزند ابو طالب کہ آپ ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے مولا قرار پائے اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت براء بن عازب اور حضرت زید ابن ارقم سے روایت کیا ہے۔

لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی پھر اپنی ہٹ پر رہنے کیلئے علامہ محمد اشرف سیالوی کے شیخ اسلام کی طرح مولا کے معنی دوست کیے تا کہ خلافت خلفاء کے منافی نہ بنے بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس طرح اپنے مسلک کی ایک اور خدمت کی وہ یہ کہ انہوں نے ترمذی سے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکواۃ میں ایک حدیث نقل کی ہے جو ترمذی میں اس طرح تھی۔

"ما تریدون من علی ما تریدون من علی ما تریدون من علی

علی منی وانا منہ وھو ولی کل مومن من بعدی

(ترمذی شریف باب فضائل علی)

یعنی پیغمبر نے (شکائت کرنے والے اصحاب پر غضب ناک ہو کر) فرمایا کہ: "تم علی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو تم علی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو تم علی کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہتے ہو۔علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی وسرپرست وحاکم ہے"

چونکہ من بعدی کی موجودگی میں کسی طرح بھی ولی کے معنی دوست نہیں ہو سکتے تھے لہذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جب صحیح ترمذی سے اس حدیث کو اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکواۃ میں نقل کیا تو اس حدیث کا اول حصہ بھی ساقط کر دیا اور آخر سے من بعدی بھی اڑا دیا۔لیکن آخر میں اتنا ضرور لکھ دیا کہ (رواہ الترمذی) یعنی اس روایت کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح مشکواۃ میں صحیح ترمذی سے نقل کیا ہے اور اس طرح انکی تحریف کھل کر سامنے آ گئی۔ یہود ونصاریٰ نے بھی اپنے بدلے ہوئے عقائد پر قائم رہنے کے لئے توریت وانجیل میں اس طرح سے تحریفیں کی ہیں، چونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو عقیدہ بنا لیا ہے اس سے حق کی طرف آنے کے لئے تیار نہیں ہے لہذا وہ حدیث میں تحریف کرنے پر تیار ہو گئے۔

پیغمبر گرامی اسلامؐ کی دو حیثیتوں کا بیان

پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ نبی ورسول اور ہادی خلق ہونے کی حیثیت سے تمام اہل ایمان کے لئے واجب الاطاعت اور واجب الاتباع تھے۔لیکن مکہ کی تیرہ سالہ زندگی جس طرح آنحضرت نے گزاری اس سے کوئی بھی صاحب علم مسلمان بے خبر نہیں

ہے۔ اس وقت وہ کفار قریش کی طرف سے سختیاں اور تکلیفیں جھیل رہے تھے۔ اور کفار قریش کا ظلم وستم برداشت کر رہے تھے۔ اس وقت حتماً و یقیناً آپ کے پاس دنیاوی اقتدار اور حکومت ظاہری نہیں تھی لہذا دعوت ذوالعشیرہ میں آنحضرت کا حضرت علی کے بارے میں یہ اعلان کہ ''ان ھذا اخی ووصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا'' یعنی بیشک یہ میرا بھائی ہے، میرا وصی ہے، اور میرا جانشین وخلیفہ ہے تم میں، تم اسکی بات سننا اور اسکی اطاعت کرنا در اصل پیغمبر کے جانشین حقیقی کی حیثیت سے بطور ہادی کے تھا۔ یعنی جس طرح پیغمبر کی رسول ہونے کی حیثیت سے اطاعت و پیروی فرض ہے اسی طرح سے حضرت علی کی پیغمبر کا جانشین حقیقی ہونے کی حیثیت سے بطور ہادی کے اطاعت و پیروی واجب و فرض ہے۔

اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو اقتدار دنیاوی حاصل نہ ہوتا تو حکومت کے حصول کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو اجتماع ہوا اس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

لیکن مدینہ آنے کے بعد جب کفار قریش یہاں بھی حملہ آور ہوتے رہے تو خداوند تعالٰی نے مسلمانوں پر جہاد و قتال واجب کر دیا۔ کفار پے در پے حملے کرتے رہے اسطرح جنگ بدر ہوئی اور پھر جنگ احد، اور پھر جنگ خندق ہوئی جسے جنگ احزاب بھی کہتے ہیں۔ جس میں تمام گروہ کفر اکھٹے ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔ لیکن جنگ خندق میں عمر ابن عبدود کے مارے جانے کے بعد کفار قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور اس طرح تصادف حالات سے پیغمبر کو اقتدار ظاہری و دنیاوی بھی حاصل ہو گیا۔ یعنی پہلے صرف مسلمانوں پر اور اہل ایمان پر آپکی اطاعت واجب تھی لیکن اقتدار ظاہری و دنیاوی کے حاصل ہونے کے بعد تمام کفار پر بھی آپ کی حکمرانی ہو گئی اور ایک طرح سے ایک سلطنت بھی معرض وجود میں آ گئی جسکا دار الحکومت مدینہ منورہ تھا۔ لہذا اب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نبی و رسول و ہادی خلق

ہونے کے ساتھ ساتھ اقتدار ظاہری دنیاوی کے حصول کے بعد ایک سلطنت کے حکمران بھی ہو گئے تھے۔

خداوند تعالٰی نے مکہ سے ہجرت کے وقت ہی اس بات کی خوشخبری دیدی تھی اور یہ دعا کرنے کی تاکید فرمائی تھی کہ ''قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً (القران)

یعنی اے پیغمبرؐ میرے حبیب تم یہ دعا کرو کہ اے میرے پروردگار میں جہاں جا رہا ہوں وہاں مجھے سچائی کے ساتھ داخل کر اور یہاں مکہ سے سچائی کے ساتھ نکالنا اور میرے لئے اپنی طرف سے ایسا غلبہ عنائت فرمانا جو تیرے دین کے لئے مددگار رہے۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اب تمہیں ظاہری غلبہ اور دنیاوی اقتدار بھی حاصل ہونے والا ہے۔ اور چونکہ ہادیان دین کے پاس اقتدار ظاہری و دنیاوی کی صورت میں احکام دین کا صحیح صحیح نفاذ ہو سکتا ہے لہذا خدا نے اس بات کو زمین کی اصلاح سے تعبیر کیا اور ارشاد فرمایا۔

''لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا'' یعنی اب ہادی برحق کے پاس اقتدار آنے کی وجہ سے زمین کی اصلاح ہو گئی ہے لہذا تم اسے ہادیان دین سے نکال کر زمین میں فساد کا موجب نہ بننا''

پیغمبر صلعم نے اپنے بعد کے لئے حضرت علیؑ کو اپنی ان دونوں حیثیتوں کے لئے جانشین بنایا تھا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے بعد حضرت علی کی جانشینی کے لئے جتنے اعلانات کئے اور ان میں حضرت علی کو وصی کہا یا خلیفہ کہا، یا ولیکم کہا یا ولی کل مومن کہا یا امامکم کہا، یا من کنت

مولاہ فعلی مولاہ کہا، ان سب میں آنحضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے بعد کے لئے حضرت علی کو اپنی مذکورہ دونوں حیثیتوں کے لئے جانشین بنایا تھا۔ چونکہ ہم اس کتاب کے شروع میں درج ذیل عنوانات میں کافی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ لہذا ان عنوانات کو دوبارہ پڑھ لیا جائے جو یہ ہے۔

1۔ پیغمبر و خدا کے مقرر کردہ ہادی بھی تھے اور حاکم بھی۔

2۔ پیغمبر گرامی اسلام کے بعد امامت جاری ہے۔

3۔ پیغمبر کے بارہ جانشینوں کی پیشن گوئی۔

4 انبیاء ورسل اور ہادیان کی ایک پہچان

5۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی امت کے سامنے حضرت علی کی ہادیانہ حیثیت کو کامل طور پر پہنچوا دیا تھا۔

جہاں تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی علمی جانشینی یا امام ہونے یا ہادی خلق ہونے کا تعلق ہے تو علمی جانشینی یا امامت یا ہادی خلق ہونے کا خداداد منصب ایسی چیز نہیں ہے جو چھینی جا سکے، لیکن دنیاوی حکومت و اقتدار نہ پیغمبرؐ کے پاس پہلے تھا نہ علیؑ کے پاس پیغمبرؐ کے بعد رہنے دیا گیا۔ جس طرح پیغمبرؐ کے پاس تصادف حالات سے عمر کے آخری حصہ میں آیا اسی طرح حضرت علیؑ کو عمر کے آخری حصہ میں ملا جس طرح پیغمبرؐ کو انکی قوم نے اقتدار میں آنے کے بعد بھی جنگوں میں الجھائے رکھا اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی انکی قوم نے برسر اقتدار آنے کے بعد بھی چین سے حکومت نہ کرنے دی اور مسلمانوں کو ان فیوض و برکات سے محروم کر دیا جو امن وامان کی صورت میں باب مدینۃ العلم، امام برحق، اور ہادی خلق سے حاصل ہوتے اور پیغمبرؐ کے بعد حصول اقتدار کی کوشش کرنے والوں نے مسلمانوں کی اکثریت کو آخرت کی بجائے دنیاوی اقتدار کا متوالا بنا دیا۔

حصول اقتدار کے لئے ایک مظبوط سیاسی جماعت کا قیام

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں تاریخ طبری کے حوالے سے عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر کے دو مکالمے یہ کر درج کئے ہیں کہ ان سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ ان مکالموں کو انہوں نے بطور فٹ نوٹ درج کیا ہے۔ ہم ان میں سے اختصار کے پیش نظر صرف ایک کو یہاں نقل کرتے ہیں علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ۔ '' حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔

علامہ طبری نے اس معاملہ سے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمے کی صورت میں نقل کئے ہیں ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے''

حضرت عمر۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباس۔ کیوں؟

حضرت عمر۔ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو

خلافت دینا بھی چاہتے تو انکا ایسا کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا۔

الفاروق شبلی دوسرمدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 265

محمد ابن جریر طبری تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ص 31-30،

تاریخ الکامل الجزء الثالث ص 25-24

علامہ شبلی واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ: ''حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح بھی ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے'' حالانکہ حضرت علی کا قریش کے ساتھ کوئی علیحدہ معاملہ نہیں تھا۔ علیحدہ رشتہ داریاں نہیں تھیں کہ معاملات پیچیدہ ہو جاتے۔ حضرت علی کی کوئی ذاتی دشمنی کسی کے ساتھ نہیں تھی۔ صرف وہی دشمنی تھی جو جنگ ہائے اسلام کی وجہ سے ہو سکتی تھی حضرت علی پر تو آنحضرت اور اسلام کی مدد کرنے کا جرم ہی عائد ہو سکتا تھا۔ البتہ آنحضرت کی نصرت اور اسلام کی مدد کے سلسلہ میں قریش کا کوئی گھر ایسا نہ بچا تھا جسکا کوئی نہ کوئی فرد اسلامی جنگوں میں حضرت علی کے ہاتھوں قتل نہ ہوا ہو۔ لہذا اس بات کو سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کرنا بڑا آسان تھا فتح مکہ کے بعد کفار قریش نے زبانی کلمہ پڑھ کر اسلام تو قبول کر لیا تھا مگر بنی امیہ کا سردار ابوسفیان آخر تک یہی سمجھتا رہا کہ محمد نے یہ سب کچھ سلطنت و حکومت کے حصول کے لئے کیا ہے۔ اور اس نے اس طرح سے اچھی خاصی وسیع و عریض سلطنت و حکومت بنالی ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی نظروں سے بھی پیغمبرؐ کی یہ وسیع و عریض سلطنت چھپی ہوئی نہ تھی انکے دل میں بھی پیغمبرؐ کی بیویوں کے باپ ہونے کی بناء پر اس سلطنت کے حصول کا خیال پیدا ہونا بعید نہیں تھا۔ چنانچہ جب پیغمبر کے اس راز کو کہ وہ حضرت علی کو اپنا جانشین اپنا خلیفہ اور امام امت ہونے کا اعلان کرنے والے ہیں اور حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ پر اس راز کو کھول دیا۔ اور یہ دونوں کی دونوں پیغمبر اکرم صلعم کے خلاف سرگرم عمل ہو گئیں۔ تو انہوں

نے اپنے باپوں سے یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے وہ راز بیان کر دیا۔ تو ان دونوں نے اس بات کو اپنی امیدوں کے خلاف پا کر ابوعبیدہ بن الجراح اور معاذ بن جبل اور سالم مولی حذیفہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر معاہدہ تحریر کیا اور پھر قبائل قریش کو اکٹھا کر کے انہیں اس بات کی اطلاع دی کہ پیغمبرؐ اپنے بعد علی کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنانا چاہتے ہیں پس انکی تحریک پر پیغمبر کی قوم جو ان سے شکست کھا کر اور ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہوئی تھی اس بات پر ڈٹ گئی کہ پیغمبر کے بعد کیلئے حضرت علی کی جانشینی کا اعلان نہیں ہونے دینگے۔ لیکن وہ اپنے منصوبہ میں تو کامیاب نہ ہو سکے مگر اس طرح پیغمبرؐ کی قوم قریش اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ مہاجرین قریش اور مکہ کی شکست کے بعد اسلام میں داخل ہونے والے قبائل قریش اور بنی امیہ کے سردار ابوسفیان اور معاذ ابن جبل انصاری اور سالم مولی حذیفہ کی شرکت سے ایک ایسی سیاسی جماعت معرض وجود میں آگئی جسکا ایک نکاتی منشور یہ تھا کہ نبوت و خلافت ایک ہی خاندان میں نہیں جانے دینگے اور علی کو پیغمبر کے بعد خلیفہ نہیں بننے دیں گے۔ اور یہ نظریہ اہل سنت کے اکثر مورخین نے لکھا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر نے بھی عبداللہ ابن عباس کے ساتھ اپنے مکالمے میں ایک ماہر تجربہ کار اور منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح اپنی خواہش اور اپنی پسند کو قوم کی خواہش اور پسند بنا کر پیش کیا ہے جس طرح ایک منجھا ہوا سیاستدان اور سیاسی لیڈر اپنی پسند اور خواہش کو یوں بیان کیا کرتا ہے کہ قوم یہ چاہتی ہے اور قوم یہ نہیں چاہتی۔ حالانکہ وہ بات چاہتا تو خود ہے اور پھر وہ اپنی جدوجہد سے اپنی خواہش، چاہت اور پسند کو قوم کی چاہت اور پسند بنا دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت آ جائیں۔ اور یہی خواہش حضرت عمر کی تھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ ایشو بنا کر اس تحریک کو چلانے والے حضرت عمر تھے۔ اسی طرح حضرت عمر کے ان الفاظ سے کہ اگر وہ تم کو حکومت دینا بھی چاہتے تو انکا ایسا کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس ساری تحریک کی باگ ڈور حضرت عمر کے ہاتھ میں تھی اور وہی اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے اور آئندہ کے حالات و واقعات سے بھی یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔

طٰہٰ حسین مصری نے بھی اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ میں جس کا اردو میں "حضرت عثمان" کے نام سے ترجمہ ہو چکا ہے حضرت علی کو تیسرے نمبر پر خلیفہ نامزد نہ کرنے کی وجوہات بتلاتے ہوئے اس طرح لکھا ہے۔

"حضرت عمر نے حضرت علی کو دو باتوں کے پیش نظر نامزد نہیں کیا۔ ایک تو یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اپنے سر لیں، دوسری یہ کی قریش کی اکثریت بنی ہاشم سے خلافت اس خوف سے نکالنا چاہتی تھی کہ مبادا وہ ان کی وراثت ہو جائے۔ اور پھر قیامت تک قریش کے کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو سکے۔ چنانچہ قریش کے اس خطرے نے کہ وہ بنی ہاشم کی رعایا نہ بن جائیں اور خلافت کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہونے پائے بنی ہاشم کو قصداً اس سے دور رکھا" (حضرت عثمان اردو ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ ص 161)

پھر حضرت علی کو تیسرے نمبر پر خلیفہ نہ بنانے کی وجوہات بتاتے ہوئے اس سے اگلے صفحہ پر پھر لکھتے ہیں۔

"لیکن مسلمانوں نے دو باتوں کی وجہ سے ایسا کرنا پسند نہیں کیا۔ ایک تو قریش کا یہ خدشہ کہ اگر کسی ہاشمی کو خلافت ملی تو وہیں کی ہو کر رہ جائیگی۔ دوسری بات یہ کہ بیعت کے موقع پر عبدالرحمٰن بن عوف جب یہ شرط پیش کر رہے تھے کہ وہ کتاب وسنت پر چلیں گے اور

شیخین کی اتباع کرینگے اور تجاوز نہیں کرینگے، تو حضرت علی نے اس شرط کے ماننے سے انکار کردیا" (حضرت عثمان اردو ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ 162)

طٰہٰ حسین مصری کے اس بیان میں چند باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں جو حسب ذیل ہے۔

نمبر1۔ پہلی بات یہ کہ حضرت عمر نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اپنے سر لیں۔ طٰہٰ حسین مصری نے دراصل یہ بات حضرت عمر کا کہا ہوا فقرہ دہرایا ہے جو انہوں نے ایک ماہر اور منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح فرمایا ہے۔ ورنہ یہ ذمہ داری خود انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے پوری کی اور اپنے بعد کے لئے مکمل انتظام کیا کہ حضرت علی خلیفہ نہ ہونے پائیں، مگر ایک سوچی سمجھی تدبیر کیساتھ جسکا بیان اپنے مقام پر آئیگا۔

نمبر 2۔ دوسری بات جو طٰہٰ حسین مصری نے لکھی ہے یہ وہی بات ہے جو حضرت عمر نے چلائی تھی، کہ اگر علی خلیفہ ہو گئے تو پھر قیامت تک خلافت کسی اور خاندان میں نہ جا سکے گی۔ یہ خدشہ بغیر بات کے نہیں تھا۔ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور ان کے تمام ہم مشرب اس بات کو مانیں یا نہ مانیں یہ خدشہ حضرت عمر کو اور ان ہی کا پیدا کردہ قریش کو اس وجہ سے تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے بعد قیامت تک کے لئے اپنے حقیقی جانشینوں کا اعلان کر چکے تھے، جنکا پہلا علیؑ ہے اور آخری مہدیؑ ہے۔ اور حضرت عمر حضرت علیؑ کو غدیر خم کے مقام پر بخ بخ لک یا ابو الحسن کہہ کر انکے پیغمبرؐ کا جانشین ہونے اور ہر مومن و مومنہ کا مولا قرار پانے پر مبارک باد دے چکے تھے۔ جسکی تصدیق امام غزالی نے سر العالمین کے چوتھے مقالہ میں اور شیخ محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں کی ہے لہذا انہوں نے یہ ہی تحریک چلائی ہوئی تھی کہ اگر حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے بعد خلیفہ بن گئے تو قیامت تک کسی اور

خاندان میں اقتدار منتقل نہ ہو سکے گا اور دل کی یہ بات تھی۔ کہ وہ خود برسر اقتدار نہ آ سکیں گے جس کے لئے وہ کبھی سے یہ جدوجہد کر رہے تھے۔

نمبر3۔ تیسری بات جو طہٰ حسین مصری نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے شوریٰ کے موقع پر حضرت علی کی بیعت کرنے کے لئے اور انہیں خلیفہ بنانے کے لئے یہ شرط پیش کی تھی کہ وہ قرآن وسنت کی پیروی کے ساتھ شیخین یعنی ابوبکر اور حضرت عمر کے طریقہ پر چلیں گے تو حضرت علی نے سیرت شیخین کی پیروی کرنے سے انکار کر دیا۔

یہ بات علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور انکے تمام ہم مشرب لوگوں کے لئے سرمہ بصیرت کا کام دے سکتی ہے، کہ حضرت علیؑ نے ملتے ہوئے اقتدار اور تخت حکومت کو ٹھوکر ماردی لیکن سیرت شیخین کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ سیرت شیخین کی شرط خود اس بات کی غماض ہے کہ سیرت شیخین قران وسنت کی خلاف تھی، ورنہ علیحدہ سے سیرت شیخین کی شرط پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہ سب کچھ ہم نے اس لئے لکھا ہے کہ ہم نے جو کچھ حیات القلوب سے لکھا ہے اسکی خود حضرت عمر کے بیان انکے طرز عمل اور محققین اہل سنت کے بیان سے تصدیق ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کو محض اس بناء پر رد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک شیعہ عالم کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ حالات وواقعات اس بات کے قوی گواہ ہیں کہ اس ساری تحریک کی باگ دوڑ حضرت عمر کے ہاتھ میں تھی اور وہی اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔

چنانچہ حج سے واپس آنے کے بعد مدینہ میں سازشوں کے جال بنے جانے لگے، جوڑ توڑ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ انصار بھی یہ سرگرمیاں دیکھ کر چوکنا ہو گئے۔ اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر پیغمبرؐ کے بعد ان کے اعلان کے مطابق حضرت علیؑ کو اقتدار سپرد نہیں کیا جاتا تو پھر ان مہاجرین قریش کا کیا حق ہے؟ یہ سلطنت ہم نے بنائی ہے قربانیاں ہم نے

دی ہیں۔ قریش کے مہاجرین کو مہمان بنا کر ہم نے رکھا، ان کے لئے گھربار اور کھانے پینے کا انتظام ہم نے کیا ہے۔ لہٰذا اگر یہ حکومت حضرت علی کو منتقل نہیں ہوتی تو پھر یہ ہمارا حق ہے۔

حضرت علی اپنے مقام پر مطمئن تھے کہ پیغمبر اکرم صلعم نے خدا کے حکم سے میری امامت و ولائت وخلافت کا اعلان کر دیا ہے۔ لہٰذا کسی قسم کی سرگرمی دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

چنانچہ علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ۔ یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ کی تجہیز وتکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق ومحبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گوروکفن چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

تعجب پر تعجب یہ کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابوبکر، عمر) سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر وماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی وخاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرت کے دردوغم اور تجہیز وتکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی''

(الفاروق دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 112)

الفاروق علامہ شبلی کا حضرت عمر کی تعریف میں لکھا ہوا نثر میں ایک قصیدہ ہے۔

اور ان سے جہاں تک ممکن ہوا انکے دفاع میں، چاہے انہیں جھوٹ بھی بولنا پڑا ہو انکی ہر اس بات کا دفاع کیا ہے جو واضح طور پر انکے خلاف ہے۔ چنانچہ مذکورہ عبارت لکھنے کے بعد اور حضرت علی اور بنی ہاشم پر فطری اثر کو تسلیم کرنے کے باوجود حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اس قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے'' لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے'' یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ و ابو بکر وغیرہ آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنی ہاشم اور حضرت علی سے بزور منوانا چاہا، گو بنی ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت تسلیم نہیں کی،۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 113)

جھوٹا دفاع اور جھوٹی وکالت اسے کہتے ہیں کہ جب یہ تمام باتیں سچ ہیں تو اس فقرے کا کیا وزن رہ گیا کہ'' لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے۔'' اس کے بعد شبلی صاحب در حقیقت '' ایسا نہیں ہے'' ثابت کرنے کے لئے جھوٹا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

1۔ '' کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا۔''

2۔ '' کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ گئے تھے۔''

3۔ '' کیا حضرت علی اور بنی ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔''

4۔ '' ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر نے کیا وہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں۔''

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 113)

اس کے بعد شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ'' دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب مسند ابو یعلی کی شہادت نقل کرتے ہیں۔ جس سے واقعہ کی نوعیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 113)

شبلی صاحب نے مسند ابو یعلی کی عربی عبارت فتح الباری جلد 7 ص 23 کے حوالے سے لکھی ہے۔ ہم انحصار کے پیش نظر انکا کیا ہوا عربی متن کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں جو اسطرح ہے۔

'' حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول للہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃ دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرتؐ کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے۔ یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکھٹے ہوئے ہیں۔ جلدی پہنچ کر انکی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابو بکر سے کہا کہ چلو!

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 113)

شبلی صاحب مسند ابو یعلی کی مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد پہلے اور دوسرے غور طلب سوالں کے لیئے اسطرح استدلال کرتے ہیں'' اس سے ظاہر ہو گیا کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے''

شبلی صاحب کا یہ استدلال قطعی غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ خلافت کو بنی ہاشم میں نہ جانے دینے کا سوال حضرت عمر نے کبھی سے چھیڑا ہوا تھا۔ اور آگے چل کر یہ بات ہم اپنے مقام پر ثابت کرینگے کہ اب پیغمبر کی وفات کے بعد بھی خلافت کا سوال سب سے پہلے حضرت عمر نے ہی چھیڑا تھا۔ جہاں تک انکا یہ کہنا ہے کہ وہ اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ

میں نہ گئے تھے۔ تو یہ تو اندھے کو بھی دکھائی دیتا ہے کہ وہ آدمی جس نے دیوار کے پیچھے سے
حضرت عمر کو ہی آواز دی اور انکے سوا کسی اور دوسرے کو نہیں دی کیونکہ معاذ ابن جبل انصاری
خانہ کعبہ میں معاہدہ تحریر کرنے والوں میں شامل تھا اور اس نے تمام منافق انصار کو اپنے
ساتھ ملا لیا تھا اس نے یہ آدمی بھیجا تھا یا وہ حضرت عمر کا بھیجا ہوا جاسوس تھا۔ اور معاذ ابن جبل
کے بھیجے ہوئے اس آدمی یا حضرت عمر کے اس جاسوس کا یہ کہنا کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں
اکھٹے ہوئے ہیں جلد پہنچ کر انکی خبر لو ایسا نہ ہو انصار ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ
جائے۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ حضرت عمر کا خاص الخاص آدمی تھا۔ جسے حضرت عمر کے اس
منصوبہ کا پورا پورا علم تھا کہ اگر حضرت عمر کی پارٹی کو حکومت نہ ملی، اور کوئی اور برسر اقتدار آ گیا
، تو حضرت عمر لڑائی کرنے سے بھی گریز نہیں کرینگے۔ ورنہ ایسی کیا بات تھی جس سے لڑائی
چھڑ جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہی ہوتا کہ انصار سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا لیتے او یہ بات جنگ
چھڑ جانے کا موجب بن جاتی جیسا کہ حضرت عمر نے سقیفہ کی کاروائی کے بعد برملا کہا تھا کہ
اگر کوئی اور بن جاتا تو وہ اسے تسلیم نہ کرتے۔

پس حضرت عمر نے اپنے مقرر کردہ جاسوس یا معاذ ابن جبل کے بھیجے ہوئے آدمی
کی زبانی یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر سے کہا کہ چلو۔

یہ حضرت عمر نے اپنی خواہش سے ہی کہا تھا ورنہ کسی نے زور دیکر تو انہیں نہیں بھیجا
تھا۔ مسند ابو یعلی کی عبارت کے آخری عربی الفاظ اس طرح ہیں

"فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفہ بنی
ساعدہ فادر کوھم ان یحدثوا امراً یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر
انطلق" (الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 113)

ترجمہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس کے بعد تیسرے سوال کا جواب اس طرح دیتے

ہیں کہ: تیسری بات کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی
جا سکتی تھی۔

1۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علی شامل تھے۔
2۔ مہاجرین جن کے رئیس وافسر حضرت ابوبکر و عمر تھے۔
3۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ سعد بن عبادہ تھے۔

تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا"
(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 114)

تیسری بحث کا تجزیہ بھی شبلی صاحب نے غلط کیا ہے سب سے پہلے تو بنی ہاشم کو
مہاجرین سے الگ قرار دیا ہے حالانکہ وہ بھی مہاجرین میں سے ہی ہیں۔ البتہ اس سے
ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر جن مہاجرین قریش کے رئیس وافسر تھے انہیں بنی ہاشم سے
یہی کہہ کر خلاف کیا ہوا تھا۔ کہ اگر بنی ہاشم میں سے حضرت علیؑ کے پاس حکومت چلی گئی تو
قیامت تک بنی ہاشم کے خاندان یا اہل بیت پیغمبرؐ سے باہر نہ نکلے گی۔ اور اس کا سبب پیغمبرؐ
کے وہ اعلانات ہی تھے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے قیامت تک اپنے ہونے والے بارہ
جانشینوں اور اماموں کے بارے میں کئے ہوئے تھے۔ اور وہی اعلانات حضرت عمر کے
ذہن پر سوار تھے۔

دوسری اسلامی جماعت میں اس وقت صرف یہ تین گروہ ہی نہ تھے جنکا شبلی صاحب نے ذکر
کیا ہے یعنی بنی ہاشم، جن میں حضرت علیؑ تھے، وہ مہاجرین قریش جن کو بنی ہاشم کے خلاف
حضرت عمر نے اپنا ہمنوا بنایا ہوا تھا۔ تیسرے انصار جن کے رئیس سعد بن عبادہ انصاری
تھے۔ جبکہ ان کے علاوہ بھی اسلامی جماعت میں بزرگ اصحاب پیغمبرؐ تھے جو نہ بنی ہاشم سے
تھے نہ مہاجرین قریش سے تھے اور نہ ہی انصار سے تھے جن کے رئیس سعد بن عبادہ انصاری

تھے۔ اور ان میں سے کوئی بھی خلافت کے خیال سے غلطان و پیچاں نہ تھا بلکہ یہ سب کے سب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ارشادات اور اعلانات کے مطابق حضرت علی کو اپنا امام اپنا ھادی اپنا پیشوا اپنا ولی و سرپرست ماننے تھے۔ اور ان کے راس و رئیس سلمان فارسی تھے۔ مقداد ابن اسود تھے، ابوذر غفاری تھے، عمار یاسر تھے۔ عبداللہ ابن مسعود تھے، بلال حبشی تھے سہیل رومی تھے اور انہیں کی طرح کے اور بہت سے اصحاب تھے۔ جو نہ بنی ہاشم سے تھے نہ انصار سے تھے۔ نہ بنی ہاشم کے خلاف ابھارے ہوئے مہاجرین میں سے تھے۔ بلکہ کوئی فارس کا تھا کوئی حبشہ کا تھا۔ کوئی قبیلہ غفار سے تھا اور کوئی اور دوسرے قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ دنیا کیلئے نہیں بلکہ اپنی آخرت کے لئے ایمان لائے تھے۔ اور قران نے جو تقسیم اصحاب پیغمبر کی بیان کی تھی کہ: "منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرہ" تم میں سے کچھ تو دنیا کے طلب گار ہیں اور کچھ آخرت کے طلبگار ہیں پس یہ تو آخرت کے طلبگار تھے جو پیغمبر کے ارشادات کی پیروی کرتے رہے اور دنیا کے طلبگار بقول کے۔

اہل دنیا کار دنیا ساختند

مصطفےٰ را بے کفن پرداختند

باقی رہا شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ ان میں سے کوئی بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا تو ان تینوں میں سے بھی ہر ایک کے خیال کی نوعیت جدا تھی۔

حضرت علیؑ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں پیغمبرؐ نے خدا کے حکم سے اپنے بعد کے لئے ھادی ہونے، امام ہونے، پیشوا ہونے اپنا وصی ہونے اور جانشین حقیقی ہونے کا اعلان کر دیا ہوا ہے۔ لہذا وہ اس خیال سے مطمئن تھے۔

دوسرا گروہ مہاجرین قریش کا تھا، جن کے رئیس حضرت ابوبکر و عمر تھے اور خلافت

کے بارے میں انکا خیال یہ تھا کہ پیغمبر نے جو حضرت علی کی خلافت کا اعلان کر دیا ہوا ہے تو ہم بنی ہاشم میں خلافت نہ جانے دینگے۔ ورنہ یہ حکومت قریش کے کسی خاندان میں نہ جا سکے گی۔ لہذا وہ اپنے اس خیال کے مطابق اپنی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے جدوجہد میں لگے ہوئے تھے۔ اور اس تحریک کے بانی خود حضرت عمر تھے۔ اور انصار کا خیال یہ تھا کہ اگر پیغمبر کے اعلانات کے مطابق یہ حکومت حضرت علی کے پاس نہیں جانے دی جاتی تو پھر مہاجرین قریش کا کیا حق ہے۔ اس حکومت کے بنانے والے ہم ہیں۔ قربانیاں ہم نے دیں۔ مہاجرین قریش کو اپنے گھروں میں لا کر ہم نے بسایا، انکو پناہ ہم نے دی انکی مدد ہم نے کی ورنہ مکہ میں رہتے ہوئے جو انکی درگت ہو رہی تھی اس سے سارا جہاں واقف ہے۔

پس خلافت کے بارے میں ہر گروہ کے خیال کی نوعیت مختلف تھی اور ایک سفید جھوٹ کوہ ہمالیہ سے بھی بڑا جھوٹ جو شبلی صاحب نے بولا وہ یہ ہے کہ الفاروق میں ص 112 پر یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ:

"جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونیکی فرصت نہ ملی"

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 113)

لیکن پیغمبرؐ کی تجہیز و تکفین کے بعد جب حضرت عمر سقیفہ بنی ساعدہ کا معرکہ کر کے آئے اور بیعت کے لئے لوگوں پر جبر تشدد اور پکڑ دھکڑ شروع کی اور بنی ہاشم حضرت فاطمہ کے گھر میں جمع ہوئے تو حضرت ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کر کے جمع ہونے سے استدلال کر کے شبلی صاحب فرماتے ہیں۔ جس طرح حضرت عمر وغیرہ آنحضرتؐ کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے۔ حضرت علی بھی آنحضرت کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت

فاطمہ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 116)

جھوٹی وکالت کرنے اور کسی کا جھوٹا دفاع کرنے میں اس طرح سے منہ کالا ہوتا ہے۔

بہر حال پیغمبر بھی ان سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے بے خبر نہیں تھے۔ لہذا جو کچھ ہونے والا تھا۔ اس سے متعلقین کو آگاہ فرما رہے تھے۔ اعلان غدیر 18 ذی الحجہ کو ہوا 18 ذالحجہ سے 28 صفر تک 70 دن بنتے ہیں یعنی پیغمبرؐ اعلان غدیر کے بعد 70 دن یا 12 ربیع الاول کی صورت میں زیادہ سے زیادہ 84 دن زندہ رہے ان 70 یا 84 دنوں میں پیغمبر نے ان لوگوں کو جن پر اس سازش کا اثر پڑنا تھا مطلع کرنے میں اور خود سازش کرنے والوں کو ان کی سازشوں سے آگاہ کرنے اور جتانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

پیغمبرؐ کی حیات کے آخری دو مہینے

جس وقت 11 ھ کی پہلی تاریخ کا سورج طلوع ہوا اس وقت پیغمبر کی حیات ظاہری اور دنیاوی زندگی میں صرف دو ماہ یا زیادہ سے زیادہ کچھ دن کم ڈھائی ماہ باقی تھے۔ پیغمبر تمام لوگوں کو اپنے عالم بقا کی طرف سدھارنے کی خبر دے چکے تھے لہذا آپ کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا اس سے بھی لوگوں کو آگاہ فرما رہے تھے۔

اگر چہ پیغمبرؐ غدیر خم کے مقام پر حضرت علیؑ کی جانشینی کا بر سر عام اعلان کر چکے تھے۔ مگر جو کچھ ہو رہا تھا اس سے بخوبی آگاہ تھے اور آگاہی بخش وحی الہی کی روشنی میں جس کا سلسلہ آخری دن اور آخری وقت تک جاری رہا جو کچھ نظر آ رہا تھا اس سے بھی بے خبر نہیں تھے۔

چونکہ پیغمبرؐ کا کام صرف واضح طور پر پہنچا دینا اور لوگوں کو ہدایت کر دینا ہے لہذا پیغمبر نے اپنی زندگی کے آخری دو مہینے اسی کام کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ اور پیغمبر نے

ان دو مہینوں میں ایسے ایسے کام کئے اور ایسی ایسی باتیں کیں جو لوگوں کے لئے سرچشمہ ہدایت ہیں۔ اور جن کو کسی طرح بھی چھپایا نہ جا سکے۔ یقیناً یہ باتیں قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے مینارہ ہدایت ہیں اور جو بھی ان باتوں میں غور کریگا وہ ضرور راہ ہدایت پالیگا۔ ہم ان میں سے چند کاموں اور چند باتوں کو ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

پیغمبرؐ کے فوراً بعد فتنوں کی پیشین گوئیاں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی حیات کے آخری دو مہینوں میں ان فتنوں کی بھی خبر دی جو پیغمبر کی رحلت کے فوراً بعد ہونے والے تھے۔ اور فتنوں کی یہ پیشین گوئیاں رہتی دنیا تک لوگوں کو لیئے مینارہ نور اور سرچشمہ ہدایت ہیں تاکہ لوگ ان سے بچیں اور گمراہ نہ ہوں ہم ان میں سے چند پیشین گوئیوں کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں

نمبر 1۔ ابن عبد البر اپنی کتاب الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ:

"عن ابی یعلی الغفاری قال سمعت رسول لله صلی الله علیه وآله یقول ستکون من بعدی فتنة فاذا کان ذالک فالز موا علی ابن ابی طالب فانه اول من امن بی و اول من یصافحنی یوم القیامه و هو صدیق الاکبر وهو فاروق هذه الامت وهو یعسوب المومنین والمال یعسوب المنافقین (الاستیعاب لابن عبد البر ترجمہ ابو یعلی الجزء الثانی ص 676 حدیث 2969)

الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر عسقلانی ترجمہ ابو یعلی،

کنز العمال علی متقی الجزء السادس ص 155 حدیث 2582،

مستدرک الحاکم الجزء الثالث ص 112۔

ترجمہ: ابو یعلی غفاری کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا میرے بعد فوراً

ہی فتنے کھڑے ہو جائیں گے تو جب ایسا ہو تو تم علی ابن ابی طالب کی اطاعت کرنا کیونکہ وہ مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا اور وہ صدیق اکبر ہے اور اس امت کا فاروق ہے وہ مومنین کا حاکم ہے اور منافقین کا حاکم مال دنیا ہے۔

نمبر 2: ملا علی متقی نے کنز العمال میں ان فتنوں سے پر زمانہ کی تصویر نہایت تفصیل سے کھینچی ہے اور کنزل العمال الجزء السادس کتاب الفتن صفحہ 27 تا صفحہ 92 میں حدیث نمبر 441 سے 1390 تک آنحضرت کی نوسو پچاس (950) حدیثیں ان فتنوں سے متعلق جمع کی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث اسطرح ہے۔

"ان الناس دخلوا فی دین اللہ افواجاً و یخرجون فواجاً"

(کنز العمال الجزء السادس (حدیث نمبر 738)

ترجمہ: یقیناً لوگ جس طرح دین اسلام میں گروہ در گروہ داخل ہوئے تھے اسی طرح گروہ در گروہ اسلام سے خارج ہو جائینگے۔

نمبر 3۔ کنز العمال میں ہی ایک حدیث اس طرح ہے۔

"وانکم ستبلون فی اھل بیتی من بعدی"

(کنزل العمال الجزء السادس حدیث نمبر 505)

ترجمہ: یقینی طور پر تمہارا میرے بعد فوراً ہی میرے اہل بیت کے ذریعہ امتحان لیا جائیگا۔

نمبر 4: امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے کہ:

"عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعرب من شر قد اقترب فتنا کقطع اللیل المظلم . یصبح الرجل مومناً و یمسی کافرا یبیع قوم دینھم بعرض الدنیا قلیل" مسند امام احمد حنبل الجزء الاول

صفحہ 185-384-448، الجزء الثانی ص 190، والجزء الرابع ص 107-106

ترجمہ: ابوھریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ عرب کے لئے افسوس ہے اس شر کی وجہ سے جو بہت ہی قریب آ گیا ہے فتنہ کی صورت میں جو اندھیری رات کی طرح سے ہوگا صبح کو تو مومن اٹھے گا مگر شام تک کافر ہو جائیگا۔ لوگ اپنا دین دنیا کی قلیل قیمت پر فروخت کر دینگے"

حدیث کی مستند کتابوں میں کتاب الفتن کے نام سے علیحدہ باب قائم ہیں ہم نے نمونہ کے طور پر ایسی احادیث نقل کر دی ہیں جنکا تعلق پیغمبر صلعم کی رحلت کے عین بعد سے صاف ظاہر ہے۔

حضرت علیؑ سے قوم دغا اور بغاوت کریگی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی اس دو ماہ کی زندگی میں لوگوں کی سازشیں اور طرز عمل دیکھتے ہوئے اور وحی الہی کی روشنی میں حضرت علی کو بھی یہ بتلا دیا تھا کہ یہ قوم تمہارے ساتھ وفا نہیں کرے گی بلکہ یہ تمہارے ساتھ دغا اور بغاوت کریگی ہم کنزل العمال سے دو حدیثیں ثبوت کے لیے یہاں نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1۔ "یا علی ان الامۃ ستغدر بک من بعدی و انت تعیش علی ملتی وتقتل علی سنتی من احبک احبنی ومن ابغضک ابغضنی"

(کنزل العمال علی متقی الجزء السادس ص 157 حدیث نمبر 2615)

(مستدرک الحاکم الجزء الثالث ص 142-140)

ترجمہ: فرمایا جناب رسول خدا نے کہ اے علی میرے فوراً بعد تمہارے ساتھ یہ امت دغا کریگی اور تم سے بغاوت کردیگی اور تم میری ملت پر قائم رہوگے اور میری سنت پر قتل کئے

جاؤ گے جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے تم سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

اس حدیث میں ستغدر بک من بعدی ہے یعنی میرے بعد فوراً ہی تم سے غداری کی جائیگی لہذا اس سے مراد بہت بعد کے واقعات نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ غداری اعلان غدیر سے غداری ہے جس کا وقوع پیغمبر اکرم صلعم کے عین بعد ہو گیا۔

نمبر 2۔ کنزل العمال میں ہی ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے حضرت علی سے فرمایا۔

"قال صغائن فی صدور الاقوام لا یبدونها بک الا من بعدی"

(کنزل العمال علی متقی الجزء السادس ص 157 حدیث نمبر 2615)

(ریاض النضرہ والجزء الثانی الباب الرابع الفصل الثامن ص 210

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا اے علی لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے اور عداوتیں بھری ہیں جن کو وہ اب تو تجھ سے چھپائے ہوئے ہیں لیکن میرے بعد ظاہر کر دیں گے۔

پیغمبر کی یہ احادیث آئندہ آنے والے لوگوں کے لئے اور آخرت کے طلبگاروں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہیں اور گمراہی سے بچانے کے لئے مینارہ نور ہیں۔

اصحاب کے لئے حدیث حوض کا بیان

ان مشہور و معروف احادیث میں جو آپ نے اپنے ان آخری ایام میں بیان فرمائیں ایک حدیث حوض ہے۔ یہ حدیث کی ہر مستند کتاب میں موجود ہے ہم امام احمد بن حنبل کی مسند کی روایت یہاں نقل کرتے ہیں۔

"عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیردنا

الحوض علی رجال حتی اذا رایتھم رفعوا الی فختلجوا دونی فلاقولن یا رب اصحابی اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقاً سحقاً (مسند امام احمد حنبل الجزء اول صفحہ 384-235-253-402-407-425-453-455 الجزء الثانی صفحہ 30-408)

ترجمہ: انس ابن مالک سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر چند آدمی میرے پاس وارد ہونگے جب میں انکی طرف دیکھونگا تو وہ میری طرف بڑھیں گے۔ لیکن روک دیئے جائیں گے۔ میں کہونگا۔ خداوندا یہ تو میرے اصحاب ہیں، یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ جواب ملے گا تم نہیں جانتے تمہارے بعد دین میں انہوں نے کتنا فتنہ پیدا کیا تھا اور کیا کیا بدعات کی تھیں۔ اس پر میں کہونگا دور ہو۔ دور ہو۔ دور ہو۔ یقیناً پیغمبر نے یہ حدیث اپنے اصحاب کو سمجھانے کے لئے بیان فرمائی تھی کہ تم اس قلیل زندگانی دنیا میں اپنے دنیاوی اقتدار کے لئے جو کچھ کرو گے وہ تمہای آخرت کے لئے بہت ہی برا ہو گا۔ اور اس طریقہ سے آئندہ آنے والے مسلمانوں کو سمجھا رہے تھے کہ کسی کو اقتدار کی کرسی پر دیکھ کر دھوکہ میں نہ آ جانا اور اپنے دین کی حفاظت کرنا۔

اس حدیث حوض کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی شرح مشکوۃ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ سبحان اللہ کتنے مشکل حالات میں کس کسی طرح سے پیغمبر نے آنے والے مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کا سامان مہیا فرمایا ہے۔

مذکورہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی مستند کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ لہذا اسی لئے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے مگر یہ لکھ کر دامن بچانے کی کوشش کی ہے کہ

"ہیچکس از اہل سنت آن جماعت را صحابہ نمیدانند و معتقد وخوبی وبزرگی آنہا نیست۔"

(تحفہ اثناعشری شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

ترجمہ: اہل سنت میں سے کوئی اس جماعت کو صحابہ نہیں مانتے اور ان کی خوبی اور بزرگی کا قائل نہیں ہے۔

حالانکہ پیغمبرؐ بہ تکرار فرمارہے ہیں یارب اصحابی اصحابی بارالہا یہ میرے اصحاب ہیں یہ میرے اصحاب ہیں آپ مانیں یا نہ مانیں یہ یقیناً اصحاب پیغمبر تھے مگر انہوں نے دنیا کی خاطر اپنی آخرت خراب کرلی تھی۔ آپ کس کس کے صحابی ہونے سے انکار کریں گے امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں باب: فضل الشہداء فی سبیل اللہ میں روایت نقل کی ہے کہ:

"ان رسول للہ قال لشھداء احد ھولاء اشھد علیھم ، فقال ابوبکر یا رسول اللہ السنا باخوانھم ، اسلمنا کما اسلموا ، و جاھدنا کما جاھدوا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلی ولا ادری ما تحدثون بعدی"

(موطا مالک مطبع فاروقی دہلی صفحہ 173)

ترجمہ: یعنی بالتحقیق رسول اللہ نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا کہ میں ان کے ایمان کی اور ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیتا ہوں۔ تو حضرت ابوبکر نے عرض کی یارسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں۔ جس طرح وہ اسلام لائے اسی طرح ہم اسلام لائے جس طرح انہوں نے جہاد کیا اسی طرح سے ہم نے جہاد کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ ہاں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث اور دین میں کیا کیا بدعات ایجاد کروگے۔

اس حدیث کو امام مالک کے علاوہ واقدی نے کتاب المغازی باب غزوہ احد صفحہ 102 پر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب جذب القلوب میں صفحہ 283 پر نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت خود حضرت ابوبکر سے فرمارہے ہیں کہ مجھے معلوم

نہیں ہے کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث کروگے۔ یہی بات تو آنحضرت نے حوض پر وارد ہونے والے اصحاب کے لئے فرمائی ہے کہ مجھے جواب ملے گا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا احداث کئے ہیں یہ سب باتیں پیغمبر اپنے قریبی صحابہ کو سمجھانے کے لئے ہی فرمارہے تھے، کہ تم دنیا کی خاطر اپنی آخرت خراب کرلوگے کیا حضرت ابوبکر کو بھی صحابی نہیں مانتے جنہیں پیغمبر نے اپنی زندگی میں رو در رو کہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث کروگے اور یہ بات صرف برسراقتدار آنے والے ہی کرسکتے ہیں۔ اچھا اصحاب شجرہ یعنی صلح حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کرنے والوں کو تو آپ صحابی ماننے سے انکار نہیں کرسکتے۔ اب اصحاب شجرہ کا خود انکی اپنی زبان سے اقرار سنئے یہ بخاری کی روایت ہے کہ: "عن المسیب بن رافع قال لقیت البراء بن عازب فقلت طوبیٰ لک صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بایعتہ تحت الشجرہ فقال یابن اخی انک لاتدری ما احدثنا بعدہ اخرجہ البخاری تلخیص الصحاح جلد5 صفحہ 68"

ترجمہ: مسیب بن رافع سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت براء بن عازب صحابی رسول سے ملاقات کی تو میں نے ان سے کہا۔ خوشخبری ہو تمہارے لئے کہ تم نے رسول اللہ کی صحبت پائی اور درخت کے نیچے آپ سے بیعت (شجرہ یا بیعت رضوان) کی انہوں نے کہا اے بھتیجے تو نہیں جانتا کہ ہم نے رسول خدا کے بعد دین میں کیا کیا احداث و بدعات ایجاد کیں۔ تلخیص الصحاح جلد 5 میں صفحہ 68 پر یہ روایت صحیح بخاری سے روایت ہوئی ہے۔

اور سنئے بخاری ہی ایک حدیث ہے کہ:

" و عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما اعرف شیئا مما کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل الصلوٰۃ قال انس صنعتم ما

صنعتم فیھا

(اخرجہ البخاری والترمذی تلخیص الصحاح جلد ا کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جو امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں تھے ان میں سے میں اب کچھ بھی نہیں پاتا کہا گیا کہ نماز تو ہے۔ انہوں نے کہا نماز میں بھی تم لوگوں نے کیا کچھ تغیرات و تصرفات اور تبدیلیاں نہیں کر لی ہیں یہ حدیث تلخیص الصحاح جلد ا کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے صفحہ نمبر 35 پر صحیح بخاری و صحیح ترمذی سے نقل کی گئی ہے۔

یہ انس بن مالک صحابی رسول ہیں انکے اس بیان سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے چند روز بعد ہی اسلام پر فاتحہ پڑھا جا چکا تھا لہذا پیغمبر نے جن اصحاب کے بارے میں اصحابی اصحابی کہا اور جواب ملا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا احداث کیا کیا بدعات اور دین میں کیا کیا ایجادات کی ہیں۔ وہ وہی اصحاب تھے جو برسر اقتدار آئے اور انہوں نے اپنے حکم سے دین میں اپنی ایجادات کو رواج دیا۔ ملاحظہ ہو شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق میں "اولیات عمرؓ" کا بیان

اصحاب کو ایک اور تنبیہ اور انصار کو نصیحت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں پیغمبر اکرم صلعم کے مرض موت میں پیغمبر کا ایک خطبہ نقل کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ: "پھر آپ نے سورۃ العصر آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کے آخر میں یہ آیت پڑھی:

"فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم."

(سورۃ محمد-22)

(مدارج النبوت اردو صفحہ 632)

اس آیت کا بامحاورہ اردو ترجمہ یہ ہے کہ پیغمبر اپنے سامنے موجود اصحاب سے خود اپنی طرف سے نہیں بلکہ قرآنی آیات کی پیشین گوئی بیان کر کے فرما رہے ہیں کہ: "تم سے بعید نہیں ہے کہ اگر تم نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تو تم زمین میں فساد کرو گے اور قرابت داری کو (جو تمہاری بنی ہاشم ہے) ختم کر کے رکھ دو گے بہر حال قران کریم میں جہاں جہاں لفظ عسی یا عسیتم آیا ہے اسکا ترجمہ تو عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ قریب ہے کہ۔ یا بعید نہیں ہے۔ کہ لیکن سالم قران میں جہاں بھی یہ الفاظ آئے ہیں وہ خدا کی طرف سے ایک ایسی پیشین گوئی کے طور پر آئے ہیں جسکا وقوع پذیر ہونا لازمی ہے اور وہ بات تصادف حالات سے وقوع پذیر ہو کر رہے گی۔

آنحضرتؐ نے بیماری کی حالت میں خطبہ دیتے ہوئے پہلے سورۃ والعصر تلاوت فرمائی جو انسان کو آخرت میں خسارہ پانے کی خبر دے رہی ہے۔ اور پھر اپنے اصحاب کو اقتدار پر قبضہ کر کے فساد کرنے کی پیشین گوئی کی ہے اس آیت میں واضح خطاب انہیں اصحاب سے ہے جن سے پیغمبرؐ اس وقت مخاطب تھے۔ اور جو پیغمبرؐ کے سامنے موجود تھے اور اسکا ثبوت وہ عبارت ہے جو مدارج النبوت کے اسی صفحہ پر درج ہے کہ پھر پیغمبرؐ نے انصار سے فرمایا "اے انصار میرے بعد ایک جماعت کو تم پر اختیار کر لیا جائیگا اور تم پر ترجیح دی جائیگی" انصار نے عرض کیا اے رسول اللہ ارشاد فرمائیے کہ اس صورت میں ہم کیا کریں"
"آپ نے فرمایا صبر کرو اس وقت تک جب کہ حوض کوثر کے کنارے تم مجھ سے آملو"

(مدارج النبوۃ صفحہ 632)

پیغمبر اکرمؐ کی حدیث صحیح بخاری میں اسطرح روایت کی گئی ہے کہ پیغمبرؐ نے انصار سے فرمایا" انکم ستلقون بعدی اثرہ فاصبروا حتی تلقونی وموعدکم علی

الحوض"

(صحیح بخاری باب مناقب الانصار باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
انصار اصبروا حتی تلقونی علی الحوض الجزء الثانی ص 206)

ترجمہ: اے انصار عنقریب فوراً ہی میرے بعد تم دوسروں کے محکوم بنا دیئے جاؤ گے یا تم پر دوسروں کو اختیار کر لیا جائیگا۔ پس تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے ملاقات کرو اور تمھاری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔

یہ جماعت جسے انصار پر اختیار کیا گیا یا جسے انصار پر ترجیح دی گئی وہی ہے جو پیغمبرؐ کی رحلت کے فوراً ہی بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار سے ہاتھا پائی اور مار کٹائی کر کے برسر اقتدار آئی تھی۔ نہ کہ مروانی وعباسی سلاطین جن کی طرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رخ پھیرنے کی کوشش کی ہے۔

البتہ یہ بات محدث دہلوی نے درست لکھی ہے کہ سورہ محمد کی مذکورہ آیت نمبر 22 میں ان زیادتیوں اور جفا وستم کی طرف اشارہ ہے جو اہل بیت پر روا رکھی گئی۔ اور یہ زیادتیاں پیغمبرؐ کی رحلت کے فوراً بعد شروع ہو گئی تھیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ کے عین بعد ہی ان مظالم کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی تو غلط نہ ہوگا۔

ہدایت کا ایک اور سرچشمہ یا لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم

اپنی زندگی کے آخری ایام میں اور بیمار ہونے سے کچھ ہی پہلے آپ نے ایک ایسا حکم دیا جو ایک مینارہ نور کا کام دیگا۔ اور یہ کام لشکر اسامہ کی روانگی کا فرمان تھا۔ اس لشکر کی روانگی کا سبب یہ بتلایا جاتا ہے کہ جنگ موتہ کے موقع پر 8ھ میں حضرت اسامہ کے والد زید بن حارثہ شہید ہو گئے تھے۔ لہذا ان کا قصاص لینے کے لئے اسامہ کے لشکر کو روانگی کا

حکم دیا، لیکن اس واقعہ کو دو سال ہو چکے تھے۔ پیغمبر اکرم خود جنگ تبوک میں تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ سن 9ھ میں ان کے سر پر پہنچے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت یہ قصاص لینے کا پروگرام نہ بنایا گیا۔

علاوہ ازیں جنگ موتہ کے موقع پر صرف زید بن حارثہ ہی شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ حضرت علی کے بھائی حضرت جعفر طیار بھی شہید ہوئے تھے اور معروف صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری بھی شہید ہوئے تھے اور یہ دونوں بھی علمدار لشکر تھے مگر آپ نے اس لشکر کو اسامہ بن زید کے ماتحت روانہ کیا۔

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ پیغمبرؐ یہ چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ کو انتقال اقتدار امن وامان کے ساتھ ہو جائے اور سارے سازشی لوگ اس وقت دارالسلطنت سے باہر ہوں۔ لہذا آنحضرت نے ان تمام مہاجرین وانصار کو مدینہ سے باہر جانے کا حکم دیدیا جو اس میں دخل انداز ہوتے۔ لیکن پیغمبر کے فوراً بعد فتنوں کی پیشین گوئیاں انصار پر دوسروں کو ترجیح دیئے جانے کی پیشین گوئیاں اور سورہ محمدؐ کی آیت 22 کے ذریعہ کچھ اصحاب کے بارے میں اقتدار پر قبضہ کر کے فساد فی الارض کے مرتکب ہونے کی پیشین گوئیاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ کو اس بات کا علم تھا کہ ان میں سے کوئی بھی لشکر کے ساتھ نہ جائیگا۔ اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اور یقینی طور پر یہ باتیں خود خدا نے اپنے پیغمبر کو بتا دی تھیں کیونکہ وحی کا سلسلہ آنحضرتؐ کے آخری لمحات زندگی تک جاری رہا جیسا کہ طبقات ابن سعد میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ:

"ان اللہ تبارک و تعالیٰ تابع الوحی علی رسول اللہ قبل وفاتہ حتی توفی و اکثر ما کان الوحی فی یوم توفی"

(طبقات ابن سعد جلد 2 ص 92)

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی کا سلسلہ پیغمبرؐ کی وفات سے قبل ان کے مرنے تک برابر جاری رکھا اور سب سے زیادہ وحی اس دن نازل ہوئی جس دن آپ نے رحلت کی۔ اس بنا پر بھی یقینی طور پر وحی الٰہی کی روشنی میں پیغمبرؐ کو یہ علم تھا کہ یہ لشکر میرے حکم شدید کے باوجود نہیں جائیگا۔ اور خدا اور اسکا رسول قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہی دکھانا چاہتے تھے۔ اور اس حکم کے ذریعہ ہدایت کے جو چشمے پھوٹنے والے تھے اسکا اظہار کرنا چاہتے تھے۔

کیونکہ پیغمبر کا کام ہدایت کرنا اور واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ وما علی الرسول الا البلاغ المبین ۔یعنی پیغمبر کا کام زبردستی جبر کے ذریعہ منوانا نہیں ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

" ولو شاء ربک لامن فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین" (یونس-96)

یعنی اے پیغمبر اگر تمہارا پروردگار چاہتا (کہ جبر اور زبردستی سے سب لوگ ایمان لے آئیں) تو زمین میں جتنے بھی ہیں وہ سب کے سب ایمان لے آتے تو پھر کیا تم لوگوں کو اس بات پر مجبور کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں اور تمہاری بات مان لیں"

پس پیغمبر اس لشکر کو بھیجنے کا حکم دے کر آئندہ آنے والوں مسلمانوں کی ہدایت کے لئے بہت سی باتیں ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

تمام صحابہ کبار اٹھارہ سالہ نوجوان کی ماتحتی میں

تمام تاریخیں اس بات کو اپنے اوراق میں محفوظ کئے ہوئے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے تمام صحابہ کبار کو ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا۔ آخری وقت میں پیغمبر کے اس عمل میں بھی دنیا جہان کے لوگوں لے لئے ہدائت ہے۔

زید بن حارثہ پیغمبرؐ کے آزاد کردہ غلام تھے اور اسامہ بن زید کے فرزند تھے جو بالکل ہی نوجوان تھے اور انکی عمر اس وقت اٹھارہ انیس برس کے قریب تھی۔ پیغمبرؐ نے تمام صحابہ کبار کو اس نوجوان کی ماتحتی میں جانے پر مامور کر دیا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔"

"فلم یبق من وجوہ المھاجرین والانصار الا انتدب فی تلک الغزوہ فیھم ابوبکر الصدیق و عمر ابن الخطاب و ابو عبیدہ بن الجراح و سعد ابن ابی وقاص . الخ"

(طبقات ابن سعد جلد 2 ص 190)

ترجمہ: یعنی مہاجرین وانصار میں کوئی نمایاں فرد ایسی نہ تھی جسے اس غزوہ میں شرکت کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ ان لوگوں میں ابوبکر صدیق۔ عمر ابن الخطاب، ابوعبیدہ بن الجراح۔ سعد ابن ابی وقاص شامل تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں اس بات کو اس طرح نقل کیا ہے"

"وحکم عالی چناں صادر شد کہ اعیان مہاجر و انصار مثل ابوبکر صدیق، وعمر فاروق، وعثمان ذوالنورین، وسعد ابن وقاص وابوعبیدہ بن الجراح وغیرھم الا علی مرتضی را رضی اللہ عنھم اجمعین کہ ہمراہ او بود در آں لشکر ہمراہ اسامہ باشند"

ترجمہ: "اور حکم عالی اسطرح سے صادر ہوا کہ اعیان مہاجر و انصار مثل ابوبکر صدیق وعمر فاروق، وعثمان ذوالنورین وسعد ابن وقاص وابوعبیدہ وغیرھم رضی اللہ عنھم اجمعین سب کے سب اسامہ کے لشکر کے ساتھ جائیں سوائے حضرت علیؑ مرتضی کے کہ جنہیں اسامہ کے ساتھ جانے کا حکم نہیں دیا"۔

غور کرنے والوں کے لئے ان اعیان مہاجر وانصار کا اسامہ کے ماتحت کر کے جانے کے حکم میں بھی ہدایت کا نور ہے۔

صحابہ کا اسامہ کی امیری پر اعتراض

جب پیغمبر نے تمام بڑے بڑے صحابہ کو اسامہ کے ماتحت لشکر کے ساتھ جانے کا حکم دیا تو انہوں نے اسامہ کی افسری پر لے دے شروع کر دی اور کھلم کھلا پیغمبر پر اعتراض کرنے لگے۔ کبھی یہ کہا کہ یہ نوعمر ہے کبھی یہ کہا کہ یہ ایک آزاد کردہ غلام کا بیٹا ہے۔

جب پیغمبر کے کانوں میں انکی نکتہ چینی کی آوازیں پہنچیں تو آپ باہر تشریف لائے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا

"**ان طعنوا فی امرته فقد کنتم تطعنون فی امرة ابیه من قبل و ایم الله انه کان لخلیقا للامرة و انه کان لمن احب الناس الی وان هذا احب الناس الی بعده**" (صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 283)

ترجمہ: اگر تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو تو تم اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی طعنہ زنی کر چکے ہو اور خدا کی قسم وہ بھی امارت کا سزاوار تھا اور میری نظروں میں تم سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ اور اس کے بعد یہ بھی میرے نزدیک دوسروں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت اسامہ بن زید کی روانگی کا حکم دینے سے پہلے بالکل صحت مند اور تندرست تھے اور آپکو کوئی عارضہ لاحق نہ تھا۔ لیکن اسامہ کے لشکر کے ساتھ اصحاب کے جانے سے سرکشی کو دیکھتے ہوئے ٹینشن سے آپ کو درد سر لاحق ہوگیا۔ جو ایک دفعہ خیبر کی جنگ میں جب یہودیوں کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو وہاں بھی آپ کو ٹینشن سے ہی درد سر لاحق ہوگیا تھا۔ بہرحال آپ کو یہ عارضہ لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم دینے کے بعد لاحق ہوا مگر آپ پے در پے اور بار بار یہی فرماتے رہے کہ "جھزو

جیش اسامة" ارسلو جیش اسامة القدوا جیش اسامة" لشکر اسامہ کو جلدی بھیجو لشکر اسامہ کو فوراً بھیجو۔ لشکر اسامہ کو فوراً روانہ کرو۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا

"**جھزوا جیش اسامة لعن الله من تخلف عنها**" جیش اسامہ کو جلدی روانہ کرو خدا لعنت کرے اس پر جو جیش اسامہ کے ساتھ نہ جائے اور پیچھے رہے۔

(کتاب الملل والنحل صفحہ 3)

مگر یہ اصحاب پیغمبرؐ آنحضرت کی زبان مبارک سے "لعن الله من تخلف عنها" کا تمغہ حاصل کرنے کے باوجود بھی ساتھ نہ گئے جسکا بیان آگے آتا ہے

پیغمبرؐ کے حکم سے صحابہ کی سرتابی

پیغمبرؐ کا اتنا سخت حکم سننے کے بعد بھی صحابہ نے پیغمبرؐ کا حکم نہ مانا علامہ ذھبی تذھیب التہذیب میں اسامہ کے حال میں لکھتے ہیں۔

"**امره النبی علی جیش فیه ابوبکر و عمر فلم ینفذ حتی مات رسول الله**" (تذھیب التہذیب ذھبی حال اسامہ)

یعنی رسول اللہ نے اسامہ کو اس لشکر پر رہبر مقرر کیا جس میں ابوبکر و عمر بھی تھے لیکن وہ نہیں گئے یہاں تک کہ رسول اللہ نے وفات پائی۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں اسامہ کے حال میں اسطرح لکھتے ہیں۔ "**استعمله رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم علی جیش فیه ابوبکر و عمر فلم ینفذ حتی توفی النبی صلی الله علیه و آله وسلم**" (تہذیب التہذیب مطبوعہ دارہ المعارف حیدر آباد دکن الجزء الاول صفحہ 208)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے اسامہ کو اس لشکر پر امیر مقرر فرمایا جس میں ابوبکر اور عمر بھی تھے لیکن وہ نہیں گئے یہاں تک کہ رسول اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے وفات پائی۔

جیش اسامہ کے واقعہ میں حتمی اور یقینی باتیں

اور ہدایت کے پہلو

اسامہ کے لشکر کے ساتھ صحابہ کبار کے نہ جانے کے سلسلہ میں چاہے جتنے عذر لنگ تراشے جائیں اور چاہے جتنی تاویلیں کی جائیں اور چاہے جتنے بہانے کیے جائیں اور چاہے جتنی باتیں بنائی جائیں کچھ باتیں تو اتنی حتمی اور یقینی ہیں کہ ان کا انکار نہیں ہو سکتا اور وہ یہ ہیں۔

نمبر 1۔ پیغمبر اکرم صلعم نے کبار صحابہ کو اسامہ کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا۔

نمبر 2۔ صحابہ نے اسامہ کو امیر لشکر بنانے پر اعتراض کیا۔

نمبر 3۔ صحابہ کبار اس سے پہلے اسامہ کے باپ زید بن حارث کی ماتحتی میں بھیجے گئے تھے۔

نمبر 4۔ یہ صحابہ کبار اسامہ کے باپ زید کی ماتحتی میں بھیجے گئے تھے اس وقت بھی انہوں نے پیغمبر پر اعتراض کیا تھا۔

نمبر 5۔ پیغمبر اکرم صلعم کے نزدیک اسامہ کا باپ بھی ان صحابہ کبار سے زیادہ امارت کے لائق تھا اور یہ صحابہ کبار اعتراض کرنے کے باوجود مجبوراً اس کے ساتھ گئے تھے اور اس کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

نمبر 6۔ پیغمبر اکرم صلعم کے نزدیک اسامہ بھی ان صحابہ کبار سے زیادہ امارت کے لائق تھا۔

اور اگر وہ اس کے ساتھ جاتے تو اس کا حکم بھی مانتے اور اس کے پیچھے بھی نمازیں پڑھتے۔

نمبر 7۔ ان اصحاب پیغمبر نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی پیغمبر پر اعتراضات کئے تھے اور انہوں نے سر منڈوانے کے حکم کی بھی مخالفت کی تھی۔

نمبر 8۔ اب اپنی عمر کے آخری حصہ میں پیغمبر علی الاعلان سارے عالم پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ میرے یہ اصحاب میرے حکم کی مخالفت کرنے میں بڑے دلیر ہیں۔ اور یہ میرے حکم کو بالکل بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں تاکہ آئندہ آنے والے لوگوں کو یہ بات سمجھ میں آجائے کہ پیغمبر تو اپنے بعد کے لئے اپنے خلیفہ اپنے جانشین اپنے وصی، لوگوں کے ہادی و امام اور ولی و سرپرست کا اعلان کر کے گئے تھے۔ پیغمبرؐ کے اس حکم سے بھی اختلاف کیا ہے اور پیغمبر کے مقرر کردہ جانشین علیؑ ابن ابی طالب سے غداری اور بغاوت کی ہے اور بعد میں کوئی بھی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ اگر پیغمبر کسی کو اپنا جانشین بنا جاتے تو اصحاب انکی مخالفت کیسے کر سکتے تھے پس اسامہ کے لشکر کی روانگی کے حکم میں قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے ہدایت ہی ہدایت ہے اور اسامہ کے ماتحت لشکر کے ساتھ جانے کا حکم دے کر پیغمبرؐ نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ اصحاب ایک غلام زادہ نوجوان سے بھی فضیلت میں کم ہیں۔ اور ان صحابہ کے بارے میں گھڑی ہوئی جھوٹی کہانیوں اور افسانوں پر اعتبار نہ کریں۔

آنحضرت صلعم کی مخالفت کرنے کے بارے میں علامہ شبلی کی صفائی

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ ”شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمر ہیں۔ کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی

بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا" آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔"

قیدیان بدر کے معاملہ میں انکی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کیجائے۔ ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے۔ ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار ہم ان کو دائرہ اسلام سے بھی باہر سمجھتے۔ اس فرق مراتب کے اصول پر بہت سے باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا" اسکے بعد شبلی صاحب نے ان کاموں کو بیان کیا ہے جن میں انہوں نے پیغمبر کے خلاف اپنی رایوں پر عمل کیا۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 537-536)

ان باتوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں حضرت عمر نے پیغمبر کی مخالفت کی ہے۔ جس کو علامہ شبلی نے ایک فقرے میں اسطرح بیان کیا ہے کہ: بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہایا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی مشہور ترین واقعہ جنگ بدر میں قیدیوں کے بارے میں پیغمبر کا فیصلہ فدیہ لیکر چھوڑنے کا تھا اور حضرت عمر کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ان قیدیوں کو قتل کرنے کی رائے دے رہے تھے۔ ان کے مداح یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کی رائے اور فیصلہ غلط تھا اور حضرت عمر کی رائے درست تھی حالانکہ سورۃ محمدؐ میں قیدیوں کے بارے میں واضح حکم نازل ہو چکا تھا اور پیغمبرؐ نے یہ فیصلہ خدا کے حکم اور پیغمبرؐ کی حیثیت سے کیا تھا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ

کے موقع پر انکی مخالفت پیغمبر کی نبوت میں شک کرنے تک پہنچ گئی تھی جسکا بیان سابق میں گزر چکا اور ہم سورہ فتح کی آیات پیش کر کے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ بھی پیغمبر نے خدا کے حکم سے کی تھی اور خدا نے اس صلح کی نسبت اپنی طرف دیتے ہوئے اسکی مصلحت بھی بیان کی ہے اگرچہ آنحضرتؐ کا حکم ماننے والوں کے لئے پیغمبر کا حکم ہی ہوتا تھا مگر ان کے عقیدت مند یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر جن کاموں اور باتوں میں پیغمبر کی مخالفت کرتے تھے وہ آنحضرت پیغمبر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے فرماتے تھے۔ جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ" ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو ان کو بزرگ ماننا تو درکنار ہم ان کو دائرے اسلام سے بھی باہر سمجھتے" اور سیالوی صاحب ہم یہ بات قطعی طور پر ثابت کر آئے ہیں کہ پیغمبر نے بدر کے قیدیوں کا فیصلہ اور صلح حدیبیہ منصب نبوت کی حیثیت سے کیا تھا، لہذا انہوں نے جو فتویٰ دیا تھا اس پر غور کریں اور انکی مخالفت سے جو صحیح اندازہ ہوتا ہے اسکے بیان کرنے سے تو ہم اپنی قلم روکتے ہیں۔

البتہ ہم تمام مسلمانوں سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر بشر ہونے کی حیثیت سے پیغمبر کے حکم کی مخالفت جائز ہو تو حضرت عمر کا حکم قیامت تک نافذ ہونا انکی کس حیثیت سے جائز ہے۔ جبکہ حتماً نہ وہ نبی ہیں نہ رسول ہیں نہ خدا اور رسول کی طرف سے مقرر کردہ امام و ہادی خلق ہیں۔ اور نہ ہی انہوں نے کبھی اس بات کا دعویٰ کیا سیالوی صاحب غور کریں۔ پس علامہ شبلی کی یہ صفائی قطعی طور پر ناکام ہے اور جس طرح جھوٹے مقدمہ میں وکیل کو منہ کی کھانی پڑتی ہے اسی طرح شبلی صاحب نے جھوٹے مقدمہ کی صفائی میں ناکامی دیکھی ہے

آنحضرتؐ کی بیماری کا حال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ کتنے دن بیمار رہے اور آپکو بیماری کیا تھی۔ اس بارے میں شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں۔

آنحضرتؐ بروایت مشہور 13 دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بسند صحیح ان کی تعداد دس دن بیان کی ہے۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی۔ کبھی بیماری کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اسقدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ عین وفات کے دن فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 106)

علامہ شبلی کے اس بیان سے جو انہوں نے مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کی بیماری زیادہ سے زیادہ دس یا تیرہ دن رہی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپکی بیماری کوئی خطرناک قسم کی نہ تھی جو جان لیوا ثابت ہوتی ہیں، بلکہ عام قسم کا بخار تھا یا سر درد۔

آنحضرتؐ حفظان صحت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غذا، لباس، طہارت اور صفائی اور صحت کے دوسرے معمولات بالکل باقاعدہ اور درست تھے اور اب تک کوئی خاص بیماری ان کو لاحق نہیں ہوئی تھی۔ البتہ 6ھ میں جنگ خیبر کے موقع پر کئی دن تک قلعہ خیبر کا محاصرہ کرنے اور راتوں کو جاگتے رہنے کی وجہ سے دردِ سر لاحق ہو گیا تھا۔

لہذا اب بھی یہی امکان ہے کہ جیش اسامہ میں صحابہ کبار کے بار بار تاکید کے باوجود نہ جانے اور آپ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے جو غصہ آپ کو آ رہا تھا اسکی وجہ سے ٹینشن

اور جوش خون کی وجہ سے درد سر اور بخار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو۔

چونکہ تاریخوں اور مستند روایات سے جو بات ثابت ہوتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ جیش اسامہ کی روانگی کا حکم دینے سے پہلے آنحضرت بالکل صحت مند اور ٹھیک ٹھاک تھے اور جیش اسامہ کی روانگی کا حکم دینے کے دو دن یا تین دن بعد آپ بیمار ہوئے تھے۔ اور وہ بیماری صرف بخار یا سر درد تھا۔ لہذا اصحاب کا اسامہ کے ساتھ نہ جانے پر غصہ کی وجہ سے طبی نکتہ نظر سے بھی بخار یا سر درد ہو جانا کوئی بعید نہیں ہے۔

علامہ شبلی کے بیان کے مطابق یہ بخار بھی مسلسل نہیں تھا کبھی تیز ہو جاتا تھا اور کبھی بالکل اتر جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنی وفات سے تقریباً چار دن پہلے بدھ کے روز آپ نے غسل صحت یابی کیا جس کی خوشی میں آج دنیائے اسلام آخری چہار شنبہ کی عید مناتی ہے۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ: ''عین وفات کے دن آپکی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا اور حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے'' (الفاروق شبلی دوسرا ایڈیشن 1970 صفحہ 111)

المیہ قرطاس یا ہدایت کا ایک اور سرچشمہ

احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر نے اپنی وفات سے تقریباً 4 دن پہلے جمعرات کے دن صحابہ سے کاغذ اور قلم دوات مانگا تا کہ انہیں ایک ایسی تحریر لکھ دیں جس سے وہ کبھی گمراہ نہ ہونگے۔ لیکن اصحاب پیغمبر نے کاغذات اور قلم دوات دینے سے انکار کر دیا اور اس تحریر کے لکھنے میں مانع ہوئے اور یہ کہا کہ اس کو ہذیان ہو گیا ہے۔ اور ہمارے پاس خدا کی کتاب کافی ہے۔ چند احادیث اسطرح ہیں۔

نمبر 1: امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں الجزء الاول میں صفحہ نمبر 336 صفحہ

نمبر 355 پر" فقالوا ان رسول الله ليهجر " لکھا ہے۔ یعنی انہوں نے کہا رسول اللہ ہذیان بک رہے ہیں

نمبر 2: ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات جلد 2 صفحہ 212 پر" ان نبی اللہ لیھجر لکھا ہے۔ یعنی نبی اللہ کو ہذیان ہو گیا ہے۔

نمبر 3: شیخ شہاب الدین خفاجی نے اپنی کتاب نسیم الریاض میں یہ لکھا ہے کہ: فقال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیھجر یعنی حضرت عمر نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہک رہے ہیں۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث علیحدہ علیحدہ سات ابواب میں آئی ہیں۔ ان تمام روایات میں جہاں حضرت عمر کا نام نہیں ہے بلکہ "قال" ہے وہاں صاف لفظ "ھجر" آیا ہے۔ یعنی یہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ یا ہذیان بک رہا ہے۔ لیکن جہاں حضرت عمر کا نام روایت میں درج کیا ہے وہاں بخاری نے "ھجر" کا لفظ بدل کر "غلبہ الوجع" کر دیا ہے یعنی اس پر درد کا غلبہ ہے۔

البتہ یہ بات روایات میں قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہ بات کہنے والے حضرت عمر ہی تھے۔ چاہے درد کا غلبہ کہا ہو یا "ھجر" یعنی بکواس یا ہذیان بک رہا ہے کہا ہو۔ اور وہی پیغمبر کو تحریر لکھنے میں مانع ہوئے تھے۔ ہم یہ دونوں قسم کی روایتیں بخاری سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(ا) کتاب الجہاد والسیر میں بخاری کی روایت اس طرح ہے۔

قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقال ھجر رسول الله۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر جلد 2 صفحہ 121

یعنی آنحضرت نے فرمایا میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے ایک ایسا صحیفہ لکھ دوں کہ پھر اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو اس پر لوگوں نے اختلاف اور تنازعہ شروع

کر دیا۔ حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ہذیان بک رہے ہیں۔

اس روایت میں بخاری نے چونکہ حضرت عمر کا نام نہیں لکھا لہذا صاف لکھ دیا کہ کہنے والے نے "ھجر" کہا تھا۔ یعنی یہ بکواس کر رہا ہے۔ لیکن جن روایات میں حضرت عمر کا نام لکھا ہے وہاں پر الفاظ بدل دیئے اور یوں لکھا

(ب) "قال لما حضر النبی صلی الله علیه وسلم قالو فی البیت رجال منھم عمر ابن الخطاب قال ھلم اکتب لکم کتاباً لن تضلو بعدہ قال عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم غلبه الوجع و عند کم القران فحسبنا کتاب الله" صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب کراھیۃ الاختلاف

ترجمہ: ابن عباس سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب جناب رسول خدا کا وقت رحلت قریب آیا اور اس وقت گھر کے اندر بہت سے لوگ تھے جن میں سے ایک عمر ابن الخطاب بھی تھے تو آنحضرت نے فرمایا۔ آؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں کہ پھر جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ پر اس وقت بیماری کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس قرآن ہے۔ پس ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے"

پیغمبرؐ کیا لکھنا چاہتے تھے؟

حدیث و تاریخ و سیرۃ کی ہر مستند کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ پیغمبر نے اپنے آخری وقت میں ایسی تحریر لکھنے کے لئے جس سے امت کبھی گمراہ نہ ہو قلم دوات مانگی تھی۔ لیکن حضرت عمر نے وہ بات لکھنے کے لئے قلم دوات نہ دینے دی، چاہے درد کا غلبہ کہا ہو یا ہذیان کہا ہو مگر یہ بات واضح طور پر کہی کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ جس کا واضح مطلب

یہ ہے کہ ہمیں پیغمبرؐ کی ایسی تحریر یا کسی اور دوسری چیز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

پیغمبرؐ نے اپنے مرنے سے تقریباً چار دن پہلے عجب انداز سے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔

پیغمبرؐ نے یہ کہہ کر کہ میں ایسی تحریر لکھونگا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہونگے اس تحریر کی اہمیت کو واضح کر دیا تھا۔ اب پیغمبرؐ کیا لکھنا چاہتے تھے، اس بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی گئیں ہیں۔ خود حضرت عمر نے جس قیاس کی بنیاد پر آنحضرت کو وہ تحریر نہیں لکھنے دی وہ حضرت عمر اور عبداللہ بن عباس کے ایک مکالمہ میں ظاہر کر چکے کہ پیغمبرؐ حضرت علیؑ کی خلافت کی بابت لکھنا چاہتے تھے۔ میں سمجھ گیا اور انہیں وہ تحریر لکھنے سے روک دیا۔ بعض دوسرے سیرت نگاروں نے بھی ایسا لکھا ہے لیکن پیغمبرؐ اپنے اعلان رسالت سے لیکر اپنی حیات کے آخری دن تک حضرت علیؑ کی خلافت کے بارے میں اتنے طریقوں سے اور اتنی مرتبہ اعلان کر چکے تھے کہ کسی پیغمبرؐ نے اتنے طریقوں سے اور اتنی مرتبہ اپنے جانشین کا اعلان نہ کیا ہوگا۔ جب بغاوت اور غداری کرنے والے اتنے اعلانات سننے کے باوجود باز نہ آئے تو اگر پیغمبرؐ ایسی تحریر لکھ بھی جاتے تو غداری کرنے والوں کے لیے وہ بھی رکاوٹ نہ بن سکتی تھی۔ کیونکہ حتمی طور پر پیغمبر اکرم صلعم کو وہ تحریر نہیں لکھنے دی گئی جو گمراہی سے بچانے والی اور ہدایت ہی ہدایت ہوتی۔ لہذا ان قیاس آرئیوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جسطرح جنگ تبوک کے بارے میں پیغمبرؐ کو یہ علم تھا کہ یہ جنگ نہیں ہوگی مگر چونکہ اس کے لئے جانے میں ہدانت کے کئی سرچشمے پھوٹتے تھے لہذا آپ تبوک کی جنگ کے لئے گئے۔

اور جس طرح جیش اسامہ کے بارے میں آپکو علم تھا کہ میرے حکم شدید کے باوجود یہ لشکر نہیں جائیگا لیکن پیغمبرؐ شدت کے ساتھ اصرار کرتے رہے تا کہ خدا کے حکم کے

مطابق جن باتوں کا ظاہر ہونا ضروری ہے وہ ظاہر ہو جائیں۔

اس طرح پیغمبرؐ کو وحی الٰہی کی روشنی میں اس بات کا علم تھا کہ مجھے قلم دوات نہیں دی جائیگی لیکن پیغمبرؐ نے خدا کے حکم سے اس بات کا مطالبہ کیا تا کہ جس بات کا کھل کر سامنے آنا ضروری تھا اور ہدایت خلق کے لئے جس بات کا ظاہر کیا جانا لازمی تھا وہ سارے عالم کے سامنے کھل کر سامنے آجائے۔

لہذا اس بات میں بھی ہدایت ہی ہدایت ہے جو سارے عالم کے سامنے کھل گئی کہ پیغمبرؐ کی حیات کے آخری ایام میں حضرت عمر پیغمبرؐ کی مخالفت میں کھل کر سامنے آگئے تھے اور برملا کہہ دیا تھا۔ کہ ہمیں تمھاری کسی اور بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہمیں تمھاری عترت اور تمھاری اہل بیت کی کوئی ضرورت ہے۔ اور پیغمبرؐ قلم دوات مانگ کر یہی بات کھلوانا اور ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ اور یقیناً پیغمبرؐ کی اس بات میں ہدایت ہی ہدایت ہے اور حدیث قرطاس سارے عالم کے مسلمانوں کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔ جس کے ذریعہ پیغمبرؐ نے علی الاعلان ساری دنیا پر ظاہر کر دیا کہ حضرت عمر دنیا کی طلب میں مجھ سے اور میرے اہل بیت سے برگشتہ ہو چکے ہیں۔ لہذا پیغمبرؐ نے اپنے اس آخری وقت میں ان حضرات کو "قوموا عنی" کہہ کر اپنی صحبت سے بھی باہر نکال دیا۔

طلعت محمود صاحب کی وکالت اور واقعہ قرطاس

طلعت محمود صاحب بٹالوی نے اپنی کتاب مظلوم قرآن میں حضرت عمر کے حدیثوں کے لکھنے اور بیان کرنے کو منع کرنے کی وکالت کرتے ہوئے اس واقعہ قرطاس کو حضرت عمر کی کمال مدح اور تعریف میں شمار کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔ "جس عمر نے حضرت ابو ہریرہ کو حضور پر نور کی زندگی میں پیٹ ڈالا تھا اور جس نے رسول اکرم کے حکم کی

خلاف ورزی کرتے ہوئے کہہ دیا تھا۔ کہ "حسبنا کتاب اللہ" وہ اپنے عہد خلافت میں ابوہریرہ یا کسی اور بزرگ کو روایت احادیث کی اجازت کیسے دے سکتا تھا"

(مظلوم قرآن طلعت محمود بٹالوی صفحہ 171)

مظلوم قرآن میں ہی بٹالوی صاحب ایک اور جگہ اسطرح لکھتے ہیں

"قرآن کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے تھے۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے جب رحلت سے پہلے حضور نے فرمایا کہ:

"ائتونی بکتاب و قرطاس اکتب لکم شیئاً لن تضلو ا بعدی"

لاؤ قلم ودوات اور کاغذ میں تمھیں ایک ایسی چیز لکھ کر دے جاؤں کہ میرے بعد تمھاری گمراہی کا کوئی امکان باقی نہ رہے تو حضرت عمر ابن الخطاب جھٹ بول اٹھے ہمیں کسی مزید تحریر کی ضرورت نہیں اس لئے کہ "حسبنا کتاب اللہ" ہمارے پاس کتاب الہی موجود ہے۔ جس میں انسانی فلاح ونجات کے مکمل گر درج ہیں۔ اور بعد میں یہ کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔ حضرت عمر کا یہ جملہ رسالت پناہ کے حضور میں جسارت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ مجبور تھے۔ اس لئے کہ کچھ عرصہ پیشتر قرآن کی آیت نازل ہو چکی تھی۔ الیوم اکملت لکم دینکم"

(مظلوم قرآن طلعت محمود بٹالوی صفحہ 156)

اہل سنت کے دانشور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر کا یہ فرمانا رسالت پناہ کے حضور میں جسارت تھا۔ مگر حضرت عمر کو اس جسارت اور گستاخی کرنے میں بھی حق بجانب ثابت کرنے کے لئے قرآن کی آیات کو غلط طور پر چپکاتے ہیں گویا کہ جس پر آیت مذکور نازل ہوئی وہ تو اس سے بے خبر تھے اور حضرت عمر کو اسکا علم تھا لہذا وہ ایسی جسارت اور گستاخی کرنے پر مجبور تھے، واقعا قرآن بھی مظلوم ہے

طلعت محمود بٹالوی نے مذکورہ واقعہ حضرت عمر کے اپنے عہد خلافت میں احادیث پر سنسر شپ عائد کرنے، بیان کرنے والوں کو درے لگانے اور قید کرنے اور جس نے جمع کی انھیں جلانے کی تائید میں بیان کیا ہے۔

لیکن جب حضرت عمر کو خود فیصلوں کے سلسلہ میں ضرورت پیش آئی تو یہی حضرت عمر اپنے عہدے خلافت میں اصحاب کو جمع کرکے پوچھا کرتے تھے کہ کسی نے اس سلسلہ میں آنحضرت سے کوئی حدیث سنی ہو تو بتاؤ یعنی حدیثوں پر سنسر شپ۔ انہیں لکھنے اور بیان کرنے سے منع کرنے اور انہیں سزا دینے اور جس نے لکھ دی تھیں انہیں لیکر جلانا بھی تعریف اور چونکہ خود احادیث وارشادات پیغمبرؐ پر مطلع نہیں تھے لہذا مسائل پیش آنے پر بوقت ضرورت اصحاب کو پوچھنا بھی تعریف، اسے کہتے ہیں جھوٹی وکالت اور دفاع باطل اور منع احادیث کا مفصل بیان آگے چل کر آئیگا۔

بہر حال طلعت محمود صاحب ہوں یا کوئی اور دانشور یا حسبنا کتاب اللہ" کی صفائی یا وکالت یا دفاع کرنے والے دوسرے سیرت نگار وہ حضرت عمر کے حسبنا کتاب اللہ کہنے کے بعد اپنے دور حکومت میں تفحص احادیث کا کوئی جواب نہیں دے سکتے جسکا مفصل بیان آگے چل کر آئیگا۔

لیکن یہاں اتنا عرض کرتا ہے کہ اگر کتاب کافی تھی تو ضرورت پڑنے پر احادیث کا تفحص کیوں؟ اور اگر احادیث کے بغیر چارہ نہیں تھا تو برسر اقتدار آتے ہی احادیث پر سنسر شپ کیوں عائد کیا؟ اور احادیث کے لکھنے اور بیان کرنے سے منع کیوں کیا؟ اور جن اصحاب پیغمبر نے احادیث جمع کر لی تھیں ان سے لیکر جلایا کیوں؟ اور احادیث بیان کرنے والوں کو قید کیوں کیا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اتنے گستاخانہ انداز میں پیغمبرؐ کو لکھنے کیوں نہ دیا؟ یہ بات سوائے اس کے نہیں ہے کہ حضرت عمر نے حالات وواقعات اور پیغمبر اکرم کی

زبانی باتوں سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ پیغمبر جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں ان سے ان کے منصوبے پر اثر پڑے گا۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا بیان اس بارے میں خاص طور پر قابل غور ہے۔

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا واقعہ قرطاس کے بارے میں بیان

ڈپٹی نذیر احمد ایک مشہور سنی دانشور سیرۃ نگار اور مصنف عالم ہیں جو شمس العلماء کے لقب کے ساتھ معروف ہیں وہ واقعہ قرطاس کے بارے میں اپنی کتاب الفرائض و الحقوق اور امہات الامۃ' میں لکھتے ہیں۔

''جن لوگوں کے دل میں خلافت کی کھچڑی پک رہی تھی۔ اسکا بھانڈا دوات قلم طلب کرنے کے وقت پھوٹ گیا۔ پیغمبر صاحب نے بھی وصیت کی کچھ صراحت نہ فرمائی کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ مگر جن کے دلوں میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انہوں نے دھینگا مشتی سے منصوبہ کو چٹکیوں میں اڑا دیا۔ اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے۔ اور چونکہ پیغمبر صاحب کے حواس بر جا نہیں ہیں، کاغذ، دوات و قلم کا لانا کچھ ضروری نہیں خدا جانے کیا کیا لکھوا دیں''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور واقعہ قرطاس کا بیان

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں واقعہ قرطاس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور نہ لکھنے دینے کے بارے میں کئی روایات درج کی ہیں انہوں نے اسطرح لکھا ہے۔

''در کتب صحاح مذکور است کہ آنحضرت در حین اشتداد مرض کہ صحابہ در حجرہ شریف مجتمع بودند فرمود کہ دوات و صحیفہ برائے من بیارید تا برائے شما وصیتے بنویسم کہ بعد از من ہرگز گمراہ نشوید۔ پس اصحاب اختلاف کردند، بعض گفتند آنچہ فرمود عمل باید کرد و دوات صحیفہ باید داد۔ ہر چہ خواہد بنویسد بعض گفتند مناسب نیست آں سرور را دریں محل مشغول بہ کتابت داریم کہ وقت وے تنگ است۔ عمر دریں جانب بود گفت درد و الم بر حضرت مستولی است و قرآن مجید در میاں ما ہست ما را بس است و در بعض روایات ایں نیز آمدہ است کہ از دائرہ اختیار او بیرون است، شاید کہ ایں سخن از آں سخنان باشد بعض مردم خیال کنند کہ ہذیان می گوید، دیگر نیز موافق عمر بودند جمعے از مخالف تا اختلاف افتادہ، آوازہا بلند شد آنحضرت فرمود برخیزاز پیش من کہ اصوات بحضور رسول خدا جائز نیست''

مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صفحہ 878 مطبع مظہر العجائب

مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 542 مطبع نول کشور 1904

ترجمہ: کتب صحاح میں مذکور ہے کہ جس وقت آنحضرت پر مرض کی شدت طاری ہوئی اور اصحاب حجرہ شریف میں جمع تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے لئے دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ تم لوگوں کے واسطے ایک وصیت نامہ لکھوا دوں کہ میرے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہو (یہ سن کر) اصحاب نے اختلاف کیا۔ بعض کہتے تھے جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس پر عمل کرنا چاہیے اور دوات و کاغذ دینا چاہیے جو کچھ چاہیں تحریر فرما دیں۔ اور بعض کہتے تھے مناسب نہیں کہ آنحضرت کو اس وقت ہم کچھ لکھنے دیں آپ کا وقت نازک ہے۔ عمر اسی دوسرے خیال والوں کی طرف تھے۔ کہنے لگے حضرت پر درد و الم کا غلبہ ہے۔ قرآن ہمارے پاس موجود ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے اختیار سے باہر ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بات بھی انہیں باتوں میں ہو کہ بعض لوگ خیال کرتے

تھے کہ حضرت ہذیان بک رہے ہیں نیز دوسرے لوگ بھی عمر کے موافق تھے۔ اور کچھ لوگ ان کے مخالف تھے۔ یہاں تک کہ ایک اختلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ کہ رسول خدا کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں ہے"

ترجمہ مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صفحہ 878 مطبع مظہر العجائب

مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد 2 صفحہ 542 مطبع نول کشور صفحہ 1904

مختصر یہ ہے کہ جناب رسول خدا کی اس وصیت میں مزاحمت کی گئی اور جو بے وحی کلام نہ کرے اس پیغمبر خدا کو "ہذیان" سے نسبت دی گئی، جس وصیت پر قیامت تک کل امت کی ہدایت کا دارمدار تھا اسی کو رد کردیا گیا، آخر یہی مخالفت بہتر فرقوں کی گمراہی کا باعث ہوئی، علاوہ ازیں حضرت عمر نے پیغمبر اکرم صلعم کی صرف نافرمانی ہی نہیں کی بلکہ آداب رسالت کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ خدا جن کا احترام کرتے ہوئے نام نہ لے بلکہ طہٰ، یٰسین، مزمل، اور مدثر وغیرہ کے القاب کے ساتھ مخاطب کرے حضرت عمر انہیں۔ "ھذا الرجل لیھجر" کہیں حالانکہ خداوند تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں آنحضرت کے سامنے بلند آواز کے ساتھ بات کرنے سے بھی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون.

(سورۃ الحجرات۔ آیت 2)

ترجمہ: اے ایمان والوں تم (بولنے میں) اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور (زور) سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

دراصل پیغمبرؐ نے ہدایت کے لیے جو کچھ وصیت کے طور پر لکھنا تھا، اسے وہ برملا کئی مرتبہ بیان کر چکے تھے اور کھلم کھلا اعلان کر چکے تھے۔ اب پیغمبر اپنی اس بات کے ذریعہ حضرت عمر کو دنیا جہاں کے سامنے عریاں کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عمر اسلام لانے سے پہلے اسلام اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے سخت ترین دشمن اور مخالف تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی مخالف ہی رہے اب آخری وقت میں آنحضرتؐ، حضرت عمر کے آنحضرت کی شان میں سوئے ادب اور مخالفت کی انتہا کو برملا کرنا چاہتے تھے اور دراصل یہی بات ساری باتوں سے زیادہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ تھی۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور ان کے ہم مشرب ان باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔

حدیث ثقلین بستر بیماری پر

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ کو قلم دوات نہ دی گئی تو پیغمبر نے اصحاب کے سامنے وہ مشہور حدیث پھر دہرائی جو حدیث ثقلین کے نام سے معروف ہے اور جسے محمد اشرف سیالوی صاحب نے مسلمہ فریقین اور مقبول فریقین مانا ہے۔

اس حدیث کو پیغمبر اکرمؐ نے اس سے پہلے حج کے موقع پر میدان عرفات میں اور واپسی پر غدیر خم کے مقام پر اور اب مجمع اصحاب میں بستر بیماری پر بھی دہرایا ہے۔ ابن حجر نے اسے صواعق محرقہ میں اور نورالدین علی ابن سمہودی نے اپنی کتاب جواہر العقدین میں کئی طریقوں سے بیان کیا ہے اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں کلمۃ التقدیم کے عنوان کے تحت جو حدیث ثقلین نقل کی ہے اسے سمہودی نے اپنی کتاب جواہر العقدین میں ترمذی سے زید ابن ارقم کی زبانی روایت کیا ہے۔

ہم اس مقام پر حدیث ثقلین میں دو نکات جو خاص طور قابل غور ہیں بیان کرتے ہیں۔

اول یہ کہ پیغمبرؐ نے قلم دوات مانگ کر جو کچھ لکھنا چاہا تھا اس کے لیے بھی پیغمبرؐ نے یہی فرمایا تھا کہ "لن تضلوا بعدی" یعنی تم اس تحریر کے بعد میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے اور حدیث ثقلین میں بھی یہی فرمایا ہے کہ اگر تم ان سے تمسک کرو گے تو "لن تضلوا بعدی" تو تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے اہل بیتؑ کو قرآن کے ساتھ رکھا ہے یعنی جو میرے اہل بیت کی اطاعت و پیروی نہ کریگا اور صرف قرآن کو کافی کہے گا وہ ہدایت یافتہ نہ ہو سکے گا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ نے قرآن کے ساتھ اپنی عترت و اہل بیت کی اطاعت و پیروی واجب گردانی تھی لیکن علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے جنکی اطاعت واجب کی تھی انہوں نے انکی اطاعت کر لی تھی، جنہیں اہل بیت کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا گیا تھا لہذا انکا مذہب سچا ہے۔

دراصل پیغمبرؐ کی ایک ایک بات اور ایک ایک کام ہدایت کا سرچشمہ ہے اور پیغمبرؐ کے ہر بات میں ہدایت کے متلاشیوں کے لئے ہدایت ہی ہدایت ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ والہ وسلم نے آخری وقت میں کاغذ اور قلم دوات مانگ کر جن لوگوں کو ننگا کرنا تھا وہ کر دیا اور پیغمبر نے اپنے بعد جو کچھ ہونے والا تھا اسے کھول کر ساری امت کو اس سے آگاہ کر دیا تھا یعنی خود پیغمبرؐ کے سامنے دوسری گرانقدر چیز کو چھوڑنے اور ترک کرنے والوں کو ظاہر کر دیا تھا۔ اور انتہائی واضح طور پر ظاہر کر دیا تھا کہ میرے یہ اصحاب صرف دنیا کے لئے ہیں انکو اپنا ہادی و رہنما سمجھنے والے سوائے گمراہی کے اور کچھ حاصل نہ کر سکیں گے۔

چنانچہ خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز نے منکر حدیث ثقلین کو خارج از اسلام اور گمراہ بتلایا ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ:

"باید دانست کہ باتفاق شیعہ و سنی ایں حدیث ثابت است کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ والہ وسلم فرمود "انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی" پس معلوم شد کہ در مقدمات دینی و احکام شرعی مارا پیغمبر حوالہ بایں دو چیز عظیم القدر فرمودہ است۔ پس مذہبے کہ مخالف ایں دو باشد در امور شرعیہ عقیدۃً و عملاً باطل و نا معتبر است ہر کہ انکار ایں دو بزرگ نماید گمراہ و خارج از دین است" (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ 135 مطبوعہ فخر المطابع)

ترجمہ۔ یقین کیجیے کہ باتفاق شیعہ و سنی یہ حدیث ثابت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ایک خدا کی کتاب اور دوسری میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دینی مقدمات اور شرعی احکام میں پیغمبر خدا نے ہم کو ان دونوں عظیم القدر چیزوں کے حوالہ فرمایا ہے۔ پس جو مذہب ان دونوں چیزوں کے خلاف ہو گا وہ احکام شریعت میں عقیدۃً اور عملاً باطل اور غیر معتبر ہے اور جو کوئی ان دونوں چیزوں سے انکار کرے وہ گمراہ اور دین سے خارج ہے"

ہم اسپر زیادہ تبصرہ کرنا نہیں چاہتے علامہ محمد اشرف سیالوی خود "حسبنا کتاب اللہ" کہنے کا مطلب سمجھ لیں اس میں دوسری چیز کا واضح انکار ہے یا نہیں۔

غدیر خم پر موت کی خبر دینے میں ایک قابل غور بات

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے غدیر خم کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"و در روایتے آمدہ کہ فرمود کہ گویا مرا باں عالم خوانند و من اجابت نمودم بدانید کہ من

درمیان شما دو امر عظیم می گزارم و یکے از دیگرے بزرگ تر است قرآن و اہل بیت من" الخ

(مدراج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ: اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے گویا مجھ کو اس جہاں سے بلاوا آ گیا ہے اور میں نے اس کو منظور کر لیا ہے۔ آگاہ ہو کہ میں تمہارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے بزرگ تر ہیں۔ قرآن اور میرے اہل بیت۔ اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت علیؑ کی مولائیت کے اعلان کو بیان کیا ہے" اس روایت میں قابل غور بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ بالکل صحت مند، تندرست و توانا اور بہمہ وجوہ قوت و طاقت کے ساتھ یہ اعلان فرما رہے تھے کہ گویا مجھے اس جہان سے بلاوا آ گیا ہے۔ اور میں نے منظور کر لیا ہے اسکی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

پیغمبرؐ صحت مند اور تندرست و توانا تھے انکو کوئی ایسی بیماری بھی نہیں تھی کہ آپ کو اس کی بناء پر یہ کہا گیا ہو۔ آپ کی عمر بھی ایسی زیادہ نہیں ہوئی تھی موت کے لئے بھی کچھ نہ کچھ اسباب تو ضروری ہوتے ہیں آخر پیغمبر نے ایسا کیوں فرمایا؟ اور اگر وحی کے ذریعہ اطلاع دی گئی تو ضرور وہ بات خدا کے علم میں ہوگی جس سبب سے آنحضرت صلعم کی موت متوقع تھی۔ اس سے پہلے جنگ تبوک سے واپسی پر ایک گھاٹی میں آپ کو گھاٹی سے گرا کر مار ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی جسکا بیان جنگ تبوک کے حال میں گزر چکا ہے۔ اس وقت بھی جنگ تبوک کے لئے جاتے وقت حدیث منزلت بیان فرما گئے تھے۔ بیشک علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کے شیخ الاسلام کو حدیث منزلت کے معنی سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں لیکن عرب جنکی زبان عربی تھی وہ حدیث منزلت کا مطلب خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ لہذا وہ منصوبہ بنایا گیا جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے" وھموا بمالم ینالوا (القرآن)

اب بھی طبعی موت کی بجائے غیر طبعی موت کی صورت ہی بن سکتی تھی۔ لہذا خدا نے چاہا کہ

حدیث منزلت سے بڑھکر نمایاں طور پر حضرت علی کی جانشینی کا اعلان کرا دیا جائے تا کہ کار ہدایت جاری رہے۔ اور پیغمبر کے اس اعلان کی وجہ سے کہ مجھے اس جہان سے بلاوا آ گیا ہے اور میں نے اسے منظور کر لیا ہے وہ متوقع سبب موت بھی ڈھکا چھپا رہے اور پیغمبر گرامی اسلام اور اسلام کا احترام بھی برقرار رہے۔ کیونکہ مخفی طور پر پیغمبر کو مارنے میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا احترام زائل نہیں ہوتا۔ لیکن علنی شہادت سے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی ہتک اور توہین لازم آتی تھی جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب "سر الشہاتین" میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "آنحضرتؐ کو تمام فضائل حاصل تھے سوائے علنی شہادت کے جو آپ کو آپ کے نواسے امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے حاصل ہوئی" البتہ مخفی طور پر مارنے میں پیغمبر اسلام کی ہتک لازم نہیں آتی اسی وجہ سے بعض سیرت نگار آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کی طبعی موت کے قائل نہیں ہیں۔

پیغمبرؐ کی حیات ظاہری کا آخری دن

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں تاریخ طبری کے صفحہ 13-14 کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"عین وفات کے دن آپکی صحت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے۔

آنحضرتؐ نے 12 ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال کیا" (الفاروق شبلی صفحہ 111)

علامہ شبلی کے اس بیان کا جو انہوں نے تاریخ طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے

ایک ایک فقرہ قابل غور ہے آپ فرماتے ہیں۔

نمبر 1۔ عین وفات کے دن آپکی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا۔

نمبر 2۔ حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے مکان جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔

نمبر 3۔ حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے۔

نمبر 4۔ آنحضرتؐ نے 12 ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر وفات پائی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جب آپکی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا اور حضرت ابوبکر بھی اسی خیال سے اپنے گھر چلے گئے تھے تو پھر پیغمبرؐ دوپہر کے وقت یکایک کیسے وفات پا گئے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت کے بالکل صحت یاب ہونے کے باوجود حضرت عمر اپنے گھر نہیں گئے بلکہ وفات کے وقت تک وہیں رہے اور آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کے گھر میں وفات پائی۔ لہذا آنحضرتؐ نے کیسے وفات پائی اس بات کو حضرت عائشہ ہی صحیح طور پر بیان کرسکتی ہیں۔

پیغمبرؐ کی حیات کے آخری دن کی واردات

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے کیسے وفات پائی اس کو حضرت عائشہ نے اپنے والد بزرگوار حضرت ابوبکر کی آمد پر خود ان سے جس طرح سے بیان کیا۔ اسے صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی زبانی 4 مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت نقل کیا ہے ہم اس روایت کی اصل

عبارت کو صحیح بخاری مع ترجمہ جلد سوم باب 414 (اللدود) صفحہ 276 سے حدیث نمبر 665 کو نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1۔ ان ابابکر رضی اللہ عنہ قبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو میت. قال وقالت عائشہ لددناہ فی مرضہ فجعل یشیر الینا ان لا تلدونی فقلنا کراھیتہ المریض للدواء فلما افاق قال الم انھکم ان لاتلدونی قلنا کراھیۃ المرض للدواء فقال لا یبقی فی البیت احد الا لدوا انا انظر الا العباس فانہ لم یشھد.

ترجمہ"۔ حضرت ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بوسہ لیا جب کہ آپ وفات پاچکے تھے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ہم نے آپ کی بیماری میں آپ کے منہ میں دوا ڈالی۔ آپ اشارے سے ہمیں فرمانے لگے کہ میرے منہ میں دوا نہ ڈالو۔ ہم نے سمجھا کہ مریض دوا کو برا سمجھتا ہی ہے (چنانچہ دوا ڈال دی) جب افاقہ ہوا تو آپ فرمانے لگے کیا میں نے تم کو منہ میں دوا ڈالنے سے منع نہ کیا تھا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم تو معمولی مریضوں جیسی کراہیت سمجھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ گھر میں کوئی شخص میرے سامنے وہ دوا پلائے جانے سے نہ بچ سکے گا سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے"

صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی جلد سوم باب 416 (اللدود) صفحہ 276 حدیث نمبر 665

نمبر 2۔ یہی حدیث دوسرے مقام پر صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی جلد دوم صفحہ 704 حدیث نمبر 1576 پر درج ہے۔

نمبر 3۔ یہی حدیث صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی جلد سوم باب 1009 صفحہ 659 حدیث نمبر 1780 پر درج ہے جسکا عنوان یہ ہے۔

" القصاص بین الرجال والنساء فی الجراحات"

(یعنی مردوں اور عورتوں میں جراحات سے متعلق قصاص کے بارے میں)

نمبر 4۔یہی حدیث صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی جلد سوم باب 1016 صفحہ 662 حدیث نمبر 690 پر درج ہے جسکا عنوان یہ ہے۔

" اذا اصاب قوم من رجال هل يعاقب او يقتص منهم كلهم

(یعنی جب چند لوگ ایک شخص کو قتل کردیں تو کیا ان سب سے بدلہ یا قصاص لیا جائیگا۔

اس روایت سے جو صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے چار مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت روایت کی گئی ہیں کئی باتوں کا صحیح صحیح علم ہوتا ہے۔

نمبر 1۔ پہلی بات جو اس روایت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ بیان اس وقت دیا جب حضرت ابوبکر آنخضرت کی رحلت کے بعد گھر سے تشریف لائے اور آپ کو بوسہ دیا جبکہ کہ آپ وفات پاچکے تھے۔روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"ان ابوبكر رضى الله عنه قبل النبى صلى الله عليه وسلم وهو ميت"

حضرت ابوبکر نے آپ کا بوسہ لیا جب آپ وفات پاچکے تھے اس سے ثابت ہوا کہ دوا حضرت ابوبکر کے جانے کے بعد پلائی گئی جب وہ آنخضرت کی صحت سے مطمئن ہوکر اپنے گھر چلے گئے، اگر آپ کی موجودگی میں پلائی جاتی تو ان سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی

نمبر 2۔دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر کو وہ دوا پینے کے لئے پیش نہیں کی گئی۔ جب کہ آپ صحت یاب ہوچکے تھے۔اور حضرت ابوبکر مطمئن ہوکر چلے گئے تھے۔ بلکہ زبردستی منہ میں انڈیلی گئی تھی اور کسی ایک نے نہیں بلکہ کئی مردوں اور عورتوں نے ملکر ڈالی تھی یہ بات (لددناه) سے ثابت ہے

نمبر 3۔تیسری بات یہ ہے کہ کہ زبردستی بھی بلا مزاحمت کے نہیں ڈالی۔ بلکہ پیغمبرؐ روکتے

رہے منع کرتے رہے اور اشارے سے کہتے رہے کہ میرے منہ میں یہ دوا نہ ڈالو۔مگر پھر بھی پیغمبرؐ کے منہ میں وہ دوا انڈیل ہی دی یہ بات (فجعل يشير الينا ان لا تلدوني) سے ثابت ہے یعنی پیغمبرؐ اشاروں سے بھی منع کرتے رہے کہ میرے منہ میں یہ دوا نہ ڈالو يشير الينا میں الینا بھی جمع کا صیغہ ہے اور لا تلدوني بھی جمع کا صیغہ ہے یعنی کئی افراد ملکر دوا انڈیل رہے تھے اور انھیں اسطرح پکڑا ہوا تھا کہ وہ صحت یاب ہونے کے باوجود منہ سے کچھ بول تک نہ سکتے تھے بلکہ اشاروں سے منع کررہے تھے اور پیغمبر کی اس اشاروں والی مزاحمت کے باوجود انہوں نے اس دوا کو پیغمبرؐ کے حلق میں انڈیل دیا۔

نمبر 4۔چوتھی بات یہ ہے جو اس روایت سے ثابت ہے کہ جب انہوں نے پیغمبرؐ کو چھوڑا یا جب آپ کچھ سنبھلے تو آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ تم مجھے یہ دوا نہ پلاؤ؟ یہ بات پیغمبرؐ کے ان الفاظ سے ثابت ہے:" الم انهكم ان لا تلدوني"

پیغمبرؐ کے اس ارشاد میں انهكم بھی جمع کا صیغہ اور تلدوني' بھی جمع کا صیغہ ہے۔ یعنی جو لوگ مل کر پیغمبرؐ کے حلق میں دوا انڈیل رہے تھے وہ کئی افراد تھے حالانکہ آنخضرؐ آخری دن اتنے سنبھل گئے تھے کہ آپکی صحت کا گمان ہوگیا تھا۔اور حضرت ابوبکر بالکل مطمئن ہوکر گھر چلے گئے تھے۔اس حالت میں اگر دوا پلانی ہی تھی تو حضرت عائشہ خود آنخضرتؐ کی خدمت میں پیش کرکے فرماتیں کہ لیجئے دوا پی لیجئے۔بلکہ اگر بالکل صحت نہ بھی ہوتی تو بھی یہ کہا جاسکتا تھا کہ لیجئے دوا پی لیجئے نہ کہ حیوانوں کی طرح نال کے ذریعہ زبردستی حلق میں انڈیلی جائے۔

نمبر 5۔پانچویں بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ جواب دیا کہ مریض تو دوا سے کراہیت کرتا ہی ہے اس لیے زبردستی دوا منہ میں انڈیلی گئی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ تقریباً دس یا تیرہ دن بیمار رہے کیا اس بیماری کی

حالت میں بھی پیغمبرؐ کو کوئی دوا پلائی گئی؟ یا نہیں پلائی گئی؟ اگر پلائی گئی تھی تو آپ اس وقت بھی دوا کے پینے سے کراہیت کرتے تو پھر حضرت عائشہ یوں فرماتیں کہ آپ تو ہمیشہ ہی دوا پینے سے کراہت کرتے رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ پہلے کبھی دوا نہیں پلائی گئی۔ اور جب پہلے کبھی دوا نہیں پلائی گئی تو اب صحت یاب ہونے پر زبردستی دوا کیوں پلائی گئی؟ اور اشاروں سے منع کرتے رہنے کے باوجود زبردستی آنحضرتؐ کے حلق میں کیوں انڈیلی گئی۔

نمبر 6۔ چھٹی بات عجیب وغریب ہے یعنی پیغمبر نے فرمایا کہ گھر میں کوئی باقی نہ رہے سب کو وہی دوا پلاؤ جو زبردستی مجھے پلائی گئی ہے۔ سوائے عباس کے جو اس وقت موجود نہیں تھے۔ یہ بات عجیب غریب اس لئے ہے کہ پیغمبر۔ نبی۔ رسول۔ امام اور خاتم الانبیاء جیسا عظیم انسان تو رہا ایک طرف کوئی معمولی سے معمولی انسان بھی یہ حرکت نہیں کرسکتا کہ اسے لوگ تو ہمدردی کے طور پر دوا پلائیں اور وہ یہ کہے کہ جن لوگوں نے مجھے دوا پلائی انہیں بھی وہی دوا پلائی جائے۔

اور اس روایت میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ پیغمبرؐ کے کہنے پر کسی کو بھی وہ دوا پلائی گئی ہو۔ اور روایت کا انداز بیان ایسا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ اپنے والد کو چسکے لے لے کر یہ داستان بیان کررہی ہوں اور پیغمبرؐ کے بیان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ گویا وہ بھی اپنی اس بات سے دنیا جہاں کے انسانوں کو غور کی دعوت دے رہے تھے کہ جو چیز دوا کے نام سے زبردستی میرے منہ میں انڈیلی گئی تھی وہ دوا نہیں تھی بلکہ کوئی اور چیز تھی۔

نمبر 7۔ ساتویں بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "انا انظر" یعنی میں دیکھتا ہوں کہ تم سب وہ دوا پیتے ہو یا نہیں اگر پیغمبرؐ کے کہنے پر وہ دوا سب کو پلائی گئی ہوتی تو ضرور حضرت عائشہ اسکو بیان فرماتیں کہ پھر ہم سب نے پیغمبرؐ کی نظروں کے سامنے اس دوا کو پی کر دکھایا تاکہ

پیغمبرؐ کا شک دور ہو جائے۔

نمبر 8۔ آٹھویں بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم نے یہ کہہ کر کہ "الا العباس فانہ لم یشھد" یہ بتلا دیا کہ چونکہ عباس اس جرم میں شریک نہیں تھے لہذا یہ سزا انہیں نہیں دی جاسکتی۔

نمبر 9۔ نویں بات قضا وقدر الہی کا وہ کارنامہ ہے جس میں اس نے امام بخاری سے صحیح بخاری میں اس روایت کا ایک عنوان یہ لکھوا دیا کہ: "القصاص بین الرجال والنساء فی الجراحات" یعنی مردوں اور عورتوں میں جراحات سے متعلق قصاص کے بارے میں"۔ اور ایک عنوان یہ لکھوا دیا کہ: "اذا اصاب قوم من رجال ھل یعاقب او یقتص منھم کلھم" یعنی جب کسی کو کچھ لوگوں کی طرف سے کوئی زخم پہنچے یا اسے قتل کر دیں تو کیا ان سب لوگوں کو سزا دی جائیگی اور سب ہی سے بدلہ اور قصاص لیا جائیگا۔

(صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی باب 1016 صفحہ 662 حدیث نمبر 1790)

نمبر 10۔ اور دسویں بات یہ ہے کہ اس واردات کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون جبکہ حضرت عمر وفات کے وقت تک وہیں موجود رہے اور دوا پلانے والوں کے ساتھ شریک تھے۔

پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت عمر کا پہلا کام

اہل بیت پیغمبرؐ پر غم کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ پیغمبر اکرمؐ کے جسد اطہر کے پاس بیٹھے ہوئے غم سے نڈھال تھے۔ لیکن پیغمبرؐ کے اصحاب پیغمبرؐ کا انتقال ہوتے ہی اقتدار پر قبضہ کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔

جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ علامہ شبلی نے تاریخ طبری کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر وفات کے وقت تک حضرت عائشہ کے گھر میں ہی موجود رہے لہذا آپ کی وفات کا علم اصحاب پیغمبر میں سے سب سے پہلے حضرت عمر کو ہی ہوا آنحضرت کے انتقال فرماتے ہی حضرت عمر فوراً اپنے حلیف ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس پہنچے اور فرمایا اپنا ہاتھ پھیلاؤ کہ میں تمھاری بیعت کروں اس واقعہ کو ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں اس طرح سے لکھا ہے: قال لما قبض رسول الله صلعم اتی عمر ابا عبیده بن الجراح فقال ابسط یدک فلابایعک فانک امین هذه الامته علیٰ لسان رسول الله فقال ابو عبیده لعمر مارایت لک فهة قبلها منذ اسلمت اتبا یعنیّ و فیک الصدیق و ثانی اثنین"

(طبقات ابن سعد۔ق۔اجلد 3 صفحہ 129-128)

رسول خداؐ کے رحلت فرماتے ہی حضرت عمر ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس آئے اور کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمھاری بیعت کروں۔ کیونکہ تم اس امت کے امین ہو جیسا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ جب سے تم اسلام لائے ہو میں نے اس کے قبل تم کو مذاق کرتے نہیں دیکھا۔ کیا تم میری بیعت کروگے درآنحالیکہ تمہارے درمیان صدیق اور دو میں کا دوسرا ہے۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آنحضرت کی رحلت کے فوراً بعد کا قصہ ہے۔ لیکن چونکہ حضرت ابوبکر اسی خیال سے کہ پیغمبر اب بالکل صحت یاب ہو گئے ہیں مدینے سے باہر دو میل کے فاصلے پر اپنے گھر چلے گئے تھے اور حضرت عمر وفات کے وقت تک وہیں موجود رہے تھے، لہذا آپ نے فوری کاروائی کے طور پر مناسب یہی سمجھا کہ حضرت ابوبکر تو معلوم نہیں کب تک آئینگے۔ کہیں لوگ حضرت علیؑ کی بیعت نہ کرلیں۔ اس لئے ابو عبیدہ بن

الجراح کی بیعت کر کے اس وقت انکو خلیفہ مان کر کاروائی شروع کر دی جائے۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ ان تینوں حضرات نے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد فوری طور پر حکومت پر قبضہ کر لینگے اور پھر یکے بعد دیگرے حکومت کرینگے اور یہ بات آگے چل کر صاف کھل کر سامنے آ جائیگی۔

لیکن حضرت عمر کی حکمت عملی کے تحت ابھی یہ طے نہیں ہوا تھا کہ پہلے کون بنے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک اس بات سے ڈرتا ہو کہ ہنگامی حالات میں معلوم نہیں کیا سے کیا ہو جائے۔

چنانچہ اسی وجہ سے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کے یہ کہنے پر کہ: میں نے تمھارے لئے ان دونوں آدمیوں (عمر و ابو عبیدہ بن الجراح) میں سے ایک کو پسند کیا ہے ان میں سے جسکی چاہو بیعت کرلو۔ اس بات سے حضرت عمر نے ان الفاظ کے ساتھ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ "فلم اکره مما قال غیرها کان و الله ان اقدم فتضرب عنقی" صحیح بخاری باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت الجزء رابع صفحہ 120-119

یعنی سقیفہ میں ابوبکر نے جتنی گفتگو کی اس سب کو میں نے پسند کیا سوائے اس بات کے کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں آگے کیا جاؤں اور میری گردن ماری جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر انقلاب کی طرح یہاں بھی گردن ماری جانے کا خطرہ تھا اس وجہ سے تینوں انقلاب برپا کرنے والے اصحاب میں سے ہر ایک دوسرے کو پہلے لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بات جو طے شدہ تھی وہ صرف اتنی تھی کہ نبوت اور حکومت ایک خاندان میں نہیں رہنے دی جائیگی۔

پیغمبر اکرم صلعم کی رحلت کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے جب یہ کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمھاری بیعت کروں تو ابو عبیدہ بن الجراح نے حضرت عمر کے سامنے حضرت ابوبکر کا نام لیکر اس بات کا اشارہ دیدیا کہ پہلے نمبر پر حضرت ابوبکر بہتر

رہینگے اوران کے بعد پھر ہم دونوں یکے بعد دیگرے حکومت سنبھال لیں گے۔ اور واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حضرت ابوبکر نے تو اپنے وقت آخر میں مہاجرین وانصار کی مخالفت کے باوجود حضرت عمر کو اپنی جگہ خلیفہ بنا ہی دیا تھا۔ اگر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو حسب معاہدہ تیسرے نمبر پر وہی خلیفہ ہوتے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں واضح الفاظ میں فرما بھی دیا تھا کہ: "ان ادر کنی اجلی و ابو عبیدہ حی استخلفه"

(تاریخ اسلام ذہبی جلد 2 صفحہ 23)

یعنی اگر میرے آخر وقت تک ابوعبیدہ زندہ رہے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کرونگا۔ اور اس بات کا اعادہ حضرت عمر نے اپنے آخری وقت میں بھی کیا تھا جیسا کہ تاریخ طبری میں آیا ہے کہ: "ان عمر ابن خطاب لما طعن قیل له یا امیر المومنین لو استخلفت قال من استخلف لو کان ابو عبیده بن الجرح حیاً استخلفه"

(تاریخ طبری الجزء الخامس صفحہ 35)

یعنی جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو ان سے لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین آپ اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کردیں انھوں نے کہا کس کو خلیفہ مقرر کروں اگر آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا۔

رسول اکرمؐ کی وفات سے انکار اور لوگوں کو قتل کی دھمکیاں

پیغمبر اسلام کی وفات سے مدینہ منورہ پر سوگوارانہ سکوت طاری تھا۔ اور ہر شخص غم و

اندوہ میں ڈوبا ہوا تھا کہ ناگاہ حضرت عمر ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس سے واپس لوٹے اور اس غم انگیز فضا میں ایک آواز بلند کی: "ان رجلاً من المنافقین یز عمون ان رسول الله توفی وان رسول الله ما مات و لکنه ذهب الی ربه کما ذهب موسی ابن عمران فغاب من قومه اربعین لیلة ثم رجع بعد ان قیل قدمات و الله لیرجعن رسول الله فلیقطعن ایدی رجال و ارجلهم یدعمون ان رسول الله مات" ترجمہ۔ کچھ منافقوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ وفات پاگئے حالانکہ خدا کی قسم وہ مرے نہیں ہیں بلکہ اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں۔ جس طرح موسیٰ ابن عمران گئے تھے اور چالیس راتیں اپنی قوم سے پوشیدہ رہنے کے بعد پلٹ آئے تھے۔ اس وقت بھی کہا گیا تھا کہ موسیٰ وفات پاگئے۔ خدا کی قسم رسول خدا پلٹ کر آئینگے اور ان لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ وفات پاگئے۔

حضرت عمر کا پیغمبرؐ کی وفات سے انکار اور لوگوں کو قتل کی دھمکیاں دینے کا واقعہ حدیث و تاریخ و سیرت کی اکثر کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے طبری کی علاوہ ان میں سے چند یہ ہے۔ تاریخ ابوالفداء جلد ا صفحہ 156 ، الفاروق شبلی صفحہ 111 ، تاریخ ابن خلدون صفحہ 162 وغیرہ

یہاں پر دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں ایک یہ ہے کہ جنگ احد میں پیغمبر کے قتل ہوجانے کا اعلان سنکر تو حضرت عمر کو پورا یقین ہوگیا کہ پیغمبرؐ شہید ہوگئے لہذا انہوں نے یہ کہا کہ اب لڑکر کیا کرینگے، اور اب اپنی آنکھوں کے سامنے آنحضرتؐ کی لاش پڑی ہوئی ہونے کے باوجود فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے گا کہ پیغمبر نے وفات پائی تو میں اسے قتل کر دونگا۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ حضرت موسیٰ تو زندہ سلامت روح مع الجسم کے

کو طور پر گئے تھے لیکن پیغمبر اکرم صلعم کا جسد اطہر بالکل انکی نظروں کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ اور انکی روح مبارک اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر چکی تھی تو اس میں اور حضرت موسیٰ کی غیبت میں کیا مشابہت اور مماثلت ہے ساری دنیا تو بے وقوف اور احمق نہیں ہے۔ یہ واقعات پکار پکار کہہ رہے ہیں کہ حضرت عمر یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں اسی سے انصار نے جان لیا کہ حضرت عمر اپنے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے یہ سارا ڈرامہ کر رہے ہیں لہذا انہوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں اکھٹا ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

حضرت ابوبکر کی آمد اور پیغمبرؐ کی زیارت کرنے کا بیان

ایک طرف تو حضرت ابوبکر کے آنے تک حضرت عمر تلوار گھما گھما کر یہ کہتے رہے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ پیغمبر نے وفات پائی میں اسکا سر قلم کردونگا اور دوسری طرف حضرت ابوبکر کو یہ خبر پہنچادی کہ پیغمبر اکرم وفات پاگئے۔ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

واقبل ابوبکر حین بلغه الخبر فدخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فکشف و جهه وقبله وقال بابی انت و امی قد ذقت الموت التی کتب الله علیک ولن یعصیک بعد ها موته ابداً

(تاریخ ابن خلدون جلد ثانی صفحہ 163)

ترجمہ۔ جب آنحضرتؐ کے انتقال کی خبر حضرت ابوبکر کو ہوئی تو وہ فوراً پہنچے اور آنحضرتؐ کے حجرے میں داخل ہو کر آپ کے منہ سے چادر ہٹائی اور بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ نے اس موت کا مزہ چکھا جو خداوند تعالیٰ نے آپ

کے لئے لکھی تھی اور اس موت کے بعد آپ کو ہرگز دوسری موت نہیں آئیگی۔

حضرت ابوبکر کا حضرت عمر کو خاموش کرنا

ابن خلدون مذکورہ عبارت سے متصل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر پیغمبر کی میت دیکھنے کے بعد باہر نکلے اور حضرت عمر سے فرمایا۔ "و خرج الی عمر و یتکلم فقال انھیت فابی واقبل علی الناس یتکلم فجائو اعلیه و ترکو اعمر فحمد الله و اثنی علیه و قال ایها الناس من کان یعبد محمداً فان محمد قد مات و من کان یعبد الله کان الله حی لا یموت ثم تلا و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل الایه الخ

تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ذی الحجہ 1384 صفحہ 163، تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 443

ترجمہ۔ حضرت ابوبکر باہر آئے اور جہاں عمر لوگوں میں بول رہے تھے وہاں پہنچے عمر کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ پس وہ رک گئے اس کے بعد خود حضرت ابوبکر آگے بڑھے اور لوگوں میں کلام کرنے لگے۔ اس پر لوگ عمر کو چھوڑ کر ابوبکر کے پاس آگئے۔ ابوبکر نے حمد و ثنائے خدا تعالیٰ بیان کرنے کے بعد کہا۔ اے لوگوں تم میں سے جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو وہ معلوم کرے کہ محمدؐ تو مر گئے۔ اور تم میں سے جو خداوند تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ خداوند تعالیٰ زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مریگا۔ پھر یہ آیت پڑھی "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل" یعنی محمدؐ اللہ کے رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے (الخ)

حضرت عمر کی حیرانی اور ابوبکر کی بیعت کی فرمائش

جب حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی زبانی یہ آیت سنی تو حیرت کا اظہار کرتے

ہوئے کہا۔" او انها فی كتاب الله ما شعرت انها فی كتاب الله ثم قال يا ايهاالناس هذا ابوبكر ذوا سبقيةفى المسلمين فبايعوه فبايعوة "

(الهدایہ والنھایہ جلد 5 صفحہ 242،)

ترجمہ۔ کیا یہ آیت قرآن مجید میں ہے مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ یہ آیت قرآن میں ہے۔ پھر کہا اے لوگو یہ ابوبکر ہیں جنہیں مسلمانوں میں سبقت حاصل ہے ان کی بیعت کرلو۔ انکی بیعت کرلو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت عمر کو یہ علم نہیں تھا کہ مذکورہ آیت بھی قرآن میں ہے تو کیا حضرت عمر کو ان بہت سے آیات کا بھی علم نہیں تھا جن میں بشر کی موت اور سارے عالم میں ہر نفس کی موت اور فنا ہونے کی حتمی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ قرآن کریم کے ایک بہت بڑے حصہ سے بالکل ہی بے خبر تھے یعنی کیا ان کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ قرآن میں یہ آیت بھی آئی ہے جو ہر بشر کی موت کا اعلان کر رہی ہے

" كل نفس ذائقة الموت "الانبیاء 35 یعنی ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے

کیا ان کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ قرآن میں یہ آیت بھی نازل ہوئی ہے جس میں خاص طور سے پیغمبر سے ہی خطاب ہے۔ و انک میت و انهم میتون (الزمر۔ 31)

یقیناً اے پیغمبر تم نے بھی مرنا ہے اور وہ کافر بھی مرجائینگے

اور آیا حضرت عمر کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ قرآن میں یہ آیت بھی اتری ہے اور اس میں بھی خاص طور پر پیغمبر ہی سے خطاب ہے۔ وما جعلنامن قبلک الخلد افان مت فهم الخـــالدون" اور ہم نے تم سے پہلے کسی بھی بشر کے لئے دوام نہیں بخشا تو کیا اگر تم مر جاؤ گے تو وہ (کافر) ہمیشہ زندہ رہینگے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمر کو واقعا قرآن کریم کی بہت سی آیات کا علم نہیں

تھا اور وہ واقعاً ان سے قطعی طور پر بے خبر اور لاعلم تھے، تو حسبنا كتاب الله کس بنا پر کہا تھا؟ یا یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر نے یہ جھوٹ بولا تھا۔ جانتے تھے مگر ایک خاص مقصد کے لئے ڈرامہ کر رہے تھے۔ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب دانت بھینچ بھینچ کر تقیہ کیخلاف شیعوں پر برس رہے ہیں، انہوں نے تو تقیہ کیا اپنی جان بچانے کے لئے مگر حضرت عمر نے کس لئے جھوٹ بولا انہیں تو جان کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ آپ تو کسی غلط مقصد کے لئے جھوٹ بول لیں تو کوئی بات نہیں اور شیعہ اپنی جان بچانے کے لئے بھی اطمینان قلب کے ساتھ تقیہ کرلیں تو آسمان سر پر اٹھالیں۔

جہاں تک محبت میں خود رفتہ ہونے کا تعلق ہے جیسا کہ شبلی صاحب نے لکھا ہے تو جنگ احد میں تو جھوٹی خبر پر یقین کرلیا اور خود رفتہ نہ ہوئے۔ اور یہاں پیغمبر کا بے روح جسد اطہر ان کے سامنے پڑا ہے اور اسی بنا پر انہوں نے ابوعبیدہ بن جراح سے جا کر یہ کہا تھا۔ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمھاری بیعت کروں۔ اگر حضرت عمر کو یہ یقین نہ ہوتا کہ پیغمبر اکرم وفات پاگئے ہیں تو وہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح سے جا کر یہ نہ کہتے کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمھاری بیعت کروں۔ بات صاف ہے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح حکومت پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں ہم عہد ضرور تھے مگر یہ دونوں ہی پہلے مرحلہ میں خلفیہ بننا نہیں چاہتے تھے جیسا کی سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی طرف سے حضرت عمر کا نام پیش کرنے پر حضرت عمر نے کہا۔ کہ مجھے حضرت ابوبکر کی تقریر کی ہر بات اچھی لگی سوائے اس بات کے کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں آگے کیا جاؤ اور میری گردن ماری جائے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب انقلاب برپا کرنا بڑا نازک معاملہ ہے اگر دوسری طرف سے غلب ہو جائے تو انقلاب کے ذریعہ برسراقتدار آنے والے کی خیر نہیں ہوتی اور یہ بات حضرت عمر اچھی طرح جانتے تھے اور اسی لیے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے حضرت عمر

کو اس بات کا اشارہ دیا کہ پہلے نمبر پر حضرت ابوبکر کو رکھنا چاہیے اس لیے ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عمر کو ایک تو حضرت ابوبکر کے آنے کا انتظار تھا دوسرے وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی بنائی ہوئی سیاسی جماعت کے افراد زیادہ سے زیادہ جمع ہو جائیں۔ تو ان کے سامنے حضرت ابوبکر کی خلافت کا اعلان کر کے انکی بیعت کر لیں۔

چنانچہ اس عرصہ میں جبکہ وہ تلوار گھما رہے تھے اور لوگوں کو قتل کی دھمکیاں دے رہے تھے، انکی سیاسی جماعت کے افراد کافی تعداد میں جمع ہو گئے، اور حضرت ابوبکر بھی تشریف لے آئے اور انہوں نے حضرت عمر کو خاموش کر کے پیغمبر کی موت کی تصدیق کر دی تو حضرت عمر بڑے اصرار کے ساتھ کہنے لگے: "یا ایھا الناس ھذا ابوبکر ذو سبقیۃ فی المسلمین فبایعوہ بایعوۃ (البدایہ والنھایہ جلد 5 صفحہ 242)

اے لوگو یہ ابوبکر ہیں جنہیں مسلمانوں میں سبقت حاصل ہے انکی بیعت کر لو، ان کی بیعت کر لو۔ تعجب یہ ہے کہ حضرت عمر پیغمبر کے انتقال فرماتے ہی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس دوڑے گئے، اور انہیں کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمھاری بیعت کروں اور جب ابوعبیدہ بن الجراح نے پہلے مرحلے میں حضرت ابوبکر کے نام کی تجویز دی تو چونکہ حضرت ابوبکر وہاں موجود نہیں تھے لہذا ان کے آنے تک تلوار گھما کر یہ کہتے رہے کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی میں اسکا سر قلم کر دونگا اور جب وہ تشریف لے آئے تو حاضرین سے کہنے لگے، تم ابوبکر کی بیعت کر لو، ابوبکر کی بیعت کر لو۔ چونکہ پاس ہی آنحضرت کا جنازہ پڑا ہوا تھا لہذا حضرت عمر کا یہ فقرہ کہ فبایعوہ فبایعوہ ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گیا اور یہ دونوں حضرات بھی ابوعبیدہ بن الجراح کے ساتھ اس مقام پر جہاں حجرہ میں پیغمبر اکرم صلعم کا جسد اطہر رکھا ہوا تھا دوسرے سوگواروں کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع

کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ پیغمبر اکرم کی میت بے گور و کفن گھر میں پڑی ہوئی ہو اور انصار مدینہ جنہوں نے پیغمبر اکرم اور مہاجرین قریش کو اپنے یہاں پناہ دی تھی اور جو کافی عرصہ تک پیغمبر اور مہاجرین کی خدمت کرتے رہے تھے اس طرح پیغمبر کی میت کو بے گور و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں اقتدار کے حصول کی خاطر جمع ہو جائینگے۔ اسکی وجہ یہ تھی کی انصار و مہاجرین میں سے کسی کو بھی اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ پیغمبر کے اعلانات کی روشنی میں علی" ہی پیغمبر کے بعد ان کے خلیفہ و امام اور صاحب الامر ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی حدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ:

"وکان عامہ المھاجرین وجل الانصار لا یشکون ان علیا ھو صاحب الامر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم"

(شرح ابن ابی الحدید معتزلی جلد نمبر 3 صفحہ 8)

یعنی مہاجرین عوام اور انصار کے بزرگوں کو اس بات میں ذرا بھی شک نہیں تھا کہ پیغمبر کے بعد علی ہی سلطنت اسلامی کے فرمانروا اور ولی الامر ہے۔

لیکن حالات کا اچھی طرح سے جائزہ لیکر انصار نے یہ جان لیا تھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی قائم کردہ مہاجرین قریش اور طلقاء، مکہ کی مشترکہ مضبوط سیاسی جماعت پیغمبر کے جانشین حقیقی اور پیغمبر کے بعد آپ کے خلیفہ و وصی اور امام ہادی خلق حضرت علیؑ کو اقتدار میں نہیں آنے دیگی اور وہ انصاف جو انہیں پیغمبر کے جانشین حقیقی، خلیفہ و وصی اور امام و ہادی خلق سے حاصل ہو سکتا تھا وہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ لہذا انصار نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عمر نے مہاجرین کی اس مضبوط سیاسی جماعت کے ذریعہ ہر صورت میں اقتدار پر

قبضہ کر لینے کا تہیہ کر لیا ہے۔ تو ان کے دل میں خیال گزرنا فطری تھا کہ مہاجرین مکہ تو مدینہ آنے سے پہلے بالکل مغلوب تھے۔ اس حکومت کے بنانے والے ہم ہیں۔ قربانیاں دینے والے ہم ہیں اور اس حکومت کو مستحکم کرنے والے ہم ہیں۔ لہذا اگر علیؑ کے پاس اقتدار نہیں رہنے دیا جاتا تو پھر مہاجرین کی نسبت ہم اقتدار کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر اس سلسلے میں پہل کر چکے ہیں اور اپنے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ڈرامہ رچا رہے ہیں، تو انہوں نے بھی اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ مدینہ کے دونوں قبائل اوس و خزرج کو اکٹھا کر کے اس بارے میں کوئی فیصلہ کریں چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ سب کے سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ پس سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع مہاجرین کی سازشوں کے توڑ کے طور پر تھا۔

حضرت عمر کو سقیفہ کی اطلاع کیسے ہوئی؟

سقیفہ بنی ساعدہ میں چونکہ قبیلہ بنو خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کا بزرگ انصار ہونے کی حیثیت سے خلیفہ کے طور پر نام پیش کیا جا رہا تھا۔ لہذا ایک طرف تو قبیلہ اوس کی عصبیت عود کر آئی جو بنی خزرج کے سردار کا حاکم بننا ناپسند کرتے تھے، دوسری طرف منافقین کی اکثریت بھی بنی اوس سے ہی تعلق رکھتی تھی اور عبداللہ ابن ابی بنی اوس کا ہی سردار تھا، لہذا خلافت کے مسئلہ میں بنی اوس کے اکثر منافقین قریش کی قائم کردہ اس سیاسی جماعت کے ہم خیال ہو گئے تھے۔ لہذا حضرت عمر کو انصار کے اس اجتماع کی اطلاع ہونے میں دیر نہ لگی۔ شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق میں مسند ابویعلی کے حوالہ سے خود حضرت عمر کا بیان اسطرح نقل کرتے ہیں: بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب قلت

الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعو فی سقیفہ بنی ساعدہ فادر کھم ان تحدثو امراً یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق"

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 113-114)

ترجمہ۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعتاً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ اے ابن الخطاب (عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا چلو ہٹو۔ ہم لوگ آنحضرت کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر انکی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابوبکر سے کہا کہ چلو"

حضرت عمر کے اس بیان میں کچھ باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

نمبر1۔ یہ آدمی کون تھا جو انصار کے سقیفہ میں اکٹھا ہونے کی خبر لایا تھا؟

نمبر2۔ اس شخص نے سب کے سامنے آ کر یہ کیوں نہ بتلایا؟

نمبر3۔ اس شخص نے دیوار کے پیچھے سے آواز دیکر حضرت عمر کو ہی کیوں بلایا؟

نمبر4۔ اس شخص نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر چپکے سے حضرت عمر ہی کو کیوں دی؟

نمبر5۔ اس شخص نے یہ کیوں کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کوئی فیصلہ کر بیٹھیں اور انکی وجہ سے جنگ کرنی پڑے۔

یہ سب باتیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ یہ آدمی حضرت عمر کی اپنی جماعت کا تھا اور یہ شخص اچھی طرح سے جانتا تھا کہ حضرت عمر ہی اس جماعت کے لیڈر ہیں۔ اور اسے

حضرت عمر کے منصوبہ کا پورا پورا علم تھا، کہ اگر انہیں آسانی کے ساتھ اقتدار نہ ملا تو وہ جنگ سے بھی گریز نہ کرینگے۔ اس لئے اس نے یہ کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کوئی فیصلہ کر بیٹھیں اور اس سے جنگ کی نوبت آ جائے۔

اگر حضرت عمر کامیاب نہ ہوتے تو ضرور جنگ چھیڑ دیتے

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں مسند ابو یعلی کے حوالہ سے انصار کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اس مخبر نے آ کر حضرت عمر سے یہ کہا کہ "ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکھٹے ہوئے ہیں اس لئے جلد پہنچ کر انکی خبر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے جنگ کی نوبت آ جائے۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 114)

اور بنی ہاشم کے بارے میں علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں یہ لکھا ہے کہ:

"بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ میں واقع ہوئی"

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 119)

ان دونوں بیانوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمر ہر صورت میں حکومت پر قبضہ کرنے کی ٹھانے ہوئے تھے۔ اگر حضرت علی پیغمبر صلعم کے ارشادات کے مطابق حکومت پر فائز ہو جاتے جسے علامہ شبلی نے بنو ہاشم کی سازشیں لکھا ہے، تو بھی حضرت عمر جنگ کرنے سے نہ ٹلتے اور واقعاً پھر جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ اور اگر مہاجرین قریش کی ان کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے انصار اپنے میں سے سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا لیتے تو بھی یہ

جماعت لڑائی چھیڑ دیتی جسکا اس مخبر کو پورا پورا علم تھا۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کو بیان کرتے ہوئے ایک دفعہ خود حضرت عمر نے یہ بیان کیا تھا کہ اگر میں ایسا نہ کرتا اور خلافت کا تصفیہ کئے بغیر ہم لوگ مجلس سے اٹھ جاتے تو اندیشہ تھا کہ راتوں رات لوگ کہیں کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور ہمارے لئے اس پر راضی ہونا بھی مشکل ہو اور بدلنا بھی مشکل۔ یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اسے آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جا سکتا"

(خلافت وملوکیت صفحہ 84)

تاریخوں سے واضح طور پر جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ یا تو بنی ہاشم میں سے حضرت علیؑ کی حکومت قائم ہو جاتی یا سعد بن عبادہ انصاری خلیفہ ہو جاتے اور دونوں صورتوں میں حضرت عمر کے نزدیک یہ بات غلط ہوتی جسے وہ ہرگز تسلیم نہ کرتے فوراً جنگ چھیڑ دیتے،

حضرت عمر کی سقیفہ کی طرف روانگی

اس مخبر کی اطلاع کے بعد حضرت عمر کے لئے یہ انتہائی حساس اور نازک وقت تھا اور حقیقت یہ ہے کہ انقلاب برپا کرنے والوں میں حضرت عمر جیسا ہوشیار، زیرک۔ معاملہ کی تہ تک بڑی سرعت کے ساتھ پہنچ جانے والا اور بڑی تیزی کے ساتھ فیصلہ کرنے والا دنیا میں شاید ہی کوئی ہو کیونکہ اگر حضرت عمر اس مخبر سے انصار کے اجتماع کی خبر سن کر وہیں اس مسئلہ کو چھیڑ دیتے جس کا آغاز وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ اور وہ اپنی جماعت مہاجرین کو علیحدہ لیکر اپنا فیصلہ الگ سے کر لیتے تو دو خلیفہ ہو جاتے اور پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی

حضرت عمر کی اپنی جماعت یعنی مہاجرین قریش سے تو کوئی فکر نہ تھی جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ وہ مہاجرین قریش کی جماعت کے سردار تھے، لہذا حضرت عمر کو سوچنے اور ٹھیک فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی۔ حضرت عمر کی جماعت سے تعلق رکھنے والا وہ مخبر

انصار کی ٹھیک ٹھیک خبریں دے چکا تھا اور قبیلہ بنی اوس کی عصبیت کے عود کر آنے کی اطلاع دے چکا تھا لہذا حضرت عمر بے خطر حضرت ابوبکر اور ابوعبیدہ بن الجراح کو اپنے ساتھ لیکر سقیفہ بنی ساعدہ کے معرکہ میں جا کودے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا سیاسی معرکہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ کی وفات کے بعد پیغمبر کی علمی نیابت اور کار ہدایت انجام دینے میں آنحضرت کی جانشینی یا امامت وہدایت خلق کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ بلکہ اصحاب پیغمبرؐ کی ساری کاروائی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جس چیز کے حصول کی جدوجہد کی جارہی تھی وہ دنیاوی حکومت اور اقتدار کا حصول تھا۔

کیونکہ پیغمبر کی وفات کے بعد جب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت عمر حضرت ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجرح کو ساتھ لیکر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے تو کسی نے بھی اس معرکہ میں پیغمبر صلعم کی علمی نیابت یا کار ہدایت انجام دینے کے لئے آنحضرت صلعم کی جانشینی یا امام وہادی خلق ہونے کی بات نہیں کی اور سارے معرکے میں کسی نے بھی کار ہدایت یا امام کی حیثیت سے پیغمبرؐ کی علمی جانشینی کا ایک لفظ تک بھی استعمال نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے امیر یا امارۃ یا ولی امور یا حکومت اور سلطنت کے الفاظ ہی استعمال کئے۔

چونکہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے پہنچنے سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ کا نام پیش ہو چکا تھا لہذا حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچنے کے بعد انصار کا پروگرام ڈسٹرب ہو گیا تھا اور ایک نئی بحث شروع ہو گئی تھی لہذا اس وقت انصار نے یہ کہا کہ "منا امیر و منکم امیر" یعنی اگر تمہیں ہمارا مقرر کردہ امیر قبول نہیں ہے تو پھر ایک امیر

ہم میں سے ہو ایک امیر تم میں سے ہو۔ اس پر حضرت عمر نے جو جواب دیا وہ تاریخوں میں اس طرح لکھا ہوا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: "**هيهات لا يجتمع اثنان فى قرن و الله لا ترضى العرب ان يو مروكم و نبيها من غيركم و لكن العرب لا تمتنع ان تولىٰ امرها من كانت النبوة فيهم و اولى الامر منهم ولنا بذالك على من ابىٰ من العرب الحجة الظاهره والسلطان المبين من ذا ينازعنا سلطان محمد و امارته و نحن اولياته و عشيرته الا مدل بباطل او متجانف لاثم او متورط فى هلكة**" (طبری جلد 2 صفحہ 457)

ترجمہ: یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک زمانہ میں دو حکمران جمع ہو جائیں۔ خدا کی قسم عرب اس بات پر کبھی راضی نہ ہونگے کہ وہ تمہیں حاکم وامیر بنائیں جبکہ نبی تم میں سے نہیں تھا۔ بلکہ تمہارے غیر سے ہے۔ لیکن عرب کو اس بات میں ذرا بھی پس وپیش نہ ہوگا کہ وہ اپنا حاکم اسکو بنائیں جس کے گھرانے میں نبوت ہو اور ولی امر ان میں سے ہو۔ اور انکار کرنے والے کے سامنے اس سے ہمارے حق میں کھلم کھلا دلیل اور واضح برہان لائی جاسکتی ہے جو ہم سے محمد صلعم کی حکومت وسلطنت وامارت میں ٹکرائیگا وہ باطل کی طرف جھکنے والا اور گناہ کا مرتکب ہونے والا اور ورطہ ہلاکت میں گرنے والا ہے"

دنیا میں حضرت عمر جیسا ہوشیار سیاست دان، موقع شناس اور حالات کی رگ پر ہاتھ رکھنے والا شاید ہی کوئی ہو قبائل قریش کو تو یہ کہ کر ساتھ ملایا کہ محمدؐ خلافت کو اپنے ہی خاندان میں رکھنا چاہتے ہیں ہم نبوت وحکومت کو ایک ہی خاندان میں نہیں رہنے دیں گے اگر حکومت خاندان بنی ہاشم میں چلی گئی تو پھر قریش میں سے اور کوئی حاکم نہ بن سکے گا اور حکومت اسی خاندان کی ہو کر رہ جائیگی۔ لیکن انصار کے مجمع میں یہ تقریر کی کہ خدا کی قسم عرب اس بات پر کبھی راضی نہ ہونگے کہ وہ تمہیں حاکم وامیر بنائیں جبکہ نبیؐ تم میں سے نہیں ہے۔

بلکہ تمھارے غیر سے ہے لیکن عرب کو اس بات میں ذرا بھی پس وپیش نہ ہوگا کہ وہ اپنا حاکم اسکو بنائیں جس کے گھرانے میں نبوت ہو اور ولی الامر ان میں سے ہو۔ کیا دنیا اس سے زیادہ موقع شناس اور اپنے مطلب کی بات حسب مصلحت کرنے والا حضرت عمر سے بڑھ کر پیش کر سکتی ہے لیکن ہم جس بات کی طرف خصوصی توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت عمر کی اس ساری تقریر میں یوؤمر کم. تولی امرھا. ولی امور، سلطان محمد ، امارتہ کے الفاظ تو ہیں لیکن اس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی علمی نیابت، ہدایت ورہنمائی یا پیغمبر کے منصب امامت وپیشوائی کی جانشینی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ہی پیغمبر کی علمی نیابت اور پیغمبر کے منصب امامت ہدائت ورہنمائی ایسی چیز ہے جو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی محتاج ہو اسی لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں اسکا کوئی ذکر نہ آیا بلکہ وہاں صرف سلطان محمد ملک محمد، امارت محمد، پر قبضہ کا جھگڑا تھا لہذا اس جدوجہد میں جس نے بھی حاصل کیا ، اور جو کچھ حاصل کیا وہ صرف اقتدار اور دنیاوی حکومت تھی۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے اس معرکہ میں ایک اور بہت بڑا سبق حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر نے بھی بڑی زوردار تقریر کی اور حضرت عمر نے بھی بڑی زوردار تقریر کی اور اپنے حق دار ہونے کی لئے سوائے اس کے اور کوئی دلیل پیش نہ کر سکے کہ نبی ان میں سے ہیں پیغمبر قریش میں سے ہیں اور انکے خاندان میں سے ہیں اگر وہ احادیث جو معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی میں گھڑ گھڑ کر رائج کی گئیں واقعا پیغمبر نے فرمائی ہوتیں تو یہ بہترین موقع تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پیش کی جاتیں مثلا یہ گھڑی ہوئی حدیث " کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا "

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے سامنے اس سے بڑھ کر وزن دار اور کوئی دلیل ہو ہی نہیں سکتی تھی مگر یہ اس وقت ہوتی تو حضرت ابوبکر یا حضرت عمر بیان کرتے یہ تو بعد

میں معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی میں گھڑی گئی ہیں۔ لہذا انصار کے سامنے وہ اپنا حق اس سے زیادہ ثابت نہ کر سکے کہ پیغمبر قریش میں سے تھے اور انکے خاندان میں سے تھے

بہر حال اس حکومت کے مسئلہ پر انصار کے ساتھ جو ہاتھا پائی اور مار کٹائی ہوئی وہ تاریخوں کے اوراق میں محفوظ ہے ہم اسے یہاں بیان کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن حضرت عمر نے یہاں بھی بڑی فراست کا ثبوت دیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے حق میں جو دلیل دی تھی اسکی بناء پر انکی بجائے وہ اس کا زیادہ حقدار تھا، جس سے حکومت نکالنے کے لئے وہ مصروف عمل تھے۔ بلکہ وہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں انکی دلیل کے جواب میں انصار میں سے بعض نے یہ نعرہ بلند بھی کر دیا کہ " فلا نبایع الا علیا: یعنی اگر رشتہ دار اس امر کے زیادہ حقدار ہیں تو پھر حضرت علی کا حق ہے، لہذا پھر ہم علی کے سوا کسی کی بیعت نہیں کرینگے۔

لہذا حضرت عمر نے یہ سوچنے میں دیر نہ لگائی کہ انہوں نے جو دلیل دی ہے اس سے کہیں بات بڑھ کر معاملہ ہاتھ سے ہی نہ نکل جائے۔ انہوں نے جھٹ سے ابوبکر کا ہاتھ پکڑا اور انکی بیعت کر کے اعلان کر دیا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہو گئے حضرت سعد بن عبادہ چونکہ ابو خزرج سے تعلق رکھتے تھے لہذا ان کا نام پیش ہونے پر بنی اوس کی پرانی عصبیت بیدار ہو چکی تھی عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین بھی اسی قبیلہ سے تھا لہذا منافقین کی اکثریت بھی اس قبیلہ سے تھی اور حضرت عمر کو اس اجتماع کی خبر دینے والا بھی اسی قبیلہ سے تھا لہذا انکی اوس کے سردار اسید ابن حضیر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عمر نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے تو اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا " واللہ لئن ولیتھا الخزرج علیکم مرة لا زالت لھم علیکم بذالک الفضیلة والا جعلو لکم معکم نصیباً ابداً فقوموا فبایعوا ابابکر "

(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 458)

یعنی قبیلہ بنی اوس کے سردار اسید بن حضیر نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا خدا کی قسم

اگر خزرج ایک دفعہ تم پر حکمران ہو گئے تو انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم پر فضیلت و برتری حاصل ہو جائیگی اور وہ تمہیں اس امارت میں کبھی بھی حصہ نہیں دینگے لہذا اٹھو اور تم ابوبکر کی بیعت کرلو۔

سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت کا حال

سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت کی سلسلہ میں جو ہاتھا پائی اور مار کٹائی ہوئی ہم اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے تفصیل کے لئے جس کا دل چاہے وہ ابن قتیبہ دینوری کی کتاب الامامت والسیاست کی طرف رجوع کرے، البتہ اس کے ایک دو مناظر یہاں پر مختصر طور پر نقل کئے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر ہی کی زبانی لکھا ہے:

"فکثر اللغط وارتفعت الاصوات حتی فرخت من الختلاف فقلت ابسط یدک یا ابوبکر فبسط یدہ فبایعتہ"

(صحیح بخاری باب رجسل الجبلی من الزنا الجزء رابع صفحہ 120)

ترجمہ: حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر تکرار بڑھ گئی اور بیہودہ کلامی میں اضافہ ہو گیا اور بہت ہی غل غپاڑہ ہوا۔ یہاں تک کہ اختلاف سے ہٹ کر میں نے کہا اے ابوبکر اپنا ہاتھ بڑھا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میں نے جھٹ بیعت کرلی۔ چونکہ بنی اوس کے سردار کو بنی خزرج کے سردار کا امیر بننا اپنی پرانی عصبیت کی وجہ سے گوارا نہیں تھا لہذا اس نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی ہے تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اٹھو اور تم بھی ابوبکر کی بیعت کرلو اسکا بیان ہم تاریخ طبری کے حوالے سے اوپر بیان کر چکے ہیں طبری کے علاوہ ابن خلدون نے اس بیعت کا حال اس طرح لکھا ہے۔

"و کرھوا امارہ الخزرج علیھم و ذھبوا الی بیعۃ ابی بکر

فبایعوہ واقبل الناس من کل جانب یبایعون ابابکر و کادو ایطاؤون سعد ابن عبادہ فقال ناس من اصحابہ اتقو سعداً لا تقتلوہ فقال عمر اقتلوہ قتلہ اللہ لا نما سکا" (تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ذی الحجہ 1284 صفحہ 163)

ترجمہ: بنی اوس اپنی پرانی دشمنی کی وجہ سے خزرج کی حکومت سے راضی نہ تھے لہذا بھی ابوبکر کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے اور انکی بیعت کرلی لوگ چاروں طرف سے ابوبکر کی بیعت کرنے کے لئے بڑھنے لگے قریب تھا کہ یہ لوگ سعد بن عبادہ کو کچل کر مار ڈالیں، ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا دیکھو سعد کی حفاظت کرو اس کو قتل نہ کرو حضرت عمر نے کہا ہاں ضرور سعد کو قتل کر دو خدا سے قتل کرے جانے نہ پائے۔ لیکن حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ اس وقت اس امید وار خلافت کے بارے میں قتل کا حکم دینا اور وہ بھی خود انہیں کے مجمع میں خطرے سے خالی نہیں ہے لہذا انہوں نے حضرت عمر کو نرمی اختیار کرنے کے لئے کہا ابن خلدون لکھتے ہیں۔

"فقال ابوبکر مھلا یا عمر الرفق ھنا ابلغ فاعرض عمر۔ ثم طلب سعد البیعت فابیٰ و اشار بشیر ابن سعد بترکہ و قال انما ھو رجل و احد فالزام سعد لیجتمع معھم فی الصلوات ولا یقبض معھم فی الحدیث حتی ھلک ابوبکر (تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ذی الحجہ 1284 صفحہ 163)

ترجمہ: ابوبکر نے کہا کہ اے عمر ذرا نرمی سے کام لو اب اس وقت نرمی ہی بہتر ہے یہاں عمر رک گئے اس کے بعد سعد کو بیعت کے لئے طلب کیا۔ لیکن سعد نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ بشیر بولے کہ سعد کو چھوڑ دو۔ وہ تنہا آدمی ہے پس سعد اٹھ کر چلے گئے اور اس کے بعد وہ کبھی بھی ان کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوئے اور نہ ہی ان سے کلام کیا یہاں تک کہ ابوبکر نے وفات پائی۔

انصار کے ایک دعویدار خلافت کا قتل

سعد بن عبادہ انصاری چونکہ بنوخزرج کے رئیس تھے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے لئے ان کا نام تجویز ہو چکا تھا۔ اس لئے ہم ان کے واقعہ قتل کو یہاں پر اس لئے لکھ رہے ہیں کیونکہ انہوں نے نہ صرف حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی بلکہ بعد میں بھی کسی کی بیعت نہیں کی۔

حضرت ابوبکر کے دور میں مدینہ میں ہی رہے لیکن جب حضرت عمر برسر اقتدار آئے تو انہوں نے ایک دفعہ سعد کو راستہ میں دیکھ کر کہا کہ کیا تم وہی ہو کہا ہاں میں وہی ہوں اور میرا موقف بھی وہی ہے۔ میں تمھارے قرب سے اب بھی اتنا ہی بے زار ہوں جتنا کہ پہلے تھا۔ کہا کہ پھر مدینہ چھوڑ کر چلے کیوں نہیں جاتے۔ سعد خطرہ تو محسوس کر ہی رہے تھے، حضرت عمر کے تیوروں کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ کسی وقت بھی انہیں موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر وہ مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے اور چند دنوں کے بعد حوران کے مقام پر قتل کر دیئے گئے۔ ابن عبدربہ الاندلسی اپنی کتاب عقدالفرید میں تحریر فرماتے ہیں

"بعث رجلا الی الشام فقال ادعه الی البیعۃ واحمل له بکل ماقدرت علیه فان ابیٰ فاستعن اللہ علیه فقدم الرجل الشام فلقیه بحوران فی حائط فدعاہ الی البیعة فقال لا ابایع قرشیاً قال فانی اقاتلک قال وان قاتلتنی. قال افخارج انت مما دخلت الامته قال اما من بیعت فانا خارج فرماہ بسهم فقتله"

(عقدالفرید ابن عبدربہ الاندلسی جلد 3 صفحہ 65)

ترجمہ۔ حضرت عمر نے ایک شخص کو شام روانہ کیا اور اسے کہا کہ وہ سعد سے بیعت کا مطالبہ کرے۔ اور اس سلسلہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے اگر وہ انکار کریں تو ان کے خلاف

اللہ سے مدد چاہے۔ وہ شخص شام پہنچا اور مقام حوران میں ایک چاردیواری کے اندر سعد سے ملا اور انہیں بیعت کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ میں کسی قریشی کی بیعت نہیں کرونگا۔ اس شخص نے کہا کہ میں تم سے جنگ کرونگا کہا کہ خواہ جنگ کرو۔ کہا کہ کیا تم اس چیز سے باہر رہنا چاہتے ہو۔ جس میں امت داخل ہو چکی ہے۔ کہا کہ میں بیعت سے باہر رہنا چاہتا ہوں۔ پس اس شخص نے ایک تیر مارا اور اسے قتل کر دیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر کا یہ قول بھی کہ "فقال عمر اقتلوہ" عمر نے کہا کہ اسے قتل کر دو" اکثر تاریخوں میں لکھا ہوا ہے۔

(تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ذالحجہ 1284 صفحہ 163)

اور سعد بن عبادہ کے قتل کی یہ (ایف۔ آئی۔ آر) تاریخ کی ہر معتبر کتاب میں موجود ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کی حدود میں ایک معزز صحابی خلافت کا امیدوار بنی خزرج کا رئیس و سردار پیغمبرؐ کی خلوص دل سے خدمت کرنے والا۔ مہاجرین قریش کو پناہ دینے والا اور انہیں اپنے مال سے مدد پہنچانے والا عالم غربت میں قتل کر دیا گیا۔

حضرت عمر کی قصیدہ گوئی کرنے والوں کی طرف سے کہا تو یہ جاتا ہے کہ حضرت عمر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر نیل کے ساحل پر ایک کتا بھی بھوکا مر جائے تو عمر اس کے لئے جوابدہ ہے۔ لیکن اس بات کی کوئی تفتیش نہ کی گئی کہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں ایک معزز صحابی و رئیس خزرج انصار کا سردار مہاجرین کا محسن کیوں اور کیسے قتل کر دیا گیا؟ ہاں سعد بن عبادہ نے قتل ہونا منظور کر لیا لیکن نہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور نہ ہی حضرت عمر کی بیعت کی اور یہ بات مسلمات تاریخیہ سے ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ریاست کا ہر فرد کبھی کسی حکمران کی بیعت نہیں کرتا، لیکن انقلاب کے

ذریعہ آنے والی حکومت ہر اس شخص کو ختم کرنے کے درپے ہوتی ہے جو حکومت کا حقدار ہو یا حکومت کا دعویدار ہو۔ اور یہی قصور تھا سعد بن عبادہ سردار بنو خزرج رئیس انصار کا۔

"حضرت علیؑ پر بیعت کے لئے جبر و تشدد"

خلافت کے ایک دعویدار کا حال معلوم ہو گیا وہ مرتے مر گیا مگر اس نے بیعت نہیں کی اب خلافت کے اصل حقدار کا حال سنیئے

ابوالفدا اپنی کتاب المختصر فی اخبار الخیر البشر یعنی تاریخ ابوالفدا میں لکھتے ہیں۔

"ثم ان ابوبکر بعث عمر بن الخطاب الی علی و من معه لیخرجهم من بیت فاطمه رضی الله عنها و قال ان ابو علیک فقاتلهم فاقبل عمر بشیء من نار علی ان یضرم الدار فلقیت فاطمه رضی الله عنها فقالت الی این یابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا قال نعم او تدخلو فیما دخل فیه الامة"

(تاریخ ابوالفدا الجزء الاول صفحہ 156)

یعنی پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو حضرت علیؑ کی طرف یہ حکم دے کر بھیجا کہ علی اور اس کے ساتھیوں کو خانہ فاطمہؑ سے نکال دیں اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ کریں۔ پس حضرت عمر حضرت فاطمہؑ کے گھر کو جلانے کے لئے آگ لے کر آئے۔ ان سے حضرت فاطمہؑ نے ملاقات کی اور کہا اے خطاب کے بیٹے کیسے آئے ہو کیا تم ہمارا گھر جلانے کے لئے آئے ہو۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہاں۔ تمہارا گھر جلا دونگا ورنہ تم سب ابوبکر کی بیعت کرلو جس طرح اور لوگوں نے کی ہے"

اور ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب الامامت والسیاست میں اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے۔

"ثم قام عمر فمشی معه جماعة اتوا باب فاطمه فدقوا الباب.

فلما سمعت اصواتهم نادت باعلی صوتها یا ابت یا رسول الله ما ذا لقینا بعدک من ابن الخطاب و ابن ابی قحافه فلما سمع القوم صوتها و بکائها . انصرفوا باکین ، وبقی عمر و معه قوم فاخرجوا علیاً فمضوا الی ابی بکر فقالوا له بایع فقال ان انا لم افعل فمه قالوا اذا و الله الذی لا اله الا هو نضرب عنقک قال اذا تقتلون عبدالله و اخا رسول الله .

(الامامت والسیاست جلد اول صفحہ 11)

ترجمہ: پھر حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور ایک جماعت کو لیکر حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آئے اور دروازے پر دستک دی۔ جب حضرت فاطمہ نے انکی آواز سنی تو آواز بلند کر کے فریاد کی کہ اے بابا رسول خدا ہم کو آپ کے بعد ابن الخطاب اور ابن ابی قحافہ سے یہ کیا کیا مصیبتیں دیکھنی پڑی جب اس جماعت نے حضرت فاطمہؑ کی آواز سنی اور گریہ وزاری ملاحظہ کی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ اور قریب تھا کہ ان کے دل دہل جائیں اور جگر پھٹ جائیں۔ لیکن حضرت عمر ایک قلیل جماعت کے ساتھ باقی رہ گئے، انہوں نے حضرت علیؑ کو زبردستی حضرت فاطمہؑ کے گھر سے نکالا اور انکو لیکر حضرت ابوبکر کے پاس گئے۔ وہاں ان سے کہا کہ تم ابوبکر کی بیعت کرو آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ایسا نہ کروں اس پر انہوں نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے ہم تمہاری گردن اڑا دیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ کیا تم عبد خدا اور رسول کے بھائی کو قتل کرو گے۔ اور ابن قتیبہ دینوری نے اپنے اسی بیان میں: "اباية علی کرم الله وجهه بیعة ابی بکر رضی الله عنه" یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیعت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے انکار کے عنوان کے تحت یوں لکھا ہے

ثم ان علیا کرم الله وجهه اتی به ابی بکر وهو یقول انا عبدالله

واخورسول اللہ فقیل لہ بایع ابابکر فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولیٰ بالبیعتہ ۔ اخذتم ھذا الامر من الانصار واحتججتم علیھم بالقرابۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاخذوہ منا اھل البیت غصباً الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منھم لما کان محمد منکم فاعطو کم المقادۃ و سلموا الیکم الامارۃ ، وانا احتج علیکم بمثل ما احتججتم بہ علی الانصار نحن اولیٰ برسول اللہ حیاً و میتاً فانصفونا ان کنتم تومنون والا فبٔو بالظلم وانتم تعلمون ، فقال لہ عمر انک لست متروکاً حتیٰ تبایع. فقال لہ علی احلب حلباً لک شطرہ و شدلہ الیوم یردوہ علیک غداً ثم قال واللہ یاعمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال لہ ابو بکر فان لم تبایع . فلاا کرھک"

(الامامت والسیاست ابن قتیبہ دینوری جلد اول صفحہ 11)

ترجمہ: پھر حضرت علی کو پکڑ کر ابوبکر کے پاس لائے علی کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ ہوں اور رسول کا بھائی ہوں ان سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو، انہوں نے جواب دیا کہ بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں میں تمھاری بیعت ہرگز نہیں کرونگا۔ تم کو چاہیے کہ تم میری بیعت کرو۔ تم نے انصار سے یہ امر اس دلیل کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول خدا کے ساتھ قرابت ہے جو انکو حاصل نہیں ہے۔ اور ہم اہل بیت سے یہ امر تم غصب کر کے لیتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی تھی کہ تم اس امر کے ان کی نسبت زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمد تم میں سے تھے۔ اس دلیل کو مان کر انہوں نے یہ امر تمھارے سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دیدی۔ میں وہی حجت تم پر قائم کرتا ہوں۔ جو تم نے انصار پر قائم کی تھی ہم رسول خدا کے انکی حیات وممات میں ولی و وارث ہیں پس اگر تمہارا محمدؐ پر اور اسلام پر ایمان ہے تو

ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر کر رہے ہو۔ عمر نے کہا کہ ہم تم کو نہیں چھوڑینگے۔ جب تک تم بیعت نہ کرلوگے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ وہ نفع تو حاصل کرلے جس میں تیرا بھی حصہ ہے۔ ابوبکر کے لئے تو آج اس لئے شدت کرتا ہے تاکہ کل وہ اس کو تیری طرف واپس کردے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے عمر قسم ہے خدا کی میں تیری بات نہیں مانونگا۔ اور ابوبکر کی بیعت نہیں کرونگا۔ ابوبکر نے کہا کہ تم میری بیعت نہیں کرتے تو میں مجبور نہیں کرتا۔

(الامامت، والسیاست ابن قتیبہ دینوری صفحہ 11)

یہ بیان اتنے حقائق اپنے اندر سموئے ہوئے ہے کہ اس کی شرح میں کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہے لیکن اس بیان کی چند باتیں جو خاص طور پر قابل غور ہیں وہ یہ ہے۔

نمبر 1۔ انا احق بھذا الامر منکم۔ اس حکومت کا میں تم سے زیادہ حق دار ہوں

نمبر 2۔ لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی " میں تمھاری ہرگز بیعت نہیں کرونگا بلکہ تمہیں میری بیعت کرنی چاہیے۔

نمبر 3 احتججتم علیھم بالقرابۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم تم نے انصار کے سامنے اپنی قرابت کو دلیل میں پیش کیا تھا

نمبر 4۔ وتاخذہ منا اھل البیت غصبا تم ہم اہل بیت سے ہمارا یہ حق غصب کر رہے ہو

نمبر 5۔ فانصفونا ان کنتم مومنون

اگر تم خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو

نمبر 6۔ والا فبٔو بالظلم وانتم تعلمون ورنہ تم جان بوجھ کر ہمارے ساتھ ظلم کر رہے ہو

نمبر 7۔ فقال لہ علی احلب حلبا لک شطرہ وشد لہ الیوم یردوہ علیک غداً یعنی عمر کے زور دینے پر علیؑ نے کہا وہ نفع تو ہی حاصل کرلے جس میں تیرا بھی حصہ ہے اب تو ابوبکر کے لئے شدت کر رہا ہے تاکہ وہ کل اسکو تیری طرف واپس کردے۔

نمبر8۔ثم قال واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ

پھر حضرت علی نے فرمایا اے عمر قسم ہے خدا کی میں تیری بات نہیں مانونگا اور ابوبکر کی ہرگز بیعت نہیں کرونگا

نمبر9۔ فقال لہ ابو بکر فان لم تبایع فلا اکرھک

تو پھر ابوبکر نے ان سے کہا کہ اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو نہ کریں میں آپ کو مجبور نہیں کرتا

علامہ محمد اشرف سیالوی نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے صفحہ 498 پر لکھا ہے۔ کہ؛

''ایک وقت دلائل۔حقیت پیش کرکے بغیر بیعت کیے واپس جانے کا ذکر کیا گیا ہے،

(تحفہ حسینیہ صفحہ 498)

اور حضرت علیؑ کے ان سے بڑھ کر حقدار ہونے کی دلیل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئیں کیا کوئی تصور کرسکتا ہے کہ مذکورہ دلائل دینے کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے کا کوئی امکان باقی رہ گیا ہے۔پس ایک دفعہ حضرت علیؑ کو لایا گیا اور حضرت علی کی دلائل سنکر انکا حق نہ لوٹایا لیکن اتنی رعایت کردی کہ حضرت ابوبکر نے بیعت لینے سے ہاتھ اٹھالیا اور حضرت علی سے بیعت لینے کا ارادہ ترک کردیا اور آپ واپس آگئے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے شاید حضرت ابوبکر کے دربار خلافت کو پولیس سٹیشن سمجھ لیا ہے۔کہ جہاں ملزموں کو بلا کر بٹھالیا جاتا ہے اور تفتیش کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے اور پھر جب تنگ آتی ہے تو پھر بلالیا جاتا ہے۔اور آخر لتر مار مار کر اس سے جرم منوا لیا جاتا ہے۔

ہم سقیفہ بنی ساعدہ کے قصہ میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت عمر کے یہ کہنے پر کہ اقتلو سعدا، قتل اللہ سعدا ،سعد کو قتل کردو اللہ سعد کو قتل کرے ،حضرت ابوبکر نے نرمی اختیار کرنے کا مشورہ دیا جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ. فقال ابو بکر مھلا یا

عمر الرفق ھنا ابلغ فاعرض عمر ثم طلب سعد البیعت. فابی''

(تاریخ ابن خلدون صفحہ 163)

یعنی ابوبکر نے کہا اے عمر ذرا نرمی سے کام لو اب اس وقت نرمی ہی بہتر ہے۔پس عمر ہٹ گئے۔اس کے بعد سعد کو بیعت کے لئے طلب کیا گیا۔لیکن سعد نے بیعت کرنے سے انکار کردیا'' یہ بات مسلمات تاریخیہ میں سے ہے۔کہ حضرت سعد جب تک زندہ رہے کسی کی بیعت نہیں کی اور جیسا کہ بیان ہوچکا ہے حضرت عمر کے زمانے میں بھی مطالبہ بیعت پر قتل ہونا منظور کرلیا لیکن حضرت عمر کی بیعت نہیں کی لیکن ابوبکر کے دور حکومت میں حضرت ابوبکر نے ان کے انکار بیعت کے بعد پھر بیعت کے لئے زور نہیں دیا لہذا اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کو بھی جب حضرت علیؑ کے یہ کہنے کے بعد کہ. واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال لہ ابابکر فلا اکرھک

الامامت والسیاست ابن قتیبہ دینوری ص11

یعنی خدا کی قسم اے عمر میں تیری بات نہیں مانونگا اور ہرگز ابوبکر کی بیعت نہیں کرونگا۔اور حضرت ابوبکر نے اس پر یہ کہا کہ اگر آپ میری بیعت نہیں کرتے تو نہ کریں میں مجبور نہیں کرتا:

تو حضرت علی نے بھی سعد ابن عبادہ کی طرح خاموشی کے ساتھ خانہ نشینی اختیار کرلی اور کسی کی بھی بیعت نہیں کی۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں یہ تو تسلیم کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے پہلے بیعت نہیں کی اور اپنے زیادہ حقدار ہونے کی دلائل پیش کرکے، بغیر بیعت کیے واپس آگئے، لیکن چونکہ حضرت علیؑ سے زبردستی بیعت کرائے بغیر انکی بات نہیں بنتی اور انکا مطلب سیدھا نہیں ہوتا لہذا وہ ایک قیاسی دلیل پیش کرتے ہوئے اس طرح

فرماتے ہیں کہ:

"ایک وقت دلائل حقیت پیش کر کے بغیر بیعت کئے واپس جانے کا ذکر کیا گیا ہے کیا میں علامہ صاحب سے دریافت کر سکتا ہوں کہ وجوہ احتجاج واستدلال یعنی قیاس و استقراء اور تمثیل میں ہے یہ کونسا قسم ہے۔ ایک وقت میں بیعت نہ کرنا نہ قیاس ہے اور نہ استقراء نہ تمثیل" تحفہ حسینیہ صفحہ 498

علامہ محمد اشرف سیالوی کے نزدیک حضرت علیؑ نے بعد میں بیعت کس طرح کی۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کہتے ہیں کہ ایک وقت اپنے حق ہونے کے دلائل دے کر واپس آنے کا مطلب یہ نہیں کہ پھر کبھی بعد میں بھی بیعت نہیں کی انکا اصرار اس بات پر ہے کہ حضرت علیؑ نے بعد میں بیعت کر لی تھی چنانچہ وہ اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے صفحہ 499 پر بیعت ابوبکر کا ثبوت" کے عنوان کے تحت تاریخ التواریخ کے حوالے سے اسطرح لکھتے ہیں۔

"فقال له ابابكر بايع فقال له علی فان انا لم ابايع قال اضرب الذی فيه عيناک فرفع راسه الی اسماء قال اللهم اشهد ثم مديده فبايعه

(تحفہ حسینیہ صفحہ 499 بحوالہ تاریخ التواریخ صفحہ 63)

ترجمہ: تو انہیں حضرت ابوبکر نے کہا بیعت کرو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کا سر قلم کر دیں گے۔ تو آپ نے اپنا سر اقدس آسمان کی طرف آٹھا لیا اور عرض کی اے اللہ گواہ ہو جا پھر ہاتھ بڑھایا اور ابوبکر صدیق سے بیعت کی"

(ترجمہ اردو از تحفہ حسینیہ صفحہ 499)

یہ بات کہ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ سے کہا ہو کہ اگر آپ نے بیعت نہ کی تو آپ کی گردن اڑا دی جائیگی حضرت عمر کی شقاوت قلبی سے تو قیاس کی جا سکتی ہے کیونکہ حضرت عمر اپنی شقاوت قلبی سے اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں پر تشدد کرنے میں پیش پیش تھے۔ پھر پیغمبر کو قتل کرنے کے ارادے سے چلے تھے تصادف حالات سے اسلام قبول کرلیا۔ پھر وہ آدمی جو مجبوری کی حالت میں ہوا ہے قتل کرنے میں بڑے بے باک تھے عبداللہ ابن ابی کو جب وہ معافی مانگ رہا تھا قتل کی رائے دی قیدیان بدر کو قتل کرنے کے لئے کہا حالانکہ قیدیوں کو قتل کرنا کسی بھی مہذب قوم میں جائز نہیں۔ حاطب بن بلتعہ جو بدری صحابی تھے مگر ایک غلطی کرنے کی بنا پر ماخوذ تھے لہذا انکے قتل کرنے کی رائے دی بلکہ خود قتل کرنے کی اجازت مانگی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد ابن عبادہ انصاری محسن مہاجرین کو للکار کر کہا اقتلوا سعداً قتل الله سعد اسعد کو قتل کر دو اللہ سعد کو قتل کرے اور پھر اپنے دور حکومت میں انہیں قتل کرا ہی دیا۔ لیکن حضرت ابوبکر نے تو سعد ابن عبادہ کے بارے میں بھی حضرت عمر کی زبان سے قتل کی بات سن کر یہ کہا تھا کہ "مهلاً یاعمر الرفق هنا ابلغ" اے عمر نرمی سے کام لو۔ اس وقت نرمی ہی بہتر ہے" تاریخ ابن خلدون صفحہ 163 اور پھر حضرت سعد نے کبھی حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی مدینہ میں خاموشی کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہے اور پھر کبھی نہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے دور حکومت میں ان سے بیعت طلب کی نہ حضرت ابوبکر نے ان سے دوبارہ بیعت طلب کی اور یہ بات مسلمات تاریخیہ سے ہے تو حضرت ابوبکر ایک دفعہ حضرت علیؑ کے یہ کہنے کے بعد

واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعه فقال له ابابکر فان لم تبایع فلا اکرهک

(الامامت والسیاست ابن صفحہ 11)

یعنی حضرت علیؑ نے کہا قسم ہے خدا کی اے عمر میں تیری بات نہیں مانونگا اور ابو بکر کی بیعت نہیں کرونگا تو اس پر ابو بکر نے کہا کہ اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو نہ کریں میں مجبور نہیں کرتا۔

اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے تحفہ حسینیہ کے صفحہ 498 پر یہ تسلیم کیا ہے کہ: ایک وقت دلائل حقیت پیش کر کے بغیر بیعت کئے واپس جانے کا ذکر کیا گیا ہے

(تحفہ حسینیہ صفحہ 498)

عقل یہ کہتی ہے کہ جسطرح حضرت ابوبکر نے اپنی نرم مزاجی کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ کو بیعت سے مستثنیٰ کر دیا تھا حضرت علی کو بھی جب انکے سامنے لایا گیا تو بے شک حضرت عمر نے اپنی شقاوت قلبی کے مطابق یہ ہی کہا ہوگا کہ اگر آپ بیعت نہیں کرینگے تو ہم آپکی گردن آڑا دیں گے۔ لیکن جب حضرت علیؑ نے دلائل پیش کئے اور خود کو ان سے بڑھ کر حقدار ثابت کر دیا اور یہ کہا کہ میں ہرگز تمہاری بیعت نہیں کرونگا بلکہ تم میری بیعت کرو۔ اور حضرت ابوبکر نے یہ کہہ کر جانے دیا کہ اگر تم میری بیعت نہیں کرتے تو میں مجبور نہیں کرتا اور حضرت علی واپس آ کر خانہ نشین ہو گئے۔ تو کیا پھر کبھی انہیں بلا کر حضرت علیؑ سے دوبارہ یہ کہلوانا تھا کہ میں اس امر کا تم سے زیادہ حقدار ہوں لہذا تم میری بیعت کرو حالانکہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ انکا انقلاب کامیاب ہو چکا تھا۔ نہ اب سعد ابن عبادہ کچھ کر سکتے تھے نہ حضرت علیؑ کے پاس صبر کے سوا اور کوئی چارہ تھا لہذا دوبارہ نہ سعد ابن عبادہ کو بلایا گیا نہ حضرت علی کو بلایا گیا۔ مگر پیغمبرؐ کی حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کے بارے میں فضائل کی اتنی احادیث اصحاب پیغمبرؐ میں پھیلی ہوئی تھی جنکی وجہ سے بعد میں معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی میں ایسی ایسی حدیثیں گھڑی گئیں جن سے ثابت ہو کہ حضرت علیؑ نے بیعت کرلی تھی چاہے دیر سے ہی سہی۔ اور انکے تعلقات حکومت وقت سے بہت خوشگوار تھے۔ اور

وہ ان کو مشورہ دیا کرتے تھے انکی مدد کرتے تھے، تاکہ حکومت کا بھرم رہے۔

ہم علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب سے تو یہ مطالبہ نہیں کر سکتے لیکن جس کے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے ہم اسے ضرور اس کے لئے دعوت غور و فکر دینگے کہ جب علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے ناسخ التواریخ کے حوالہ سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ: "پھر بعد میں کس وقت حضرت ابو بکر حضرت عمر کی طرح شقی القلب بن گئے تھے اور حضرت علیؑ کو طلب فرما کر بیعت کا مطالبہ کیا تھا اور جب انہوں نے یہ کہا کہ اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا تو حضرت ابوبکر نے بھی یہی فرمایا ہو کہ پھر ہم تمہارا سر قلم کر دینگے اس پر حضرت علی نے آسمان کی طرف دیکھا ہو اور عرض کیا ہو اے اللہ گواہ رہنا اور پھر ہاتھ بڑھا کر ابوبکر کی بیعت کر لی ہو۔ تو اب تو بیعت ہو گئی تھی، حضرت ابوبکر نے خود قتل کی دھمکی دے کر بیعت مانگی اور حضرت علیؑ نے خدا کو گواہ بنا کر بیعت کر لی۔ مگر علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کے دل کو تسلی نہ ہوئی اور تحفہ حسینیہ میں اگلے صفحہ پر ناسخ التواریخ سے ہی بیعت کرنے کا ثبوت اسطرح لکھتے ہیں۔

ترجمہ تحفہ حسینیہ: ایک روایت میں اسطرح وارد ہے کہ اس وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب کو لوگوں نے اطلاع دی کہ یہ علیؑ ہیں جو عمر ابن الخطاب کی تلوار کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت عباس جلدی جلدی دوڑے دوڑے اور زور زور سے پکارتے ہوئے آ رہے تھے کہ میرے بھتیجے کے ساتھ نرمی کرو اور رواداری سے کام لینا میں انکی طرف سے بیعت کا ضامن ہوں۔ اور جب آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھو دیا پس انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا"

(تحفہ حسینیہ جلد اول صفحہ 501)

قطع نظر اس سے کہ مذکور دونوں روایتیں جو علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے

بیعت کے لئے ثبوت میں پیش کی ہیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں، جو ان کے گھڑی
ہونے کا ثبوت ہے، یعنی اگر حضرت ابوبکر کے یہ کہنے پر کہ اگر آپ نے بیعت نہ کی تو ہم
آپ کا سر قلم کر دینگے حضرت علیؑ نے آسمان کی طرف دیکھا ہو اور اللہ کو گواہ بنا کر یہ کہا ہو کہ
اے اللہ گواہ رہنا اور پھر حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی ہو تو پھر حضرت عمر کی تلوار کے نیچے
بٹھانے اور حضرت عباس کے ذریعہ حضرت علیؑ کا ہاتھ ابوبکر کے ہاتھ سے چھونے کو بیعت
کہنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر حضرت عمر کی تلوار کی نیچے بیعت ہو گئی تھی تو پھر حضرت ابوبکر کو
سر قلم کرنیکی دھمکی دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمیں یقین نہیں ہے کہ واقعاً حضرت ابوبکر اور
حضرت عمر نے ایسا کیا ہوگا کیونکہ ایک دفعہ حضرت علی سے انکے اصل حقدار ہونے کے دلائل
سن کر تو انہیں چھوڑنے میں ہی خیریت دیکھی تھی۔ پھر کیا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ روایات
گھڑنے والوں نے یہ داستانیں اس لئے گھڑی ہیں کہ وہ جانتے تھے کہ پیغمبرؐ نے انہیں
اپنا جانشین اور لوگوں کا امام مقرر کیا ہے۔ اور حضرت علیؑ جیسے شجاع اور حق کے علمبردار سے یہ
ممکن نہیں ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ بیعت کر لیں لہذا انکی بیعت ثابت کرنے کے لئے ان
پر جبر و تشدد اور قتل کی دھمکیوں کی داستانیں گھڑی گئیں۔ پہلی دفعہ تو خیر ضرورت کے تحت ایسا
کر لیا ہوگا۔ لیکن حضرت علی کی کھری کھری سن کر اور انہیں یہ کہہ کر کہ اگر آپ بیعت نہیں
کرتے تو میں مجبور نہیں کرتا پھر ایسی غلطی کی ہوگی؟ اور خود ان روایات کا متن ایسا ہے کہ جسے
پڑھ کر گدھوں کو بھی ہنسی آئے کہ کیا اسطرح سے بیعت ہوا کرتی ہے۔؟

معلوم نہیں ان حضرات نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ساری دنیا بے وقوف ہے کہ انکی ایسی
ایسی باتوں پر یقین کر کے مان لے گی۔ اور تلوار کے نیچے بٹھا کر زبردستی ہاتھ کھینچ کر حضرت
ابوبکر کے ہاتھ سے چھوُ دینے کو بیعت تسلیم کر لیگی۔ یہی سب باتیں اپنی تضاد بیانی کے
ساتھ اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت علیؑ نے قطعاً کسی کی بیعت نہیں کی اور وہی بات صحیح

ہے کہ اپنے زیادہ حقدار خلافت ہونے کے دلائل دے کر یہ کہنے کے بعد کہ خدا کی قسم میں
تمہاری بیعت نہیں کرونگا بلکہ تمہیں چاہیے کہ تم میری بیعت کرو اور حضرت ابوبکرؓ کے یہ کہنے کے
بعد کہ اگر آپ میری بیعت نہیں کرتے تو نہ کرو میں آپ کو مجبور نہیں کرونگا حضرت علی اپنے
گھر واپس آگئے اور خاموشی اختیار کر کے صبر کے ساتھ خانہ نشین ہو گئے۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی طرف منسوب
ایک روایت کا حوالہ دیکر بھی حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے پر اسطرح سے استدلال کیا ہے۔

"فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان وجدت علیهم اعوانا فجاهدهم
ونا بذهم وان انت لم تجد اعوانا فبایع واحقن دما"

(تحفہ حسینیہ جلد اول صفحہ 500)

ترجمہ از تحفہ حسینیہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے خلاف معاون و مددگار میسر
ہوں تو ان سے جہاد کرنا اور انکی خلافت کو پھینک دینا۔ اور اگر معاونین و مددگار دستیاب نہ
ہوں تو بیعت کر لینا اور اپنی جان بچانا"

(تحفہ حسینیہ جلد اول صفحہ 500)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد سیالوی صاحب اسطرح استدلال کرتے ہیں کہ۔

"کوئی آپ کا معاون و مددگار نہیں تھا۔ لہذا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے
مطابق ضروری تھا اور واقعی آپ نے بیعت فرمائی"

سیالوی صاحب اس روایت سے یہ دلیل بھی لائے ہیں کہ اگر حضرت علیؑ نے
ابوبکر کی بیعت نہ کی ہو تو گویا آنحضرت کے حکم کی خلاف ورزی کی جیسا کہ انہوں نے لکھا
ہے کہ: "شیر خدا رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عملدرآمد نہ کرنے والے
اور خلاف فرمان کا ارتکاب کر کے مورد طعن بھی ثابت کر دیا کیونکہ آپ کا ارشاد یہ تھا کہ اگر

معاون ومددگار نہ ملیں تو بیعت کر لینا۔ لیکن آپ نے بیعت نہ کر کے حضرت زہرہ رضی اللہ عنھا کی سخت توہین کرائی۔ اور انکی ہتک عزت کا موجب بنے۔

(تحفہ حسینیہ جلد اول صفحہ 502)

کیا اس سے بڑھ کر ڈھٹائی، بے غیرتی اور بے حیائی کا جواب ممکن ہے؟ یعنی آپ نے بیعت نہ کر کے حضرت زہرہ رضی اللہ عنھا کی سخت توہین کرائی اور انکی ہتک عزت کا موجب بنے۔ یہ ایسا ہی جواب ہے جیسا کہ معاویہ نے حضرت عمار یاسر کے قتل ہونے پر کہا تھا کہ کوئی ہم نے تھوڑا ہی عمار کو قتل کیا یہ تو علیؑ نے قتل کیا ہے نہ وہ ساتھ لاتے نہ عمار قتل ہوتے۔ لیکن دینا جانتی ہے کہ عمار کو قتل بھی باغی گروہ یعنی معاویہ کے لشکر ہی نے کیا تھا، اور حضرت زہرا کی توہین اور ہتک بھی برسر اقتدار آنے والوں نے کی تھی، اسکا موجب علیؑ نہیں بنے تھے، جبکہ پیغمبرؐ نے اپنی تمام پیشن گوئیوں میں حضرت علیؑ کو صبر ہی کی تلقین کی تھی۔ اور کسی حدیث میں بیعت کرنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے ''آپ نے فرمایا کہ اے علی مردوں میں تم سب سے پہلے حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملو گے۔ میرے بعد تم کو بہت سی ناگواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تم کو بہت سی تکالیف اٹھانا پڑینگی۔ اس سے دل تنگ نہ ہونا۔ صبر کرنا جب تم دیکھو کہ لوگوں نے دنیا کو اختیار کر لیا ہے۔ تو تم اس وقت آخرت کو اختیار کرنا'':

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق صفحہ 640)

ہم پیغمبر اکرم صلعم کی پیشن گوئیاں سابق صفحات میں لکھ آتے ہیں۔ جس میں اصحاب کے دنیا کے طالب ہونے اقتدار پر قبضہ کر کے قطع رحمی کرنے اور فساد بپا کرنے احداث وبدعات کرنے اور انصار پر دوسروں کو ترجیح پر انہیں صبر کرنے اور حضرت علیؑ کو نصیحتیں کہ یہ امت تمہارے خلاف بغاوت کریگی اور تمہارے ساتھ غداری کریگی لہذا تم

صبر کرنا بیان ہوا ہے۔ مدارج النبوت کی اس روایت میں بھی صبر کی تلقین کے ساتھ یہ نصیحت کی ہے کہ جب تم دیکھو کہ لوگوں نے دنیا اختیار کر لی ہے تو تم آخرت اختیار کرنا۔

اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر نے حضرت علیؑ کو اعوان نہ ملنے کی صورت میں بیعت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ صبر کرنے اور لوگوں کے دنیا اختیار کرنے پر آخرت اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔

لیکن چونکہ سیالوی صاحب اور انکے تمام ہم مشرب لوگوں کو معرفت نبوت و رسالت نہیں ہے اور وہ ہادیان دین کے مرتبہ سے قطعی طور پر واقف نہیں ہیں اور اپنی کتاب تحفہ حسینیہ جلد اول کے صفحہ 13 پر حدیث ثقلین نقل کرنے کے باوجود جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ حضرات پیغمبرؐ کے بعد ہادی امت ہیں۔ حضرت علیؑ سے ثلاثہ کی بیعت کو زبردستی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی سیرت اور دنیاوی حکمرانوں کے ساتھ انکا طرز عمل

انبیاء ورسل اور ہادیان دین تمام کے تمام مصطفےٰ ہوتے ہیں، جس پر آیت: ''ان اللہ اصطفےٰ آدم و نوحا وال ابراھیم وال عمران'' شاہد ہے اور تمام کے تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین مجتبےٰ ہوتے ہیں جس پر آیہ: ''اجتبیناھم وھدیناھم شاھد'' ہے۔ اور خدا نے جتنے بھی انبیاء، ورسل اور ہادیان دین بھیجے انہیں واجب الاطاعت بنا کر بھیجا۔ یعنی اولاد آدم کو خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ اس کے ان مصطفےٰ اور مجتبےٰ بندوں کی اطاعت و پیروی کریں۔ لہذا آدم علیہ السلام سے لیکر آخری ہادی تک تمام انسانوں پر ان ہادیان دین کی اطاعت و پیروی واجب گردانی ہے پس خدا کا کوئی بھی مصطفےٰ اور مجتبےٰ بندہ کبھی بھی

دنیاوی حکمرانوں کی بیعت یا اطاعت نہیں کر سکتا۔ خدا کے مقرر کردہ مصطفےٰ اور مجتبےٰ ہادیان دین کی سیرت اور دنیاوی حکمرانوں کے ساتھ انکا طرز عمل ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ دنیاوی حکمرانوں سے جدا رہ کر اپنے کار ہدایت میں مصروف رہتے ہیں۔ اور تاریخ سے کوئی ثبوت ایسا نہیں ملتا کہ کسی جابر سے جابر اور ظالم سے ظالم حکمران نے کسی بھی ہادی دین سے بیعت طلب کی ہو۔ نہ راضی خوشی سے، نہ جبر واکراہ اور زبردستی کے ساتھ اور قران کی سند کی رو سے خدا صرف انبیاء و رسل اور ہادین دین کے اور کسی کا اجتبےٰ نہیں کرتا اور سورہ الحج کی آخری آیت "ھوا اجتباکم" اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد بھی خدا کے مجتبےٰ بندے موجود رہے ہیں۔ جو ہدایت خلق کا فریضہ انجام دینے کے لئے خدا کی طرف سے مقرر کئے گئے تھے۔

اور تاریخ میں صرف چند ہادیان دین انبیاء ورسل کا ذکر ہے۔ جنہیں دنیاوی اقتدار ملا۔ ورنہ ان چند کے علاوہ اور کوئی بھی برسر اقتدار نہیں آیا۔ لیکن ان میں سے کسی ہادی دین نے کسی حکمران کی بیعت کی اور نہ ہی کسی حکمران نے اپنے وقت کے کسی ہادی دین سے بیعت طلب کی۔ کیونکہ یہ بات نہ صرف ان کے شرف و منزلت کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کے منصب کے بھی خلاف ہے۔ کسی ہادی دین کے بارے میں اس قسم کا تصور کہ اس نے کسی دنیاوی حکمران کی بیعت کر لی ہے۔ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ ہادی دین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس نے توحید کے بجائے ایک دوسرے خدا کو بھی مان لیا تھا۔ لہذا نہ صرف یہ کہ کسی ہادی دین نے تاریخ کے اس طویل سفر میں کسی بھی دنیاوی حکمران کی بیعت نہیں کی بلکہ تاریخ کے اوراق ایک بھی ایسا واقعہ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ فلاں حکمران نے فلاں ہادی دین سے بیعت طلب کی تھی۔ کیونکہ ہادی دین کسی مصلحت کے تحت دوسروں سے صلح تو کر سکتا ہے لیکن بیعت نہیں کر سکتا۔

پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی زندگی میں جس طرح رہے وہ بھی ایک مثال ہے۔ لیکن مدینہ آکر جب ظاہر اقتدار آپ کو مل گیا تو خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ:

"لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا"

یعنی اب اقتدار ظاہری خدا کے مقرر کردہ ہادی کے پاس آجانے سے جو زمین کی اصلاح ہو گئی ہے اس کو برباد نہ کر دینا اور اسے ہادیان دین سے نکال کر فساد نہ کرنا۔

لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انکی مشہور حدیث کے مطابق بارہ امام اور ہادیان دین ہوئے ان میں سے دس امام ایسے ہیں جس سے کسی نے بیعت طلب نہیں کی۔ حتیٰ کے حادثہ کربلا کے بعد خود امام زین العابدینؑ کو قید کیا۔ دیار بدیار پھرائے گئے۔ دربار شام میں گئے قتل کی دھمکیاں سنیں مگر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یزید تک نے بھی امام زین العابدینؑ سے بیعت طلب نہیں کی۔ اس طرح امام باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام جنہوں نے کار ہدایت بڑی سرگرمی سے جاری رکھا۔ مگر کسی حکمران نے ان سے بیعت طلب نہیں کی۔ لیکن تاریخ یہ کہتی ہے کہ پیغمبر کے بعد اقتدار پر قبضہ کرنے والوں نے حضرت علی علیہ السلام سے بیعت طلب کی۔ جبر بھی کیا ظلم وستم کے پہاڑ بھی ڈھائے مگر حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ اور قسم کھا کر کہا کہ قسم ہے خدا کی میں ابوبکر کی بیعت نہیں کرونگا بلکہ تمہارا فرض ہے کہ تم میری بیعت کرو اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ اگر تم بیعت نہیں کرتے تو نہ کرو میں مجبور نہیں کرتا۔

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب غور کریں کہ حضرت علیؑ قسم کھا کر کہیں کہ خدا کی قسم میں انکی بیعت نہیں کرونگا اور حضرت ابوبکر بھی یہ کہہ دیں کہ اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو نہ کریں میں مجبور نہیں کرتا۔ تو پھر بار بار بلانے کی کونسی ضرورت رہ گئی تھی۔ کیا حضرت علی علیہ

السلام سعد ابن عبادہ سے بھی گئے گزرے ہو گئے تھے کہ اس نے قتل ہونا گوارا کر لیا، لیکن بیعت نہیں کی اور حضرت علیؑ نے قسم کھا کر اتنی بھی استقامت نہ دکھائی جتنی سعد ابن عبادہ نے دکھائی تھی حالانکہ اگر سعد ابن عبادہ بیعت کر لیتے تو صرف ایک انصاری کی بیعت تھی اور حضرت علی کا حضرت ابوبکر یا کسی اور کی بیعت کرنا ایک ہادی دین امام امت جس کی اطاعت خدا اور رسول کی طرف سے ساری امت پر فرض کی گئی تھی بیعت کرنا ہوتا اور یہ بات صرف رات کو دن کہنے والی بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انقلاب برپا کرنے والوں کا اقتدار پر مکمل ہولڈ ہو چکا تھا۔ لہذا سعد ابن عبادہ یا حضرت علی علیہ السلام سے بیعت لینے کی انہیں ضرورت بھی نہیں تھی۔ پس یہ دونوں حضرات خاموشی کے ساتھ گھر میں بیٹھ گئے۔

البتہ حضرت علیؑ کا معاملہ سعد ابن عبادہ انصاری سے کچھ مختلف تھا وہ ہادی دین تھے اور امام امت تھے لہذا جب کبھی مملکت اسلامی کی بقا اور اسلام پر حرف آتے دیکھتے تھے اور ارباب حکومت کو اس سے عاجز پاتے تھے تو کبھی از خود اور کبھی ارباب حکومت کے مدد طلب کرنے پر آپ ان مسائل کو حل ضرور فرماتے تھے اور ان مسائل کے حل کرنے پر حضرت عمر کا یہ کہنا تاریخ وحدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے کہ لولا علی لھلک عمر۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

ہم ایک مثال کے ذریعہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انکو معلوم ہوگا کہ ظہور اسلام سے پہلے بھی اور ظہور اسلام کے بعد بھی خانہ کعبہ پر بتوں اور بت پرستوں کا قبضہ تھا۔ مگر جب ابرھہ نے خدا کے گھر پر چڑھائی کی تو خدا نے ہاتھیوں والوں کا کیا حشر کیا وہ سورہ فیل میں بیان ہوا ہے۔ فرمایئے کیا خدا نے یہ ان بتوں اور بت پرستوں کی مدد فرمائی تھی۔ یا اپنے گھر کو ابرھہ کے ہاتھیوں کی یلغار سے بچایا تھا۔

اسی طرح جب اسلام پر کوئی وقت آتا تھا تو حضرت علی بھی اسلام کا دفاع کرتے تھے۔

جو لوگ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کسی کی بیعت کر لی تھی انہیں حتمی طور پر انبیاء ورسل اور ہادیان دین او آئمہ معصومین کی سیرت اور مقام کی قطعاً معرفت نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند تعالی نے کسی بھی انسان کو کسی دوسرے انسان کا محکوم نہیں بنایا ہے۔ اور نہ ہی اپنے سوا انسانوں پر کسی کی اطاعت فرض کی ہے۔ لیکن اس نے حصول ہدایت کے لیے یہ انتظام کیا ہے کہ اپنے انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو اپنی طرف سے ہدایت کر کے انسانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ انکی اطاعت وپیروی کریں تا کہ وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اس نے تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین کو معصوم بنایا ہے لہذا کوئی بھی نبی یا رسول اور کوئی ہادی دین معصوم ہونے کی وجہ سے کسی غیر معصوم کی اطاعت یا بیعت نہیں کر سکتا۔ دن میں رات بدل سکتا ہے سورج مغرب سے نکل سکتا ہے لیکن کوئی معصوم کسی غیر معصوم کی بیعت نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسی پر آئمہ معصومین کی عصمت ثابت نہیں ہوتی تو پھر کسی بھی نبی یا کسی بھی رسول کی عصمت ثابت نہیں کی جا سکتی کیونکہ تمام انبیاء ورسل کیلئے انکی عصمت کے لئے قرآن میں جو الفاظ آئے ہیں وہ صرف اصطفےٰ اور اجتبےٰ ہیں اور آئمہ طاہرین کے لئے اصطفےٰ اور اجتبےٰ کے الفاظ کے علاوہ آیہ تطہیر بھی ہے۔ اور آیہ ولایت بھی ہے۔ اور آیہ مباہلہ بھی ہے اور پیغمبر کی وہ احادیث بھی ہیں جو سابقہ صفحات میں درج ہو چکی ہیں۔ لہذا اگر علامہ محمد اشرف سیالوی یا ان کے ہم مشرب اور انکے شیخ الاسلام قرآن و حدیث کی ان واضح شہادتوں کے باوجود ان کے معصوم ہونے کے منکر ہیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بہت سے انسان خدا کی واضح نشانیوں کے باوجود اس کے وجود کے منکر ہیں۔

حضرت علیؑ کی خاموشی اور حضرت امام حسینؑ کے بیعت نہ

کرنے کا موازنہ

بہت سے دانشوروں نے حضرت علیؑ کے صبر کر کے خاموش ہو کر بیٹھنے پر اور حضرت امام حسینؑ کے بیعت نہ کرنے اور سر دیدینے کو مختلف زاویہ ھائے نگاہ سے بیان کیا ہے وہ سب ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم ایک اور زاویہ نگاہ سے اس کو دیکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ نہ تو حضرت علیؑ کسی کی بیعت کر سکتے تھے اور نہ ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کسی کی بیعت کر سکتے تھے کیونکہ یہ بات ان کے منصب امامت اور عصمت کے خلاف تھی۔

لہذا اگر حضرت علیؑ کو بھی اتنا ہی مجبور کیا جاتا اور صرف دو باتوں میں فیصلہ محدود کر دیا جاتا کہ حضرت علیؑ یا تو بیعت کر لیں یا انہیں قتل کر دیا جائے۔ تو یقیناً حضرت علیؑ قتل ہونا منظور کر لیتے لیکن بیعت نہ کرتے۔

اور امام حسین علیہ السلام کو بھی اگر بیعت کے لیے مجبور نہ کیا جاتا اور یزید بھی حضرت ابوبکر کی طرح سے یہ کہتا کہ اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو نہ کریں میں مجبور نہیں کرتا تو امام حسینؑ بھی امن سے زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور اگر اسلام پر کوئی وقت آتا تو ضرور اسلام کی مدد بھی کرتے چاہے وہ امداد یزید ہی مانگتا۔ ہمارے دس اماموں میں سے کسی پر بیعت کے لئے زور نہیں ڈالا گیا۔ اگر چہ انہیں قید کیا گیا۔ ظلم کے گئے زہر دغا سے شہید کیا گیا۔ مگر کسی سے بھی بیعت طلب نہیں کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بیعت کا سوال مناسب نہیں ہے اور نہ ہی وہ بیعت کرینگے اور خواہ مخواہ میں یزید کی طرح منہ کالا ہوگا۔ لہذا خاموشی سے انکو راستے سے ہٹاتے رہے جبکہ بعض حکمران اگر بالکل یزید جیسے نہیں تھے تو اس سے کچھ کم بھی نہیں تھے بعض دانشوروں کا یہ نکتہ نظر ہے کہ چونکہ یزید شرابی تھا یزید زانی تھا۔ یزید

خلاف شریعت امور انجام دے رہا تھا لہذا امام حسین نے انکی بیعت نہیں کی۔ یزید کے بارے میں یہ سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگر یزید ایسا نہ ہوتا اور بالکل پہلے کے دو خلفاء کی سیرت پر چلنے والا ہوتا تو کیا امام حسین انکی بیعت کر لیتے ہرگز نہیں۔ کیونکہ انکے والد بزرگوار نے تو تیسرے نمبر پر جب سیرت شیخین کی پیروی کی شرط پر حکومت مل رہی تھی تخت حکومت کو ٹھوکر مار دی۔ لیکن سیرت شیخین کی پیروی قبول نہ کی اور نہ ہی انکی بیعت کی اور حکومت پر مکمل ہولڈ ہو جانے کی وجہ سے ارباب حکومت کو انکی بیعت کی ضرورت بھی نہ رہی تھی یزید سے اصل غلطی بس یہ ہی ہوئی ہے۔ کہ حکومت پر ہولڈ اسکا بھی ہو چکا تھا اور حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شعیان علیؑ کہلانے والے جنہوں نے معاویہ کی بیعت کر کے اہل سنت والجماعت کہلانا شروع کر دیا تھا ان سب نے یزید کی بیعت کر کے خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اگر وہ بھی حضرت ابوبکر والی رعایت امام حسینؑ کو دیدیتا تو بات اس نوبت تک نہ پہنچتی۔

اس سلسلہ میں جو بات خاص طور پر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ نہ تو شیخین نے ہر آدمی سے فرداً فرداً بیعت طلب کی تھی اور نہ ہی یزید نے ریاست کے ہر ہر فرد سے بیعت لی تھی۔ یزید نے تو امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے بھی کسی سے بیعت طلب نہ کی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر کے لئے حضرت علی سے بیعت لینے کے لئے جبر اور سختی کیوں کی گئی اور حضرت ابوبکر کی طرف سے بیعت لینے کا خیال ترک کرنے اور حضرت علیؑ کے بیعت نہ کرنے کے باوجود بیعت کرنے کے جھوٹے افسانے کیوں گھڑے گئے۔ اور اسی طرح صرف امام حسین علیہ السلام سے ہی بیعت لینے کے لئے اتنی سختی کیوں کی گئی کہ یا تو وہ بیعت کر لیں یا انہیں قتل کر دیں۔

اکثر دانشوروں نے اس طرح توجہ نہیں کی۔ جو جوابات انہوں نے پیش کی ہیں وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ لیکن وہ بات جسکی طرف انہوں نے توجہ نہیں کی یہ ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام حتماً و یقیناً حضرت علیؑ کی جانشینی، انکی خلافت، انکی امامت اور انکی ولایت کا اعلان کر چکے تھے اور شیخین غدیر خم کے مقام پر انکے امام و ولی امور مسلمین مقرر ہونے پر انہیں مبارکباد دے چکے تھے۔ اور اس بات کو امام غزالی نے اپنی کتاب سر العالمین کے چوتھے مقالہ میں اور علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کے شیخ الحدیث شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صفحہ 593)

اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا پیغمبرؐ کے زمانے میں ایک دوسرے کا دوست تھا اور علیؑ کی دوستی پیغمبر کے زمانے میں مومن کی علامت تھی لہذا پیغمبرؐ نے غدیر خم کے مقام پر اپنے بعد کے لئے لوگوں کا دوست بنانے کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ آپ کو امام اور والی امور مسلمین مقرر کرنے کا اعلان کیا تھا اور شیخین نے آپکے امام اور امور مسلمین مقرر ہونے پر ہی مبارکباد دی تھی اور شیخین کا حضرت علیؑ کو مقام غدیر پر مبارکباد دینا خود اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر نے انکو امام اور والی امور مسلمین مقرر کیا تھا۔ لیکن چونکہ ہر انقلاب کا یہ دستور ہوتا ہے کہ وہ اصل حاکم کو یا ختم کر دیں یا اس سے اپنی حکومت کے تسلیم کرنے پر دستخط لے لیں۔ یہ آج کے انقلاب کا دستور ہے اس وقت کے انقلاب کا دستور یہ تھا کہ اصل حاکم کو بیعت کیلئے مجبور کریں۔ لیکن حضرت علی نہ صرف پیغمبر اکرم کے خدا کے حکم سے بنائے ہوئے خلیفہ و جانشین و ولی امور مسلمین تھے۔ بلکہ وہ ہادی خلق، امام امت، منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطا بھی تھے۔ لہذا وہ ہرگز ہرگز کسی غیر معصوم کی بیعت نہیں کر سکتے تھے۔ جیسا کہ کسی نبی و رسول و

ہادی خلق معصوم سے توحید کی بجائے دو خداؤں یا تین خداؤں کا اقرار کرانا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح کسی معصوم کا کسی غیر معصوم کی بیعت کرنا بھی ناممکن ہے۔ اور اس اصول کے خلاف جتنی روایات ہیں وہ سب معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی کی گھڑی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے۔

اسی طرح امام حسین علیہ السلام کے بیعت نہ کرنے کا معاملہ ہے۔ بیشک یزید ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ اکثر مورخین، محدثین اور دانشوروں نے لکھا ہے لیکن اگر وہ ایسا نہ ہوتا تب بھی امام حسین اس کی بیعت نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن قابل غور یہ بات ہے کہ یزید نے ریاست کے ہر ہر فرد سے بیعت نہ لی تھی، پھر وہ صرف اور صرف امام حسین سے ہی بیعت لینے پر کیوں مصر تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس بات سے قطع نظر کہ پیغمبر کی احادیث و احکام کے تحت آپ ہادی ہونے اور امام ہونے کی حیثیت سے حاکم بھی تھے۔ لیکن چونکہ انبیاء و رسل اور ہادیان دین خدا کی طرف سے حاکم ہونے کے باوجود دنیاوی اقتدار سے محروم رہے ہیں مگر وہ خاموشی کے ساتھ دوسروں کی حکومت میں رہتے ہوئے کار ہدایت انجام دیتے رہے ہیں۔ لہذا امام حسین علیہ السلام بھی لوگوں کو ہدایت کرتے رہتے اور کوئی مسئلہ پیش نہ آتا۔ لیکن صلح امام حسنؑ کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ معاویہ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے بعد کے لیے کسی کو ولی عہد مقرر کریں ان کے بعد حکومت امام حسنؑ کیلئے ہوگی۔

اصابہ جلد ا صفحہ 329

طبقات الکبریٰ صفحہ 329

حیوۃ الحیوان دمیری جلد 2 صفحہ

تہذیب التہذیب جلد 2 صفحہ 299

تہذیب الاسماء واللغات نووی جلد 1 صفحہ 199

ذخائر العقبیٰ صفحہ 139

الامامت والسیاست صفحہ 171

یہ بات بالکل قریب عقل ہے کیونکہ حضرت امام حسنؑ، معاویہ کو خاص شرائط پر حکومت حوالے کر رہے تھے لہذا اس میں اس شرط کو معاویہ نے تسلیم کرلیا تھا۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ

"اگر امام حسن کو کچھ ہوگیا تو امام حسینؑ کے لئے حکومت ہوگی"

(عمدہ الطالب صفحہ 57)

لیکن معاویہ نے صلح نامہ پر دستخط کرنے کے باوجود کسی بھی شرط پر عمل نہ کیا اور اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کردیا۔ چونکہ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد شرائط صلح کے مطابق معاویہ کے مرنے کے بعد خودبخود امام حسین علیہ السلام کی طرف حکومت کو منتقل ہونا تھا۔ لہذا معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو یہ وصیت کردی کہ میں نے تیرے لئے تمام کام درست کردیا ہے لیکن امام حسین علیہ السلام کی طرف سے غافل نہ ہونا، لہذا یزید برسر اقتدار آتے ہی اس ہستی کے خلاف برسرپیکار ہوگیا۔ جس نے شرائط صلح کے مطابق معاویہ کے بعد سلطنت اسلامی کا حاکم ہونا تھا۔ اور ہر انقلاب کی طرح وہ بھی اس بات پر ڈٹ گیا کہ یا تو امام حسین بیعت کریں یا انہیں قتل کردیا جائے۔

پس جس طرح حضرت علیؑ پر جبر وتشدد صرف اس لئے تھا کہ پیغمبر اکرمؐ کے ارشادات واعلانات کے مطابق پیغمبرؐ کے بعد حضرت علیؑ سلطنت اسلامی کے والی، حاکم و فرمانروا تھے لہذا انقلاب برپا کرنے والوں نے ان پر جبر وتشدد کیا لیکن چونکہ حضرت ابوبکر

نے بیعت سے ہاتھ اٹھالیا اور یہ کہ اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو میں مجبور نہیں کرتا۔ لہذا حضرت علیؑ نے صبر کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ خانہ نشینی اختیار کرلی۔ اور پیغمبر کی اس وصیت پر عمل کیا جسے ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب مدارج النبوت کے حوالے سے سابقہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں۔

اور حضرت علی نے صبر کیوں کیا۔ اس بات کا پتہ امام عبدالبر کی استعیاب میں قاء ابن رافع سے بیان کردہ روایت سے چل جاتا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ:

"قسم ہے خدا کی اگر پھوٹ کا اور اس امر کا کہ کفر پھر عود کر آئیگا اور دین کے ہلاک ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم ضرور کل معاملات درہم وبرہم کردیتے ہم نے مجبوراً رنج و ملال پر صبر کیا۔ (استیعاب لابن عبدالبر)

پس حضرت علی پر جبر وتشدد اس لئے تھا کہ جبر وتشدد کرنے والوں نے انقلاب برپا کیا تھا۔ اور ان کے نزدیک پیغمبر کے بعد اصل والی وحاکم حضرت علیؑ تھے۔ لہذا ہر زمانے کے دستور کے مطابق انقلاب برپا کرنے والے ان پر بیعت کے لئے جبر وتشدد کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے دانشمندی سے کام لیا اور حضرت علیؑ سے بیعت لینے کا سوال ختم کردیا۔ اگر حضرت ابوبکر بھی حضرت علیؑ سے بیعت لینے کا سوال ختم نہ کرتے تو پھر یقیناً مدینہ میں ہی کربلا بنتی۔

اور امام حسین علیہ السلام سے بھی بیعت کے لئے جبر اس لئے تھا کیونکہ شرائط صلح میں معاویہ کے بعد حکومت خودبخود حضرت امام حسن علیہ السلام کو آنی تھی۔ اور اگر امام حسنؑ کو کچھ ہوجائے تو امام حسینؑ کو خلیفہ بننا تھا۔ مگر معاویہ نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یزید کو اپنا جانشین بنادیا تھا اور اس نے امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے کی تاکید

کر دی تھی۔ چونکہ یہ بھی ایک طرح سے انقلاب ہی تھا کہ معاویہ کے بعد حکومت امام حسینؑ نہ صرف منتقل ہونی تھی انکی بجائے یزید آ گیا۔ لہذا اس نے امام حسینؑ کے لئے یہ حکم جاری کر دیا کہ امام حسینؑ سے بیعت لی جائے اگر وہ بیعت نہ کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ اگر یزید کی طرف سے بیعت یا قتل دونوں میں سے ایک چیز کا حکم نہ ہوتا اور حضرت ابوبکر کی طرح وہ بھی یہ کہتا کہ اگر امام حسینؑ بیعت نہ کریں تو انہیں بیعت کے لئے مجبور نہ کیا جائے تو دنیا دیکھتی کہ امام حسینؑ حضرت علیؑ سے بھی زیادہ صبر کرنے والے ثابت ہوتے اور اس کا ثبوت شب ہشتم کو کربلا میں عمر ابن سعد کے ساتھ مکالمہ میں اس شرط کا قبول کر لینا تھا کہ آپ انکی مملکت کے حدود سے باہر چلے جائیں گے۔

حضرت علیؑ نے تو ابوبکر کی طرف سے بیعت کا سوال ختم کر دینے کے بعد مدینے میں ہی بصبر و سکوت اختیار کر کے خانہ نشینی اختیار کر لی، مگر امام حسین علیہ السلام تو انکی حدود مملکت تک کو چھوڑنے پر آمادہ تھے۔ لہذا اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ اگر امام حسینؑ کو اتنی رعائت مل جاتی تو وہ بھی انکا ملک چھوڑ دیتے اور معرکہ کربلا وقوع پذیر نہ ہوتا۔

امام حسینؑ کے سر دیدینے اور حضرت علیؑ کے صبر کر کے خاموش ہو کر بیٹھ جانے میں بس اتنا ہی فرق ہے کہ یہ دونوں ایک پیغمبرؐ کے ارشادات و احکامات کے مطابق پیغمبرؐ کے بعد اور دوسرا شرائط صلح کے مطابق معاویہ کے بعد مسلمانوں کے حاکم اور والی امور تھے مگر پیغمبرؐ کے بعد انقلاب برپا کرنے والوں میں سے حضرت ابوبکر نے اتنی رعایت دیدی کہ اگر آپ بیعت نہیں کرتے تو نہ کریں میں مجبور نہیں کرتا۔ اور معاویہ کے بعد شرائط صلح کے خلاف یزید برسر اقتدار آ گیا اور اس نے یہ رعایت نہ دی کہ امام حسینؑ اگر بیعت نہیں کرتے تو نہ کریں میں مجبور نہیں کرتا۔ پس حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کا معاملہ یکساں نہیں ہے

۔ اگر امام حسینؑ کو یہ رعایت مل جاتی تو وہ جلاوطنی اختیار کر لیتے اور حضرت علیؑ سے بھی زیادہ صبر کا مظاہرہ کرتے اور اگر حضرت علیؑ کو یہ رعایت نہ ملتی تو پھر جو امام حسینؑ نے کیا وہ حضرت علیؑ کرتے۔

حضرت ابوبکر کے خلیفہ بنائے جانے کا حال تفصیل سے بیان ہو چکا جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ ایک دنیاوی انقلاب تھا اس میں دین، ایمان، یا پیغمبرؐ کی علمی نیابت و جانشینی یا امامت و ہدایت، خلق کا کہیں دور دور تک ذکر نہیں ہے اب ہم مختصر طور پر باقی کے خلفاء کے برسر اقتدار آنے کا حال بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کا حال

تمام مستند تاریخوں کی طرح مولانا شبلی نے بھی اپنی کتاب الفاروق میں حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کا حال اسطرح لکھا ہے

"جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو بعضوں کو تردد ہوا چنانچہ طلحہ نے حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا۔ اب وہ خلیفہ ہونگے تو خدا جانے کیا کرینگے۔ اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجیئے گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں خدا سے کہونگا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔ یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلایا اور عہد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوائے جا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان

سے کہا کیا لکھا تھا، مجھ کو پڑھ کر سناؤ حضرت عثمان نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔

(الفاروق شبلی حصہ اول دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 120)

حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کا حال دوسری تمام مستند اور معتبر کتابوں میں بھی اس طرح لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تاریخ طبری، الجزء الرابع صفحہ 52، تاریخ کامل ابن اثیر الجزء الثانی صفحہ 163، تاریخ خمیس الجزء الثانی صفحہ 268 وغیرہ

حضرت ابوبکر کے اس طرح وصیت کرنے کو اور حضرت عثمان کے مذکورہ فعل کو کیا کہنا چاہیے اہل انصاف خود فیصلہ کر سکتے ہیں ہمیں اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کو شوریٰ کے ذریعہ قرار دینا۔ یا اسے جمہوریت کا رنگ دینا سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنانے والی بات ہے۔ جب کہ شبلی کے مذکورہ بیان سے اور دوسری تاریخوں سے یہ بات ثابت ہے کہ جب حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کا چرچا ہوا تو مہاجرین و انصار سب ہی نے مخالفت کی۔ البتہ حضرت علیؑ کا یہ اندازہ یا پیشن گوئی لفظ بہ لفظ سچی ثابت ہو گئی کہ:

"وہ نفع تو حاصل کر لے جس میں تیرا حصہ ہے اب ابوبکر کے لئے تو اس لئے شدت کرتا ہے تاکہ کل وہ اس کو تیری طرف واپس کر دے۔

(امامت والسیاست صفحہ 11)

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب، اصحاب پیغمبر بہت ہی اچھے ہو گئے، بہت ہی

زیادہ اچھے ہو گئے، مگر حالات ایک عجیب سین نظروں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلعم اپنے آخری وقت میں ایک ایسی تحریر لکھ کر دینا چاہتے ہیں جس کے بعد امت کبھی گمراہ نہ ہو لیکن یہ بہت اچھے اصحاب پیغمبر کو وہ تحریر لکھنے نہیں دیتے۔ بقول شبلی فلک اسلام کے یہ مہر و ماہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے حالانکہ پیغمبرؐ متعدد بار یہ اعلان کر چکے تھے کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک خدا کی کتاب اور دوسرے میری عترت اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پیغمبرؐ امت کے سامنے اسکے کبھی گمراہ نہ ہونے کا نسخہ تو بتلا چکے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اب اسی بات کو لکھنے کا کہہ کر پیغمبر حضرت عمر کو ننگا کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عمر میری مخالفت میں آخری حد تک جا چکے ہیں لہذا اب بھی دنیا اندھی بنی رہے۔ تو سوائے گمراہی کے اور کیا حاصل کر سکتی ہے۔ اور کیونکہ امت بے شمار فرقوں میں بٹ چکی ہے جو ثبوت ہے اس بات کا کہ امت گمراہی کا شکار ہو گئی ہے۔ اور یقینی طور پر یہ بات نتیجہ ہے دونوں سے تمسک نہ کرنے کا اور اسکا سب سے پہلا اعلان حضرت عمر نے کیا کہ نہ ہمیں اب پیغمبرؐ کی کسی تحریر کی ضرورت ہے اور نہ ہی تمھاری عترت سے تمسک کی ضرورت ہے۔ لیکن پیغمبرؐ نے پھر بھی بستر بیماری پر وہی بات دہرائی کتنا تفاوت ہے کتنا فرق ہے اور کتنی تبدیلی ہے حالات میں کہ پیغمبر اپنے آخری وقت تحریر لکھ کر دینا چاہیں تو حضرت عمر وہ بات کہیں جو تاریخوں کے اوراق میں محفوظ ہیں اور جسے انکے طرفدار مقام مدح میں بیان کریں اور اسے انکی فراست سے تعبیر کریں۔ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہ کہیں کہ اگر حضرت عمر آنحضرت کو لکھنے سے نہ روکتے تو معلوم نہیں آنحضرت کیا سے کیا لکھ دیتے؟ مگر جب حضرت ابوبکر وصیت لکھواتے لکھواتے غش کھا گئے

رت عثمان نے خود لکھ دیا کہ میرے بعد عمر خلیفہ ہوں گے۔

آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ اس وصیت کے بعد حضرت عمر نے اپنی بیعت کس طرح لی

حضرت عمر نے اپنی بیعت کس طرح لی

ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامت والسیاست میں لکھتے ہیں کہ

”حضرت ابوبکر نے وہ وثیقہ خلافت حضرت عمر کو دیا اور کہا اس کو لے جا کر لوگوں سے کہو یہ میرا حکم ہے، اس کو سنیں اور اطاعت کریں پس حضرت عمر وہ وثیقہ لے گئے اور لوگوں کو مطلع کیا انہوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا اس میں کیا لکھا ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ یہ میں جانتا نہیں مگر اس کو سب سے پہلے میں نے سنا اور اطاعت کی اس شخص نے کہا۔ لیکن بخدا میں جانتا ہوں کہ اس میں کیا ہے۔ پہلے سال تم نے ابوبکر کو حاکم بنایا تھا اب وہ تم کو حاکم بناتا ہے“

کتاب الامامت والسیاست کے آخری الفاظ اس طرح ہیں

”قال لکنی واللہ ادری ما فیہ امرتہ عام اول و امرک عام“

(کتاب الامامت السیاست الجزء الاول صفحہ 19)

حضرت عمر کا اپنے بعد کے لئے خلافت کی فکر

اگر کوئی شخص غیر جانبداری کے ساتھ تحقیق کریگا تو اسے معلوم ہو جائیگا کہ حکومت کو خاندان نبوت سے نکالنے کے لئے ساری منصوبہ بندی حضرت عمر کی تھی۔ اور حکومت خاندان نبوت سے نکالنے کے بعد بھی آخر تک خلافت کا سارے کا سارا معاملہ حضرت عمر کی ذات ہی کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ ان کے

بعد بھی حکومت بھی خاندان نبوت میں نہ جا سکے، اور اس کا اندازہ علامہ شبلی کی اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو انہوں نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھی ہے وہ لکھتے ہیں۔

حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا۔ اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطان و پیچان ہیں

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 164)

ایک غیر جانبدار محقق یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آخر حضرت عمر کو خلافت کے بارے میں کیا فکر تھی؟ اور کیوں تھی؟۔ اور پیغمبرؐ کو یہ جانتے بوجھتے بھی کہ ان کے بعد فتنوں کا طوفان اٹھے گا۔ سارا عرب مرتد ہو جائیگا۔ جس طرح لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے اسی طرح خارج ہو جائیگے۔ ایک شخص صبح کو مومن اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائیگا۔ آپ مشاہدہ کر رہے تھے کہ مسلمانوں کے گھروں میں فتنے اس طرح داخل ہو رہے ہیں جس طرح بارش کے قطرے ان تمام باتوں کے باوجود کہ آپ کا سارا کیا کرایا آپ کے آنکھ بند کرتے ہی ملیا میٹ ہو جائیگا آپ کو اپنے جانشین وخلیفہ کے بارے میں کوئی فکر کیوں نہ ہوئی؟۔ حالانکہ مذکورہ حالات کو جانتے ہوئے پیغمبرؐ کا یہ فرض تھا کہ اپنے بعد کے لئے جانشین وخلیفہ کا اعلان کر کے اور اپنا نائب مقرر کر کے جائیں تا کہ آپ کا کیا کرایا سارا اکارت نہ ہو جائے۔ اور کم از کم کچھ لوگ تو آپ کے اس جانشین کی اطاعت وپیروی کرتے ہوئے راہ ہدایت پر ضرور رہ سکیں۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ نے تو اپنے بعد کے لئے اپنا جانشین مقرر کر دیا

تھا اور اصحاب کی ایک قلیل تعداد پیغمبر کے اس جانشین حقیقی کی ہی اطاعت و پیروی کرتی
رہی۔ لیکن جن لوگوں نے پیغمبرؐ کی حکومت کو نبوت سے الگ دنیا کی حکومت کی طرح ایک
حکومت سمجھا تھا۔ انہوں نے انقلاب برپا کر دیا۔ اور اپنے انقلاب کو کامیاب کرتے اور صحیح
قرار دینے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ پیغمبر نے تو کسی کو بھی اپنا خلیفہ و جانشین نہیں بنایا۔
اور انہوں نے اپنی جماعت کو یہ نعرہ دیا کہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہ جانے
دیں گے اور چونکہ اس انقلاب اور اس نعرہ کے بانی وہی تھے لہذا انہیں یہی فکر دامن گیر رہتی
تھی کہ اس مشن کو آگے کیسے چلایا جائے۔

حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے طرز عمل سے یہ بات
ثابت ہے کہ ان کے درمیان یہ عہد و پیماں ہو چکا تھا کہ خاندان نبوت سے سے خلافت و
حکومت نکالنے کے بعد وہ تینوں یکے بعد دیگرے حکومت کرینگے۔ اور ایسی تدابیر اختیار
کرینگے کہ خاندان نبوت میں کبھی بھی حکومت نہ جا سکے۔ لہذا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی
موجودگی میں تو انہیں کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اسکا انہوں نے اپنی زندگی میں
ہی برملا طور پر اعلان کر دیا تھا۔ جیسا کہ امام ذھبی نے اپنی تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ
حضرت عمر نے اپنی زندگی میں اپنی حکومت کے دوران یہ فرما دیا تھا کہ:

" ان ادرکنی اجلی و ابو عبیدہ حی استخلفتہ"

(تاریخ اسلام ذھبی جلد 2 صفحہ 23)

یعنی اگر میری موت آ گئی اور اس وقت ابوعبیدہ زندہ ہوئے تو میں ان کو خلیفہ بناؤ گا۔ چونکہ
ابوعبیدہ بن الجرح حضرت عمر کی زندگی میں انتقال کر گئے لہذا وہ خلافت کے بارے میں

غلطان و پیچان رہنے لگے۔ اور سب سے بڑی فکر انہیں یہی تھی کہ کہیں یہ پھر خاندان نبوت
میں نہ چلی جائے

خلافت کے بارے میں حضرت عمر کی پریشانی

صحیح بخاری کی ایک روایت سے اس بات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر کو
خلافت کے بارے میں اصل پریشانی کیا تھی اور وہ روایت یہ ہے کہ " ایک دفعہ کسی شخص نے
یہ کہہ دیا کہ اگر عمر مر جائے گا تو میں فلاں شخص کی بیعت کرونگا۔ حضرت عمر نے جب یہ بات
سنی تو بہت پریشان ہوئے۔ صحیح بخاری میں ان کے اپنے الفاظ اس طرح نقل ہوئے ہیں

" انہ بلغنی ان قائلاً منکم یقول واللہ لو مات عمر بایعت فلاناً.
فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعت ابی بکر فلتۃ وتمت والا وانھا
قد کانت کذالک ولکن اللہ وقی شرھا فلیس منکم من تقطع الاعناق
الیہ مثل ابی بکر من بایع رجلاً من غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ھو
ولا الذی تابعہ تغرہ ان یقتلا"

(صحیح بخاری باب رجم الحبلی الجزء الرابع ص 119-120)

ترجمہ: تحقیق مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے ایک کہنے والا کہتا ہے کہ اگر عمر مر جائے تو میں
فلاں شخص سے بیعت کرونگا۔ کسی شخص کو دھوکے میں نہ رہنا چاہیے کہ ابوبکر کی بیعت بھی تو
ایک ناگہانی اچانک بغیر کسی مشورہ کے فلتۃ ہوئی تھی۔ لیکن وہ پوری ہوگئی۔ خبردار بے شک
ابوبکر کی بیعت ہوئی تو ناگہانی۔ اچانک بغیر مشورہ ہی کے تھی۔ لیکن خداوند تعالی نے اس کے

شر سے جو اسکا لازمی نتیجہ تھا مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جسکی طرف لوگوں کی گردنیں اس طرح اٹھتی ہوں جس طرح ابوبکر کی طرف اٹھتی تھیں۔ پس آئندہ سے جو کوئی شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کرے تو نہ اسکی بیعت کی جائے جس کی بیعت اس نے بغیر مشورہ کے کی ہے۔ اور نہ اس بیعت کرنے والے کی پیروی کی جائے اگر کوئی ایسا دھوکہ کھائے تو وہ دونوں قتل کر دیئے جائیں۔

(صحیح بخاری مذکور صفحہ 120-119)

اس روایت کو صحیح بخاری میں ایک اور مقام پر کتاب المحاربین باب 16 میں اور امام احمد حنبل نے اپنی مسند جلد اول حدیث نمبر 391 اور مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں صفحہ 85-84 پر نقل کیا ہے۔

اس روایت میں لفظ "بایعت فلانا" خاص طور پر قابل غور ہے یعنی میں فلاں شخص کی بیعت کرلونگا۔ یقیناً اس کہنے والے نے تو ہرگز فلانا نہ کہا ہوگا۔ بلکہ ضرور نام لیا ہوگا کہ میں اسکی بیعت کرلونگا۔ اور وہی شخص تو حضرت عمر کی دکھتی ہوئی رگ تھی۔ لہذا فوراً فتویٰ دیا کہ جو اسکی بیعت کرے اسے بھی قتل کردو اور جسکی بیعت کی جائے اسے بھی قتل کردو۔

حضرت ابوبکر کی بیعت بغیر مشورہ کے ہوئی وہ بھی ٹھیک ہے خود حضرت عمر کی بیعت بغیر مشورہ کے ہوئی تھی بلکہ مہاجرین وانصار کی مخالفت کے باوجود حضرت ابوبکر نے ان کے لئے وصیت کردی وہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن اب اگر کوئی اس طرح بنے یا بنائے تو وہ دونوں واجب القتل۔ بننے والا بھی اور بنانے والا بھی۔ اور اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمر نے شوریٰ یا مشاورت کی کوئی ایسی تدبیر سوچ لی تھی جس سے اس مستحق

خلافت کو بائی پاس کیا جاسکے اور اسکا پتہ آگے چل کر ہوجائیگا۔

ہم حضرت عمر کے مذکورہ بیان پر اس سے زیادہ اور کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے کہ خود حضرت عمر جیسے مدبر کے نزدیک جو شخص اس طرح سے خلیفہ بنایا جائے گا۔ جس طرح سے انہوں نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا تھا تو جو شخص اسطرح سے خلیفہ بنے گا وہ بھی واجب القتل ہے۔ اور جو اس کی بیعت کرے گا وہ بھی واجب القتل ہے۔ اور یہ کہ اس طریقہ سے خلیفہ بنائے جانے کو آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا۔ اس سے زیادہ اس طریقہ کے ناجائز ہونے کا اور کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ طرفداران حکومت اسے چاہے کتنا ہی خوبصورت الفاظ کا جامہ پہناتے رہیں۔

بوقت رحلت حلیف ساتھیوں کی یاد

اب تک ہم نے دیکھ لیا کہ حکومت سازی اور خلیفہ بنانے کا سارا معاملہ حضرت عمر کی ذات کے گرد گھوم رہا ہے۔ یہاں تک کہ مرتے دم تک بھی انہیں وہ ساتھی یاد رہے جنہیں وہ اپنے بعد خلیفہ بنانا چاہتے تھے کہ فلاں زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا مگر کوئی نہیں سوچتا کہ حضرت عمر کو خلیفہ سازی کے یہ سارے اختیارات کس نے سپرد کئے تھے۔

ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامت والسیاست میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے موت کو قریب دیکھا تو اپنے بیٹے کو حضرت عائشہ کے پاس بھیج کر ان کے گھر میں روضہ رسول کے اندر دفن ہونے کی اجازت چاہی۔ حضرت عائشہ نے انہیں اسکی اجازت دیدی اور ساتھ ہی انہیں اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کہا تو حضرت عمر نے کہا:

"فقال ومن تامرني ان استخلف لو ادركت ابا عبيده بن الجراح باقيا استخلفته و وليته" (کتاب الامامت والسیاست ابن قتیبہ صفحہ 26)

''یعنی حضرت عمر نے کہا کہ حضرت عائشہ نے کس کو خلیفہ مقرر کرنے کا حکم دیا ہے اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا اور ان کو حاکم مقرر کرتا'' ابن قتیبہ کے علاوہ یہی بات تاریخ طبری، الجزء الخامس صفحہ 34 و تاریخ الکامل ابن اثیر الجزء الثانی صفحہ 25 اور تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ 272 پر بھی لکھی ہوئی ہے۔

یہ وہی ابوعبیدہ بن الجراح ہیں جن کے بارے میں حضرت عمر نے پیغمبر کی وفات کے فوراً بعد فرمایا تھا'' تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کروں'' طبقات ابن سعد ق 1 جلد 3 صفحہ 129-128 اور یہ وہی ابوعبیدہ بن الجراح ہیں جن کے بارے میں حضرت عمر نے اپنی حکومت کے دوران فرمایا کہ: ''اگر میری موت آ گئی اور اس وقت ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوئے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرونگا''

ان تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر نے ابوعبیدہ بن الجراح کے علاوہ اپنے اور دوسرے حلیف ساتھیوں کا بھی نام لیا کہ اگر فلاں زندہ ہوتا تو میں اس کو خلیفہ مقرر کرتا۔ مگر کوئی نہیں سوچتا کہ آخر وہ انہیں کیوں خلیفہ بناتے؟ اور انکو خلیفہ بنانے کی وجہ کیا تھی؟

ایک غیر جانبدار محقق جان سکتا ہے کہ یہ حضرات وہ تھے جنہوں نے حضرت عمر کے ساتھ ملکر یہ منصوبہ بنایا تھا کہ نبوت اور خلافت ایک ہی خاندان میں نہیں رہنے دیں گے۔ لیکن چونکہ اب وہ ساتھی زندہ نہیں رہے تھے جنہوں نے آپس میں عہد کیا تھا کہ رسول خدا کی رحلت کے بعد حکومت وخلافت کو خاندان نبوت میں نہیں جانے دینگے۔ لہذا وہ اس

سوچ اور فکر میں غلطاں و پیچاں رہا کرتے تھے کہ اب کیا تدبیر کی جائے کہ آئندہ بھی حکومت کبھی خاندان نبوت میں نہ جانے پائے۔

امہات المومنین کا احترام اپنے مقام پر لیکن تحقیق کے نکتہ نظر سے اس مرحلہ پر حضرت عمر کو اس بات کی فرمائش کہ وہ اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ بناتے جائیں خاص طور پر قابل غور ہے۔ انکی یہ فرمائش اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ انہیں بھی یہ فکر دامنگیر تھی کہ کہیں حضرت عمر کے بعد وہی خلیفہ نہ بن جائے جس کو روکنے کے لئے پیغمبر کا انہوں نے راز فاش کر دیا تھا۔ اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کسی طرح بھی کسی وقت بھی اقتدار حضرت علی کے پاس جائے لیکن جب تصادف حالات سے وہ برسر اقتدار آ گئے تو وہ ان سے لڑنے کے لئے بصرہ کے میدان میں خود پہنچ گئی اور جنگ جمل برپا کر دی۔ لیکن جب تک انکی تدبیریں کام کرتی رہیں اقتدار کو حضرت علی کے پاس نہیں جانے دیا۔ اب حضرت عمر کے آخر وقت میں فرمائش کر کے سمجھا دیا کہ ہوشیار باش!

اگرچہ حضرت عمر اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے جو انکے حق میں ابوبکر کی وصیت لکھنے میں حضرت عثمان نے حضرت عمر پر کیا تھا۔ اپنے احباب میں حضرت عثمان کی خلافت کا اعلان کر چکے تھے جیسا کہ کنز العمال میں لکھا ہے کہ: عن حذيفه قال قيل لعمر بن الخطاب وهو بالمدينه يا امير المومنين من الخليفه بعدك قال عثمان ابن عفان''

(کنز العمال منتخب الجزء الثالث صفحہ 158 حدیث 2448)

حذیفہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت عمر سے مدینہ میں پوچھا کہ آپ کے بعد خلیفہ

کون ہوگا تو آپ نے فرمایا عثمان بن عفان" بہر حال مستند روایات سے یہ بات واضح طور پر
ثابت ہے کہ حضرت عمر نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنانے کا فیصلہ خود کر دیا تھا لیکن چونکہ وہ
اس کہنے والے کے جواب میں کہ اگر عمر مر گیا تو میں فلاں کی بیعت کرونگا یہ کہہ چکے تھے کہ
اب اگر کوئی بغیر مشورہ کے حضرت ابوبکر کی طرح بنے گا، تو بننے والا اور بنانے والا دونوں قتل
کئے جائینگے، لہذا انہوں نے شوریٰ کے ذریعہ خلافت کا فیصلہ کرنے کی ایک ایسی خوبصورت
تدبیر نکالی کہ ہر صورت میں خلیفہ تو حضرت عثمان ہی بنیں۔ اور حضرت علیؑ قتل کر دیئے جائیں۔
اور خلافت کا انتخاب ان چھ افراد میں منحصر کر دیا۔ علیؑ، عثمان طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص، اور
عبدالرحمٰن بن عوف اور انہی چھ اصحاب شوریٰ نے اپنے میں سے ایک کو خلیفہ بنانا تھا۔

حضرت عمر کا شوریٰ کے بارے میں عجیب وغریب فیصلہ

حضرت عمر اچھی طرح سے جانتے تھے کہ حضرت علی ہی خلافت کے اصل حقدار
ہیں اور وہی اس کے اہل ہیں جیسا کہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے کہ:

"مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض
اسباب سے ان کی نسبت قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے"

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 266-265)

اور ان اسباب کو علامہ شبلی تاریخ طبری ہی کے حوالے سے حضرت عمر اور حضرت
عبداللہ بن عباس کے مکالموں میں بیان کر چکے ہیں جو سابق میں نقل ہو چکا ہے۔

دوسرے حضرت عمر جیسا زیرک اور ہوشیار آدمی حضرت عائشہ کی فرمائش کا

مطلب اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جس بات کی تحریک انہوں نے پیغمبر کا راز فاش کر کے شروع
کی تھی وہ ختم نہ ہو جائے۔

حضرت عمر یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ جس طرح علیؑ نے پہلے کے
دونوں خلفاء کی بیعت نہیں کی تھی اب بھی نہیں کرینگے لہذا انہوں نے ایک عجیب و غریب
فیصلہ دیا، اور ایسا حکم فرمایا کہ جس سے حضرت علیؑ یقینی طور پر قتل کر دیئے جائیں۔ حضرت عمر کا
وہ حکم یا فیصلہ اس طرح لکھا ہے۔

"ثم قال ان استقام امر خمسة منكم و خالف واحد فاضربوا
عنقه ان استقام اربعه و اختلف اثنين فاضربوا اعناقهما و ان استقام ثلاثه
و اختلف ثلاثه فاحتملو الیٰ ابی عبدالله فلای ثلاثة قضیٰ فالخلیفة منهم
وفیهم فان ابی ثلاثه الاخر من ذالک فاضربوا اعناقهم"

(الامامت والسیاست ابن قتیبہ صفحہ 22)

یعنی پھر اس کے بعد حضرت عمر نے ان چھ ارکان سے فرمایا کہ اگر تم میں پانچ
ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا۔ اور اگر چار
ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو ان دونوں کی گردن مار دینا۔ اور اگر تین ایک
شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت کریں تو سرپنچ میرا لڑکا عبداللہ ہوگا اور ان تینوں میں سے
جسے وہ خلیفہ قرار دے تو وہ خلیفہ ہوگا اور اگر دوسرے تین مخالف اشخاص انکار کریں تو ان
تینوں کو قتل کر دینا"

کیا اب بھی کوئی اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ خلافت کا سارا معاملہ حضرت عمر

کی خواہش، انکی مرضی اور انکی رائے کے گرد گھوم رہا تھا اور سارے اصول و دستور اور قواعد و ضوابط ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور حکم اور فیصلے کے مطابق بنتے چلے جاتے تھے۔ جو اس طرح کسی کی بیعت کرے جس طرح میں نے ابوبکر کی کرلی تھی۔ اسکو قتل کردو اور جسکی اس طرح سے بیعت کی جائے اسے بھی قتل کردو۔ شوریٰ میں اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک مخالف ہو تو اس ایک کو قتل کردو اگر چار ایک طرف ہوں اور دو ایک طرف تو دو کو قتل کردو اور اگر تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو میرا لڑکا جسے خلیفہ بنادے ان کے دوسرے تین کو قتل کردو۔ کیا اس سے بھی زیادہ کسی کی زبان قانون کا درجہ رکھ سکتی ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر کے یہ فرزند حضرت عبداللہ جنہیں حضرت عمر نے سرپنچ بنایا تھا اور آخری فیصلہ کا اختیار دیا تھا وہ حضرت علیؑ کے اتنے خلاف تھے کہ انہوں نے معاویہ اور یزید کی تو بیعت کرلی تھی لیکن حضرت علی کی چوتھے نمبر پر بھی بیعت نہیں کی تھی کیا اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت نہیں ہوتی کہ یہ سارا کھیل علی کو قتل کرنے کے لئے کھیلا جارہا تھا۔

حضرت علیؑ کی خلافت کمیٹی میں شرکت

اور علامہ سیالوی کی دلیل کا ابطال

ہم اب تک یہ ثابت کرچکے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی امت میں دو حیثیتیں تھیں ایک نبی و رسول و امام ھادی خلق ہونے کی حیثیت اور دوسری ظاہری اقتدار کے حاصل ہوجانے کے بعد دنیاوی حکومت کے والی فرمانروا کی حیثیت۔ رسول ہونے کی حیثیت سے تمام اہل ایمان پر آپکی اطاعت فرض اور واجب تھی اور دنیاوی اقتدار کے بعد

کافروں پر بھی آپکا حکم نافذ تھا اور وہ سلطنت اسلامی کو جزیہ ادا کرتے تھے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے غدیر کے مقام پر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنی ان دونوں حیثیتوں کے لئے اپنا قائم مقام اور جانشین بنایا تھا۔ ختم نبوت کی وجہ سے تو انہیں صرف منصب امامت پر سرفراز فرما کر اپنے بعد امت کا ھادی بنایا تھا اور " ولیکم من بعدی اور ولی کل مومن من بعدی (ترمذی شریف) کہہ کر اپنے بعد کے لئے اپنے دنیاوی اقتدار میں جانشین بنایا تھا۔

لیکن آپ کے اصحاب میں سے ایک خاص گروہ کی نظریں دنیاوی اقتدار کے آغاز سے ہی پیغمبر کے اس دنیاوی اقتدار پر لگی ہوئی تھیں لہذا انہوں نے غدیر خم کے دن حضرت علی کو پیغمبر کے اس دینی و دنیاوی اقتدار میں جانشین ہونے پر مبارکباد دینے کے باوجود انقلاب برپا کردیا۔

مگر جب انہوں نے حضرت علیؑ سے بیعت طلب کی تو آپ نے بھرے دربار میں ڈنکے کی چوٹ پر خود کو ان سے زیادہ امامت کا حقدار کہا اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہاری بیعت نہیں کرونگا بلکہ تم میری بیعت کرو۔

ابن قتیبہ دینوری کی کتاب الامامت والسیاست کا بیان صفحہ 11 سے سابق میں گزر چکا لہذا سابقہ صفحات میں مطالعہ کریں۔

اس بیان سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت علیؑ نے بھرے دربار میں تمام مجمع کے روبرو اپنے حقدار خلافت ہونے اور انکے غاصب و ظالم ہونیکا برملا اظہار کیا۔ چونکہ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر نے وصیت نامہ لکھوا کر خلیفہ مقرر کردیا تھا، اور

حضرت علی نے اس کے بارے میں پہلے ہی بھرے دربار میں یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ عمر یہ سارا جبر و تشدد حضرت ابوبکر کے لئے اس لئے کر رہا ہے تاکہ کل وہ اسے اس کے حوالے کر دے۔ لہذا حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کے وقت احتجاج کرنے اور اپنا حق جتلانے کا موقع ہی نہ ملا اور آپ خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔

اب تیسری دفعہ اگرچہ حضرت عمر نے ایسا فارمولا پیش کیا تھا جس کا لازمی نتیجہ حضرت علیؑ کا قتل کیا جانا تھا۔ کیونکہ یہ بات علامہ سیالوی صاحب اور انکے شیخ الاسلام مانیں یا نہ مانیں اصحاب شوریٰ سب جانتے تھے کہ حضرت علیؑ نے نہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی نہ حضرت عمر کی بیعت کی لہذا ہماری ترکیب سے جب حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہو جائیں گے۔ تو حضرت علی انکی بھی بیعت نہ کریں گے۔ لہذا اگر وہ قتل کے خوف سے اس شوریٰ میں شریک نہ ہوئے تو ہمیں یہ کہنے کا موقع مل جائیگا کہ انہوں نے خلافت کمیٹی کے مشورہ میں شرکت ہی نہ کی تھی لہذا ہم انکو کیسے خلیفہ بناتے اگر وہ شریک ہو گئے تو چونکہ ہماری ترکیب سے ہر صورت خلیفہ حضرت عثمان نے ہی بننا ہے لہذا انکے انکار بیعت پر حضرت عمر کی اس وصیت کے مطابق انکا قتل آسان ہو جائیگا۔

لیکن حضرت علیؑ نے خلافت کمیٹی میں شرکت فرما کر خلافت کمیٹی کے سامنے وہ احتجاج کیا کہ عبدالرحمٰن ابن عوف چکرا گیا۔ آپ نے حضرت ابوبکر کے سامنے تو اپنے حقدار ہونے کو ثابت کرنے لئے ان ہی دلائل کو دہرایا جو انہوں نے انصار کے سامنے پیش کی تھیں اور انہیں کی دلائل سے ان پر حجت قائم کی۔ مگر اس وقت ان دلائل کی ضرورت نہیں تھی یہاں پر خلافت کمیٹی کے سامنے حضرت علیؑ نے وہ احادیث پیش کیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ

و آلہ نے ان کی شان میں بیان فرمائی تھیں۔ اور ہر حدیث بیان کر کے آپ ان سے پوچھتے کہ بتاؤ میرے سوا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں پیغمبر نے یہ فرمایا ہو۔ مثلاً پیغمبر نے فرمایا ہو کہ اے علی تم کو مجھ سے وہ منزلت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی اور وہ جواب دیتے کہ اے علی ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا بتلاؤ میرے سوا تم میں سے کون ایسا ہے جسے پیغمبرؐ نے یہ فرمایا ہو کہ جس کا میں مولا ہوں اسکا یہ علی مولا ہے۔ سب نے کہا ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ پیغمبرؐ کی احادیث پر احادیث بیان کرتے چلے جاتے تھے اور ان سے پوچھتے جاتے تھے کہ بتلاؤ تم میں سے میرے سوا کون ایسا ہے سب جواب دیتے ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے۔

تاریخ روضۃ الاحباب میں اور ابوالحسن علی بن محمد الطیب الجلالی المعروف ابن المغازی کی کتاب المناقب میں، محمد ابن یوسف مناقب میں عامر ابن واثلہ سے اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں حضرت علی علیہ السلام کے طویل احتجاج نقل کیے ہیں، ہم نے انہیں طوالت کے باعث نقل نہیں کیا ہے۔ دو مثالیں نمونہ کے طور پر اوپر نقل کر دی گئی ہیں۔ البتہ اخطب خوارزم نے اپنی کتاب المناقب میں عامر ابن واثلہ سے جو روایت نقل کی ہے ہم اسکے ابتدائی حصہ کا ترجمہ یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

"عامر ابن واثلہ کہتا ہے کہ میں شوریٰ والے دن اس مکان کے دروازہ پر تھا۔ پس اندر لوگوں کی آوازیں بلند ہوئی میں نے حضرت علیؑ کو کہتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی درانحالیکہ قسم بخدا میں ابوبکر کی نسبت خلافت کا زیادہ

حقدار تھا۔ مگر میں خاموش رہا اس ڈر سے کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں۔ اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرنے لگیں۔ پھر ابوبکر نے عمر کی بیعت کرائی اور قسم بخدا میں عمر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار اور اہل تھا۔ مگر پھر بھی میں اس ڈر سے خاموش رہا کہ لوگ کافر نہ ہو جائیں۔ اب تم عثمانؓ کی بیعت کرانے کا ارادہ رکھتے ہو اب میں تم کو حق کی باتیں سناؤ گا۔

(کتاب المناقب اخطب خوارزم)

اس کے بعد آپ نے خلافت کمیٹی کے سامنے اپنے وہ فضائل بیان کئے جو پیغمبرؐ نے آپکی شان میں بیان کیے تھے اور ہر حدیث کے بعد آپ ان سے پوچھتے جاتے کہ کیا میرے سوا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں پیغمبرؐ نے یہ فرمایا ہو۔ تو وہ جواب دیتے کہ یا علیؑ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے۔ بالآخر عبدالرحمن بن عوف نے ایک چال چلی اور انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا کہ میں آپکی کتاب خدا سنت رسول اور سیرت شیخین (ابوبکر و عمر کی سیرت) کی پیروی کرنے کی شرط پر بیعت کرتا ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ حضرت علیؑ نے نہ تو ابوبکر کی بیعت کی ہے اور نہ ہی عمر کی بیعت کی ہے۔ لہذا وہ ہرگز سیرت شیخین کی پیروی کی شرط پر خلافت کو قبول نہیں کرینگے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا میں کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کرونگا۔ لیکن مجھے سیرت شیخین کی پیروی قبول نہیں ہے۔

عبدالرحمن بن عوف نے یہ شرط حضرت عثمان کے سامنے پیش کی، اور انہوں نے اس شرط کو بلاچوں وچرا اور بلاحیل وحجت کے قبول کرلیا تو عبدالرحمن بن عوف نے السلام علیکم یا امیر المومنین کہہ کر حضرت عثمان کے بیعت کرلی، اور حضرت علیؑ یہ کہہ کر اٹھ آئے کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہم پر ظلم کیا ہے اور ہمارا حق غصب کیا ہے" ملاحظہ ہو:

تاریخ طبری الجزء الخامس صفحہ 37

تاریخ ابن خلدون الجزء الثامن مطبوعہ 1284ھ صفحہ 126

تاریخ الکامل الجزء الثالث صفحہ 27

تاریخ حبیب السیر جلد اول جزء چہارم صفحہ 28-27

تاریخ ابی الفدا الجزء الاول صفحہ 163

شمس التواریخ صفحہ 1217

اگر حضرت علی حضرت عمر کی مقرر کردہ کمیٹی یا شوریٰ میں شریک نہ ہوتے تو اس کمیٹی کے سامنے اپنے حقدار ہونے کا اعلان اور احادیث پیغمبر سے احتجاج کیسے کرتے۔ آپ نے خلافت کمیٹی کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے صاف صاف کہا کہ میں نے نہ ابوبکر کی بیعت کی اور نہ عمر کی بیعت کی بلکہ دونوں دفعہ اسلئے خاموش رہے کہ کہیں لوگ سارے ہی مرتد اور کافر ہو جائیں۔

جب حضرت ابوبکر نے اقتدار پر قبضہ کیا تو ان کے سامنے انہیں کی دلائل سے احتجاج کیا، حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کے وقت احتجاج کا موقع نہ ملا وہ حضرت ابوبکر کی وصیت نامہ کی رو سے خلیفہ بن گئے۔ اب تیسری مرتبہ احادیث پیغمبر سے احتجاج کرنے کا بڑا اچھا موقع تھا لہذا آپ نے خلافت کمیٹی کے سامنے احادیث پیغمبر سے احتجاج کیا اور خلافت کمیٹی سے منوالیا لیکن عبدالرحمن بن عوف نے حیلہ سازی سے سیرت شیخین کی پیروی کی شرط پیش کردی۔ تو آپ نے تخت حکومت کو ٹھوکر ماردی لیکن سیرت شیخین کو قبول نہ کیا۔

یہ ایک ایسی شہادت ہے جس کے مقابلہ میں کوئی بھی من گھڑت بات ثبوت کے لئے نہیں

ٹھہر سکتی۔ اوراس سے علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کی یہ دلیل باطل ہوگئی'' کہ: حضرت
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے منتخب ارکان شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شامل ہونا
اس حقیقت کا روشن برھان ہے۔ کہ جب شوریٰ میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں اوراس کے
فیصلہ کو تسلیم کرنے پر تیار ہیں تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر آپ کو کیا
اعتراض ہوسکتا ہے'' (تحفہ حسینیہ صفحہ 508 سطر 7تا10)

پس حضرت علیؑ کا خلافت کمیٹی یا شوریٰ میں شامل ہونا یہ بتلانے کے لیے تھا کہ
خلافت کے حقدار صرف وہی ہیں انہوں نے نہ ابوبکر کی بیعت کی نہ عمر کی بیعت کی ان کے
وقت میں ان کے دلائل سے احتجاج کیا اور اب احادیث پیغمبر سنا کر سب کو قائل کیا اور
سیرت شیخین کی شرط پر حکومت کو ٹھکرا کر ایسی شہادت پیش کر دی جسے علامہ اشرف سیالوی
اور انکے شیخ الاسلام قیامت تک رد نہیں کر سکتے۔ اور جب چوتھے نمبر پر آپ کو اقتدار ملا تو
آپ نے فرمایا'' الان اذ رجع الحق الیٰ اصله ونقل الی منتقله (نہج البلاغہ)
'' آج حق اپنی اصل کی طرف لوٹ آیا ہے اور جہاں اسے منتقل ہونا چاہیے تھا وہاں منتقل ہو
گیا ہے''

بہرحال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس کا واحد
منشور یہ تھا کہ نبوت اور حکومت وخلافت ایک ہی خاندان میں نہیں جانے دینگے حضرت
عثمان کے دور حکومت تک حضرت عمر ہی اس تحریک کے روح رواں رہے۔ اگر حضرت عثمان
غلطیوں پر غلطیاں نہ کرتے تو چوتھے نمبر پر بھی حضرت علیؑ کا خلیفہ بننا ممکن نہ تھا۔ حضرت عمر
اسکا بندوبست فرما چکے تھے اور شام کی گورنری کا مستقل پٹہ حضرت معاویہ کے نام لکھ چکے

تھے اگر حضرت عثمان کے حالات درست رہتے تو چوتھے نمبر پر ہی حضرت معاویہ خلیفہ بنتے۔
اگرچہ چوتھے نمبر پر وہ خلیفہ نہ بن سکے لیکن انہوں نے چوتھے نمبر پر حضرت علیؑ کے خلیفہ بننے
کو تسلیم نہ کر کے ان کے لئے ایسے مسائل پیدا کیے کہ یہ خلافت بنی امیہ اور بنی عباس کے
خاندانوں میں تو گھومتی رہے لیکن پھر خاندان رسالت کا رخ نہ کرے۔

دنیاوی انقلاب کا ایک عام دستور

دنیاوی انقلاب میں ہمیشہ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ جو بھی انقلاب برپا کر
کے برسر اقتدار آتا ہے وہ اس شخص کو جو اس حکومت پر اپنا حق جتاتا ہو تین طرح سے دبانے
کی کوشش کرتا ہے

(1) اپنی حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے جبر وتشدد
(2) اقتصادی ومعاشی طور پر بے دست وپا بنانا
(3) سنسر شپ یعنی اسکے حق میں جو اخبار ہیں انہیں چھپانا

یعنی لوگوں تک اس بات کے پہنچنے میں رکاوٹ ڈالنا جس سے ثابت ہو کہ اس حکومت کا
حقدار وہ ہے۔ پیغمبر کے بعد انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آنے والے مسلمانوں کی اس نئی
حکومت نے بھی انقلاب کے اس عمومی دستور پر پورے اور کامل طور پر عمل کیا ہے ہر ایک کی
تفصیل اسطور پر ہے

نمبر 1۔ اپنی حکومت کو تسلیم کرانے کے لئے جبر وتشدد

انقلاب برپا کرنے والوں نے دونوں دعویداران خلافت کے ساتھ جو سلوک کیا

اور جتنا ظلم ڈھایا اور جس طرح جبر و تشدد کیا وہ سابقہ اوراق میں تفصیل سے بیان ہو چکا لیکن سعد بن عبادہ نے قتل ہونا منظور کر لیا مگر بیعت نہیں کی اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی تمام تر ظلم و ستم اور جبر و تشدد برداشت کر کے بیعت نہیں کی اور اپنے حق کے چھن جانے پر صبر کر کے بیٹھ رہے اور خاموشی اختیار کر لی۔

نمبر 2۔ اقتصادی اور معاشی طور پر بے دست و پا کرنا

اہل بیت کے خمس کا حق روک لیا گیا

خداوند تعالیٰ نے مال خمس میں رسول کے اقرباءؑ کا ایک حصہ مقرر کیا تھا۔ جسکا حکم سورۃ انفال میں آیت نمبر 41 میں واضح طور پر آیا تھا پیغمبر خدا جب تک زندہ رہے اپنے اقرباء کو خدا کے حکم سے مقرر کردہ خمس کا یہ حصہ باقاعدگی سے دیتے رہے۔ لیکن حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے اہل بیت پیغمبر یعنی بنو ہاشم کا یہ حق روک لیا اور قرابتداران رسول کو خمس دینے سے انکار کر دیا۔ ملاحظہ ہو۔

مسند احمد حنبل الجزء الرابع ص 83

نیل الاوطار جلد 7 ص 281

تفسیر طبری جلد 10 ص 6

الفاروق شبلی حصہ دوم ص 246

مولانا شبلی کی الفاروق کی عبارت کے الفاظ اس طور پر ہیں "وہ (حضرت عمر) قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس نہیں دیا۔

(الفاروق حصہ دوم ص 246)

فدک پر قبضہ

جس طرح بنی نضیر کی جائداد بغیر لڑے ہاتھ آنے کی وجہ سے خالص رسول اللہ کی ملکیت تھی اور مالک ہونے کی حیثیت سے اس میں کچھ اراضی آپ نے بعض فقرائے مہاجرین و انصار کو ہبہ کر دی تھی اسی طرح فدک بغیر لڑے ہاتھ آنے کی وجہ سے آپکی ملکیت تھا۔ لہٰذا حکم خدا: " وآت القربی حقہ " کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر نے فدک کی جاگیر حضرت فاطمہ کے نام ہبہ کر دی تھی۔

تفسیر در منشور میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

" واخرج البزاز وابو یعلی و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ عن ابی سعد الخدری رضی اللہ عنہ قال لما نزلت ھذہ لایۃ وآت ذالقربی حقہ دعا رسول اللہ صلعم وسلما فاطمہ و اعطا ھا فدک و اخرج ابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال لما نزلت ، وآت ذالقربی حقہ " اقطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ فدکاً "

(تفسیر در المنثور سیوطی الجزء الرابع ص 177)

البزاز، ابو یعلی، ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے اپنے اپنے طریقے سے ابو سعید الخدری سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وآت ذالقربیٰ حقہ" تو جناب رسول خدا نے فاطمہؑ کو بلایا اور فدک آپکو ہبہ کر دیا۔

اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وآت ذالقربیٰ حقہ" تو جناب رسول خدا نے فدک فاطمہؑ کو ہبہ کر دیا۔ لیکن انقلاب کے کامیاب ہوتے ہی حکومت وقت نے فدک پر قبضہ کر لیا نور الدین سمہودی لکھتے ہیں۔

"ان ابا بکر انتزع من فاطمۃؑ فدک"

(وفاء الوفا باخبار المصطفےٰ نورالدین سمہودی الجزء الثانی باب السادس ص 161)

"یعنی ابوبکر نے فاطمہؑ سے فدک چھین لیا"

نورالدین سمہودی کی مذکورہ بالا عبارت یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ سے فدک چھین لیا تھا لیکن صحیح بخاری کی روایت میں خود حضرت عمر کے قول سے اس قضیہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ؛ "ثم توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فقبضها ابوبکر"

(صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی قول عمر)

ترجمہ: پھر خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے جوار رحمت میں بلالیا، پس ابوبکر نے کہا میں رسولؐ خدا کا ولی ہوں اسی بنا پر انہوں نے فدک کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ فدک پر حکومت کے قبضہ کرنے کے بعد حضرت فاطمہؑ زہرہ سلام اللہ علیہا نے دو دعوے اس قبضہ کے خلاف کئے۔

نمبر 1۔ ہبہ کا دعویٰ

حکومت کی طرف سے حضرت فاطمہؑ کا فدک چھین لینے کے بعد فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی طرف سے دعوائے فدک کا حال بلاذری نے اپنی تاریخ فتوح البلدان میں اس طرح لکھا ہے: "عن مالک بن جعونہ عن ابیہ قال قالت فاطمۃ لابی بکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل لی فدک فاعطنی ایاها و شهد لها ابن ابی طالب فسالها شاهداً اخر فشهدت لها ام ایمن فقال قد علمت یا بنت رسول اللہ لا تجوز الا شهادۃ رجلین او رجل و امراتین فانصرفت"

(تاریخ فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر 1350 ص 45-44)

ترجمہ: مالک بن جعونہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ نے ابوبکر سے فرمایا کہ جناب رسول خدا نے مجھ کو فدک ہبہ کر دیا تھا پس وہ مجھ کو واپس کر دو۔ اور ان کے دعوے کی تصدیق میں حضرت علیؑ نے شہادت دی۔ ابوبکر نے دوسرا گواہ مانگا تو ام ایمن نے حضرت فاطمہؑ کے دعوے کی تصدیق میں گواہی دی۔ اس پر ابوبکر نے کہا اے دختر رسول آپ جانتی ہیں کہ نہیں شہادت قبول کی جاتی مگر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی یہ سن کر حضرت فاطمہ واپس آ گئیں"

علامہ ابن حجر اپنی کتاب صواعق محرقہ میں حضرت فاطمہؑ کے دعوائے ہبہ کے بارے میں حضرت ابوبکر کی وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ودعواها انه صلی اللہ علیہ وسلم نحلها فدکا فات علیها الا بعلی و ام ایمن ولم یکمل نصاب البینه علی ان قبول الشهادة الزوج لزوجته خلافاً بین العلماء"

(صواعق محرقہ ابن حجر باب الاول فصل خامس ص 22)

ترجمہ: اور جناب فاطمہ کا دعویٰ کہ جناب رسول خدا نے انکو فدک ہبہ کر دیا تھا سو اس دعویٰ پر علی و ام ایمن کی شہادت انہوں نے پیش کی لیکن اس سے شہادت کا صحیح درجہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ علماء میں زوجہ کے حق میں اس کے خاوند کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف ہے۔

یہ دونوں شہادتیں اس ثبوت کیلئے کافی ہیں کہ حکومت نے حضرت فاطمہ زہرہ کے قبضہ سے فدک چھین لیا تھا اور حضرت فاطمہ زہراؑ نے اس کے خلاف دعویٰ کیا تھا کہ پیغمبرؐ نے انکو ہبہ کے ذریعہ فدک کا مالک بنا دیا تھا لہذا وہ انہیں واپس کیا جائے۔ فدک کے واپس نہ کرنے کے جواز میں تو بہت کچھ کہا گیا لیکن فدک پر قبضہ کرنے کا کسی کو بھی انکار نہیں ہے

وراثت کا دعویٰ اور حضرت فاطمہؑ کی ناراضگی

جب حکومت نے حضرت فاطمہؑ کے ہبہ کے دعوے پر فدک واپس نہ کیا تو حضرت فاطمہ نے وارثت کا دعویٰ کردیا۔ یعنی اگر تم ہبہ تسلیم نہیں کرتے ہو تو پھر میں پیغمبرؐ کی وارث ہوں مجھے وارث کی حیثیت سے فدک دیا جائے۔ صحیح بخاری باب الخمس میں اس دعوے کا حال اسطرح لکھا ہے

"ان عائشه ام المومنين رضى الله عنها اخبرته ان فاطمه عليها السلام بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم سالت ابابكر الصديق بعد وفات رسول الله صلى الله عليه وسلم لما يقسم لها ميراثها ما ترك رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم لما افاء الله عليه فقال لها ابا بكر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا نورث ماتر كناه صدقة فغضبت حتى توفيت"

(صحیح بخاری کتاب الخمس باب فرض الخمس)

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ نے ابوبکر صدیق سے سوال کیا کہ وہ انکی میراث کا حصہ اس ترکہ رسول میں سے دیں جو خداوند تعالیٰ نے جناب رسول خدا کو دیا تھا۔ تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ ہم پیغمبر لوگ میراث نہیں چھوڑتے ہمارا ترکہ صدقہ ہے اس پر جناب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر پر بہت غضبناک ہوئیں اور اسکے بعد ابوبکر سے کلام کرنا ترک کردیا اور ان سے کبھی کلام نہیں کیا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی حضرت فاطمہ کے میراث کے دعوے کا حال صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر میں اور ابن سعد کی طبقات الکبریٰ جلد 2 ص 86 میں اور تاریخ طبری الجزء الثالث ص 402 میں اور دوسری

حدیث وتاریخ وسیرت کی تمام مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے قرآن سے بھی استدلال کیا۔

حضرت عمر کا حضرت فاطمہؑ سے وثیقہ لیکر چاک کرنا

سبط ابن جوزی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کے استدلال سے قائل ہوکر وثیقہ لکھ دیا تھا مگر حضرت عمر نے وہ وثیقہ حضرت فاطمہ سے چھین کر پھاڑ ڈالا جیسا کہ انسان العیون میں ہے کہ: وفى كلام سبط ابن جوزى رحمه الله انه رضى الله عنه كتب لها بفدك و دخل عليه عمر رضى الله عنه فقال ما هذا فقال كتاب كتبته لفاطمه بميراثها عن ابيها . فقال ماذا تنفق على المسلمين قد حاربتك العرب كما ترى ثم اخذ عمر الكتاب فشقه

(انسان العیون فی سیرۃ المامون الجزء الثالث ص 400)

ترجمہ: سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ حضرت فاطمہؑ کو لکھ کر دیدیا تھا لیکن عین اسی وقت حضرت عمر آ گئے۔ اور پوچھا کہ یہ کیا ہے حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ وثیقہ ہے جو میں نے فاطمہؑ کے حق میں اس کے باپ کی میراث فدک کی بابت لکھ دیا ہے حضرت عمر نے کہا کہ پھر مسلمانوں کو کہاں سے کھلائیگا۔ دیکھتا نہیں کہ تمام عرب تجھ سے جنگ پر آمادہ ہے پس حضرت عمر نے وہ وثیقہ چھین کر چاک کر ڈالا حضرت ابوبکر کی نئی قائم ہونے والی حکومت نے یہ کام ٹھیک کیا یا غلط کیا۔ اس پر بحثیں جاری رہیں گی لیکن حضرت فاطمہؑ کے دعووں نے اس حکومت کو بروقت ننگا کردیا۔ اور آنے والی نسلوں پر انکی حقیقت کو عریاں کردیا ہے۔

فدک کے مسئلہ پر بہت ہی مستند کتابوں میں مبسوط بحثیں کی گئی ہیں لہذا ہم اس پر

کسی قسم کی بحث کرنیکی بجائے صرف مولوی صدرالدین حنفی کی کتاب روائح مصطفے مطبوعہ مطبع کانپور سے ایک اقتباس نقل کر کے فدک کے موضوع کو ختم کردینگے ۔ مولوی صدرالدین حنفی اپنی مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں۔

"بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گذشت مثل معاملہ فدک وسقط شدن حمل او۔و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار کہ بسیار طول دارد و ذکر کردن او لے تراست وصیت نمودند حضرت زہرا کہ ہیچ کس بر جنازہ او حاضر نشود۔ دلیل صریح است برآں کہ حضرت زہرا آزردہ وملول از دنیا رفت اکنوں تاویل ہر چہ خواہند بکنند ومرثیہ برائے پیغمبر انشاء نمودہ یک بیت از اول قصیدہ ایں است " صبت علی مصائب لو انها صبت علی الایام صرن لیا
لیا

(روائح المصطفےٰ ص 37-36)

ترجمہ: پیغمبر کی وفات کے بعد بہت سے واقعات گذرے ۔ مثلاً فدک کا معاملہ ۔ حضرت فاطمہؑ کے حمل کا ساقط ہونا۔ اور حضرت عمر خطاب کا ان بنی ہاشم کو دھمکیاں دینا جو حضرت فاطمہؑ کے گھر میں جمع تھے۔ اور حضرت فاطمہؑ کا انصار کے سامنے نالہ وشیون کرنے کے واقعات بہت طولانی ہیں اور انکا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے ۔ اور حضرت زہراؑ کا وصیت کرنا کہ کوئی شخص ان کے جنازے پر نہ آنے پائے اس بات کی صریح دلیل ہے کہ حضرت زہراؑ آزردہ اور ملول دنیا سے رخصت ہوئیں اب تاویلیں جو کچھ چاہے کرتے رہیں آپ نے پیغمبر کے لئے مرثیہ کہا جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

۔ اے بابا جان اے رسول خدا آپ کے بعد مجھ پر وہ مصیبتیں گذریں کہ اگر
ایسی مصیبتیں دنوں پر پڑتیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔

سنسر شپ کا نفاذ

انقلاب کے ذریعہ قائم ہونے والی حکومت کا ایک عام دستور یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ان تمام خبروں پر سنسر شپ عائد کر دیتی ہے جو اس کی حکومت کے خلاف ہوں اور نقصان دہ ہوں۔ اور سابقہ حکومت یا اصل حقدار حکومت کی تائید کرتی ہوں یا انکی تعریف اور فضیلت کو بیان کرنے والی ہوں۔

پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی مسلمانوں کی حکومت نے بھی اس عمومی دستور پر اتنی سختی کے ساتھ عمل کیا کہ شائد ہی کسی انقلاب برپا کر کے آنے والی حکومت نے اتنی سختی کے ساتھ اخبار پر سنسر شپ عائد کی ہو چنانچہ انکی طرف سے پیغمبرؐ کی فرمودہ احادیث کو بیان کرنے ،جمع کرنے یا محفوظ رکھنے تک کو ممنوع قرار دیدیا اور جنکے پاس جمع شدہ موجود تھی انکو تلف کرادیا۔ احادیث کی ممانعت کے بیان سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے احادیث کی اہمیت اور حیثیت پر روشنی ڈالی جائے۔

احادیث کی اہمیت وحیثیت اور مقام کا بیان

سورہ الرحمٰن کی دوسری اور چوتھی آیت اور سورۃ القیامۃ کی انیسوی آیت اور سورۃ آل عمران کی ساتویں آیت یہ کہتی ہیں۔ کہ قرآن کریم کی تعلیم بھی پیغمبر کو خدا نے ہی دی اور پھر اسکا مطلب ومفہوم ،توضیح وتفسیر ،تاویل وتشریح اور اصل مراد بھی خدا ہی نے اپنے حبیب کو تعلیم فرمائی۔ اسی لئے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سابق صدر جمعیت اہل حدیث نے اپنے رسالہ "جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث" مطبوعہ گوجرانوالہ میں یہ لکھا ہے کہ "تحقیق وتثبیت کے بعد حدیث کا ٹھیک وہ مقام ہے جو قرآن عزیز کا ہے۔ اس کے انکار کا ایمان اور دیانت

پر بالکل وہی اثر ہے جو قرآن عزیز کے انکار کا ہے۔

(مقام حدیث شائع کردہ طلوع اسلام لاہور ص 26
بحوالہ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص 48)

اس کے بعد اگلے صفحہ پر اس طرح لکھتے ہیں۔

حدیث بھی وحی ہے۔ جبرئیل، قرآن اور سنت دونوں لے کر نازل ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کو سنت بھی قرآن کی طرح سکھاتے تھے۔ اس لحاظ سے ہم وحی میں تفریق نہیں کرتے۔

(مقام حدیث شائع کردہ طلوع اسلام لاہور ص 26
بحوالہ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص 48)

اگرچہ طلوع اسلام والوں نے احادیث کا مذاق اڑایا ہے لیکن جماعت اسلامی کا مذکورہ نظریہ حدیث سو فیصد درست ہے کیونکہ جب قرآن یہ کہتا ہے کہ ما یعلم تاویلہ الا اللہ یعنی اسکی تاویل سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ تو اگر خدا نے قرآن کریم کی ان آیات کا مطلب و مفہوم نہ بتلایا ہو تو قرآن کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ پھر وہ سورۃ القیامۃ میں واضح الفاظ میں کہتا ہے۔ "ثم ان علینا بیانہ" یعنی قران پڑھانے کے بعد اسکا مطلب اسکا مفہوم اسکی تاویل اسکی تشریح۔ اسکی توضیح اسکی تفسیر اور اسکی صحیح مراد کا سکھانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ بنابریں صحیح احادیث پیغمبرؐ بھی اسی طرح سے ہدایت کا سرچشمہ ہیں جس طرح قرآن کریم لوگوں کے لئے کتاب ہدایت ہے۔

لہذا احادیث پیغمبرؐ کو بیان کرنے سے منع کرنا لوگوں کو ہدایت سے دور رکھنے کے مترادف ہے۔ یہ دنیاوی حکمرانوں کا شیوہ تو ہو سکتا ہے کہ اپنی حکومت کو استحکام اور اپنے مخالفوں کو دبانے کے لئے ایسی چیزوں کو نشر ہونے سے روک دیں جو انکی حکومت کے خلاف جاتی ہوں اور ان کے مخالف کے حق میں ہوں۔ لیکن پیغمبر کے جانشین کہلانے والوں کے

لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی ان احادیث کو بیان کرنے سے روکیں جن میں امت کے لئے ہدایت کا سامان ہے

پیغمبرؐ کے بعد قائم ہونے والی حکومت کا احادیث کیساتھ سلوک

کتاب "مقام حدیث" میں صحابہ کا عمل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ امام ذھبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ: "حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میرے والد حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کیا اور انکی تعداد 500 تھی پھر ایک شب میں دیکھا گیا کہ وہ (یعنی حضرت صدیق اکبر بہت زیادہ کروٹیں بدل رہے ہیں) میں نے عرض کیا کہ آپ یہ کروٹیں کسی جسمانی تکلیف کی وجہ سے بدل رہے ہیں یا کوئی خبر آپ تک پہنچی ہے، جسے سن کر آپ بے چین ہو رہے ہیں۔ آپ نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا بیٹی ان حدیثوں کو لاؤ جو تمھارے پاس ہیں پھر آگ منگائی اور اس نسخہ کو جلا دیا"

(مقام حدیث ص 7 بحوالہ تدوین حدیث 285,88)

حضرت ابوبکر رات بھر کروٹیں بدلتے رہے۔ اور ساری رات بے چین رہے بیٹی کے پوچھنے پر بھی سبب نہ بتلایا۔ حتما ان احادیث میں وہ احادیث موجود تھیں جن میں پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد حضرت علیؑ کی امامت وخلافت وولایت کا اعلان کیا تھا۔ اور یقینی طور پر ان میں حضرت علیؑ اور اہل بیت پیغمبرؐ کے فضائل کی احادیث تھیں لہذا اس تصور سے کہ میری ہی لکھی ہوئی حدیثیں لوگ مجھے دکھا کر کیا کہیں گے؟ کہ جب پیغمبرؐ نے اپنے بعد کے لئے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ اپنا نائب اپنا جانشین، امام امت اور ھادی خلق ہونے کا اعلان کر دیا تھا تو تم تخت خلافت پر کیوں بیٹھے۔ پس اس تصور سے ساری رات کروٹیں بدلتے رہے اور

ساری رات بے چین رہے۔ بیٹی کے پوچھنے پر بھی وجہ نہ بتلائی اور صبح کو بیٹی سے وہ 500
احادیث کا مجموعہ منگا کر جلا دیا۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ایک معمولی سی عقل کا آدمی
بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اگر وہ احادیث حلال وحرام سے متعلق ہوتیں یا، عبادات و
اخلاقیات سے متعلق ہوتیں یا معاملات وعقود سے متعلق ہوتیں تو حضرت ابوبکر کو رات بھر
کروٹیں بدلنے اور بے چین رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ کتاب مقام حدیث کے صفحہ نمبر 7
کے حوالے سے جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر نے
رات بھر کروٹیں بدلنے اور بے چین رہنے کے بارے میں بیٹی کے پوچھنے پر بھی کوئی جواب
نہیں دیا۔ اور کوئی سبب نہ بتلایا اور صبح کو 500 احادیث کا مجموعہ بیٹی سے منگوا کر جلا دیا

علامہ محمد اسلم صاحب جیراج پوری اسطرح لکھتے ہیں۔ "حضرت ابوبکر نے ایک
مجموعہ احادیث بھی لکھا تھا۔ جس میں تقریبا 500 حدیثیں تھیں۔ مگر آخر میں حضرت عائشہ
سے لیکر آگ سے جلا دیا۔ کیونکہ ان کو خیال ہوا کہ ممکن ہے میں نے کسی کو معتبر سمجھ کر کوئی
روایت اس سے لکھ دی ہو اور حقیقت وہ معتبر نہ ہو"

(مقام حدیث ص 93 بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذھبی)

اس مضمون میں واقعہ تو صرف 500 احادیث کو جلانے کا بیان ہوا۔ لیکن کیوں
جلایا؟ اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو خیال ہوا۔ لیکن اگر ان کو یہ خیال ہوا ہوتا تو
بیٹی کو بتلانے میں کیا حرج تھا۔ اور جب بیٹی ہی کو نہ بتلایا۔ جو اس روایت کی راویہ ہیں تو پھر
بعد میں لوگوں کو ان کے دل کی بات کا کیسے پتہ چلا کہ انہوں نے اس خیال سے اپنے مجموعہ
احادیث کو جلایا۔

پھر اس بیان میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے میں نے کسی کو معتبر
سمجھ کر کوئی روایت اس سے لکھ دی ہو اور وہ حقیقت میں معتبر نہ ہو۔ کوئی عقلمند انسان اس بات

کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضرت ابوبکر نے اس خیال سے اپنے مجموعہ احادیث کو جلایا ہوگا کہ اس
میں کوئی روایت کسی غیر معتبر راوی سے لکھ دی ہو اور وہ معتبر نہ ہو۔

یہ بات تابعین یا تبع تابعین میں سے تو کوئی کہہ سکتا ہے پیغمبرؐ کے ساتھ رہنے
والے صحابی سے یہ بات ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ تو پیغمبرؐ کے صحابی تھے۔ لہذا یقینا انہوں نے
وہ احادیث پیغمبرؐ سے ہی سن کر لکھی تھیں۔ اور اگر کوئی ایک آدھ روایت کسی اور صحابی سے سن
کر بھی لکھ دی ہو تو اگر وہ اہل سنت کے اس دعوئے کہ "الصحابۃ کلھم عدول" کے
باوجود اس صحابی سے ایسے ہی بدگمان تھے تو لکھنے سے پہلے ہی پیغمبرؐ سے پوچھ سکتے تھے کہ یا
حضرت مجھ سے آپ کے فلاں صحابی نے آپکی یہ حدیث بیان کی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے اور واقعا
آپ نے فرمائی ہے۔ تو آنحضرتؐ اسکی تصدیق فرما دیتے یا تردید کر دیتے اور فرماتے کہ
میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا، کہ ہر وقت پیغمبر کے ساتھ رہنے کے باوجود انہوں
نے پیغمبر سے خود کوئی حدیث نہ سنی ہو، اور ساری کی ساری دوسرے اصحاب کی ہی بیان کردہ
ہوں لہذا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ وہ ایسی بات کا خیال دل میں لاتے۔ پھر کسی ایک آدھ
روایت کو غیر معتبر راوی کی سمجھ کر ان تمام احادیث کو جو انہوں نے خود اپنے کانوں سے سنی
تھیں جلا دینا ہرگز قرین عقل نہیں ہے اور آئندہ آنے والی نسلوں کو ان ہدایت سے پر
احادیث سے محروم کرنا انتہائی ظلم ہے۔ پھر وہ ایک آدھ روایت جو انہوں نے دوسرے صحابی
سے نقل کی تھی اگر وہ اس صحابی کو سچا نہیں سمجھتے تھے یا غیر معتبر جانتے تھے تو وہ ایک آدھ
روایت مٹائی جا سکتی تھی۔ لیکن پیغمبرؐ کی بیان کی ہوئی اور اپنے کانوں سے سنی ہوئی احادیث کو
جلانا کسی اور ہی بات کی غمازی کرتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر اتنے بھی نا سمجھ نہیں تھے کہ پیغمبر
کی سچی احادیث اپنے کانوں سے سنکر خود لکھنے کے باوجود۔ بالفرض اگر کوئی ایک آدھ
حدیث کسی دوسرے صحابی سے سن کر لکھ ہی لی تھی تو ساری ہی سچی احادیث کو جلا دیتے اور کسی

ایک آدھ روایت کا کسی ایسے صحابی سے نقل کرنا جسے انہوں نے غیر ثقہ اور غیر معتبر سمجھا تھا ایسی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ رات بھر بے چین رہے اور کروٹیں بدلتے رہے۔ البتہ وہ ایک بات جوان کو رات بھر کروٹیں بدلواتی رہی اور ساری رات انہیں بے چین کئے رہی وہ حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث ہی ہو سکتی تھیں یعنی وہ حضرت علیؑ کے اعلان خلافت وو لایت وامامت کی احادیث تھیں۔ لہذا اس بات نے انہیں ساری رات بے چین رکھا اور اسی نے ساری رات کروٹیں بدلوائیں کہ جب لوگ ان احادیث کو پڑھیں گے تو مجھے کیا کہیں گے؟ کہ تم نے خود پیغمبرؐ سے یہ احادیث نقل کی ہیں اور پھر بھی پیغمبرؐ کی مخالفت کر کے تم نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔

ارباب اقتدار کی خیالی وقیاسی و بناوٹی باتوں سے صفائی پیش کرنے والے، ارباب اقتدار کے دامن سے اس داغ کو ہرگز نہ دھوسکیں گے۔ مذکورہ پانچ سو (500) احادیث کوجلانے کا واقعہ اہل سنت کے بہت سے علماء اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے۔ تدوین حدیث کے مصنف نے اپنی کتاب تدوین حدیث میں لکھا ہے مقام حدیث کے مصنف نے اپنی کتاب مقام حدیث میں لکھا ہے۔ فضائل اعمال کے مصنف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے فضائل اعمال میں لکھا ہے اور علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں حضرت ابوبکر کے 500 احادیث کے مجموعہ کوجلانے کے واقعہ کو اسطرح لکھا ہے۔

"علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں حضرت ابوبکر کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکر تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے 500 حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ لیکن پھر ان کو آگ میں جلادیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے

روایت کی ہو اور در حقیقت وہ ثقہ نہ ہو۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 523)

حضرت ابوبکر کا اپنی جمع کردہ 500 احادیث کا جلانا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن کیوں جلائی؟ یہ صرف ارباب اقتدار کی جھوٹی صفائیاں دینے والوں کی قیاس آرائیاں ہیں۔ کیونکہ یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے اور اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ کے پوچھنے پر بھی کوئی سبب نہ بتلایا۔ اور صبح کو بیٹی سے لیکر وہ احادیث کا مجموعہ جلادیا۔ بعد والے حیران تھے کہ احادیث پیغمبر جلانے کا کیا سبب بتلائیں لہذا ہر ایک نے قیاس سے کام لیا جس کا تحقیق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت اور امر واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت ابوبکر نے پیغمبر اکرمؐ کی زبان مبارک سے خود اپنے کانوں سے سن کر 500 احادیث کا جو مجموعہ تحریر فرمایا تھا اسے جلادیا۔ اور جلانے سے پہلے اس رات ساری رات بے چین رہے اور کروٹیں بدلتے رہے اور اس بات کی گواہ خود انکی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہ ہیں۔ اور انکے عقیدمندوں کی جھوٹی صفائیاں اور قیاس آرائیاں بے سود ہیں کیونکہ قرائن اور بعد کے حالات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کے جمع کئے ہوئے اس 500 احادیث کے نسخے میں حضرت علیؑ کے فضائل اور حضرت علیؑ کی امامت و خلافت ولایت کے بارے میں پیغمبرؐ کی احادیث تھیں۔ تاکہ انہیں بھی اور ارباب اقتدار کی جھوٹی صفائیاں دینے والوں اور خواجہ قمر الدین سیالوی اور محمد اشرف سیالوی جیسے اندھی طرفداری کرنے والوں کیلئے یہ کہنے کی گنجائش نکل آئے کہ آنحضرت نے اپنے بعد کے لئے کسی کو اپنا جانشین نہ بنایا تھا۔

احادیث کے ساتھ حضرت عمر کا سلوک

حضرت ابوبکرکو بعد حضرت عمر کا دور حکومت آتا ہے انکا طرز عمل احادیث پیغمبرؐ کے بارے میں کیا تھا۔ کتاب مقام حدیث میں علامہ ابن عبدالعزیز کی کتاب جامع بیان العلم کے حوالہ سے اسطرح لکھا ہے۔ ''حضرت عمر ابن الخطاب نے چاہا کہ سنن یعنی حدیثوں کو لکھوایا جائے تب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے فتویٰ طلب کیا تو لوگوں نے بھی یہی کہا کہ حدیثیں لکھوالی جائیں''

(مقام حدیث صفحہ 7 بحوالہ جامع بیان العلم علامہ ابن عبدالعزیز)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے صحابیوں سے احادیث رسول کے لکھوانے کا فتویٰ مانگا تھا اس پر سب صحابیوں نے متفقہ طور پر لکھوانے کا فتویٰ دیا تھا۔ لیکن پھر کیا ہوا، لکھتے ہیں۔

لیکن لوگوں کے اس مشورہ سے حضرت عمر کا قلب مطمئن نہ ہوا۔ چنانچہ کامل ایک ماہ تک حضرت عمر اس معاملہ میں استخارہ کرتے رہے۔ پھر ایک دن جب صبح ہوئی اور اس وقت حق تعالیٰ نے فیصلہ میں یکسوئی کی کیفیت ان کے قلب میں عطا کر دی تھی۔ حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ میں نے حدیثوں کو قلمبند کرانے کا ارادہ کیا تھا۔ پھر مجھے ان قوموں کا خیال آیا جو تم سے پہلے گذری ہیں کہ انہوں نے کتابیں لکھیں اور ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ بیٹھیں۔ اور قسم ہے اللہ کی میں اللہ کی کتاب کو دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرنا نہیں چاہتا۔

(مقام حدیث ص 8-7 بحوالہ تدوین حدیث ص 394)

ارباب اقتدار کی طرفداری کرنے والے، صاحبان اقتدار کی ہر غلط سے غلط بات کو صحیح قرار دینے پر بالکل تیار نظر آتے ہیں گویا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی احادیث مبارکہ اللہ کی کتاب کے خلاف کوئی دوسری چیز تھیں۔ حالانکہ ہم اس کتاب میں اپنے سابقہ

عنوان ''احادیث کی اہمیت وحیثیت اور مقام کا بیان'' میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ احادیث پیغمبرؐ قرآن کریم کی آیت وعلمہ البیان کے مطابق اور ثم ان علینا بیانہ کے مطابق آیات قرآن کی توضیح وتفسیر تشریح وتاویل ہوتی تھیں جو خدا نے ہی تعلیم فرمائی تھیں۔ اس لئے بہت سے بزرگ علمائے اہل سنت نے اس بارے میں یہ کہا ہے کہ ''حدیث بھی وحی ہی ہوتی ہے'' اب یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے پہلے تو اصحاب پیغمبر سے فتویٰ مانگا لیکن اصحاب پیغمبر کے فتویٰ دینے کے بعد ایک ماہ تک احادیث کے لکھوانے کے نتیجہ پر غور کرتے رہے۔ اور انکو لکھوانے سے روکنے اور منع کرنے کی ترکیبیں سوچتے رہے، اور پھر ان پر چودہ طبق روشن ہو گئے کہ اگر پیغمبرؐ کی تمام احادیث لوگوں تک پہنچ گئیں تو کام خراب ہو جائیگا۔ لہذا ایک عذر لنگ گھڑا اور ایک انوکھی ترکیب نکال کر یہ حکم نافذ کر دیا کہ قسم ہے اللہ کی کہ میں اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرنا نہیں چاہتا، لیکن آئندہ کے واقعات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ صرف ان احادیث کو لکھنے سے روکنے کا ایک بہانہ تھا جن میں حضرت علیؑ کی امامت وخلافت وولایت کا بیان ہوا تھا اور اس کے لئے انہوں نے اصحاب کے متفقہ فتویٰ کو بھی مسترد کر دیا۔

سنسر شپ میں سختی اور جمع شدہ احادیث کو جلانے کا حکم

مقام حدیث کا مصنف لکھتا ہے کہ:

یہی نہیں کہ حضرت عمر نے فیصلہ کر دیا کہ حدیث کو جمع اور مدون نہیں کرنا چاہیے بلکہ وہ ایک قدم آگے بڑھے۔ چنانچہ طبقات میں ہے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں حدیثوں کی کثرت ہو گئی تو آپ نے لوگوں کو قسمیں دے دے کر حکم دیا کہ ان حدیثوں کو ان کے پاس پیش کریں۔ حسب الحکم لوگوں نے اپنے مجموعے حضرت عمر کے پاس پیش کر دیئے تب آپ نے انہیں

جلانے کا حکم دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد 5 ص 141)

(تدوین حدیث ص 399، مقام حدیث ص 8)

اس سے ثابت ہوا کہ اصحاب پیغمبرؐ نے اتنی روک ٹوک کے باوجود احادیث پیغمبرؐ کے اپنے اپنے مجموعہ ہائے احادیث تحریر کر لئے تھے۔ جب حضرت عمر کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے ان اصحاب کو قسمیں دے دے کر ان کے مجموعہ ہائے احادیث کو حاصل کیا، اور ان سب سے لیکر آگ سے جلایا۔

اس کے بعد کتاب مقام حدیث کا مصنف لکھتا ہے کہ: ''یہ کچھ دارالخلافہ میں ہوا۔ اس کے بعد کیا ہوا اس کے متعلق حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں یہ روایت نقل کی ہے۔ ''حضرت عمر ابن الخطاب نے پہلے تو یہ چاہا کہ حدیثوں کو قلمبند کرلیا جائے۔ مگر پھر ان پر واضح ہوا کہ قلمبند کرنا مناسب نہ ہوگا۔ تب الاحصار یعنی چھاونیوں اور دیگر اضلاعی شہروں میں یہ لکھ کر بھیجا کہ جس کے پاس حدیثوں کے سلسلہ کی کوئی چیز ہو چاہیے کہ اسے محو کردے یعنی ضائع کردے۔

(جامع بیان العلم جلد 1 ص 65)

(تدوین حدیث ص 400، مقام حدیث ص 8)

اس کے بعد مزید شدت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

مزید شدت: حضرت عمر نے اس باب میں اور بھی شدت سے کام لیا۔ آپ لوگوں کو حدیثوں کی اشاعت سے سختی سے روکتے تھے۔ قرہ بن کعب راوی ہیں کہ حضرت عمر نے ہم لوگوں کو عراق بھیجا۔ تو ہمیں تاکید کردی کہ یاد رکھو کہ تم ایسے مقام پر جا رہے ہو جہاں کے لوگوں کی آوازیں قرآن پڑھنے میں شہد کی مکھیوں کی طرح گونجتی ہیں تم ان کو احادیث میں الجھا کر قرآن سے غافل نہ کردینا۔

(مقام حدیث ص 10 بحوالہ تذکرہ حفاظ ذھبی)

یہ بھی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود ابودرداء۔ ابو مسعود انصاری کو کثرت روایت کے جرم میں قید کردیا تھا۔

(مقام حدیث ص 10 بحوالہ تذکرہ حفاظ ذھبی)

ایک غیر جانبدار آدمی بڑی آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کرسکتا ہے، کہ اتنے بزرگ صحابہ کو محض اس جرم میں کہ وہ حضرت عمر کے روکنے کے باوجود احادیث پیغمبرؐ بیان کرنے سے نہ رکے قید کرنا صرف ان احادیث کے بیان کرنے کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ جس سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے انقلاب پر زد پڑتی تھی۔ چنانچہ آئندہ کے واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ احادیث جو یہ بزرگ اصحاب پیغمبر بیان کررہے تھے حضرت علیؑ کی خلافت وامامت، ولایت کے بارے میں پیغمبر اکرم کی فرمودہ تھیں چونکہ ان احادیث کی اشاعت سے ان کے انقلاب پر زد پڑتی تھی لہذا حکومت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہی احادیث کے بیان کرنے پر حضرت عمر نے ان بزرگ اصحاب پیغمبر کو قید کیا تھا۔

حضرت عمر کی احادیث پیغمبرؐ سے بے خبری

بہت سے واقعات جو ارباب اقتدار کے مداح انکی تعریف اور مدح کے طور پر بیان کرتے ہیں ایسے ہیں، جو حضرت عمر کی احادیث سے قطعی لاعلمی اور بے خبری پر شاہد ہیں۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ یا تو انہیں اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے احادیث سننے کا موقع ہی بہت کم ملتا تھا۔ یا پھر وہ آنحضرت کی باتوں کو سنی اور ان سنی کردیتے تھے۔ یا اپنے خیالات میں مگن آنحضرت کی باتوں کو غور سے نہیں سنتے تھے کیونکہ بعض اصحاب پیغمبرؐ کے درس میں ایسے بھی ہوتے تھے جنکے بارے

میں خود قرآن میں یہ آیا ہے کہ:

"و منھم من یستمع الیک حتیٰ اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال انفاً اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم واتبعوا اھوآء ھم"

(محمد-16)

ترجمہ: اور (اے رسول آپکی باتیں سننے والوں میں) بعض ایسے ہیں جو (سننے کیلئے) تیری طرف کان تو لگائے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب (سب کچھ سن سنا کر) تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی ابھی کیا کہا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے (خواہشوں کی) مہر لگا دی ہے اور یہ صرف اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں" بہر حال حالات و واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت عمر اکثر احادیث پیغمبرؐ سے لاعلم اور بے خبر تھے۔ حضرت ابو بکر کے دور حکومت میں بھی اور حضرت عمر کے دور حکومت میں بھی احادیث کے بیان کرنے پر ان دونوں بزرگ اصحاب نے سختی کے ساتھ پابندی لگادی تھی۔ حضرت ابو بکر نے اپنی جمع کی ہوئی 500 احادیث جلادی تھیں حضرت عمر نے ان اصحاب کو جنہوں نے احادیث پیغمبر جمع کر لی تھیں انہیں قسمیں دے دے کر انکے احادیث کے مجموعے حاصل کر کے جلا دیئے اضلاع اور چھاونیوں میں احکام بھیج دیئے کہ جس کے پاس احادیث پیغمبر میں سے کچھ ہو اسے محو کر دیں اور ضائع کر دیں۔ قرآن کریم میں بہت سے احکام اجمالی طور پر تھے۔ انکی وضاحت احادیث پیغمبر میں ہی ملتی تھی، بہت سی باتیں" ثم ان علینا بیانه "کے مطابق قرآن کی توضیح و تشریح و تفسیر کے طور پر احادیث میں ہی وارد ہوئی تھیں۔ ان احادیث کے علاوہ علیحدہ سے کوئی قانون شریعت مدون نہیں تھا۔ لہذا ایک وقت ایسا آیا کہ خود حضرت عمر کو ان احادیث کی ضرورت پڑ گئی۔ اور انہوں نے اصحاب پیغمبرؐ کو جمع کر کر کے ان مسائل سے متعلق پوچھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں "احادیث کا تفحص" کے زیر عنوان اسطرح لکھا ہے۔

احادیث کا تفحص

"حضرت عمر کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے۔ کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تا کہ یہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے مطابق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی صورت پیش آتی تو حضرت عمر مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے۔ پکار کر کہتے اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے۔ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

(الفاروق شبلی ص 513 دوسرمدنی ایڈیشن 1970)

اللہ اللہ کیا انقلاب ہے۔ یا تو حدیثوں کے اتنے دشمن اتنے مخالف، کہ اصحاب کو قسمیں دے دے کر ان کے لکھے ہوئے مجموعہ احادیث کو آگ میں جلا دیا۔ اور اصحاب پیغمبرؐ کو احادیث بیان کرنے سے سختی کے ساتھ منع کر دیا اور جو اصحاب پیغمبرؐ کی احادیث بیان کرنے سے نہ رکے ان بزرگ اصحاب پیغمبر کو قید کر دیا۔ جن میں عبداللہ ابن مسعود، ابو درداء اور ابو مسعود انصاری کے نام خاص طور پر لئے جاتے ہیں۔ یا احادیث کی اتنی ضرورت اور تلاش کہ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے تھے کہ اس مسئلہ میں کسی کو کوئی حدیث معلوم ہو تو بتاؤ۔ عقیدت میں کوئی اندھا بنا رہے تو وہ اور بات ہے لیکن یہ تمام حالات و واقعات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ کہ حضرت عمر کو احادیث پیغمبرؐ کا کوئی علم نہیں

تھا۔ یا تو انہیں پیغمبرؐ کی احادیث کو اپنی مصروفیات کی وجہ سے سننے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ یا وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی باتوں کو سننے کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ اور انکا دھیان کہیں اور ہوتا تھا۔ لیکن اب ضرورت پڑنے پر بھی صرف ان ہی احادیث کے بارے میں معلوم کرتے تھے جو ان کو پیش آنے والے مسائل کے لئے ضروری تھیں۔ لیکن وہ احادیث جو ان کو پیش آنے والے مسائل کے لئے ضروری نہ تھیں ان کے لئے حیلوں بہانوں سے منع کرتے رہتے تھے اور ایسے اصحاب پیغمبرؐ جو حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنے سے نہیں رکتے تھے انہیں وہ یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ تم حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث کیوں بیان کرتے ہو لہٰذا کثرت سے حدیث بیان کرنے کا بہانہ کر کے انہیں قید کر دیا۔ جیسا کہ علامہ ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "ان عمر حبس ثلثہ ابن مسعود، وابا درداٰء وابا مسعود انصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

(الفاروق شبلی ص 521 بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی)

حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود، ابو درداء وابو مسعود انصاری کو قید کر دیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت زیادہ احادیث بیان کر دی ہیں اور شبلی صاحب نے حضرت عمر کے احادیث کی چھان بین کے نام سے اس طرح لکھا ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے۔ حضرت عمر اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کہاں ہیں۔ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دونگا"۔

(الفاروق شبلی ص 518)

اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا مغیرہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمر نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ چنانچہ محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمر نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباس کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر نے تائیدی شہادت طلب کی

(الفاروق شبلی ص 579)

یہ چھان بین در پیش مسائل کے بارے میں تھی، لیکن باقی احادیث کے بارے میں انہوں نے ایک اور ترکیب نکالی جسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا حصہ دوم ص 141 پر اور علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الفاروق میں "احادیث میں فرق مراتب کے عنوان کے تحت اسطرح لکھا ہے۔

احادیث میں فرق مراتب

"حدیث کی تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر نے جو کچھ کیا۔ اگر چہ وہ خود مہتم بالشان کام تھے۔ لیکن اس باب میں انکی فضیلت کا اصل کارنامہ ایک اور چیز ہے۔ جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمر نے اس میں جو نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا۔ اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتنا کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینہ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اس بناء پر حضرت عمر نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات، یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے۔ جو حدیثیں ان مضامین

سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت کے وہ اقوال وافعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مخلوط نہ ہونے پائیں"۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 516)

اس بیان سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہے کہ اب بھی صرف انہیں احادیث کی جستجو تھی۔ اور نشر و شاعت کا اہتمام تھا جو عبادات، معاملات اور اخلاقیات سے متعلق تھیں لیکن جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی طرف اب بھی رخ نہیں کیا۔ اور انہیں بشری حیثیت سے قرار دے کر ترک کر دیا۔ نہ صرف آنحضرت کے بعد جن احادیث کو حضرت عمر نے روکا انہیں ارباب اقتدار کی صفائی دینے والوں نے بشری تقاضوں کے تحت کہی ہوئی قرار دے دیا بلکہ آنحضرت کی زندگی میں بھی حضرت عمر کی آنحضرت سے صریح مخالفت کو بھی بشری حیثیت کی باتوں میں قرار دے دیا۔ جیسا کہ علامہ شبلی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ: شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا۔ اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کرسکتا۔ اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمر ہیں۔ کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے (ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت نے عبداللہ ابن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا "آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں" قیدیان بدر کے معاملہ میں ان کی رائے بالکل آنحضرت کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہوں کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت

سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو در کنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 537-536)

ہم سابق میں ثابت کر آئے ہیں کہ قیدیان بدر کا فیصلہ بھی آنحضرتؐ نے منصب نبوت ورسالت کی حیثیت سے کیا تھا۔ جس کے لئے جہاد فرض کرنے کے ساتھ ہی سورہ محمد میں دستور العمل نافذ ہو گیا تھا۔ اور صلح حدیبیہ بھی آنحضرت نے منصب نبوت ورسالت کی حیثیت سے کی تھی۔ جس کے لئے سورۃ فتح میں واضح طور پر بیان ہے لہذا حضرت عمر نے حتماً آنحضرتؐ کے اس کام میں مخالفت کی جسے آپ نے منصب نبوت ورسالت کی حیثیت سے انجام دیا تھا اب آپ اپنی مرضی سے کسی بھی کام کو منصب نبوت ورسالت کی حیثیت سے نہ سمجھیں یا آنحضرتؐ کو نبی ورسول ہی نہ سمجھیں تو آپ کے یا حضرت عمر کے سمجھنے سے نہ آنحضرت کا نبی ورسول ہونا ختم ہوتا ہے نہ آپکا وہ کام منصب نبوت ورسالت کے علاوہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ یہاں پر ایک اور بات پر بھی غور ضروری ہے۔ کہ حضرت عمر نے اگر بالفرض ان ہی کاموں میں پیغمبر کی مخالفت کی ہو جو آپ نے بشری حیثیت سے انجام دیئے تھے تو حضرت عمر کے احکام قیامت تک کے لئے نافذ العمل کیسے ہو گئے۔؟

بہر حال احادیث میں فرق مراتب کے عنوان سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کو جب احادیث کی ضرورت پڑی تو اس وقت بھی صرف عبادت ومعاملات اور اخلاقیات کے موضوع سے متعلق احادیث کی نشر واشاعت کا اہتمام کیا اور وہ احادیث جو ان مضامین کے علاوہ تھیں انہیں اب بھی شامل نہیں ہونے دیا۔ اور وہی احادیث تھیں جنہیں بزرگ صحابہ

بیان کر رہے تھے۔ جن کو احادیث کے بیان کرنے کی وجہ سے حضرت عمر نے قید کر دیا تھا۔

عبداللہ ابن مسعود کو قید کرنے کا اصل سبب

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر احادیث کے جمع کرنے کے سخت خلاف تھے۔ جو انہوں نے جمع کی تھیں انہیں خود جلا دیا۔ اور جو دوسرے اصحاب نے جمع کی تھی انہیں قسمیں دے دے کر حاصل کر کے جلا دیا۔ اور جو بزرگ اصحاب پیغمبر احادیث بیان کرنے سے باز نہ آئے انہیں قید کر دیا۔ احادیث پیغمبر کا بیان کرنا کوئی ایسا جرم تو نہ تھا۔ کہ جس بنا پر بزرگ اصحاب پیغمبر کو قید کر دیا جائے

لیکن جب ہم ان بزرگ اصحاب پیغمبر کی بیان کردہ تفسیروں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل مسئلہ پیغمبر کی احادیث بیان کرنے کا نہیں تھا بلکہ اصل مسئلہ پیغمبر کی ان احادیث بیان کرنے سے روکنے کا تھا، جن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے بعد حضرت علی کی خلافت و امامت و والایت کا بیان کیا تھا۔ اور یہ بزرگ اصحاب پیغمبر احادیث کو بیان کرنے سے باز نہیں آ رہے تھے لہذا حضرت عمر نے انہیں قید کر دیا۔ اور اس بات کا ثبوت ان بزرگ اصحاب پیغمبر میں سے ایک صحابی کی بیان کردہ تفسیر ہے جو اسطرح ہے" اخرج ابن مردویہ عن ابن مسعود قال کنا نقرء علی عھد رسول للہ، **یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولا المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ" واللہ یعصمک من الناس**. (تفسیر الدر المنثور جلال الدین سیوطی الجزع الثانی ص 298، حلیہ الاولیاء، فخر الدین رازی تفسیر کبیر و کتاب المناقب ابن مردویہ۔ مفتاح النجات مرزا محمد بن معتمد خان۔)

ترجمہ: ابن مردویہ نے اپنے استاد ابن مسعود سے روایت کی ہے ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں اس آیت کو اسطرح پڑھا کرتے تھے کہ: اے رسول جو کچھ تمہارے پاس پیغام تمہارے رب کی پاس سے پہنچا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو کہ علی مومنین کا مولا ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ایسا ہو گا کہ تم نے خدا کی کوئی بھی رسالت ادا نہ کی اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

اس تفسیر میں "ان علیا مولی المومنین" خدا کی بیان کردہ توضیح و تشریح و تفسیر ہے۔ "ما انزل الیک من ربک" کی جو "ثم ان علینا بیانہ" کے مطابق خدا نے قرآن نازل کرنے کے ساتھ بیان فرمائی۔

اہل سنت کے بزرگ مفسرین کی اس تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ ابن مسعود کو کیا بیان کرنے کی پاداش میں قید کیا گیا؟ اور صرف اور صرف یہی سبب تھا احادیث پیغمبر کو بیان کرنے سے روکنے اور جمع شدہ مجموعہ کو حاصل کر کے جلانے کا کہ حضرت ابوبکر بھی اور حضرت عمر بھی فضائل علی اور انکے جانشینی وصایت و خلافت و امامت و ولایت کے ان اعلانات کو جو پیغمبرؐ اپنی زندگی میں گاہے گاہے فرماتے تھے پھیلنے اور شائع ہونے سے روکنا چاہتے تھے۔ لیکن اتنی قدغن اتنی سختی اور اتنی شدت کے باوجود یہ احادیث لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں۔ تو ارباب اقتدار کی وکالت کرنے والوں نے معنوی تحریف سے کام لینا شروع کر دیا۔ اور ترمذی کی حدیث "علی منی و انا منہ وھو ولی کل مومن من بعدی" کا مطلب من بعدی کے باوجود دوست کیا اور غدیر میں من کنت مولاہ کے معنی بھی بدل کر دوست کیا چنانچہ ارباب اقتدار کے ان وکلاء میں سے علامہ محمد اشرف سیالوی اپنے شیخ الاسلام قمر الدین سیالوی کی طرف سے ترتیب رسالہ مذہب شیعہ" اور اس کے مضامین کا بنیادی مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ خلافت خلفاء کی حقانیت و واقعیت کو ثابت کرنا۔ اور خلافت مرتضویہ کی منصوصیت اور انکی وصایت وغیرہ کے دعوؤں کو باطل کرنا،

اور یہی امور اس رسالہ کا بنیادی مقصد اور روح رواں ہیں۔ ضمناً آپ نے ان امور کی حقیقت بھی واضح فرمادی جن کو خلافت خلفاء کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً حدیث منزلت حدیث، غدیر وغیرہ

(تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی)

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور انکے شیخ الاسلام کے بیان سے ثابت ہے کہ انہیں حدیث منزلت اور حدیث غدیر تسلیم ہے جیسا کہ نہوں نے حدیث ثقلین کے مسلمہ و مقبولہ فریقین ہونے کو بھی اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کے صفحہ 13 پر تسلیم کیا ہے۔ لیکن انہوں نے انکے معنی و مطلب و مفہوم و مراد میں تحریف کر کے اپنے دل کو خوش کیا ہے۔ لیکن اہل سنت کے ایک بہت بزرگ عالم حضرت امام غزالی نے اپنی مشہور و معروف کتاب سر العالمین کے باب 3 مقالہ 4 میں خلافت کے بارے میں لوگوں کے مختلف دعوں اور بیانات و نظریات کو باطل قرار دینے کے بعد حدیث غدیر کے بارے میں اسطرح لکھا ہے۔

"لکن اسفرت الحجۃ وجهها واجمع الجماهير على متن الحديث من خطبة يو م الغدير خم وهو يقول من كنت مولاه فعلى مولاه فقال عمر بخ بخ لک یاابو الحسن فقد اصبحت مولى لكل مومن و مومنة هذا تسليم و رضى وتحكيم . ثم بعد هذا غلب الهوىٰ بحب الرياسة وحمل عمود الخلافة و عقود النبود وخفقان الهوا و قعقعة الرايات واشتباک ازدهام الخيول وفتح الامصار سقاهم كاس الهوا فعادوا الىٰ خلاف الاول فنبذوه وراء ظهورهم واشتروا به ثمناً قليلاً و بئس ما يشترون"

(سر العالمین غزالی باب 3 مقالہ چہارم)

ترجمہ: لیکن حجت قطعی نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دی۔ اور خطبہ غدیر میں جو کچھ

آنحضرت نے فرمایا اس کے متن پر جمہور اسلام کا اجماع و اتفاق ہے۔ آپ نے فرمایا" جس کا میں مولا ہوں علی بھی اسکا مولا ہے۔ یہ سنکر حضرت عمر نے کہا اے ابو الحسن تم کو مبارک ہو کہ تم میرے اور ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت کے مولا قرار پائے۔ حضرت عمر کا یہ کہنا صریحاً اپکی اطاعت کو قبول کرتا ہے آپ کے مولا بننے پر راضی ہو جاتا ہے اور آپکی حکومت کو مان لینا ہے اور آپ کی حکمرانی کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہے اب اس کے بعد (صاف بات یہ ہے کہ) سلطنت کی محبت، حکومت کے جھنڈے اٹھانے اور لشکر کے لئے علموں کے باندھنے اور جھنڈوں کو ہوا میں لہرانے اور گھوڑوں کی ٹاپوں کے نقش کے جال بنانے اور فوجوں کے ہجوم اور ملکوں کو فتح کرنے کی حرص غالب آ گئی۔ اور اس نے ان کو خواہشات نفسانی کا جام پلا دیا۔ اور وہ اول (زمانہ جاہلیت) کی مخالفت کی طرف پلٹ گئے اور ارشاد نبوی کو پس پشت ڈال دیا۔ اور بہت ہی کم داموں میں اسکو بیچ ڈالا اور بہت ہی برا بیچا"۔ یہ ترجمہ ہے اہل سنت کے بزرگ عالم امام غزالی کی کتاب سر العالمین کے باب نمبر 3 مقالہ چہارم کے مذکورہ اقتباس کا علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب کے شیخ الحدیث شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی اپنی کتاب مدارج النبوت میں بالفاظ واضح اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اعلان غدیر کے بعد حضرت عمر نے علی علیہ السلام کو مبارکباد دی۔ ملاحظہ ہو" مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث ص 513 اور کوئی معمولی سی عقل کا آدمی بھی ایسی احمقانہ بات نہیں کر سکتا کہ پیغمبر نے اپنے حج آخر سے واپسی پر ایک لاکھ چالیس ہزار کے مجمع اصحاب میں جو اعلان کیا تھا اسکا معنی و مطلب یہ تھا کہ علی میرے بعد ہر مومن و مومنہ کا دوست ہے۔ کیونکہ ہر مومن تو پیغمبرؐ کی حیات میں بھی ایک دوسرے کا بھائی اور دوست تھا۔ جس پر قرآن کی آیات شاہد ہیں لہذا اتنے اہتمام کے ساتھ یہ اس بات کا اعلان نہیں تھا کہ علیؑ پیغمبرؐ کے بعد مومنین کے دوست ہونگے لہذا حضرت عمر کا مبارکباد دینا انکے دوست قرار پانے پر نہیں ہو سکتا تھا۔

کیونکہ حضرت عمر اتنے بے وقوف نہیں تھے کہ تحصیل حاصل پر مبارکباد دیتے لیکن ان کے انقلاب برپا کرنے کے بعد انکے وکلائے صفائی کے لئے یہ حدیث انکے حلق کی ہڈی بن گئی۔ امام غزالی نے لگی لپٹی رکھے بغیر اس کے صاف معنی بیان کر دیئے لیکن چونکہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور انکے شیخ الاسلام سورج پر دھول ڈال کر یہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح خلافت مرتضویہ کی منصوصیت اور انکی وصایت کو باطل ثابت کریں لہذا جو احادیث تواتر کے ساتھ نشر اور شائع ہو چکی تھیں اور جن سے مجال انکار نہیں تھا۔ انکے معنی میں تحریف کر دی اپنے دل سے ان کا مطلب گھڑا اور انکی اصل مراد کو پلٹ کر رکھ دیا۔ اور انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی کو تحفظ عطا کرنے کیلئے احادیث میں تحریف معنوی کر کے خوش ہونا شروع کر دیا اس سے وہ اپنے مریدوں کے سامنے تو سرخرو ہو سکتے ہیں مگر انکا یہ خوش ہونا آخرت میں کام نہیں آسکتا۔ بہر حال شیخین کے زمانہ میں احادیث کے لکھنے سے منع کرنے احادیث کو بیان کرنے پر پابندی لگانے اور جمع شدہ احادیث کو جلانے کے باوجود اصحاب پیغمبرؐ کی طرف سے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں پیغمبرؐ کی بیان کردہ احادیث اتنی زیادہ پھیل گئیں کہ خدا نے اپنے حبیب کو ثم ان علینا بیانہ کے مطابق قرآنی آیات کی جو توضیح وتشریح وتفسیر قرآن کے نازل کرنے اور پڑھانے کے بعد تعلیم کی تھی اور پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب کے سامنے وہ توضیح وتفسیر آیات بیان کر دی تھی۔ وہ ان اصحاب پیغمبرؐ نے اپنے جمع کردہ قرآن میں متعلقہ آیات کے ساتھ ہی لکھ لیں جسے اختلاف قرآت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہ بات حکومت کی بدنامی کا سبب تھی۔ لہذا اب احادیث کے بجائے خود قرآن کو جلانے کی باری آگئی اور حکومت کے لئے قرآن کو جلانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔

علامہ محمد اشرف سیالوی کا شیعوں پر تحریف قرآن کے عقیدہ کا الزام

علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ شیعہ تحریف قران کے قائل ہیں اور ہم نے بعض شیعہ کہلانے والے اور مناظرہ کرنے والے علماء کو بھی دیکھا ہے کہ وہ یہی الزام ان روایات کی بناء پر جو اہل سنت کی کتابوں میں واقعا موجود ہیں اہل سنت پر لگاتے ہیں یہ ایک دوسرے پر مناظرنہ انداز میں صرف تہمت لگانے کی بات ہے۔ یہ سب کے سب اسلام کے نادان دوست ہیں۔ اور یہ دونوں ہی اغیار کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تھما رہے ہیں کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ دیکھو اسلام کے دونوں ہی عظیم فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں تحریف ہو گئی ہے لہذا یہ قابل اتباع و پیروی نہیں رہا۔

یہ سب باتیں اس لئے گھڑی گئیں تا کہ پیغمبرؐ کے بعد قائم ہونے والی حکومت کو جمع قرآن کا کریڈٹ دیا جا سکے۔ حالانکہ اکثر اصحاب پیغمبرؐ کے پاس سالم جمع شدہ قران موجود تھا۔ اور اسی لئے ان کے جمع کردہ قرآن میں اختلاف قرآت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اگر حضرت ابوبکر کا جمع کردہ یا حضرت عمر کا جمع کردہ قرآن ہی اصل قرآن ہوتا تو پھر دوسرے اصحاب کے پاس موجود قرآن میں اختلاف قرآن کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ لیکن مسلمانوں نے غلط طور پر حضرت ابوبکر کو اور حضرت عمر کے مداحوں نے حضرت عمر کو جمع قرآن کا کریڈٹ دینے کیلئے ایسی ایسی روایات گھڑیں جو تحریف قرآن کو بیان کرنے والی ہیں۔ گویا آنحضرتؐ کو اس بات کی کوئی فکر ہی نہ تھی۔ اور قرآن جمع کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ: "انا علینا جمعہ وقرانہ" بیشک قرآن مجید کا جمع کرنا اور اسے پڑھانا

ہمارے ذمہ ہے اور قرآن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ "ثم ان علینا بیانہ" یعنی قرآن پڑھانے کے بعد اسکی توضیح اسکی تشریح۔ اسکی تاویل اسکی تفسیر۔ اسکی مراد اسکا مطلب اور مفہوم، سمجھانا بھی خدا ہی کے ذمہ ہے۔ پس خدا نے اپنے حبیب کو پہلے قرآن پڑھایا اور پھر اسکی مشکلات کی توضیح وتشریح وتفسیر وتاویل ومطلب ومراد بھی اپنی طرف سے نازل فرما کے تعلیم فرمائی۔

یہ حضرات پیغمبرؐ کی اس عترت کو بھی بھول گئے جسے پیغمبرؐ نے قرآن کے ہم پلہ قرار دیا تھا۔ اور یہ فرمایا تھا کہ اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ یہ اسی بنا پر فرمایا تھا۔ کہ پیغمبر کی عترت کے پاس سالم قرآن کے ساتھ خدا کا نازل کردہ سالم بیان یعنی اسکی توضیح وتشریح وتفسیر بھی تھی۔ اور اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے یہاں تک میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔

لیکن صرف حضرت ابوبکر کو اور حضرت عمر کو ناکردہ کریڈٹ دینے کے لئے جمع قرآن کا افسانہ گھڑا گیا اور اس سلسلے میں ایسی ایسی روایات بیان کی گئیں جن سے تحریف قرآن کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عثمان نے قرآن کیوں جلائے؟

ذرا علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اپنی عاقبت کی بھلائی کے لئے ٹھنڈے دل سے یہ سوچیں کہ اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے پہلے اور ان کے جمع کردہ قرآن کے علاوہ اور کسی نے بھی قرآن جمع نہ کیا ہوتا۔ اور صرف انہوں نے ہی قرآن جمع کیا یا کرایا ہوتا تو وہ قرآن تو ایک ہی ہوتا، دوسرے اصحاب کے پاس جو قرآن تھے اور ان کی وجہ سے اختلاف قرآت کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ کیا حضرت ابوبکر نے اور حضرت عمر نے قرآن کی ہر جلد میں علیحدہ علیحدہ طریقہ سے آیات لکھوائی تھیں۔ ایسا تو ہرگز نہیں ہو سکتا یقیناً وہ قرآن

جن میں اختلاف قرات پایا جاتا تھا وہ ان ہی اصحاب پیغمبر نے خود آنحضرتؐ سے سن کر جمع کیا تھا۔ لیکن انہوں نے قرآن کے دعوے کے مطابق اصل قرآن کے ساتھ اسکا بیان یعنی اسکی وضاحت اسکی تشریح اسکی تاویل اسکا مطلب اور اسکا مفہوم بھی درج کر دیا تھا جس کے بارے میں خود خدا نے فرمایا تھا کہ اسکی تاویل خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا لہذا وہ بیان وہ توضیح وتفسیر وتاویل بھی خدا ہی نے تعلیم فرمائی تھی اور پیغمبر اکرم نے وہ توضیح وتفسیر وتاویل ان اصحاب کو لکھوا دی تھی۔ جو قرآنی وحی کو پیغمبرؐ کے ارشاد کے مطابق لکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن ارباب اقتدار کو جھوٹا کریڈٹ دینے کے لئے انکی معرفت جمع قرآن کا افسانہ گھڑا گیا۔ اور زید کی سربراہی میں کمیٹی بنا کر ایسی ایسی روایات گھڑی گئیں جن سے تحریف قرآن کا نظریہ قائم ہوتا ہے۔ لہذا مناظرہ باز ان روایتوں کو لے اڑے اور ایک دوسرے پر پھبتیاں لگانے لگ گئے۔ چنانچہ اس قسم کی روائتیں طرفین میں موجود ہیں اور صرف مناظرہ باز لوگوں کے کام آتی ہی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو حضرت ابوبکر نے قرآن جمع کیا نہ کرایا اور نہ ہی حضرت عمر نے قرآن جمع کیا یا کرایا۔ البتہ اور دوسرے بہت سے اصحاب پیغمبر کا آنحضرت کے زمانے میں ہی سالم قرآن جمع کرنا اکثر روایات سے ثابت ہے اور انہوں نے اپنے اپنے قرآن میں بعض بعض آیات کی وہ توضیحات اور تفاسیر بھی درج کرلی تھیں۔ جو ان کے سامنے بیان ہوئیں تھیں۔ لہذا کسی کے قرآن میں کسی آیت کی توضیح وتفسیر تھی اور کسی کے قرآن میں کچھ دوسری آیات کی توضیح وتفسیر تھی اور اسی کو اختلاف قرآت کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ جیسا کہ مقام حدیث کے مصنف نے ثابت کیا ہے اور جب اکثر اصحاب کا قرآن کریم کو انکی بعض آیات کی توضیح وتشریح وتاویل کے ساتھ جمع کرنا ثابت ہے۔ تو حضرت علی کے اس دعویٰ میں کیا استبعاد ہو سکتا ہے جو آپ نے طلحہ سے مکالمہ میں فرمایا

تھا کہ:

''اے طلحہ ہر وہ آیت جو خداوند عالم نے جناب رسول خدا پر نازل فرمائی ، وہ آنحضرتؐ کی املاء اور میرے خط سے لکھی ہوئی میرے پاس موجود ہے اور ہر ہر آیت کی تاویل وتفسیر اور ہر حلال وحرام کی تفصیل بھی میرے پاس محفوظ ہے۔''

(تحفہ حسینیہ ص 184 بحوالہ تفسیر صافی ص 10)

قرآن کریم کی پیغمبر کی زندگی میں ہی جمع وتدوین ہو چکی تھی۔

اس بات سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب بچپن سے آنحضرت کے ساتھ تھے اور آپ کے زیر تربیت تھے جو عمل آنحضرتؐ کرتے تھے وہ حضرت علی بھی کرتے تھے سالم قرآن علیؑ کے سامنے نازل ہوا۔ اسکی تاویل اسکی توضیح اس کا بیان اسکی تفسیر حضرت علیؑ کے سامنے نازل ہوئی۔ خدا نے قرآن کے جمع کرنے اس کے پڑھانے کا وعدہ کیا۔ اس کی تاویل اسکی تفسیر سمجھانے کا وعدہ کیا لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ مکہ کی زندگی میں پیغمبرؐ نے اسے کسی کو نہ لکھوایا ہو جب کہ پہلی وحی ہی قلم کے ذریعہ انسان کو تعلیم سے متعلق تھی۔ لہذا اسیالوی صاحب نے تحفہ حسینیہ کی مذکور عبارت میں تفسیر صافی کے جس بیان کا حوالہ دیا ہے اس کے حق ہونے میں کیسے کلام ہو سکتا ہے جو حضرت علیؑ نے طلحہ کے ساتھ مکالمہ میں فرمایا کہ:

''اے طلحہ ہر وہ آیت جو خداوند عالم نے جناب رسول خدا پر نازل فرمائی وہ آنحضرت کی املا اور میرے خط سے لکھی ہوئی میرے پاس موجود ہے اور ہر آیت کی تاویل و تفسیر اور ہر حلال وحرام کی تفصیل بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔

(تحفہ حسینیہ ص 184)

حضرت علیؑ ان افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے سامنے پیش کیا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بڑے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ونصیب او از احیاء علوم دینیہ آن است کہ جمع کرد قران را بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ترتیب دادہ بود آن را لیکن تقدیر مساعد شیوع آن نہ شد''

(ازالۃ الخلفاء مقصد 2 ص 2763 مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

''یعنی حضرت علیؑ کا حصہ علوم دینیہ کے زندہ کرنے میں یہ بھی ہے کہ آپ نے آنحضرت کے سامنے قرآن کو جمع و مرتب کیا تھا مگر تقدیر نے اس کے شائع ہونے میں مدد نہ کی''

یہ روایات تو اہل سنت کے معروف علماء کی ہیں ان سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علیؑ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی زندگی میں ہی قرآن جمع و ترتیب و مدون کر کے ان کے سامنے پیش کر دیا تھا اور نہ صرف حضرت علی علیہ السلام نے بلکہ اہل سنت کی مستند اور معتبر کتب احادیث کے مطابق کچھ اصحاب نے بھی پیغمبرؐ کی زندگی میں ہی قران جمع کر لیا تھا۔ جیسا کہ کنز العمال میں لکھا ہے کہ:

"جمع القران علی عهد رسول الله صلعم ستة من الانصار ابی بن کعب و زید بن ثابت و معاذ ابن جبل وابو درداء و سعد بن عبید و ابو زید، و کان مجمع بن جاریه قد اخذه الا سورتین او ثلاث"

(منتخب کنز العمال جلد 2 ص-52)

یعنی قرآن کو انصار میں چھ آدمیوں نے رسول اللہ کی زندگی میں ہی جمع کر لیا تھا اور وہ ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاذ ابن جبل، ابو درداء۔ سعد ابن عبید اور ابو زید ہیں اور مجمع ابن

جاریہ کے جمع کردہ قران میں دو یا تین سورتیں کم تھیں۔

اور صحیح بخاری میں قتادہ سے روایت ہے کہ:

" سالت انس ابن مالک: من جمع القران علی عهد النبی ؟ قال اربعة کلهم من الانصار، ابی بن کعب، معاذ ابن جبل، و زید ابن ثابت، وابو زید" (صحیح بخاری باب القراء من اصحاب النبی جلد 6 ص 202)

قتادہ کہتے ہیں میں نے انس ابن مالک سے پوچھا کہ رسول اللہ کی زندگی میں قرآن کس کس نے جمع کیا تو انہوں نے کہا، چار آدمیوں نے جو سب انصار تھے۔ ابی بن کعب، معاذ ابن جبل، وزید ابن ثابت، وابوزید نے اور صحیح بخاری میں مسروق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ: سمعت النبی صلی اللہ علیه و آله یقول خذو القران من اربعة من عبداللہ بن مسعود، سالم و معاذ، ابی بن کعب

(صحیح بخاری باب القراء من اصحاب النبی جلد 6 ص 202)

اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ "جمعت القرآن فقرات کل لیلة فبلغ النبی صلی اللہ علیه و آله فقال اقراء فی شهر"

(الاتقان النوع 20 جلد 1 ص 124)

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے قران جمع کیا تھا اور ہر رات کو پڑھا کرتا تھا یہ بات نبی صلعم کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ قرآن کو ایک مہینہ میں ختم کیا کرو"

اہل سنت کے یہاں یہ روایت بھی آئی ہے کہ بعض عورتوں نے بھی سالم قرآن جمع کیا تھا۔ چنانچہ صاحب اتقان نے طبقات ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

" آخرج ابن سعد فی الطبقات، انبانا الفضل بن وقین حدثنا الولید بن عبداللہ بن جمیع قال حدثنی جدتی عن ام ورقه بنت عبداللہ بن

حارث، وکان رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله حین غزا بدرا قالت له اتاذن لی فا خرج معک اداوی جرحاکم و امرض مرضا کم لعل اللہ یهدی لی شهادة قال ان للہ مهد لک اشهاده (الاتقان النوع 20 جلد 1 ص 125)

ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ ہمیں خبر دی فضل بن دکین نے کہ ہم سے بیان کیا ولید بن عبداللہ بن جمیع نے وہ کہتا ہے کہ مجھ سے بیان کیا میرے دادا نے اس سے ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اس کی زیارت کو جاتے تھے اور انہیں شہیدہ کہتے تھے"۔ اس نے قرآن کو جمع کیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ غزوہ بدر کے لئے چلے تو اس نے کہا کہ یارسول اللہ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ اس جہاد میں چلوں اور آپکے زخمیوں کی دوادارو کروں اور آپکے مریضوں کی تیمارداری کروں شاید ہے کہ خدا اسطرح مجھے شہادت نصیب فرمادے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اللہ نے تجھے شہادت کا مرتبہ عطا کردیا ہے۔

جب عورتوں کا جمع قران کے بارے میں یہ حال تھا تو پھر مردوں کا حال کیا ہوگا؟

اور جب مدینہ کے انصار نے سالم قرآن جمع کرلیا تو حضرت علیؑ جو بچپن سے آنحضرت کے ساتھ تھے اور انکے زیر تربیت تھے اور آنحضرتؐ علیؑ کو خاص طور پر تعلیم دیتے تھے اور تربیت فرماتے تھے تو انہوں نے قرآن کو کیوں جمع نہ کیا ہوگا۔ پس حضرت علیؑ کا مذکورہ دعویٰ جسے سیالوی صاحب نے تحفہ حسینہ میں نقل کیا ہے بالکل درست اور صحیح ہے جسکی تصدیق اہل سنت کی مستند اور معتبر کتابوں سے ہوتی ہے۔ اور وہ افسانے جو خلیفہ اول کے زمانے میں جمع کرنے کے گھڑے گئے اور وہ افسانے جو حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں گھڑے گئے۔ بالکل غلط جھوٹ کا پلندا اور اقتدار پر قبضہ کے بعد درباری خوشامدیوں کی طرح محض حکومت کو ناکردہ کریڈٹ دینے کی بات ہے اور یہ بات ثابت کرنے کے لئے وہ تمام باتیں بنائی گئیں

جن میں دو گواہوں کی گواہی پر قران کی آیت قبول کر کے لکھنے کا افسانہ ہے کسی روایت میں کسی سورہ کا ایک بڑا حصہ حضرت عائشہ کی بکری کے کھا جانے کی داستان ہے کسی میں سورۃ احزاب کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جانے کی بات ہے یہ سب داستانیں اور افسانے خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کو نا کردہ جمع قرآن کا کریڈٹ دینے کے لیے گھڑے گئے ورنہ اہل سنت کی صحیح احادیث یہ کہتی ہیں کہ بہت سے اصحاب پیغمبرؐ نے بھی پیغمبرؐ کی حیات میں ہی قرآن جمع کر لیا تھا اور حضرت علیؑ نے اپنا جمع کردہ ترتیب دادہ قرآن مدون کر کے آنحضرت کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔

پس قرآن اپنے دعوے کے مطابق جمع بھی ساتھ ساتھ ہوا اور اسکی توضیح و تشریح و تفسیر و تاویل بھی ساتھ ساتھ نزول قرآن کے بعد خدا ہی کی طرف سے تعلیم کی گئی تھی اور پیغمبرؐ نے وہ بھی اصحاب کو پہنچا دی تھی البتہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اپنی مصروفیات کیوجہ سے جس طرح احادیث پیغمبرؐ سے بے خبر رہے اسی طرح قرآن سے بھی ناواقف تھے اور دوسرے بہت سے اصحاب کے پاس آنحضرت کا لکھایا ہوا قرآن مجید موجود تھا اور حضرت علیؑ کے پاس بھی آنحضرت کا لکھایا ہوا، املا کرایا ہوا، اسکی توضیح و تشریح کے ساتھ لکھا ہوا موجود تھا اور وہی حضرت علیؑ نے ارباب اقتدار کے سامنے پیش کیا تھا چونکہ حضرت علیؑ کے قرآن میں مشکلات قرآن کا حل، متشابہات کی تاویل اور تمام آیات کی توضیح اور تشریح و تفسیر تھی۔ اور یہ بات حکومت کے خلاف جاتی تھی۔ احادیث بھی انہوں نے نہ لکھنے دیں جو خود لکھی تھیں وہ برسر اقتدار آنے کی وجہ سے خود جلا دیں جو دوسرے اصحاب نے لکھی تھیں ان سے قسمیں دے دے کر حاصل کر کے جلا دیا جو بیان کرنے سے باز نہ آئے انہیں قید کر دیا۔ لیکن حضرت عثمان کے زمانہ میں وہ قرآن کثرت سے پھیل گئے جو بہت سے اصحاب پیغمبرؐ نے آنحضرت کی املا سے تحریر کئے تھے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے قرآن میں وہ مفہوم و مطلب

بھی جو خدا نے "ثم ان علینا بیانہ" کے مطابق نازل فرمایا تھا اور وہ بھی آنحضرت نے ہی انہیں تعلیم کیا تھا۔ لکھ لیا تھا۔ لہذا حضرت عثمان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ انہوں نے قرآن سے وہ مطلب وہ مفہوم وہ تعبیر اور وہ توضیح جو خدا نے "ثم ان علینا بیانہ" کے مطابق تعلیم فرمائی تھی اور بہت سے اصحاب پیغمبرؐ نے اپنے اپنے جمع کردہ قرآن میں انہیں ان آیات کے ساتھ ہی لکھ لیا تھا۔ قرآن سے خارج کر کے بلا توضیح و تشریح و تفسیر و تاویل کے صرف اصل قرآن شائع کرا دیا اور تمام مملکت میں اصحاب پیغمبرؐ کے لکھے ہوئے سارے قرآن جمع کر کے نذر آتش کر دیئے۔

پس پہلے کے دو خلفاء نے احادیث پیغمبرؐ کو پھیلنے سے روکا اور جس کے پاس احادیث پیغمبرؐ ملیں انہیں قسمیں دے دے کر حاصل کر کے جلا دیا۔ اور تیسرے خلیفہ کا قرآن کے بارے میں یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے "ثم ان علینا بیانہ" کے مطابق خدا کی طرف سے نازل کردہ توضیح و تشریح و تفسیر و تاویل کا جو بیان لکھا ہوا تھا اسے پھیلنے، منتشر ہونے اور لوگوں کے علم میں آنے سے روکا اور تمام اصحاب پیغمبر سے ان کے جمع کردہ قرآن حاصل کر کے جلوا دیئے۔ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب بڑے طنز اور طعن کے طور پر حضرت علیؑ کے پیش کردہ قرآن پر حملہ کرتے ہیں۔ یہ قرآن بھی اگر حکومت کی دسترس میں چلا جاتا تو کیا اسکا بھی وہی حشر نہ ہوتا جو دوسرے اصحاب پیغمبرؐ کے جمع کردہ قرآن کا ہوا اور کیا جلال الدین سیوطی کے اس قول سے استشہاد بے محل ہے جو انہوں نے ابن سیرین کے حوالہ سے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا۔ "اگر جناب امیر علیہ اسلام کا جمع کردہ قرآن مل جاتا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ آ جاتا۔

(تاریخ خلفاء ص 185 طبع جدید مصر، تحفہ حسینہ ص 184)

اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے قرآن کو خالص رکھنے کیلئے اصحاب سے انکے قرآن

جلائے تو آج قران کی تیس تیس بتیس بتیس جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ آج قرآن کے ساتھ ترجمے بھی ہیں۔ حاشیے بھی ہیں خطوط وحدانی میں محذوف مطلب کا اظہار بھی ہے اور تفسیر بھی ہے، لیکن ہر ایک نے اپنی مرضی سے تفسیر کی ہے اور عجب نہیں کہ مسلمانوں کے ہر فرقہ کی تفسیر الگ ہو۔ لیکن قرآن پھر بھی خالص ہے حضرت عثمان بھی اس نمونہ سے قرآن شائع کرا سکتے تھے کہ پہلے آٹھ دس آیات ہوتیں پھر ان کا ترجمہ ہوتا پھر انکا شان نزول ہوتا، پھر "ثم ان علینا بیانہ" کے مطابق وہ تفسیر ہوتی جو خدا نے ہی نازل کی تھی اگر آج ترجمہ و حاشیہ وشان نزول اور غلط سلط تفسیر کے قرآن کے ساتھ ہونے سے قرآن خالص ہے تو اس وقت کیوں خالص نہ ہوگا اور جب سارے قرآن جلا دیئے اور حضرت علیؑ نے اپنا جمع کردہ قرآن واپس لے لیا تو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن خالص نہیں تھے اور اللہ کی بیان کردہ تفسیر اسی طرح نمایاں نہیں تھی۔ جیسے کہ آج ہے۔ غرض جس مقصد کے لئے حضرت ابو بکر نے احادیث لکھنے سے منع کیا اور اپنی احادیث جلا دیں اور جس مقصد سے حضرت عمر نے احادیث کے لکھنے سے اور بیان کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور تمام اصحاب کی جمع کردہ احادیث جلوا دیں۔ اسی مقصد کیلئے حضرت عثمان نے سارے قرآن اکٹھا کر کے جلوا دیئے۔

اور خدا نے علم القران کے ساتھ علمہ البیان کے مطابق جو مطالب تعلیم کئے تھے۔ اور "ثم ان علینا بیانہ" کے مطابق جو توضیح وتشریح اور تفسیر خدا نے قرآن کی بیان فرمائی تھی وہ لوگوں کے علم میں آنے سے روک دی گئی اب علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب اور انکے شیخ الاسلام جیسے لوگوں کی چھوٹ ہو گئی ہے کہ اپنی مرضی سے قرآن کے مشکلات قرآن کے مجملات قرآن کے متشابہات کے جو معنی چاہیں کریں اور آیت غدیر کا اپنی مرضی سے جو مطلب چاہیں کر کے بغلیں بجاتے رہیں اور یہ کہتے رہیں کہ اس سے خلافت خلفاء کی نفی نہیں ہوتی

ہم اختصار کے پیش نظر اس عنوان کو یہیں ختم کرتے ہیں علامہ محمد اشرف سیالوی

خود ان کے یہاں قرآن کے جمع کرنے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ کتاب "مقام حدیث" شائع کردہ طلوع اسلام میں قرآن کریم روایات کے آئینہ میں کے عنوان اور موضوع پر لکھا ہوا۔ مضمون صفحہ 167 سے صفحہ 188 تک پڑھ لیں۔

احادیث کے بارے میں شیخین نے جو بات پردے میں رکھ کر کی وہ معاویہ نے علی الاعلان کی

یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ حضرت ابو بکر نے نہ صرف احادیث پیغمبرؐ بیان کرنے سے لوگوں کو روکا اور احادیث کو جمع کرنے سے منع کیا بلکہ خود انہوں نے جو 500 احادیث حیات پیغمبرؐ میں آنحضرتؐ سے سن کر جمع کر لی تھیں جلا دیں۔ حضرت عمر نہ صرف احادیث پیغمبر بیان کرنے سے روکتے تھے بلکہ جن اصحاب پیغمبرؐ نے جمع کر لی تھیں ان سے قسمیں دے دے کر ان کے احادیث کے مجموعے حاصل کر کے جلا دیئے اور جو احادیث پیغمبرؐ بیان کرنے سے باز نہ آئے ان بزرگ اصحاب پیغمبرؐ کو قید کر دیا۔ اور جب عترت پیغمبرؐ اور اہل بیت کے سید و سردار حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی فضیلت اور اعلان خلافت وامامت و ولایت کا بیان جو خدا نے ہی "علم القرآن علمہ البیان" کے مطابق اور "ثم ان علینا بیانہ" کے مطابق نازل فرمایا تھا، اصحاب پیغمبرؐ کے جمع کردہ قرآنوں میں پہنچ گیا۔ تو حضرت عثمان نے قرآن کا وہ حصہ جو "علمہ البیان اور ثم ان علینا بیانہ کے مطابق نازل ہوا تھا اور اصحاب پیغمبرؐ نے انہیں بھی قرآن میں لکھ لیا تھا قرآن سے خارج کر دیا۔ اور خدا کی بیان کردہ توضیح وتشریح وتفسیر سے خالی قرآن نشر کر کے ساری مملکت میں پھیلا دیا اور باقی تمام قرآنوں کو اصحاب پیغمبرؐ سے حاصل کر کے جلا دیا۔ شیخین چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے سے قریب تھے لہذا وہ احادیث کو بیان کرنے سے روکنے اور انہیں

جلانے کا عمل اصل مقصد کو ظاہر کرنے کی بجائے کوئی بہانہ کر کے ہی کر سکتے تھے۔ لیکن
معاویہ کو آنحضرت کے زمانے سے کافی بعد ہو چکا تھا لہذا جو کام شیخین نے دوسرے بہانوں
سے کیا تھا معاویہ نے اسے کھلم کھلا اور برملا طور پر کرنا شروع کر دیا اور صاف طور سے حکم دیا
کہ فضائل علیؑ کی احادیث بیان نہ کی جائیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ اگر
تم کوئی حدیث ابوتراب کے فضائل میں سنو تو ویسی ہی اور اس کے مثل و نظیر دوسری حدیث
گھڑ کر صحابہ کے حق میں میرے سامنے پیش کرو۔ یہ ایسی بات تھی جو شام جیسے بے خبر ملک
میں ہی ممکن تھی جو حضرت عمر مدینہ میں آنحضرت کے زمانہ کے اس قدر نزدیک برملا اور کھلم
کھلا حکم نہیں دے سکتے تھے وہ حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث کو کسی نہ کسی بہانے سے ہی
روک سکتے تھے۔ اور مدینہ والوں نے آنحضرتؐ کی زبان سے شیخین کے بارے میں وہ
احادیث سنی ہی نہیں تھی۔ اور شیخین کا بھی تھوک کے بھاؤ اس قسم کی احادیث گھڑوانے کا
دھیان نہ گیا۔ لہذا وہ صرف حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث کو ہی حیلہ بہانے سے
رکوانے میں لگے رہے اور معاویہ کے حکم سے گھڑی ہوئی ان احادیث کا جو آج فضائل صحابہ
کے عنوان سے اہل سنت کی کتابوں میں درج ہیں ان کے زمانے میں کوئی وجود نہیں تھا۔ اور
اگر یہ احادیث جو آج فضائل صحابہ میں بیان ہو رہی ہیں اس وقت موجود ہوتیں تو سقیفہ بنی
ساعدہ میں جہاں پر اپنا استحقاق ظاہر کرنے کے لئے ان احادیث کا بیان کرنا نہایت
ضروری تھا۔ وہاں ضرور بیان کی جاتیں۔ مثلاً اگر یہ حدیث اس وقت موجود ہوتی کہ "اگر
میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا" تو حضرت عمر بھی اور حضرت ابوبکر بھی اور حضرت ابو
عبیدہ بن الجراح بھی یہ ہی کہتے کہ جب آنحضرت نے یہ فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی
ہوتا تو عمر ہوتا۔ تو اب آنحضرت کے بعد آنحضرت کا خلیفہ بننے کا حضرت عمر سے بڑھ کر اور
کون ایسا ہے جو اس امر کا حقدار ہو۔

اسی طرح حضرت عثمان کے فضائل میں معاویہ کے حکم سے گھڑی ہوئی حدیثیں
اگر اس وقت آنحضرت کی بیان کردہ موجود ہوتی تو شوریٰ کے موقع پر حضرت عثمان ضرور ان
کو بیان کرتے کہ میں بھی کوئی ایسا ویسا صحابی نہیں ہوں میں بھی وہ ہوں جس کی شان میں
پیغمبر نے یہ فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے بڑے زوردار طریقہ
سے اصحاب شوریٰ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بتاؤ میرے سوا تم میں کون ایسا ہے۔ جس کی شان
میں پیغمبرؐ نے یہ فرمایا ہو اور اصحاب شوریٰ جواب دیتے آپ کے سوا ہم میں سے کوئی نہیں
ہے۔ اس لئے جس کو تفصیل کی ضرورت ہو وہ:۔

نمبر 1۔ ابوالحسن علی بن محمد بن الطیب الجلابی المعروف ابن المغازی کی کتاب المناقب
نمبر 2۔ محمد بن یوسف الگنجی کی کتاب کفایت الطالب۔
نمبر 3۔ اخطب خوارزم کی کتاب المناقب
نمبر 4۔ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ میں باب التاسع فصل الثانی صفحہ نمبر 75-93
میں اصحاب شوریٰ کے سامنے حضرت علی کا احتجاج پڑھے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرف سے ان احادیث سے
احتجاج نہ کرنا جو آج گھڑ گھڑ کر پھیلائی ہوئی ہیں اور شوریٰ کے موقع پر حضرت عثمان کا
حضرت علیؑ کی طرح اپنی شان میں کوئی حدیث بیان نہ کرنا صاف طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ
اس وقت تک ان احادیث کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اور یہ اس وقت تک گھڑی ہی نہیں گئی
تھیں۔ اور صحابہ اور خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر کی شان میں گھڑی ہوئی احادیث کا
بیان پڑھنے کے لئے ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات اور مجد الدین محمد یعقوب محمد بن
ابراہیم اشیر ارزی الفیر زآبادی کی کتاب، سفر السعادت اور ملا علی قاری کی کتاب موضوعات
کبریٰ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب شرح السعادہ کا مطالعہ کریں جن میں ان

احادیث کو جو حضرت ابوبکر کی شان میں اہل سنت کے یہاں کثرت سے جاری ہیں موضوع اور گھڑی ہوئی قرار دیا گیا ہے اگرچہ ان بزرگ علمائے اہل سنت نے ان کے موضوع اور گھڑی ہوئی ہونے کے دلائل بھی دیئے ہیں، لیکن سب سے بڑی دلیل ان کے موضوع اور گھڑی ہوئی ہونے کی یہ ہے کہ اگر یہ ساری کی ساری احادیث جو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی شان میں بیان کی جاری ہیں اگر پیغمبر نے انہیں فرمایا ہوتا اور انکا اس وقت کوئی وجود ہوتا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمران احادیث کو سقیفہ بنی ساعدہ میں ضرور بیان کرتے کیونکہ وہ ان کے بیان کرنے کا اہم موقع تھا۔ اور ان کے بیان کرنے کی وہاں اشد ضرورت تھی اور حضرت عثمان بھی ان احادیث کو جو آج اہل سنت انکی شان میں بیان کر رہے ہیں اگر وہ پیغمبر نے فرمائی ہوتیں اور اس وقت انکا کوئی وجود ہوتا تو جس طرح حضرت علیؑ نے اصحاب شوریٰ کے سامنے برملا ڈنکے کی چوٹ فرمایا تھا کہ میرے سوا تم میں سے کون ایسا ہے جس کی شان میں پیغمبر نے یہ فرمایا ہو اور تمام اصحاب شوریٰ جواب دیتے یا علیؑ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے اگر حضرت عثمان کی شان میں بھی پیغمبرؐ نے کوئی حدیث بیان فرمائی ہوتی تو وہ بھی حضرت علیؑ کی طرح اصحاب شوریٰ کے سامنے فرماتے کہ میں بھی کوئی ایسا ویسا صحابی نہیں ہوں پیغمبر نے میری شان میں بھی ایسا فرمایا ہے۔

البتہ حضرت علیؑ کی شان میں پیغمبرؐ کی بیان کردہ احادیث پہلے تو حیلے بہانوں سے روکی گئیں۔ لیکن حضرت علیؑ کی شان میں اور فضائل میں پیغمبرؐ کی بیان کردہ احادیث جن کے روکنے کا حکم پہلے حیلے بہانوں سے دیا جاتا تھا معاویہ کے دور میں ایسا حکم کھلم کھلا دیا گیا، جیسا کہ شیخ ابوالحسن مدائنی نے اپنی کتاب الاحداث میں لکھا ہے کہ:

"روی ابو لحسن علی بن محمد بن ابی سیف الدین المداینی فی کتاب الاحداث قال کتب معاویہ نسخة و احدة الی عماله بعد عام

الجماعة انی بریت الذمة من روی شیئاً من فضل ابی تراب واهل بیته فقامت الخطباء فی کل کورة وعلی کل منبر یلعنون علیاً و اهل بیته.

(شرح ابن الحدید معتزلی الجزء الثالث صفحہ 15
بحوالہ کتاب الاحداث ابوالحسن مدائنی)

ترجمہ: ابوالحسن علی بن محمد بن ابی سیف الدین المدائنی نے اپنی کتاب الاحداث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے مضمون واحد کے حکم نامے عام الجماعت کے بعد (یعنی اپنی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی) اپنے تمام عمال کے پاس بھیجے جن میں اس نے تحریر کیا کہ میں ہر اس شخص سے بری الذمہ ہوں جو علیؑ اور اولاد علیؑ کے فضائل بیان کرے۔ لہذا ہر طبقہ اور ہر زمیں پر اور ہر منبر پر خطیب کھڑے ہو گئے جو حضرت علیؑ پر لعنت کرتے تھے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے اور انکی اور انکی اولاد کی مذمت کرتے تھے۔

اصحاب اور خلفائے ثلاثہؓ کے فضائل میں حدیثیں گھڑنے کا حکم

حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کے فضائل کی احادیث کو روکنے کے ساتھ ہی معاویہ نے اپنے عمال کو لکھا کہ صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں حدیثیں گھڑ کے میرے سامنے پیش کی جائیں۔ جیسا کہ ابوالحسن مدائنی نے اپنی کتاب الاحداث میں لکھا ہے کہ معاویہ نے اپنے عمال کو یہ حکم نامہ بھی جاری کیا کہ: فاذا جاء کم کتابی هذا فادعوا الناس الی الروایه فی فضائل الصحابه والخلفاء الاولین ولا تترکوا اخبراً یرویه احد من

المسلمین فی ابوتراب الا و اتونی بمناقض له فی الصحابه مفتعلة فان هذا احب الی واقر عینی وادحض بحجة ابو تراب و شیعته"

(شرح ابن الحدید معتزلی الجزء الثالث ص 15-16،
بحوالہ کتاب الاحداث ابوالحسن مدائنی)

ترجمہ: یعنی جس وقت تم کو میرا یہ خط ملے فوراً تم لوگوں کو صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے فضائل بیان کرنے کی دعوت دو۔ اور اگر تم کوئی حدیث ابوتراب کے حق میں سنو تو ویسی ہی اور بالکل اس کے مثل ونظیر دوسری حدیث صحابہ کے حق میں طبع کر کے اور گھڑ کر مجھے دو۔ کیونکہ بہ تحقیق یہ امر مجھے بہت ہی محبوب تر ہے۔ اور میری آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا ہے اور ابوتراب اور انکے شیعوں کی دلیل وحجت کو بہت ہی توڑنے والا ہے۔

معاویہ کے اس حکم کے بعد نہ صرف صحابہ اور خلفائے ثلاثہ کے فضائل میں، حضرت علیؑ کے فضائل سے ملتی جلتی حدیثین گھڑی جانے لگیں۔ بلکہ حضرت علیؑ اور انکی اولاد کے لئے توہین آمیز اور جنگ انگیز اور ان کی شان کے خلاف احادیث کے نام سے بہتان بھی تراشے جانے لگے تا کہ لوگوں کے سامنے حضرت علیؑ پر تبرا کرنے کی صورت میں وہ ان کو اسی لائق سمجھیں۔ اور یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے۔ کہ حضرت علیؑ کے اوپر بنی امیہ کے دور حکومت میں بر سر منبر تبرا ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب "خلافت وملوکیت" میں طبری جلد 4 صفحہ 188 اور تاریخ کامل ابن اثیر جلد 3 صفحہ 80 کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے انکے تمام گورنر خطبوں میں بر سر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کی مسجد نبوی میں ان کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اور حضرت علیؑ کی

اولاد اور انکے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔

(خلافت وملوکیت علامہ مودودی ص 174 بحوالہ تاریخ طبری جلد 4 ص 188،
تاریخ کامل جلد 3 ص 80)

اور علامہ شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں اسطرح لکھا ہے "احادیث کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنھوں نے پورے نوے برس تک ایشائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہؑ کی توہین کی جمعہ میں بر سر منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ کے فضائل میں بنوائیں۔

(سیرۃ النبی جلد 1 ص 49 طبع کانپور)

یہاں تک کہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پورے ذخیرہ احادیث میں ایک روایت بھی معاویہ کی فضیلت میں صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ہزاروں حدیثیں معاویہ کے فضائل میں گھڑی گئی ہیں چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

"ایک گروہ نے معاویہ کے لئے فضائل وضع کیئے اور پھر اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے من گھڑت حدیثیں روایت کیں جو سب کی سب جھوٹی ہیں۔

(منہاج السنہ امام ابن تیمیہ جلد 2 ص 207)

معاویہ کے حکم سے جتنی حدیثیں گھڑی گئیں ان پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ معاویہ تک جن کے وسیلہ سے حکومت پہنچی ان کے احسان کا بدلہ چکایا گیا ہے۔ اور اپنی تعریف میں پروپیگنڈہ کرنا تو ہر دنیاوی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا جب اس کے حکم سے خلفاء ثلاثہ اور دوسرے اصحاب کی شان میں پیغمبرؐ کی طرف جھوٹ منسوب کر کے حدیثیں گھڑی گئیں تو معاویہ کا حق بنتا تھا کہ اس بہتی ہوئی گنگا میں وہ بھی ہاتھ دھوئے اور اس کے لئے بھی احادیث گھڑ کر بیان کی جائیں۔ یہاں پر علامہ محمد

اشرف سیالوی صاحب غور کریں کہ انکے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اور رشید احمد گنگوہی بانی مدرسہ دیو بند کے وہ بزرگ اسلاف جو حضرت علیؑ کے زمانہ میں شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کہلاتے تھے۔ جب انہوں نے معاویہ کی بیعت کر لی اور اس کی خلافت پر اجماع ہو گیا۔ تو ان حالات میں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ عام الجماعت یا سنۃ الجماعت کے بعد ان کے یہ بزرگان سلف اگر اہلسنت والجماعت نہیں کہلانے لگے تھے۔ تو کیا وہ اب بھی شیعہ علی کہلانے کی جرآت کر رہے تھے۔ شاید انہیں اس بات کا اندازہ ضرور ہو گا کہ اگر وہ معاویہ کی بیعت کرنے کے بعد بھی شعیان علیؑ کہلاتے رہتے تو مفت میں مارے جاتے، کیونکہ معاویہ نے ان سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا؟

بہر حال ذکر ہو رہا تھا اصحاب پیغمبرؐ اور خلفائے ثلاثہ کی شان اور فضائل میں حدیثیں گھڑنے اور حضرت علیؑ، اور اہل بیت میں عیب و نقص بیان والی احادیث کے گھڑنے کا۔

ابو عثمان جاحظ نے جو دشمنان علی ابن ابی طالب میں سے تھا ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب عثمانیہ ہے۔ اس میں اس نے جہاں فضائل علیؑ کو چھپانے کی انتہائی کوشش کی وہاں دوسرے صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں بہت سی وضعی اور جھوٹی گھڑی ہوئی حدیثیں تحریر کی ہیں اسکا جواب خود اہل سنت کے ایک عالم معتبر ابو جعفر اسکافی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں اسطرح دیا ہے

" لمن روی الاخبار والاحادیث فی فضل ابی بکر وما کان من تاکید بنی امیہ لذالک وما والدہ المحدثون من الاحادیث طلبا لمافی ایدیھم..... الی

و قد علمت ان معاویہ و یزید من کان بعدھم من بنی مروان ایام

ملکھم نحو ثمانین سنۃ لم یدعو جھداً فی حمل الناس علی شتمہ و لعنتہ واخفاء فضائلہ وستر مناقبہ و سوابقہ"

(کتاب نقض عثمانیہ ابو جعفر اسکافی)

ترجمہ: جو شخص فضائل ابوبکر میں احادیث بیان کرتا تھا اس کو انعام و اکرام ملتا تھا۔ اور یہی بنی امیہ کی تاکید تھی۔ لہذا محدثین نے انعام حاصل کرنے کی غرض سے کوشش کی کہ اس قسم کی احادیث وضع کریں اور ذکر علیؑ و اولاد علیؑ سے باز رہیں۔ اور ان کے نور کو بجھا دیں۔ ان کے فضائل و مناقب و سوابقات کو چھپائیں۔ لوگوں پر زبردستی کی گئی کہ منبروں پر علیؑ و اولاد علیؑ پر لعنت کریں اور سب و شتم کریں۔ حالانکہ علویین قلیل تھے اور ان کے دشمن کثیر تھے۔ پھر بھی ان کے دشمن کی تلواروں سے ہمیشہ ان کا خون ٹپکتا رہا۔ ان کو قتل کرتے تھے۔ قید کرتے تھے اور وہ بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ ذلیل ہوتے تھے۔ خائف رہتے تھے۔ فقیہ و محدث و مورخ و متکلم کو رشوت دی جاتی تھی۔ اور ان کو شدید عذاب و سزا کی دھمکی سے ڈرایا جاتا تھا کہ وہ فضائل علیؑ و اولاد علیؑ میں سے ایک شہ بھی بیان نہ کریں اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ ان سے لیں۔ محدثین کے خوف کی حد یہاں تک ہو گئی کہ جب حضرت علیؑ کے واسطے سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو علیؑ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ اشارہ سے کہتے تھے مثلاً قریش میں سے ایک شخص نے یہ کہا ہے، قریش سے ایک شخص نے ایسا کہا تھا۔ علیؑ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ نہ انکا نام لیتے تھے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ ہم نے یہ دیکھا کہ تمام مختلف جماعتوں نے اس امر پر اجماع کر لیا کہ علیؑ کے فضائل کو گھٹائیں اور انکی تاویلات کریں اسی وجہ سے عثمانی حاسد کو موقع ملا کہ طعن و اعتراض کرے۔ لیکن جاننے والے اصلی بات کو جانتے ہیں۔ فضائل علیؑ کے ابطال میں بہت سے حیلے کرتے ہیں۔ اور جو فضائل ایسی مشہور ہیں کہ انکا انکار نہیں ہو سکتا تو انکی تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی مطلقاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اور کہیں

ان فضائل کی قدر گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے فضائل علیؑ قوت واستحکام پکڑتے ہیں۔ اور نور الٰہی کی طرح خوب پھیلتے ہیں۔ یہ توسب کو معلوم ہے کہ معاویہ اور یزید اور ان کے بعد بنومروان نے اپنے زمانہ سلطنت میں جو تقریباً اسی 80 سال تھا لوگوں کو زبردستی کر کے علیؑ اور اولاد علیؑ پر لعن کرنے اور ان کے فضائل وسوابق ومناقب کو چھپانے میں کوئی کوشش فروگزاشت نہیں کی۔

(اقتباس از ترجمہ کتاب نقض عثمانیہ ابوجعفر اسکافی)

تاریخ ابن عرفہ کا بیان وضع احادیث کے بارے میں

ابن ابی الحدید معتزلی نے جو کچھ ابوالحسن مدائنی سے بیان نقل کیا ہے وہ سابق میں لکھا جاچکا، ان ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں تاریخ عرفہ سے بھی ایک بیان نقل کیا ہے جو اسطرح ہے کہ: " وقدروی ابن عرفه المعروف بنفطویه وهو من اکابر المحدثین واعلامهم فی تاریخه مایناسب هذا الخبر و قال: ان اکثر الاحادیث الموضوعة فی فضائل الصحابه افتعلت فی ایام بنی امیه تقرباً الیهم لما یظنون الهم یر غمون به انوف بنی هاشم"

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی الجزء الثالث ص 15-16

شرح خطبہ ان فی ایدالناس حق و باطلا)

ترجمہ: اور تحقیق روایت کی ہے اپنی تاریخ میں ابن عرفہ بنفطویہ نے جو بہت بڑے محدثین میں سے ہیں۔ وہ خبر جو اس خبر کی تصدیق کرتی ہے کہ بہت احادیث موضوعہ فضائل صحابہ یعنی خلفائے ثلاثہ کے لئے گھڑی گئیں ہیں زمانہ بنی امیہ میں تاکہ ان کے ذریعہ سے نزدیکی اور قرب حاصل کیا جائے کیونکہ بنی امیہ گمان کرتے تھے کہ وہ ان احادیث موضوعہ کے ذریعہ

سے بنی ہاشم کی ناک مروڑ رہے ہیں' ابوالحسن مدائنی اور ابن عرفہ نفطویہ کا بیان اگرچہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی سے نقل کیا گیا ہے لیکن اصل بیان تو ابوالحسن مدائنی اور عرفہ نفطویہ کا ہے لہذا اصل دیکھنے والی بات یہ کہ خود ابوالحسن مدائنی اور ابن عرفہ کا کیا مقام ہے جیسا کہ سابق میں مولانا مودودی کا بیان انکی کتاب خلافت وملوکیت سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن اصل بیان تاریخ طبری اور تاریخ کامل کا ہے لہذا مولانا مودودی کے بیان میں تاریخ طبری اور تاریخ کامل کا مقام دیکھا جائیگا نہ کہ مولانا مودودی کا اسی طرح ابن ابی الحدید معتزلی کی شرح نہج البلاغہ کے حوالے میں اصل مقام ابوالحسن مدائنی اور ابن عرفہ کا دیکھا جائیگا۔

ابوالحسن مدائنی کا اہل سنت میں مقام

ابوسعید عبدالکریم ابن ابی بکر اپنی کتاب الانساب میں ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی شعیب المدائنی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

" قال یحی بن معین غیر مره اکتب عن المدائنی کتبه و کان ابوالعباس یقول من اراد اخبار الاسلام فعلیه بکتب المدائنی "

ترجمہ: یحیٰ بن معین کہتا ہے کہ میں ہمشہ مدائنی کی کتابوں سے اخذ کر کے لکھتا ہوں۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ جو شخص تاریخ اسلام معلوم کرنے کی خواہش رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ مدائنی کی کتابیں پڑھے۔ (کتاب الانساب اسمعانی باب المیم والدال ورق 515)

ابن عرفہ کا اہل سنت میں مقام

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب بغیة الوعاة میں ابرھیم بن محمد بن عرفہ بن سلیمان بن المغیرہ بن حبیب ابن مہلب ابن اب صفرہ العتکی الازدی الواسطی ابوعبداللہ

الملقب نفطویہ کے بارے میں اس طرح لکھا ہے

"قال یاقوت کان نفطویہ عالم بالعربیہ واللغہ و الحدیث اخذ ثعلبہ المبرد و کان زاھد الاخلاق حسن المجالسۃ ۔ صادقا فیما یرویہ ، حافظا للقرآن ، فقیہاً علی مذھب داود الظاھری راساً فیہ مسند الحدیث حافظا للسیر وایام الناس والتواریخ والوفیات ذا مروہ و ظرف جلیس للقراء اکثر من خمسین سنۃ و کان یبداء فی مجلسہ بالقرآن علی روایت عاصم ثم یقرء الکتاب

(جلال الدین سیوطی کتاب بغیۃ الوعاۃ ص 187 مطبوعہ مصر 1326)

ترجمہ: یاقوت نے کہا کہ نفطویہ عالم علم عربی ولغت وحدیث تھا اور حدیث کا علم ثعلب اور مبرد سے حاصل کیا۔ پاکیزہ اخلاق والا نیک صحبت اور سچا تھا اس چیز میں جو وہ روایت کرتا تھا حافظ قرآن تھا اور طریقہ داود الظاہری کا سردار اور فقیہ تھا حدیث میں مسند تھا علم سیرت و وقائع مردم اور ازمنہ فوتیدگی علماء ومحدثین کا حافظ تھا۔ صاحب مروت اور ظریف تھا پچاس برس سے زیادہ درس دیا ہے۔ اور اپنے درس کو حسب روایت عاصم پہلے قرآن سے شروع کرتا تھا پھر اور کتابیں پڑھاتا تھا"

ان دونوں حضرات کا مقام ہم نے یہاں پر اس لئے نقل کیا ہے تا کہ انہوں نے جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھا ہے اس کی اہمیت ثابت ہو سکے اور ابن ابی الحدید کے شرح نہج البلاغہ میں ان کے بیان کو نقل کرنے سے انکی اہمیت کو نہ گھٹایا جا سکے۔ کیونکہ ابن ابی الحدید معتزلی اہل سنت کے معتزلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اہل سنت کے بہت سے بے انصاف علماء اور مناظرہ باز علماء انہیں شیعہ قرار دے کر انکی بعض تحریروں کے بے اثر کرنے پر تل جاتے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت کے بعض محققین بعض باتوں کو جو تحقیق کے نکتہ نظر سے نا قابل

انکار دکھائی دیتی تھیں تسلیم کر کے لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ مثلاً مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں حضرت عثمان کی اقربا پروری اور انکے عمال اور گورنروں کی بدعنوانیوں کو تسلیم کیا ہے۔ اور طہ حسین مصری نے اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ میں عبد اللہ ابن سبا یہودی کے افسانے کو پوری تحقیق کے ساتھ شیعوں کو بدنام کرنے اور حضرت عثمان کے عمال کی بد عنوانیوں پر پردہ ڈالنے کی سازش قرار دیا ہے سابق وزیر معارف حکومت مصر محمد حسین ہیکل نے حضرت عائشہ کا عقد نکاح اور رخصتی مدینے میں قرار دی اور سلیمان ندوی کی تحریر کے مطابق بعض محققین اہل سنت کے نزدیک حضرت عائشہ کی شادی آنحضرت کے ساتھ 5 یا 6 سال کی عمر میں نہیں بلکہ 16 یا 17 سال کی عمر میں ہوئی۔

یہ تمام باتیں اہل سنت کے مسلمات کے خلاف ہیں، لیکن یہ ان محققین اہل سنت کی تحقیق ہے اس تحقیق کی بنا پر خواہ مخواہ میں انہیں شیعہ کہہ کر ان باتوں کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح سیالوی صاحب نے ابن ابی الحدید معتزلی کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے۔ اور اسے شیعہ قرار دینے کی بہت اصرار کے ساتھ کوشش کی ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ ابن ابی الحدید معتزلی تھا یعنی فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن سیالوی صاحب ہی نہیں بلکہ بعض دوسرے بہت سے بے انصاف اہل سنت مصنفین بھی معتزلہ فرقہ کو شیعہ فرقہ قرار دینے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں جیسا کہ ابوزہرہ مصری نے بھی اپنی کتاب اسلامی مذاہب میں یہی غلطی کی ہے لہذا ہم اس سے آگے کچھ معتزلہ فرقہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

بلال زبیری نے اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں باب اول میں ۔۔ فقہی مذاہب کا ذکر کیا ہے۔ باب دوم میں معتزلہ کے 31 فرقے لکھے ہیں باب سوم میں صوفیاء کے 33 فرقے لکھے۔ باب چہارم میں مرجیہ کے چودہ فرقے لکھے۔ باب پنجم میں خوارج

کے 31 فرقے لکھے، باب ششم میں امامیہ کے 73 فرقے لکھے ہیں اور باب ہفتم میں اسماعیلیہ کے 25 فرقے لکھے ہیں ان فرقوں میں لفظ اہل سنت یا اہل تشیع قطعی طور پر استعمال نہیں ہوا البتہ چونکہ معتزلہ تمام کے تمام۔ صوفیاء تمام کے تمام، مرجیہ تمام کے تمام اور خوارج تمام کے تمام خلافت کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے لئے تسلیم کرتے ہیں لہذا یہ سب کے سب اہل سنت میں شمار ہوتے ہیں اور امامیہ اور اسماعیلیہ چونکہ حضرت علیؑ کو اپنا پہلا امام مانتے ہیں لہذا یہ سب کے سب امامیہ یا اہل تشیع میں شمار ہوتے ہیں۔ چونکہ اہل سنت کے تمام فرقے صوفیاء مرجیہ، اور خوارج کو چھوڑ کر باقی کے تمام فرقے معتزلہ سے ہی جدا ہوئے ہیں اور معتزلہ ہی کی شاخیں ہیں لہذا ہم معتزلہ کا حال اختصار کے ساتھ بلال زبیری کی کتاب فرقے اور مسالک سے نقل کرتے ہیں۔

معتزلہ 31 فرقے تاریخ کے آئینہ میں

بلال زبیری لکھتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں معتزلہ پر ایک مفصل باب موجود ہے اس فلسفیانہ طرز فکر کے علماء و حکماء کا تاریخ سازی میں اہم کردار رہا ہے۔ یہ پہلا گروہ ہے جس کے اکابرین نے سیاسی مصلحتوں سے کنارہ کش رہ کر قرآنی تعلیمات کو پرکھنے کے لئے عقلیات کو معیار مقرر کیا۔

اسلام کے ہر حکم پر عقلی دلیل طلب کی جاتی اور جو لوگ دین کے معاملات میں عقلی دلائل پسند نہ کرتے ان سے مناظرہ کئے جاتے اس طرح ایک نئے طرز فکر نے جنم لیا۔ رفتہ رفتہ ایک نیا طبقہ مرتب ہونے لگا۔ جو مذہب کے معاملہ میں صرف عقلیات کو معیار سمجھتا تھا۔ جو چیز عقل انسانی کے ترازو میں نہ تل سکتی اسے مسترد کر دیا جاتا۔ شروع شروع میں یہ طبقہ پختہ مسلمان علماء کی تائید سے ابھرا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کے اندر کئی اخلاقی بحثیں پیدا ہوئیں

اور کئی گروہ بنے۔

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

چونکہ ہر انسان کی عقل دوسرے کی عقل سے علیحدہ ہے لہذا جب معاملہ عقل پر ٹھہرا تو اختلافی بحثیں ہونا اور مختلف گروہ بننا ناگزیر تھا چنانچہ بلال زبیری لکھتے ہیں کہ: "انسان کے مختار مطلق یا مجبور محض کے عنوان پر بحثیں شروع ہوئیں قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق، اگر غیر مخلوق ہے تو اسکا درجہ مخلوقات میں کیا ہے۔ خدا عادل ہے تو سزا کیسی۔ اگر عادل نہیں تو خدا کی صفات میں اس صفت کا اضافہ کیوں وغیرہ وغیرہ۔

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 45-44)

اس سے ثابت ہوا کہ پہلے مسلمان عقاید و نظریات اور افعال و اعمال میں بے چوں چرا ماننے کے قائل تھے فلسفہ یونان تک رسائی کے بعد دینی معاملات میں عقل کو دخل دینے لگے اور ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگے۔ چنانچہ یہ نام رکھنے کے بارے میں بلال زبیری اس طرح لکھتے ہیں۔

معتزلہ 90 ہجری

اس فرقے کے بانی واصل بن عطا ہیں یہ بزرگ ایرانی الاصل تھے۔ اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ (م 110ھ) کے ممتاز ارشد تلامذہ میں شامل تھے۔ واصل بن عطا نے سب سے اول مذہبی اعتقادات میں عقلی میلانات کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے ابدیت قرآن کی دلیل ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ خدا کی صفات میں ایک صفت حکمت بھی ہے۔ جس کا خدا صاحب ہوتا ہے مگر یہ حکمت خدا نے پیدا نہیں کی۔ بلکہ خدا کے ساتھ مشروط ہے مگر یہ حکمت خدا بھی نہیں کہلا سکتی۔ واصل بن عطاء نے چونکہ

فلسفہ الہیات کی ایک نئی شاخ سے مسلمانوں کو متعارف کرانے کی کوشش کی تھی۔ اور ان کے خیالات عام مسلمانوں کے خیالات سے قدرے مختلف ہو گئے تھے۔ واصل بن عطاء اور خواجہ حسن بصری کے درمیان عقلیات کے موضوع پر مباحث بھی ہوتے رہتے تھے۔ خواجہ حسن بصری نے ان کو فلسفیانہ موشگافیوں سے گریزاں رہنے کے لئے کہا مگر اس نے تسلیم نہ کیا تو خواجہ صاحب نے ان کو اپنے درس سے نکال دیا اور کہا کہ وہ اعتزال کا شکار ہو گیا ہے یعنی صحیح میعار سے الگ ہو کر عقل کو دین کے معاملہ میں معیار مقرر کرتا ہے جو دین کے منافی ہے۔ اس وقت سے واصل بن عطاء کے ساتھ معتزلہ کے لفظ کا اضافہ ہوا اور ایک نیا فرقہ وجود میں آ گیا'' (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

اس سے ثابت ہوا کہ واصل بن عطاء خواجہ حسن بصری کے مذہب پر تھا اور ان کا شاگرد تھا اور صوفیاء کے تمام سلسلے خواجہ حسن بصری پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ اور انکا مذہب سیالوی صاحب سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اعتزال کے معنی عزلت اختیار کرنا۔ گوشہ نشین ہونا۔ علیحدہ ہونا ہے چونکہ خواجہ حسن بصری باطنی علم اور کشف والہام کے قائل تھے اور عقائد و نظریات میں عقلیات کے قائل نہیں تھے اور واصل بن عطاء عقائد و نظریات کو عقلیات کی کسوٹی پر پرکھنے لگا تھا۔ لہذا یہ لقب خواجہ حسن بصری نے دیا تھا کہ واصل بن عطاء اعتزال کا شکار ہو گیا ہے لہذا اس وقت سے عقلی دلائل پر نظریات کو پرکھنے والوں کو معتزلہ کہا جانے گا۔ واصل بن عطا کے بعد اسکے شاگرد بھی عقل کو ہی دین کا معیار سمجھتے تھے۔ مگر مختلف مسائل میں انکی عقل اپنے استاد سے اختلاف کر جاتی تھی لہذا وہ معتزلہ کی دوسری شاخ بن جاتی تھی۔ اسطرح معتزلہ کے معنی دین میں عقل کو معیار بنانے والوں کے 31 فرقے ہوئے۔ ہم یہاں سے اشاعرہ تک چند فرقوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

1۔ قدریہ 110ھ۔ یہ فرقہ ابتداء میں معتزلہ شمار ہوتا تھا اور واصل بن عطا کے خیالات کے

تابع تھا مگر اس کے ایک سرکردہ عالم عمر ابن عبداللہ نے معتزلہ کے عقائد میں ترمیم کر کے فرقے کو نئی بنیاد پر چلایا۔ (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

2۔ ہذلیہ 118 ہجری۔ یہ فرقہ بھی معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے یہ لوگ محمد بن حزیل کو جو اس فرقے کے سرکردہ عالم تھے اپنا رہنما اور پیشوا مانتے ہیں ابو ہذیل نے بعض عقائد میں معتزلہ اور قدریہ سے اختلاف کیا (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

3 عشبہ 170 ہجری۔ یہ بھی معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے اس کا بانی ہشام ابن حکم تھا یہ شخص اپنے دور کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے خدا کے جسم کے ثبوت میں کئی کتابیں لکھیں۔ (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

4۔ مقاتلیہ 180 ہجری۔ یہ فرقہ بھی معتزلہ ہی کی شاخ ہے اسکے بانی کا نام مقاتل بن سلیمان ہے۔ (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

5۔ واسمیہ 180 ہجری عشبہ ومقاتلیہ کی طرح واسمیہ بھی اسی طریقہ فکر کا الگ گروہ ہے
(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

6۔ جبائیہ 180 ہجری۔ معتزلہ ہی کی ایک شاخ جبائیہ کے نام سے مشہور ہے اسکا بانی ابو علی محمد بن عبدالوہاب جبائی ہے یہ جب نامی ایک قصبہ کا رہنے والا تھا۔ جو خراساں کے علاقہ میں واقع ہے اس وجہ سے اس فرقہ کی نسبت جبائی یا جبائیہ مشہور ہے۔
(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

نمبر 7 کعبیہ۔ نمبر 8۔ نظامیہ۔ نمبر 9 معمریہ نمبر 10 مغریہ۔ نمبر 11 ثامیہ۔ نمبر 12 حابتہ نمبر 13 ملاحیہ نمبر 14 ہاشمیہ نمبر 15 الجاحظ نمبر 16 کرامیہ نمبر 17 تجاریہ نمبر 18 اشاعرۃ ۔ اسکے بعد 16 فرقے اور ہیں۔ یہ سب فرقے معتزلہ کی شاخیں ہیں چونکہ یہ دین کے معاملات میں عقل کو معیار قرار دیتے تھے لہذا خود شاگرد اپنی عقلی دلیل کی

بنیاد پر اپنے استاد سے علیحدہ ہو کر نیا فرقہ بنا لیتا تھا۔

اشاعرہ کے بارے میں ہم کچھ پہلے بھی لکھ چکے ہیں جہاں سیالوی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ شیخ ابوالحسن اشعری نے ابو علی جبائی معتزلی کا مذہب ترک کر دیا اور آپ خود ان کے متبعین معتزلہ کا رد کرنے میں مشغول ہو گئے۔ (تحفہ حسینیہ ص 132)

یعنی ابوالحسن اشعری خود ابو علی محمد ابن عبدالوھاب جبائی کا شاگرد تھا

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 44)

لیکن جس طرح عقلی دلائل کے اختلاف سے دوسرے شاگرد اپنے استاد سے علیحدہ ہو کر علیحدہ فرقہ بناتے رہے اسی طرح ابوالحسن اشعری نے اپنے استاد ابو علی جبائی سے بعض معاملات میں اپنی عقلی دلائل کی بنیاد پر علیحدگی اختیار کر لی اور اشاعرہ کے نام سے نیا فرقہ معرض وجود میں آیا لیکن یہ بھی معاملات دین کو عقلی معیار کی بنیاد پر پرکھنے کی وجہ سے معتزلہ ہی کہلائیگے۔ تفصیل کے لئے اسی کتاب کے عنوانات۔

نمبر 1 اہل سنت کی وجہ تسمیہ خود اہل سنت کی زبانی

نمبر 2 ابو علی جبائی معتزلی کا بیان

نمبر 3 ابوالحسن اشعری ابو علی جبائی کا شاگرد تھا۔

نمبر 4 معتزلہ کی پیدائش اور اس سے اشعری کی جدائی کا پھر سے مطالعہ کریں۔ چونکہ یہ (31) معتزلہ کی شاخیں عقل کی بنیاد پر اختلاف کر کے جدا ہوئی تھیں لہذا یہ سب کی سب ایک لحاظ سے معتزلہ ہی تھیں لیکن اپنے بانی کے نام سے کوئی جبائی کہلاتا تھا اور کوئی اشعری کہلاتا تھا۔ بلال زبیر نے ان سب کو معاملات دین کے عقل کی بنیاد پر ماننے کی بنیاد پر اور ایک دوسرے کا شاگرد ہونے کی بنا پر معتزلہ میں شمار کیا۔ اور علامہ سیالوی صاحب نے خود ابوالحسن اشعری کو ابو علی جبائی معتزلی کا شاگرد تسلیم کیا ہے۔ لہذا ایک جبائیہ ہے دوسرا اشاعرہ

ہے۔" (تحفہ حسینیہ جلد اول ص 132)

یہ دونوں ہی اہل سنت کے معتزلہ فرقے ہیں ان میں سے جبائیہ انسان کو اپنے افعال میں خود مختار سمجھتا ہے برے کام بھی یہ اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اچھے کام بھی اور اشاعرہ خیر و شر کا مالک خدا کا جانتے ہیں خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ اسی کو مسئلہ جبر و قدر کہتے ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی کی اس بارے میں ایک رباعی ہے۔

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار

دیکھا تو نہ تھا اس میں کچھ مذہب کا مدار

جو بے ہمت تھے ہو گئے مجبور

جو باہمت تھے بن گئے مختار

حضرت علیؑ کے تعلق سے اہل سنت کے فرقے

اب تک کے بیان سے ثابت ہوا کہ: یہ دونوں فرقے یعنی اشعری اور معتزلہ اہل سنت کے ہی فرقے ہیں۔ البتہ ان میں حضرت علی علیہ السلام کے تعلق سے ایک فرق ضرور ہے ان میں سے کچھ تو خلافت کے بارے میں ترتیب کے قائل ہیں یعنی جو خلیفہ پہلے بنا ہے وہ فضیلت میں بھی دوسروں سے افضل ہے یعنی چونکہ حضرت ابو بکر پہلے خلیفہ ہوئے لہذا وہ سب سے افضل ہیں۔ دوسرے نمبر پر حضرت عمر خلیفہ ہوئے لہذا وہ دوسرے نمبر پر سب سے افضل ہیں تیسرے نمبر پر حضرت عثمان خلیفہ بنے لہذا وہ تیسرے نمبر پر سب سے زیادہ افضل ہیں اور چوتھے نمبر پر حضرت علی خلیفہ ہوئے لہذا وہ چوتھے نمبر پر سب سے افضل ہیں اور کچھ حضرت علیؑ کے ساری امت میں سب سے افضل ہونے کے قائل ہیں لیکن انکا عقیدہ یہ ہے

کہ جس کی بیعت ہو جائے چاہے وہ مفضول ہی ہو وہ خلیفہ اور حاکم بن جاتا ہے۔ لہذا انہوں نے حضرت علیؑ کو سب سے افضل ماننے کے باوجود بیعت ہونے کی وجہ سے پہلا خلیفہ حضرت ابوبکر کو مانا دوسرا خلیفہ حضرت عمر کو مانا تیسرا خلیفہ حضرت عثمان کو مانا اور چوتھا خلیفہ حضرت علی کو مانا یعنی جسکی بیعت ہوگئی اس کو انہوں نے خلیفہ مان لیا۔ اور چونکہ انکا عقیدہ یہ تھا کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی بیعت ہو جائے تو وہ خلیفہ ہو جاتا ہے اور انہوں نے فاضل کے ہوتے ہوئے خود مفضول کی بیعت کر لی تھی۔ لہذا جب معاویہ کے حکم سے اصحاب کی شان میں حدیثیں گھڑنے کی ایک رو چل رہی تھی تو ان مفضول کی بیعت کرنے والوں نے ایسی روایات گھڑنے میں بڑی جدوجہد کی کہ علیؑ نے بھی حضرت ابوبکر کی پھر حضرت عمر کی پھر حضرت عثمان کی بیعت کر لی تھی۔ اور ابن الحدید معتزلی کے یہاں یہ جدوجہد بہت ہی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اس نے ثلاثہ کی خلافت کو جواز کا جامہ پہنانے کے لئے حضرت علیؑ کا بیعت کرنا چاہے مار مار کے ثابت کرنا پڑا ہوا پنے عقیدے کو درست ثابت کرنے کے لئے اس نے ایسی روایات گھڑی ہوئی نقل کر کے اپنے دل کو مطمئن کیا ہے لیکن علامہ سیالوی صاحب پھر بھی ابن الحدید معتزلی کو دانت بھینچ بھینچ کر شیعہ کہنے پر تلے ہوئے ہیں۔

حدیثوں اور احادیث کے گھڑنے والوں کی اقسام

جیسا کہ اب تک ثابت کیا جا چکا ہے کہ معاویہ کے حکم سے جب احادیث کے گھڑنے کا حکم دیا تو ہر خطیب اور واعظ اپنے اپنے حوصلے کے مطابق تقرب حاصل کرنے اور انعام کے لالچ میں اس کام میں مصروف ہو گیا۔ لہذا اس سلسلہ میں جتنی احادیث گھڑی گئیں ان میں چند اقسام اسطرح ہیں۔

نمبر 1۔ حضرت علی کی فضیلت میں جتنی احادیث پیغمبرؐ سے منقول تھی ان سے ملتی جلتی اور بالکل ان کے مثل و نظیر احادیث خلفائے ثلاثہ کے لئے گھڑی گئیں۔

نمبر 2، اصحاب اور خلفاء ثلاثہ کی مذمت میں جو کچھ احادیث پیغمبرؐ میں بیان ہوا تھا ویسی ہی روایات مذمت اور نقص و عیب بیان کرنے والی احادیث حضرت علیؑ کے بارے میں گھڑی گئیں۔

نمبر 3۔ حضرت علیؑ کی شان میں جو آیات قرآن میں نازل ہوئیں تھیں انکے مطلب کو بدل دیا گیا۔

نمبر 4 اصحاب کی مذمت میں جو آیات نازل ہوئی تھیں انکو دوسرے معنی پہنا کر خود پیغمبرؐ کی مذمت کی آیات بنا دیا گیا۔ دیکھو جنگ بدر کے حالات اسی کتاب میں۔

نمبر 5۔ خدا نے اور پیغمبرؐ نے ساری امت کو اپنی عترت سے تمسک کرنے اور اطاعت کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے برخلاف یہ روایت گھڑی گئی کہ حضرت علیؑ نے اپنے سے پہلے کے تین خلفاء کی بیعت کر لی تھی لہذا جس نے خلفائے ثلاثہ کی اطاعت کی اس نے حضرت علی کی پیروی کی اور علامہ سیالوی نے یہی مطلب لیا ہے۔

نمبر 6. خلفائے ثلاثہ نے صرف اقتدار حاصل کیا تھا۔ انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ خدا کے حکم سے یا پیغمبر کے مقرر کردہ ہادی ہیں لیکن معاویہ کے حکم سے ایسی روایات گھڑی گئیں جن سے انہیں مذہبی رہنما اور دین کا پیشوا بنا دیا گیا۔ اور انکے ماننے والوں نے ایک مذہب کی صورت اختیار کر لی یہاں تک ان گھڑی ہوئی احادیث کی اقسام کا بیان ہوا ہے جو پیغمبرؐ کی طرف نسبت دیکر بیان ہوئیں اب ہم آئمہؑ کیطرف منسوب روایات کا بیان کرتے ہیں۔

آئمہ اہل بیت کی طرف نسبت دیکر احادیث گھڑنے کا بیان

اوپر جن احادیث کے گھڑنے کا بیان ہوا ان میں سے اکثر وہ احادیث میں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرف جھوٹی نسبت دیکر گھڑی جاتی تھیں لیکن جب آئمہ اطہار کا زمانہ آیا اور عترت پیغمبر کی شان لوگوں کو معلوم ہوئی تو انکی نسبت دے دے کر روایت گھڑنے کا سلسلہ صوفیاء نے شروع کیا۔ اور آئمہ اہل بیت کی طرف نسبت دے دے کر خلفاء ثلاثہ کی فضیلت میں اور انکی شان میں حدیثین گھڑی گئیں۔ بلکہ خلفائے ثلاثہ کو مذہبی رہنما اور دین کا پیشوا بنانے میں زیادہ ہاتھ ان صوفیاء کا ہی ہے اور یہ حضرات گزنڈ جھوٹ بولنے والے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا جھوٹ بولنا مشہور ہے تصوف کی حقیقت کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

''مسلک تصوف کی تائید میں صوفیا کے ہاں کئی ایک حدیثیں بھی متداول ہیں لیکن یہ حدیثین قرانی معیار کو تو چھوڑیئے خود محدثین کے معیار صحت پر بھی پوری نہیں اترتیں اور انہیں وضعی اور جعلی قرار دیا جاتا ہے۔ ان حضرات کے متعلق مشہور ہے کہ یہ وضع حدیث میں بڑے بیباک تھے۔ (مثلاً) احادیث کی متند کتاب صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے۔'' محمد بن یحیٰی بن سعید القطان کہتے ہیں۔ کہ میرے باپ یحیٰی نے صالحین سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ (صوفیا کو اپنے زمانے میں اہل خیر یا الصالحین کے نام سے پکارا جاتا تھا) ابن ابی عتاب کہتے ہیں۔ کہ مجھ سے محمد بن یحیٰی کی ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے اس بات کی تصدیق چاہی تو انہوں نے کہا کہ ہاں میرے

والد فرماتے تھے۔ کہ اہل خیر (صوفیاء) سے زیادہ تو کسی کو بھی حدیث کے معاملہ میں جھوٹا نہ دیکھے گا۔ امام مسلم کہتے ہیں کہ جھوٹ انکی زبان پر بے ساختہ جاری ہو جاتا ہے۔ چاہے جھوٹ بولنے کا انکا ارادہ نہ بھی ہو''

(مقدمہ صحیح مسلم مطبوعہ مصر ص 14-13)،

(تصوف کی حقیقت ص 72)

پھر لکھتے ہیں کہ اسی مقدمہ میں آگے چل کر لکھا ہے۔

امام مسلم کہتے ہیں کہ مجھ سے حسن بن علی حلوانی نے بیان کیا اور انہیں یزید ابن ھارون نے خبر دی اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہمام نے خبر دی کہ ابوداؤد الاعمٰی (نابینا) قتادہ (تابعی) کی محفل میں آیا۔ جب وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ تو اہل مجلس نے کہا کہ یہ اس بات کا دعویدار ہے کہ اس نے اٹھارہ بدری صحابیوں سے ملاقات کی ہے قتادہ نے کہا کہ یہ تو طاعون جارف سے پہلے بھیک مانگا کرتا تھا۔ اسے اس علم سے کچھ بھی مس نہیں تھا۔ اور نہ کسی علم کے بارے میں کوئی بات کیا کرتا تھا۔ یہ بدری صحابیوں سے کیا ملاقات کرتا۔ اس سے زیادہ بن رسیدہ حسن بصری اور سعید ابن المسیب نے صرف ایک بدری صحابی سعد بن مالک (سعد ابن ابی وقاص) کے سوا کسی بدری صحابی سے حدیث سن کر ہم تک نہیں پہنچائی۔ (اس طرح قتادہ نے بتایا کہ حسن بصری اور سعید ابن المسیب نے ابوبکر اور علی سے (جو دونوں بدری صحابی ہیں) کچھ نہیں سنا اور اس طرح جو صوفیاء اپنے مذہب تصوف کو ابوبکر اور علی رضی اللہ عنھما کے ذریعہ نبی کریم تک پہنچاتے ہیں وہ بالکل جھوٹ ہے'' (مقدمہ صحیح مسلم ص 17 مطبوعہ مصر)

''اسی بنا پر علما حدیث نے صوفیہ میں متداول قریب قریب تمام حدیثوں کو وضعی قرار دیا ہے اور وہ کتب موضوعات میں درج ہیں'' (تصوف کی حقیقت ص 72)

اس کے بعد ایک گھڑی ہوئی حدیث مثال میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' شیخ

علی ہجویری (المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری) نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں ایک باب باندھا جس کا عنوان ہے "صحابہ کرام اہل طریقت کے پیشوا" وہ لکھتے ہیں "صحابہ کرام میں صوفیاء کے پیشوائے اعظم امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ آپ اسلام کے گل سر سبد ہیں۔ اہل تجرید کے امام اور اہل تفرید کے شہنشاہ ہیں، مشائخ رحم اللہ نے اپ کو صاحبان مشاھدہ میں مقدم رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروق گدڑی پہنتے اور دین پر سختی سے عمل کرتے۔ صوفیہ کے مقتداء ہیں۔ اپنی فراست باریک بینی اور خدا کی محبت میں استغراق آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کے بارے میں حضور کا فرمان ہے "عمر کی زبان سے حق کی بات نکلتی ہے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو عمر ہوگا۔ حضرت عثمان بن عفان شرم و حیا و تسلیم و رضا میں صوفیا کے امام ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کی راہ طریقت میں بڑی شان ہے۔ اور ان کا رتبہ بہت بلند تر ہے علم و فہم میں آپکا مرتبہ مسلم ہے۔ اور اصل حقیقت کے بیان اور وضاحت میں آپ بےنظیر ہیں۔ آپ کے لئے حضور نے فرمایا "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں"

(تصوف کی حقیقت ص 75-74)

اس گھڑی ہوئی حدیث کے طرز بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر نے حضرت علیؑ کی شان میں جو حدیث "انا مدینہ العلم و علی بابھا" فرمائی تھی اس میں کس طرح پیوند لگایا گیا ہے۔ اور ایک حدیث ایسی ہی ملتی ہے جس میں علم کے شہر کا کسی کو پرنالہ کہا ہے۔ کسی کو دیواریں کہا ہے۔ کسی کو بنیاد کہا ہے اور دروازہ تو اپنے مقام پر ہے ہی۔ حالانکہ خلفائے ثلاثہ میں سے کسی نے اپنی زندگی میں اس بات کا دعویٰ نہیں کیا البتہ حضرت علیؑ برملا کہتے رہے کہ جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے میں تم میں نہ رہوں۔ اور یہ کہ رسول اللہ نے مجھے علم اسطرح بھرایا جس طرح پرندہ اپنے بچے کو طعمہ دیتا ہے" بہر حال

خطیبوں اور واعظوں نے معاویہ کے حکم سے جہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ کی طرف جھوٹ نسبت دے کر حدیثیں گھڑی وہاں صوفی حضرات بھی آئمہ کی طرف نسبت دے کر خلفائے ثلاثہ کی فضیلت میں حدیثیں گھڑنے میں پیچھے نہ رہے۔ گیارہوں جلد بحار میں ایک روایت اسطرح بیان ہوئی ہے کہ: کچھ لوگ مدینہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے راوی کا بیان ہے کہ امام نے فرمایا یہ میرے پاس کس لئے آئے ہیں۔ میں نے کہا یہ حدیث سننا چاہتے ہیں جس سے بھی ملے سن لیتے ہیں۔ امام نے ان میں سے ایک سے پوچھا کیا تم نے میرے علاوہ کسی اور سے بھی کوئی حدیث سنی ہے۔ اس نے کہا ہاں سنی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے بھی سناؤ۔ اس نے کہا ہم سننے کے لئے آئے ہیں سنانے کے لئے نہیں آئے۔ امام نے فرمایا اس کے سنانے میں کیا رکاوٹ ہے؟ کیا وہ امانت ہے کہ اسے بیان نہیں کرتا؟ اس نے کہا نہیں پس اس نے بیان کیا کہ مجھ سے سفیان ثوری نے بیان کیا کہ اس سے محمد بن عکدا نے بیان کیا کہ میں نے علیؑ کو منبر کوفہ پر دیکھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ اگر کوئی آدمی مجھے ابوبکر اور عمر پر برتری دیگا اور افضل جانے گا تو میں اسے مفتری کی حد یعنی اسی 80 کوڑے مارونگا۔ امام نے فرمایا کچھ اور سناؤ۔ اس نے کہا مجھ سے بیان کیا سفیان ثوری نے کہ اس نے جعفرؑ بن محمدؑ سے سنا کہ ابوبکر اور عمر کی محبت ایمان ہے اور بغض کفر ہے۔ امام نے فرمایا کہ کچھ اور سناؤ۔ اس نے کہا کہ مجھ سے روایت کی یونس ابن عبید نے کہ علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کرنے میں دیر کردی۔ ابوبکر نے علیؑ سے کہا تجھے میری بیعت سے اب تک کس چیز نے روکے رکھا۔ خدا کی قسم میرا ارادہ تھا کہ تیری گردن اڑادوں۔ علی نے کہا اے خلیفہ پیغمبرؐ مجھے معاف کر دیجئے۔ ابوبکر نے کہا اچھا معاف کیا۔ امام نے فرمایا کچھ اور سناؤ۔ اسنے کہا کہ نعیم ابن عبداللہ نے روایت کی جعفرؑ ابن محمدؑ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ علیؑ ینبع کی تھوڑی سی کھجوروں پر قناعت کر لیتے اور ان کھجوروں کے سایہ میں بسر کرتے اور گھٹیا قسم کی کھجوریں کھا

لیتے مگر جنگ جمل اور نہروان میں نہ جاتے تو بہتر تھا۔ اور اس روایت کو حسن بصری نے بھی روایت کیا ہے۔

امام نے فرمایا کچھ اور سناؤ اس نے کہا عباد نے جعفرؑ ابن محمدؑ سے روایت کی ہے کہ جب علیؑ نے روز جمل بہت زیادہ خون اور مقتولین کو دیکھا تو آپ نے اپنے فرزند حسنؑ سے فرمایا۔ بیٹا حسنؑ میں ہلاک ہو گیا، امام حسنؑ نے کہا بابا جان کیا میں نے منع نہیں کیا تھا کہ خروج نہ کرو، علیؑ نے کہا بیٹا مجھے معلوم نہیں تھا کہ کام یہاں تک پہنچ جائیگا، امام نے فرمایا کچھ اور سناؤ۔ اس نے کہا بیان کیا مجھ سے سفیان ثوری نے کہ ان سے بیان کیا جعفرؑ ابن محمدؑ نے کہ جب علیؑ نے اہل صفین کو قتل کیا تو ان کیلئے بہت روئے اور فرمایا خدا مجھے بہشت میں ان کے ساتھ محشور کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کس شہر کا رہنے والا ہے اس نے کہا کہ میں بصرہ کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص کہ جس سے تو روایت بیان کر رہا ہے اور اسکا نام جعفرؑ ابن محمدؑ بتلاتا ہے۔ کیا تو اس کو پہچانتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کیا ان باتوں میں سے تو نے کوئی بات خود انکی اپنی زبان سے سنی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ امام نے فرمایا کیا تو ان تمام احادیث کو جو تو نے بیان کی ہیں صحیح اور درست سمجھتا ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا تو نے یہ احادیث کب سنی ہیں؟ اس نے کہا وقت تو یاد نہیں البتہ یہ وہ احادیث ہیں جنکو ہمارے شہر کے لوگ مدت سے روایت کر رہے ہیں۔ اور ان میں کوئی شک نہیں کرتے۔

امام نے فرمایا کہ اگر تو جعفرؑ ابن محمدؑ کو دیکھے اور وہ تجھے یہ کہیں کہ یہ روایات جو تو نے مجھ سے روایت کی ہیں جھوٹی ہیں اور یہ میں نے نہیں کہی ہیں تو کیا تو انکی تصدیق کریگا۔ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ ان روایات کے صحیح ہونے

کی ایسے آدمیوں نے گواہی دی ہے کہ انکی گواہی ہر چیز کے لئے قابل قبول ہے امام علیہ السلام بہت متغیر ہوئے اور فرمایا:

"من کذب علینا حشر الله یوم القیامه اعمی. یهودیا و ان ادرک الدجال آمن به و ان لم یدرک آمن فی قبره"

یعنی جو شخص ہم پر جھوٹ باندھے۔ خدا اسے اندھا محشور کرے قیامت کے دن یہودی بن کر اٹھے اور اگر دجال کو پالے تو اس پر ایمان لے آئے اور اگر نہ پائے تو قبر میں بھی اسپر ایمان لائے۔ یہاں تک کہ فرمایا سب سے عجیب بات یہ ہے کہ مجھ پر جھوٹ باندھا اور مجھ سے ایسی بات منسوب کر کے بیان کی جو میں نے نہیں کی اور کسی نے بھی مجھ سے ایسی بات نہیں سنی اور وہ یہ کہتا ہے کہ اگر جعفرؑ ابن محمدؑ بھی اسکا انکار کردے تو اس کی تصدیق نہیں کرونگا۔ خدا انہیں مہلت نہ دے۔

(بحار الانوار جلد 11 صفحہ 211)

ہم نے کتاب تصوف کی حقیقت سے صحیح مسلم اور کشف المحجوب کے حوالے سے جو کچھ سابق میں لکھا ہے نفس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے وہی کافی تھا۔ بحار الانوار کی مذکورہ روایت ہم نے صرف ان شیعوں کیلئے لکھی ہے جو ان پھیلی ہوئی روایات کو سن کر دنگ رہ جاتے تھے اور صحیح تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے تقیہ کا سہارا لیتے تھے۔ چونکہ خود حالت تقیہ میں تھے لہذا وہ جواب میں یہ کہہ دیتے تھے کہ یہ امام نے تقیہ میں کہا تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ امام علیہ السلام کو تقیہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ یہ روایات ہمارے آئمہ میں سے کسی نے کہی ہی نہیں تھی۔ لیکن اسی تقیہ کے ثبوت میں بعض مصنفین نے اپنی کتابوں میں بھی ایسی روایات کو نقل کرلیا ہے لہذا معاویہ کے حکم سے اور بنی امیہ کے زمانے میں گھڑی ہوئی ایسی روایات جتنی بھی ہیں وہ ہرگز ہرگز شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے

لئے حجت نہیں ہیں۔ اور علیحدہ علیحدہ ہر روایت کا جواب یہی ہے، دلیل یہ ہے کہ:

نمبر 1۔ اگر یہ احادیث پیغمبر نے اصحاب ثلاثہ کی شان میں کہی ہوتیں تو انکو سقیفہ بنی ساعدہ میں ضرور بیان کرتے کیونکہ یہ احادیث انکے حق میں بہت بڑی دلیل تھیں۔

نمبر 2۔ اگر یہ احادیث پیغمبر نے اصحاب ثلاثہ کی شان میں بیان کی ہوئی ہوتیں تو نہ تو حضرت ابوبکر کسی کو احادیث پیغمبر بیان کرنے سے روکتے، نہ حضرت عمر لوگوں کو سختی سے روکتے نہ حضرت ابوبکر اپنی جمع کی ہوئی احادیث جلاتے نہ حضرت عمر لوگوں کو قسمیں دے دے کر ان کے مجموعہ ھائے احادیث حاصل کر کے جلاتے نہ احادیث بیان کرنے والوں کی پٹائی کرتے نہ معزز اور بزرگ اصحاب پیغمبرؐ مثل عبداللہ ابن مسعود، ابودرداء، ابو مسعود انصاری کو قید کرتے۔

نمبر 3 وہ تمام احادیث جو شیخین نے نذر آتش کیں حضرت علیؑ کی خلافت وصایت وولایت و امامت کے حق میں تھیں چونکہ وہ انکے خلاف جاتی تھیں لہذا انہوں نے ان سب کو جلوا دیا۔

نمبر 4۔ اصحاب ثلاثہ نے کبھی ان احادیث فضیلت کا ذکر نہیں کیا اس کے برخلاف حضرت علی سر دربار اور مجمع عام میں ان فضائل کو بیان کرتے تھے جو پیغمبر صلعم نے ان کی شان میں بیان کی تھیں۔ اور یہ بات علامہ سیالوی نے بھی تسلیم کی ہے کہ پہلی دفعہ اپنی حقیت کا بیان کر کے واپس آ گئے" (تحفہ حسینیہ ص 198 جلد اول)

نمبر 5۔ علامہ سیالوی لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا "ان ابا بکر یلی الخلافۃ من بعدی" یعنی میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہے اور اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب تفسیر امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ اور تفسیر صافی وغیرہ کی تصریحات پیش کی جائینگی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہیں۔ اور ان کے بعد عمر"

(تحفہ حسینیہ جلد سوم ص 14)

ایک معمولی سی عقل کا آدمی بھی یہ فیصلہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر پیغمبر نے فرمایا ہوتا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہیں اور ان کے بعد عمر تو انہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں پورے اصرار کے ساتھ یہ کہنا چاہیے تھا کہ اے انصار پیغمبر اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر کو اپنا خلیفہ بنا چکے ہیں اور پیغمبر نے حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا ہوا ہے۔ لہذا تم کس مخمصے میں پڑے ہو اس بات کا سقیفہ میں دعویٰ نہ کرنا۔ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ احادیث پیغمبر کی طرف نسبت دے کر بعد میں گھڑی گئیں۔ اور جب پیغمبر کیطرف منسوب کر کے احادیث گھڑی جا سکتی تھیں تو آئمہ میں سے کسی امام کی طرف نسبت دے کر جو چاہے گھڑتے رہیں ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ بات کس کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور اس میں کیسے پہنچی اور کوئی کتاب شیعوں کے نزدیک معتبر ہے یا نہیں ہے مسلمہ طور سے تمام تاریخیں بنی امیہ کے زمانے میں لکھی گئیں لہذا اقرب اور انعام کے لالچ میں حدیثیں گھڑی جا رہی تھیں اور ڈنڈے کے زور سے تاریخیں مدون ہوئی تھیں۔

لہذا کسی بھی کتاب میں خلفائے ثلاثہ کی فضیلت میں ایسی جھوٹی احادیث اور روایات کے بیان کو عقل ہرگز تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہو سکتی۔ البتہ ان تاریخوں اور احادیث کی کتابوں میں حضرت علیؑ اور آئمہ اہل بیتؑ کی فضیلت کی روایات اور احادیث کا درج ہونا قضاء قدر الہی کا ایک کارنامہ اور معجزہ سے کم نہیں ہے۔ اس سے اگلے صفحہ 115 پر سیالوی صاحب لکھتے ہیں۔ "ان روایات کو دیکھ کر اہل تشیع کو خلافت کا یقین نہیں ہوتا نہ ہی آئمہ طاہرین کی روایات پر ایمان لاتے نظر آتے ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مشابہت سے خلافت ثابت کرنے کی بڑی دور کی سوجھی ہے" (تحفہ حسینیہ جلد سوم ص 115)

سیالوی صاحب کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ انہیں حدیث منزلت جس میں حضرت علیؑ کی حضرت ھارون سے مشابہت بیان ہوئی ہے صحت تو تسلیم ہے یعنی واقعاً پیغمبرؐ

نے ایسا فرمایا۔ اور وہ اسکا انکار اس لیے نہیں کر سکتے کہ انکی اکثر حدیث کی معتبر کتابوں میں
لکھی ہوئی ہے۔ اور مسلمہ فریقین ہے۔ البتہ آپکے نزدیک اس حدیث سے حضرت علیؑ کی
خلافت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے عالم اہل سنت ابو جعفر اسکافی کے بیان کتاب "نقض
عثمانیہ" کی واضح طور پر تصدیق ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں "فضائل علیؑ کے ابطال میں بہت حیلے
کرتے ہیں اور جو فضائل ایسے مشہور ہیں کہ انکا انکار نہیں ہو سکتا، تو انکی تاویل کرنے کی
کوشش کرتے ہیں۔ جس کی مطلقاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اور بعض ان فضائل کی قدر گھٹانے کی
کوشش کرتے ہیں۔ لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے فضائل علیؑ قوت و استحکام پکڑتے ہیں۔

(کتاب نقض عثمانیہ ابو جعفر اسکافی)

علامہ سیالوی نے یہ سب حیلے کیے ہیں، نا قابل انکار فضائل کو چھپایا بھی ہے جو
چھپ نہیں سکتے انکی تاویلیں کی ہیں۔ ان چھپانے والی احادیث میں سے وہ مشہور و معروف
حدیث ہے جو دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر آنحضرت نے فرمائی۔ تحفہ حسینیہ کی دوسری جلد
بحث امامت و خلافت پر ہے (تحفہ حسینیہ ص 15) لہذا نہیں چاہیے تھا کہ حسب عادت اس
معروف و مشہور و مستند حدیث کو بیان کر کے ابطال کرتے۔ جھٹلاتے یا تاویل کرتے اس کے
راوی کو شیعہ کہتے ان کتابوں کو جن میں بیان ہوئی شیعوں کی لکھی ہوئی کہتے مگر انہوں نے
اپنی کتاب تحفہ حسینیہ کی تینوں جلدوں میں اسکا کوئی ذکر نہیں کیا لہذا ہم دعوت ذوالعشیرہ میں
پیغمبر کی اس معروف حدیث کا بیان یہاں پر کرتے ہیں۔

دعوت ذوالعشیرہ میں پیغمبرؐ کی طرف سے
حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان

دعوت ذوالعشیرہ کے معنی ہیں کہ اپنے قبیلہ والوں کو دعوت اسلام اس بات سے
کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ پیغمبر پر سب سے پہلے وحی غار حرا میں نازل ہوئی اور وہ
سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات تھیں جو یہ ہیں۔

**بسم اللہ الرحمن الرحیم . اقرا باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من
علق . اقرو ربک الاکرم' الذی علم بالقلم' علم الانسان مالم یعلم**

ان آیات کا ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس طرح کیا ہے۔ پڑھ
اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔ بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور
تیرا رب بڑا کریم ہے۔ اس نے علم سکھایا قلم سے سکھلایا آدمی کو جو نہیں جانتا تھا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ "قرآن پاک کی وہ
آیتیں جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ اقراء کی تین پہلی آیتیں ہیں یعنی
اقرا باسم ربک الذی سے لیکر **علم الانسان مالم یعلم** تک حضرت امام محی الدین
نووی نے بھی اس قول کو مرجح قرار دیا ہے کہ جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے"

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص 45)

تاریخیں اور احادیث و سیرت کی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ سورۃ العلق کی
پہلی آیات غار حرا میں سب سے پہلے نازل ہوئی اس کے بعد تین سال تک کوئی قرآنی وحی
نازل نہیں ہوئی اور سورۃ العلق کی مذکورہ آیات میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے جس میں یہ کہا
گیا ہو کہ تم اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کر دو یا نذارت کا کام شروع کر دو اسی لئے ابن جریر
طبری عبداللہ بن شداد سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: نزول اقراء کے بعد جب
آنحضرت نے حضرت خدیجہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں ان
کو یہ واقعہ سنایا اس نے کہا کہ اگر تم اپنے بیان میں سچی ہو تو بلاشبہ تمہارے شوہر نبی ہیں۔ ان

کو اپنی قوم سے تکلیف پہنچے گی۔ اگر میں نے ان کا زمانہ نبوت پایا تو میں ضرور ان پر ایمان لے آونگا۔ اس واقعہ کے بعد ایک طویل مدت تک حضرت جبرئیل وحی لیکر رسول اللہ کے پاس نہیں آئے۔ حضرت خدیجہ نے رسول اللہ سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے رب نے تم سے کنارہ کشی اختیار کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔ والضحیٰ والیل اذا سجی ما ودعک ربک وما قلی" (ترجمہ تاریخ طبری جلد ا صفحہ 74)

تمام حدیث کی کتابیں تمام تاریخیں اور تمام سیرت کی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ اس تین سال کے عرصہ کو "فترت" کا زمانہ کہتے ہیں لہذا نہ تو سورۃ العلق میں یہ حکم تھا کہ تم اپنی نبوت کا اعلان کردو نہ ہی آپ نے اس تین سال کے عرصہ میں کسی کو دعوت ایمان دی حتیٰ کہ حضرت علیؑ کو بھی جو آپ کے ساتھ غار حرا میں موجود تھے اور نہ ہی حضرت خدیجہ کو۔ آنحضرت نے حضرت خدیجہ سے سورۃ العلق کی مذکورہ آیات کی وحی کا بیان تو ضرور کیا، لیکن نہ ان آیات میں اعلان نبوت کا حکم تھا نہ دعوت ایمان کے لئے کہا گیا تھا لہذا پیغمبر نے بس اتنا واقعہ بیان کردیا جتنا کہ واقع ہوا تھا۔ اور ورقہ بن نوفل کے الفاظ بھی یہ ہی بتلاتے ہیں کہ آپ نے ابھی نہ نبوت کا اعلان کیا نہ ہی دعوت ایمان کسی کو دی۔ سورۃ والضحیٰ کے الفاظ خود اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تین سال تک وحی نہ آنے کی وجہ سے کسی نے پیغمبرؐ سے یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تم سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ لہذا خدا نے قسم کھا کر کہا کہ ہم نے تم سے کنارہ کشی نہیں کی ہے ہم تو بچپنے سے تمہاری تربیت و نگہداشت کررہے ہیں۔ لہذا اب تم اپنی نبوت کا اظہار کردو۔ چنانچہ طبری نے اس واقعہ کو اسطرح لکھا ہے

"عامر سے مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ کو نبوت ملی تین سال تک اسرافیل آپ کے پاس آتے رہے وہ آپ کو کلمہ اور کچھ تعلیم دیتے رہے۔ اب تک قرآن آپ پر نازل نہیں ہوا تھا۔ تین سال کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نبوت کا

پیغام لیکر آپ کے پاس آئے اور دس سال تک مکہ میں اور دس سال تک مدینہ میں قرآن آپ پر نازل ہوتا رہا" (ترجمہ تاریخ طبری جصہ اول ص 138)

پس نبوت کے اظہار کا بیان سورۃ والضحیٰ میں "واما بنعمة ربک فحدث" کے ذریعہ ہوا جیسا کہ سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے "واما بنعمة ربک فحدث" اور جو نعمت پروردگار تیرے کی ہے پس بیان کر یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس سے نبوت کی جو نعمت اور عزت آپ کو ملی اسے بیان کیجئے۔ اور اس کی جانب لوگوں کو بلایئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان باتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی نبوت کے ذریعہ تمام بندوں پر انعام فرمائی تھی تنہائی میں ان لوگوں سے ذکر کرنے لگے جن پر آپ کو بھروسا تھا۔

(ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ص 268)

طبری نے اس بات کو ذرا اور واضح کر کے لکھا ہے کہ " حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمه عن ابن اسحق ، واما بنمقربک فحدث ، ای ما جاءک من الله نعمه و کرامة من النبوة فحدث ای ذکرها وادع الیها قال فجعل رسول الله صلعم یذکر ما انعم الله علیه و علی العباد من النبوة سراً الی من یطمئن الیه من اهله فکان اول من صدقه و آمن به واتبعه من خلق الله بما ذکر زوجته خدیجه بنت خویلد رحمها الله"

(طبری ص 1156 طبع جرمن)

ترجمہ: ابن حمید سلمہ سے اور سلمہ ابن اسحٰق سے آیہ واما بنمقربک فحدث، کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یا رسول اللہ جو نعمت اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئی تم لوگوں سے اس کو بیان کردو یعنی اپنی نبوت کے بارے میں لوگوں کو بتاؤ۔ اور لوگوں کو اسکی طرف بلاؤ۔ اور اسکی دعوت دو ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس آیہ کے نزول

کے بعد آپ آنحضرت صلعم خفیہ طور پر بطور راز کے صرف اپنے گھر والوں سے جن کے متعلق آپ کو اطمینان تھا اس احسان و انعام کو جو اللہ نے آپ کو نبوت دے کر کیا تھا ذکر کرنے لگے۔ لہذا سب سے پہلے جس سے اس نعمت نبوت کا راز میں ذکر کیا وہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ تھیں۔ پس تمام بندگان الہی میں سب سے پہلے آپکی نبوت کی تصدیق کرنے والی آپ پر ایمان لانے والی اور آپ کی اطاعت واتباع کرنے والی آپکی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ خدا ان پر رحم کرے"(ترجمہ طبری ص1156)

چونکہ یہ سورۃ والضحی کی آخری آیت ہے اور یہ حضرت خدیجہ کے یہ کہنے کے بعد نازل ہوئی کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ لہذا اس سورۃ کی شان نزول کہتی یہ ہے کہ واما بنعمۃ ربک فحدث ، میں آنحضرت کو یہ پیغام دیا گیا۔ کہ آپ حضرت خدیجہ کو بتلا دیں کہ خدا نے مجھے نعمت نبوت عطا کی ہے۔

اپنے گھر والوں کے سامنے اپنی نبوت کا اظہار کرنے کے بعد حکم خدا ہوا کہ:

"وانذر عشیرتک الاقربین " (الشعراء:-214) یعنی اب آپ اپنے کنبے والوں کو ڈرائیں پس آپ نے تمام اولاد عبدالمطلب کو حضرت ابوطالب کے گھر میں دعوت دی تمام احادیث و تاریخ وسیرۃ کی کتابیں اس بات پر گواہ ہیں کہ یہ دعوت کا انتظام حضرت علیؑ نے کیا اور وہ تھوڑے سے کھانے میں معجزانہ طور پر سیر ہو گئے حالانکہ وہ ایک آدمی کی خوراک سے زیادہ نہ تھا۔ یہ معجزانہ بات دیکھ کر ابولہب نے فقرہ کسا اور اسے جادو سے تعبیر کیا اور آنحضرتؐ کو اپنا پیغام بیان نہ کرنے دیا۔ دوسرے دن آنحضرت نے پھر حضرت علیؑ کے ذریعہ انہیں دعوت دی۔ اور وہ لوگ دوبارہ کھانے پر جمع ہوئے جب کھا پی چکے تو پیغمبر اکرم فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، ابولہب نے پھر رخنہ اندازی کرنا چاہی مگر حضرت ابوطالب نے اسے ڈانٹا اور کہا" یا اعور ما انت و ھذا"

(کتاب فائق جلد 2 ص98) سیرۃ امیر المومنین ص153)

یعنی اے بدبخت تجھے ان باتوں سے کیا واسطہ" یہ سن کر ابولہب کو روکنے ٹوکنے کی ہمت نہ ہوئی اور گھٹنوں میں سر دیکر چپ بیٹھ گیا۔ حضرت ابوطالب نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم اپنی اپنی جگہ اطمینان و سکون سے بیٹھے رہو، اور پیغمبر سے کہا کہ آپ جو کہنا چاہتے ہیں شوق سے کہیں ہم آپ کی ایک ایک بات غور سے سنیں گے اور اس پر عمل کرینگے، آنحضرت کو ڈھارس بندھی اور آپ نے اولاد عبدالمطلب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"یا بنی عبدالمطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم بہ انی قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرہ وقد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی فی ھٰذا لامر علی ان یکون اخیؔ و وصی و خلفیتی فیکم" (تاریخ طبری جلد 2 ص63)

ترجمہ: اے فرزندان عبدالمطلب خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی جوان اس چیز سے بہتر چیز لایا ہو جو میں تمھارے لئے لیکر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس بھلائی کی طرف تمہیں دعوت دوں تم میں کون شخص ہے جو اس سلسلہ میں میرا معاون و مددگار بننے کے لئے تیار ہو۔ وہی میرا بھائی، میرا وصی، اور میرا خلیفہ قرار پائیگا۔

پیغمبر کے خطاب کے الفاظ ہیں" فایکم یوازرنی فی ھذا الامر"

پس تم میں کون ہے ایسا جو اس امر میں اس کام میں میرا بوجھ بٹائے علی ان یکون اخی وو صی و خلفیتی فیکم" وہی میرا بھائی ہوگا وہ میرا وصی ہوگا۔ وہی میرا خلیفہ ہوگا تمام تاریخیں تمام سیرت اور حدیث کی مستند کتابیں جنہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے متفق ہیں اس بات پر کہ سوائے علیؑ کے کوئی نہ تھا جس نے پیغمبر کا بوجھ اٹھانے کا وعدہ کیا ہو لہذا آپ

نے علیؑ کو قریب بلا کر ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا: یقیناً یہ میرا بھائی ہے میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ یعنی نائب وجانشین ہے تم سب کو لازم ہے کہ اسکی بات مانو اور اسکی اطاعت کرو

(تاریخ طبری جلد 2 ص 63)

اس واقعہ کو طبری کے علاوہ مندرجہ ذیل محدثین و مورخین اور سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔

تاریخ ابوالفداء الجزء الاول ص 116 تاریخ کامل ابن اثیر الجزء الثانی ص 22
تاریخ حبیب السیر جلد اول الجزء الثالث ص 160، البدایہ والنہایہ ابن کثیر الجزء الثالث ص 40، کنز العمال علی متقی الجزء السادس ص 392-396-397-408
ریاض النضرہ محب الدین الطبری الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص 138-203
مسند امام احمد حنبل الجزء اول ص 371 ۔ مستدرک الحاکم الجزء الثالث ص 133۔
منہاج السنۃ ابن تیمیہ الجزء الرابع ص 80 ۔نسیم الریاض خفاجی الجلد الثالث ص 37۔
کفایت الطالب محمد بن یوسف گنجی باب 5 ص 88-89 ۔ روضۃ الاحباب جلد دوم ص 288-279 وغیرہ وغیرہ

تاریخ ابی الفداء میں ہے کہ: فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برقبتہ علی وقال ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا فقام القوم . یضحکون و یقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع لابنک و تطیع. (تاریخ ابوالفداء الجزء الاول ص 116)

پس آنحضرت نے علی کی گردن کو ہاتھ سے پکڑ کر کہا کہ اے لوگوں یہ میرا بھائی ہے میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ و نائب و جانشین ہے تم میں۔ پس تم سب اسکی بات مانو اور

اسکی اطاعت کرو تمام لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوطالب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ محمد صلعم نے یہ حکم تمہیں دیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی بات سنو اور اسکی اطاعت کرو۔

پیغمبر کے اس خطاب میں حضرت علی کے لئے وصی کا لفظ بھی ہے اور خلیفہ کا لفظ بھی ہے۔ سیالوی صاحب کا فرض تھا کہ وہ پیغمبر کے اس سب سے پہلے اعلان خلافت میں غور کرتے جو بلا فصل اعلان نبوت کے ساتھ آنحضرت نے فرمایا ہے۔

سیالوی صاحب کی حدیث منزلت کے بارے میں تاویلیں

سیالوی صاحب نے تحفہ حسینیہ کی جلد دوم منصب امامت وخلافت میں لکھی ہے" (تحفہ حسینیہ ص 15) مگر وہ پیغمبر کے اس سب سے پہلے اعلان کو بالکل ہی ہضم کر گئے ہیں تحفہ حسینیہ کی تینوں جلدوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیالوی صاحب کو نہ تو امامت کے بارے میں کچھ علم ہے اور نہ ہی خلافت کے بارے میں وہ کچھ جانتے ہیں

ہم نے امامت کے موضوع پر ایک مفصل کتاب "امامت قرآن کی نظر میں" لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ امامت از روئے قرآن پیغمبر کے بعد جاری ہے اور وہ بارہ امام منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطاء ہیں۔ البتہ مختصر طور پر اس کتاب میں بھی قرآنی ثبوت پیش کر دیے ہیں لہذا سابقہ صفحات کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح خلافت کے بارے میں بھی ایک مفصل کتاب "خلافت قرآن کی نظر میں لکھ دی ہے، یہاں پر مختصر طور پر عرض ہے کہ خلافت خلف سے مشتق ہے اور یہ قرآن میں دو طرح استعمال ہوا ہے۔

نمبر 1 کسی کے مرنے یا تبدیل ہونے کے بعد جو شخص اس مرنے یا تبدیل ہونے والے کی جگہ لے وہ اسکا خلیفہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہمیشہ الارض کا لاحقہ آتا ہے مثلاً فی الارض

خلیفہ یاخلیفۃ فی الارض۔ خلائف فی الارض۔ خلفاء الارض۔ پس جو بھی کسی کے مرنے کے بعد خواہ وہ اپنی موت سے مرے یا عذاب کے ذریعہ مرے، اسکی جگہ زمین پر آباد ہو وہ اسکا خلیفہ ہے

نمبر 2۔ کوئی شخص کسی کو اپنی جگہ اپنی نیابت میں کوئی کام سپرد کرے مثلاً جب حضرت موسیٰ میقات کے لئے کوہ طور پر جانے لگے تو اپنے بھائی حارون سے فرمایا: **قال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی و اصلح، ولاتتبع سبیل المفسدین "**

(الاعراف-142)

اس آیت کا ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اسطرح کیا ہے۔ "اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ"

اور اس کی تفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس طرح فرمائی ہے۔

ف 2۔ یعنی میری غیبت میں میرے حصہ کا کام بھی تم ہی کرو گویا حکومت و ریاست کے جو اختیارات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھے وہ ہارون علیہ السلام کو تفویض کر دیئے گئے۔ اور چونکہ بنی اسرائیل کی تلون مزاجی اور سست اعتقادی کا پورا تجربہ رکھتے تھے۔ اسلئے بڑی تصریح وتاکید سے ہارون علیہ السلام کو متنبہ کر دیا کہ اگر میرے پیچھے یہ لوگ گڑ بڑ مچائیں تو تم اصلاح کرنا۔ اور میرے طریق کار پر کار بند رہنا۔ مفسدہ پردازوں کی راہ پر مت چلنا خدا کی مشیت کہ موسیٰ علیہ السلام وصیت کر کے ادھر گئے۔ ادھر بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کر دی، مگر حضرت ھارون نے موجودہ بائبل نویسوں کے علی الرغم: **یاقوم انما فتنتم و ان ربکم الرحمان فاتبعونی و اطیعوا امری**، کہہ کر انکی گمراہی اور اپنی بیزاری کا صاف صاف اعلان کر دیا اور وصیت موسوی کے موافق اصلاح حال کی امکانی کوشش کی"

(تفسیر عثمانی ص 216)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کرے تو وہ اسے اپنے کام انجام دینے کی ذمہ داری سپرد کرتا ہے اسی لئے پیغمبر نے اس مجمع سے فرمایا کہ "فاسمعو لہ و اطیعوا تم اسکی بات مانو اور اسکی اطاعت کرو۔

یہ نکتہ انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ پیغمبر نے حضرت علیؑ کی خلافت کا یہ اعلان اپنی نبوت کے اعلان کے ساتھ بلا فصل کیا ہے جب کہ ابھی اقتدار ظاہری تو رہا ایک طرف حضرت علیؑ، حضرت خدیجہ اور حضرت زید کے علاوہ ابھی تک اور کوئی شخص ایمان بھی نہیں لایا تھا۔ پیغمبر کی یہ خلافت و وصایت وہی تھی جو انبیاء علیھم السلام کے اوصیاء اور جانشینوں کی ہوتی تھی یعنی دین کی حفاظت اور لوگوں کو ہدایت اور پیغمبر کی نیابت میں اس کے فرائض کو ادا کرنا۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں تقریباً ایک درجن بھر آیات میں اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا غیر مشروط حکم دیا ہے اور پیغمبر نے اپنے اعلان نبوت کیساتھ جو حکم دیا وہ علیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ بلافصل بنانے کے بعد اسکی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور پیغمبر کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت فرمایا ہے اور پیغمبر نے علیؑ کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے تفصیل اس کتاب کے آغاز میں بیان ہو چکی ہے لہذا اسیالوی صاحب کی حدیث منزلت کی تاویلیں باطل ہیں۔

پیغمبرؐ کی یہ اطاعت اقتدار کی مرہون منت نہیں ہے اگر پیغمبرؐ کو اقتدار حاصل نہ ہوتا تب بھی۔ **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** کے ماتحت پیغمبر کی اطاعت واجب تھی۔ اور تاریخ کا کوئی طالب علم اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ پیغمبرؐ کو مکہ میں تیرہ سالہ سکونت کے درمیان اقتدار حاصل نہیں ہوا لیکن پیغمبرؐ کی خدا کے حکم سے ہر صورت میں

اطاعت واجب تھی، کیونکہ چار یا پانچ انبیاء و رسل کے سوا کسی نبی و رسول کو اقتدار دنیا حاصل نہیں ہوا، لیکن مذکورہ آیت میں خدا کے بیان کردہ حکم کے مطابق اقتدار انکے پاس ہو یا نہ ہو اطاعت انکی واجب تھی، اور اگر پیغمبرؐ کو مدینہ جانے کے بعد بھی اقتدار حاصل نہ ہوتا تو پیغمبرؐ کی اطاعت پھر بھی مسلمانوں پر واجب تھی۔ لیکن مدینہ جا کر تصادف حالات سے پیغمبرؐ کو اقتدار ظاہری بھی حاصل ہو گیا۔ جس سے احکام شریعت کے نفاذ میں سہولت حاصل ہو گئی۔

پیغمبرؐ اپنی نبوت کے اعلان کے ساتھ علیؑ کی وصایت و خلافت و جانشینی و نیابت کا تو اعلان فرما چکے تھے۔ لیکن خدا نے پیغمبرؐ کے پاس اقتدار آنے کی صورت میں اسے اصلاح زمین سے تعبیر کیا تھا۔ اور یہ فرمایا تھا کہ "لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها" اب زمین کی اصلاح ہو جانے کے بعد اس میں فساد نہ کرنا۔ یعنی اگر خدا کے مقرر کردہ ہادی کے پاس اقتدار ہو تو زمین کی اصلاح رہتی ہے ورنہ زمین میں فساد پھیل جاتا ہے اسلئے پیغمبر اپنی امت کے افراد کے سامنے اپنے بعد ہونے والے ہادیوں کے بارے میں وقتاً وقتاً اعلان فرماتے رہے کہ وہ بارہ ہیں وہ منصوص من اللہ ہیں وہ معصوم عن الخطاء ہیں۔ وہ میرے اوصیاء ہیں وہ میرے خلفاء اور جانشین و نائب ہیں جو میری جگہ وہی کام انجام دینگے جو بحیثیت ہادی کے میرے ذمہ ہیں۔ اسکی تفصیل کتاب کے آغاز میں گذر چکی ہے۔

علامہ سیالوی کی طرف سے حدیث غدیر کی تاویلات

ابو جعفر اسکافی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں بالکل درست لکھا ہے کہ فضائل علیؑ چھپانے کی بھرپور طریقہ سے کوشش کی جاتی ہے اور اگر پھر بھی کوئی فضیلت چھپائے نہ چھپ سکے تو پھر اسکی تاویلات کیجاتی ہیں۔ علامہ سیالوی صاحب اور ان کے شیخ الاسلام کی ساری جدوجہد ان احادیث کو چھپانے میں ہے اور جو چھپائے چھپ نہیں سکیں ان کی تاویل

کرتے ہیں۔ حدیث منزلت اور حدیث غدیر کی جتنی رکیک تاویلیں انہوں نے کی ہیں وہ صرف دشمنان علیؑ ہی سے ممکن ہے۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو کیا بنایا تھا وہ اوپر قرآن اور شبیر احمد عثمانی کی تفسیر سے بیان ہو چکا لہذا حدیث منزلت کا مطلب واضح ہو گیا۔ اور سیالوی صاحب کی تاویل علیل سے انکی حضرت علیؑ اور عترت پیغمبر سے دشمنی کا پتہ چل گیا۔ حدیث غدیر بھی ایسی ہی حدیث ہے جسے مخالفین کے چھپائے سے چھپایا نہ جا سکا۔ کیونکہ اس حدیث کو 152 کے قریب محدثین نے بیان کیا ہے 30 سے زیادہ صحابیوں نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث و تاریخ و سیرت کی سینکڑوں کتابوں میں درج ہے لہذا وہ اسکا انکار تو نہ کر سکے البتہ تاویل رکیک کے ساتھ اسے بے معنی و بے مقصد بنانے کی کوشش ناکام ضرور کی ہے۔ حالانکہ غدیر خم کے لق و دق صحرا میں ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب کے مجمع میں اتنے اہتمام کے ساتھ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے ذریعہ محض علیؑ کی دوستی کا اعلان نہیں کیا تھا۔ کیونکہ قرآن کی رو سے ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے ہر مومن دوسرے مومن کا دوست ہے اور پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں تو منافق کی پہچان ہی اصحاب کے نزدیک یہ تھی کہ جو علیؑ سے بغض رکھے وہ منافق ہے لہذا پیغمبر نے اتنا زبردست اہتمام صرف یہ بتلانے کے لئے نہیں کیا تھا۔ کہ جس کا میں دوست ہوں اسکا علیؑ دوست ہے۔ جبکہ متعدد جید محدثین نے یہ کہا ہے کہ پیغمبرؐ نے خطبہ دینے سے پہلے رسم دستار بندی پوری کی اور اپنے جانشین و نائب و وصی و خلیفہ کے سر اقدس پر خود عمامہ باندھا۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ "عن عبدالاعلی بن عدی البهرانی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم دعا علیا یوم غدیر خم فعممه. وارخی عذبه فی خلفیه"

(ریاض النضرۃ الجزء الثانی ص 317)

عبدالاعلیٰ بن عدی البہرانی سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ کو

روز غدیر خم بلایا اور اس کے سر اقدس پر خود عمامہ باندھا اور اسکا سرا پیچھے ڈال دیا۔ اس روایت کو محب الدین طبری کے علاوہ۔ حموینی نے کتاب فرائد السمطین میں، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں محمد ابن محمد بن علی الشیخانی القادری نے الصراط السوی میں، جمال الدین محدث نے کتاب الاربعین میں۔ جلال الدین سیوطی نے جوامع الکبیر میں۔ ابوداود نے مسند 23 حدیث 154 میں بیہقی نے سنن الکبیر میں ابن ابی شیبہ نے مسند میں روایت کیا ہے۔ اور پیغمبر کے اعلان غدیر من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمانے کے بعد تمام اصحاب نے حضرت علیؑ کے اعلان جانشینی پر مبارکباد دی۔ مبارک باد دینے کی روایت کو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرۃ العینین میں ص 207 پر امام احمد حنبل نے کتاب مناقب میں۔ سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ الباب الثانی ص 18 پر، شیخ احمد بن الفضل نے وسیلۃ المآل فی مناقب الآل میں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ ص 593 پر امام احمد حنبل نے مسند الجزء الرابع ص 381 پر اور مشکواۃ المصابیح ص 565 پر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد 4 ص 371 پر اور شہاب الدین ہمدانی نے اپنی کتاب مودۃ القربیٰ میں صحابہ کے خصوصاً حضرت عمر کے مبارکباد دینے کو اس طرح بیان کیا ہے

" قال الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم قالوا بلی یا رسول اللہ فقال الا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ فلقیہ عمر فقال ھنیاء لک یا علی ابن ابی طالب اصبحت مولیٰ کل مومن و مومنۃ وفیہ نزلت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک آنحضرت نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ کیا میں مومنین کی جانوں پر متصرف نہیں ہوں سب نے جواب دیا کہ ہاں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خبردار ہو جاؤ جس کا میں مولا ہوں اسکا علیؑ مولا

ہے خداوند دوست رکھ اسکو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ اس کے بعد حضرت عمر حضرت علیؑ سے ملے اور کہا کہ اے علیؑ تم کو مبارک ہو کہ تم تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے ہو اس واقعہ ہی سے متعلق یہ آیت کہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک نازل ہوئی۔

اعلان غدیر کے بعد اصحاب پیغمبر کا

حضرت علیؑ کو مبارکباد دینا

حدیث و تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بہت سے محدثین و مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ بات واضح طور پر لکھی ہے کہ جس وقت پیغمبرؐ اعلان غدیر فرما چکے تو اصحاب پیغمبرؐ نے فرداً فرداً حضرت علیؑ کو مبارکباد دی جن محدثین و مورخین اور سیرت نگاروں نے خصوصیت کے ساتھ حضرت عمر کا نام مبارکباد دینے کے سلسلے میں لکھا ہے ہم ان کے نام اوپر لکھ کر آئے ہیں۔ خود علامہ سیالوی صاحب نے مذہب شیعہ اور تحفہ حسینیہ میں "تتمہ بحث حدیث غدیر" کے عنوان کے تحت اسطرح لکھا ہے کہ: "سب سے پہلے مفصل روایت ملاحظہ فرمائیں پھر اس کے بعد متنازعہ خلافت کے پس منظر میں استدلال کے ضعف و سقم کو ملاحظہ فرمائیں۔

عن البراء بن عازب و زید بن ارقم رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل بغدیر خم واخذ بید علی فقال الستم تعلمون انی اولیٰ بکل مومن عن نفسہ۔ قالوا بلیٰ فقال اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ و اخذل من خذلہ وادر الحق حیث دار فلقیہ عمر بعد ذالک فقال ھنیا یا ابن ابی

طالب اصبحت و امسیت مولیٰ کل مومن و مومنہ رواہ احمد مشکوٰۃ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ (تحفہ حسینیہ حصہ دوم ص 375)

ترجمہ: اسکا ترجمہ خود سیالوی صاحب نے اسطرح کیا ہے۔ ''حضرت براء اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ غدیر خم پر اترے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا۔ تو فرمایا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ میں سب مومنین سے ان کے ارواح ونفوس سے بھی زیادہ قریب ہوں انہوں نے کہا جی ہاں تو آپ نے فرمایا اے اللہ جس کا میں مولا ہوں علی اس کے مولا ہیں۔ اے اللہ اس کو دوست بنا جو علیؑ کو دوست بنائے اسکی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے۔ اور اس کو محروم التفات فرما جو علیؑ کو چھوڑ دے۔ اور محروم اعانت رکھ اور حق کو ادھر ہی پھیر جدھر کو علیؑ پھرے تو اس کے بعد حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا اے علی ابن ابی طالب تمہارے لئے مبارک باد اور خوشخبری ہے (اس اعزاز پر) کہ آپ مومن مردوں اور عورتوں کے ہمیشہ کیلئے محبوب بن گئے''

(تحفہ حسینیہ حصہ دوم ص 375-376)

یہ حقیقت کہ پیغمبر کے اعلان غدیر کے بعد اصحاب پیغمبر نے حضرت علی کو مبارکباد دی اکثر محدثین و مورخین اور سیرت نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ حضرت عمر کا حضرت علیؑ کو مبارکباد دینا واضح الفاظ میں لکھا ہے ان میں سے سیالوی صاحب نے شرح مشکوٰۃ کی وہ روایت نقل کی ہے جو امام احمد بن حنبل نے طبع کی ہے۔ لہذا انہیں اس کے صحیح ہونے سے انکار تو نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس کے معنی و مطلب و مراد سے اختلاف ہے۔ ان میں سے دو فقروں کے معنی خاص طور پر قابل توجہ ہیں لکھتے ہیں۔

نمبر 1۔ الستم تعلمون انی اولیٰ بکل مومن من نفسہ قالوا بلیٰ'' اسکا ترجمہ

مطلب و مفہوم انہوں نے اسطرح بیان کیا ہے۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ میں سب مومنین سے ان کے ارواح ونفوس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

نمبر 2۔ فلقیہ عمر بعد ذالک فقال ھنیا یابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولیٰ کل مومن و مومنہ'' (رواۃ احمد مشکوٰۃ)

اس کا ترجمہ مطلب و مفہوم انہوں نے اسطرح بیان کیا ہے۔ اسکے بعد حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ سے ملے اور کہا اے علیؑ ابن ابی طالب تمہارے لئے مبارکباد اور خوشخبری ہے (اس اعزاز) پر کہ آپ مومن مردوں اور عورتوں کے ہمیشہ کے لئے محبوب بن گئے۔

محل نزاع: مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد محل نزاع کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ: اس میں کلام نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اور امام المسلمین لیکن اہل تشیع اور رافضی آپکی خلافت بلافصل کے عقیدہ کو جزو ایمان بلکہ عین ایمان سمجھتے ہیں۔

اس کے برعکس اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ آپ چوتھے خلیفہ ہیں اور خلیفہ کا مقرر کرنا صحابہ کرام کا اپنا معاملہ تھا کہ اپنے امور سلطنت کی بہتری اور اس کے انتظامات کی درستی کے لئے جس کو چاہیں خلیفہ و امام نامزد کریں، وہ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی خاص شخص کو امام اور خلیفہ بنانے کے پابند اور مکلف نہیں ٹھہرائے گئے تھے۔ لہذا انہوں نے اپنی صوابدید سے امر خلافت میں جو فیصلہ کیا وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔ اور انہیں کا عمل و کردار ہمارے اس نظریہ و عقیدہ کا دارومدار ہے کہ خلیفہ کا تقرر اہل اسلام کے لئے اپنے فرائض میں سے ہے صحیح انتخاب کرلیا تو ماجور اور مستحق ثواب ورنہ مستحق عذاب و عتاب۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری قرار دینا یا محتاج نص کہنا غلط ہے۔

(تحفہ حسینیہ حصہ دوم ص 376-377)

اسکا مطلب یہ ہوا کہ سیالوی صاحب کے نزدیک پیغمبرؐ نے غدیر خم کے مقام پر علیؑ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا نہیں بلکہ چوتھے نمبر پر خلیفہ ہونے کا اعلان کیا تھا۔ تو پھر آپ نے یہ اختیار کہاں سے حاصل کرلیا کہ چاہے صحیح انتخاب کریں یا غلط اگر صحیح انتخاب کرینگے تو ماجور اور مستحق ثواب ہونگے اور غلط انتخاب کیا تو مستحق عذاب و عتاب۔

کیا حدیث غدیر متواتر نہیں ہے۔

جو لوگ فضائل علیؑ کے انکار کے درپے ہیں انکا ایک حیلہ یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔ یا اسے بخاری اور مسلم نے جمع نہیں کیا ہے یہی حیلہ اور بہانہ سیالوی صاحب نے بھی اختیار کیا ہے چنانچہ ص 378 پر انہوں نے یہی کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری ومسلم میں نہیں ہے لہذا متواتر نہیں ہے۔ اور صفحہ 379 پر تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں "خبر متواتر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ اہل سنت کی دو تین کتابوں میں منقول ہو یا شیعہ اور سنی دونوں فریق کی کتابوں میں اس کا ذکر ہو۔ بلکہ تواتر کا دارومدار اس پر ہے کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آخری ناقل محدث تک ہر دور میں اسکے راوی اس قدر کثیر ہوں کہ از روئے عقل و درایت ان کا جھوٹ اور کذب پر اتفاق محال و ناممکن ہو۔ نیز ایک دو راوی کہہ دیں کہ جس مقام پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا وہاں اتنے ہزار صحابہ کرام موجود تھے۔ اس سے بھی روایت کا تواتر ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناقلین کی تعداد تو اسطرح سے ہزاروں تک نہیں پہنچ جاتی ناقل تو صرف دو تین ہی ثابت ہوئے۔ لہذا یہ کہنا کہ چونکہ غدیر خم میں موجود صحابہ کرام سینکڑوں یا ہزاروں کی تعداد میں تھے لہذا یہ روایت متواتر ہو گئی۔ خود فریبی ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ دینے کی ناکام کوشش ہے کیونکہ اس حدیث

ور روایت کے نقل کرنے والوں کی تعداد کا لحاظ کرنا ضروری ہے نہ کہ راوی و ناقل خواہ ایک ہی ہو۔ مگر موقع پر بہت سے لوگ موجود ہوں تو اس روایت کو متواتر کہہ دیا جائیگا۔

(تحفہ حسینیہ حصہ دوم ص 379)

سیالوی صاحب کے مذکورہ بیان میں تین باتیں قابل غور ہیں

نمبر 1 کیا صحیح بخاری او صحیح مسلم کے علاوہ تمام کتابوں میں لکھی ہوئی احادیث جھوٹی ہیں۔

نمبر 2۔ کیا حدیث مذکور کو ایک دو راویوں نے نقل کیا ہے۔

نمبر 3۔ کیا حدیث غدیر اہل سنت کی صرف دو تین کتابوں میں بیان ہوئی ہے۔

اب ہم ان تمام باتوں کو علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

کیا صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ تمام کتابوں کی احادیث جھوٹی ہیں

سیالوی صاحب کے شیخ الحدیث شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت پائے کے محدث مانے جاتے ہیں وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں اسطرح لکھتے ہیں

"احادیث صحیح منحصر نیست در صحیح بخاری و مسلم وایشاں استیعاب نہ کردہ اند تمام صحاح را بلکہ بعض صحاح کہ نزد ایشاں بود بر شرط ایشاں نیز نیاوردہ اند چہ جائے مطلق صحاح۔ بخاری گفت کہ نیاوردہ ام من دریں کتاب مگر آنچہ صحیح است، ونمیگوئم کہ آنچہ نیاوردہ ام در وے ضعیف است ، ولابد دریں ترک واتیان وجہ تخصیص ترجیح خواہد بود از حیث صحت یا از حیث مقاصد دیگر۔ وحاکم ابو عبداللہ کتابے تصنیف کردہ است کہ نام او مستدرک نہادہ است یعنی آنچہ در بخاری و مسلم از احادیث صحاح فرو گذاشت شدہ است آں راں تلافی

واستدراک نموده ودرایں کتاب آورده بعض بر شرط شیخین وبعض بر شرط یکے از ایشاں وبعض بر غیر شرط ایشاں وگفته است که ایشاں یعنی بخاری ومسلم حکم نه کرده اند که صحیح نیست احادیث غیر آنچه ایشاں تخریج کرده اند درایں دو کتاب۔ کتب معتبر که مشهور اند در اسلام عبارت انداز صحیح بخاری ومسلم وجامع ترمذی وسنن ابی داود ونسائی، وابن ماجه ونزد بعض موطا است بدل ابن ماجه

(اشعۃ اللمعات جلد اول ص 8 بطبع نول کشور لکھنو۔)

ترجمہ: صحیح احادیث صرف بخاری ومسلم ہی میں منحصر نہیں ہیں اور ان دونوں نے تمام احادیث کو جمع نہیں کیا ہے۔ بلکہ بہت سی صحیح احادیث جو ان دونوں کی شرائط صحت احادیث کے مطابق خود ان کے نزدیک صحیح ہیں وہ بھی جمع نہیں کیں چہ جائیکہ مطلقا عام صحیح احادیث تو کیا جمع ہوتیں۔

خود بخاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں سب صحیح احادیث ہی جمع کی ہیں اور بہت سی احادیث کہ صحیح تھیں انکو چھوڑ دیا ہے۔ اور مسلم کہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے اس کتاب میں جمع کی ہیں سب صحیح احادیث ہیں اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جو میں نے چھوڑ دی ہیں ضعیف احادیث ہیں۔ ہم کہیں گے اس ترک واختیار میں ضرور کچھ وجہ خصوصیت تھی خواہ صحت کی وجہ سے ہو اور خواہ کسی اور مصلحت اور مقصد کی وجہ سے ہو۔ اور ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام مستدرک حاکم رکھا ہے یعنی جو صحیح احادیث بخاری اور مسلم نے چھوڑ دی ہیں ان کو دریافت کر کے اس میں جمع کیا ہے۔ ان میں سے بعض ایسی ہیں جو ان شرائط کے بموجب صحیح ہیں جو شیخین نے صحت احادیث کی جانچ کے لئے مقرر کیے ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو ان دونوں میں سے ایک کی شرائط کے بموجب صحیح ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو دیگر محدثین کی شرائط صحت کی جانچ پر صحیح اترتی ہیں اور حاکم کہتے ہیں کہ خود بخاری ومسلم نے یہ نہیں کہا ہے کہ جو روایات واحادیث انہوں نے

استخراج نہیں کی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اسلام میں چھ کتب احادیث مشہور ہے وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ جامع ترمذی، سنن ابوداود۔ سنن نسائی۔ سنن ابن ماجہ۔ ہیں بعض لوگ سنن ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو رکھتے ہیں۔ (ترجمہ اشعۃ اللمعات جلد اول ص 8)

اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے تمام آئمہ حدیث کا ذکر کرتے ہیں جن کی مرویہ احادیث پر ان کے مذہب کی اساس ہے اور وہ یہ ہیں

نمبر 1۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	نمبر 2 ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری
نمبر 3۔ ابو عبداللہ مالک بن انس	نمبر 4 ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی
نمبر 5۔ امام احمد بن حنبل	نمبر 6 ابوداود سجستانی
نمبر 7 ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی	نمبر 8 ابو عبدالرحمن بن احمد بن شعیب نسائی
نمبر 9 ابو عبداللہ بن یزید بن ماجہ	نمبر 10 ابو عبداللہ بن عبدالرحمن الداری
نمبر 11۔ ابوالحسن بن علی بن عمر الدارقطنی	نمبر 12 ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی
نمبر 13 امام نووی محی الدین ابوذکریا نووی	نمبر 14 ابوالرج عبدالرحمن بن علی الجوزی

شیخ عبدالحق دہلوی کے مذکورہ بیان میں سیالوی صاحب کا جواب آگیا ہے: خود بخاری ومسلم نے یہ نہیں کہا کہ جو روایات واحادیث انہوں نے استخراج نہیں کی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس ترک واختیار میں ضرور کچھ خصوصیت تھی اور ہر غیر جانبدار اور منصف مزاج آدمی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ صحیح احادیث کے ترک کرنے میں کیا وجہ خصوصیت اور کونسی مصلحت اور مقصد ہو سکتا تھا۔ اور وہ مصلحت ومقصد فضائل علی کو چھپانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ علامہ سیالوی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ خبر متواتر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ اہل سنت کی دو تین کتابوں میں منقول ہو۔ یا شیعہ اور سنی دونوں کی کتابوں میں اسکا ذکر ہو لہذا آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا اعلان غدیر سنیوں کی دو تین کتابوں میں

ہے یا کوئی مستند اور اہم کتاب ایسی نہیں ہے جس میں اعلان غدیر نہ ہو۔

اہل سنت کی کتابوں میں اعلان غدیر کا بیان

سیالوی صاحب کے ملاحظہ کے لیے چند کتابوں کے نام لئے جاتے ہیں جن میں اعلان غدیر کا بیان ہوا ہے

1۔ صحیح ترمذی۔ 2 سنن ابن ماجہ۔ 3 خصائص نسائی۔ 4 مسند امام احمد حنبل۔
5 کنز العمال متقی۔ 6 جامع صغیر سیوطی۔ 7 نہایت ابن اثیر۔ 8 صواعق محرقہ ابن حجر۔
9 تاریخ ابن کثیر۔ 10 کتاب الامامت والسیاست۔ 11 ریاض النضرہ
12 مفتاح النجات مرزا احمد۔ 13 نوادر الاصول عبداللہ الرازی۔ 14 مشکلات الآثار تہاوی ۔15۔ منہاج السنۃ ابن تیمیہ۔ 18 فتح باری ابن حجر عسقلانی۔ 19 جواہر العقدین سمہودی۔ 20 فیض القدیر مناوی۔ 21 مستدرک الحاکم۔ 22 مناقب ابن شہر آشوب۔ 23 تفسیر کشف البیان ثعلبی۔ 24 فصول المہمہ ابن صباغ مالکی۔ 25 استعیاب لابن عبدالبر 26۔ اسباب النزول القرآن فی تفسیر آیہ یا ایہا الرسول بلغ 27 درایت فی حدیث الولایت مسعود ابن ناصر سجتانی 28۔ کتاب المناقب المغازلی 29۔ دعاء الھداۃ الی اداء حق الموالاۃ عبداللہ حسکانی 30 سر العالمین غزالی 31 زین الفتی فی شرح حل اتی احمد بن محمد العاصی 32۔ ربیع الابرار زمخشری 33 فصوص الاخبار زمخشری 34۔ کتاب خصائص علویہ محمد بن علی بن ابراہیم 35۔ غایۃ المرام مروزی 36 فضائل الصحابہ مروزی 37۔ کتاب المناقب اخطب خوارزم 38۔ اسد الغابہ ابن اثیر 39 کتاب اربعین فخر الدین رازی 40 ۔ مفتاح الغیب فخر الدین رازی 41 جامع الاصول فی احادیث الرسول ابن اثیر
42۔ کتاب مطالب السئول ابن طلحہ 43 خواص الامہ سبط ابن جوزی 44۔ کتاب الطالب

محمد بن یوسف کنجی 45۔ کتاب تہذیب الاسماء نووی 46 فرائد السمطین حموینی 47۔ تذکرہ الحفاظ ذہبی۔ 48۔ مشکواۃ المصابیح ولی الدین الخطیب 49۔ تتمہ المختصر فی اخبار البشر ابن الوردی 50۔ رسالہ ازحار سیوطی 51۔ درر السمطین محمد بن یوسف زرندی 52۔ النہایہ لابن کثیر 53۔ اسنی المطالب محمد الجزری 54۔ مودت القربی ہمدانی 55۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی 56 وفا الوفاء باخبار دار المصطفےٰ 57 تاریخ الخلفاء 58 ۔ تاریخ روضہ الاحباب 59۔ مرقاۃ شرح مشکواۃ 60۔ کنوز الدقائق فی حدیث خیر الخلائق 61۔ فیض القدیر 62۔ صراط السوی فی مناقب آل نبی محمد بن محمد علی الشیخانی القادری 63۔ انسان العیون علی ابن ابراہیم بن احمد بن علی نور الدین۔ 64۔ لمعات شرح مشکوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی 65۔ مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی 66 قرۃ العینین شاہ ولی اللہ محدث 67۔ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ محدث 68۔ وسیلۃ النجات مولوی مبین 69۔ مصباح السنۃ بغوی 70 جمع بین الصحاح الستہ زین بن معاویہ العبدری وغیرہ وغیرہ

سیالوی صاحب ملاحظہ کریں کہ اعلان غدیر کا بیان اہل سنت کی دو تین کتابوں میں نہیں بلکہ اہل سنت کی کوئی مستند و معروف کتاب ایسی نہیں جس میں اعلان غدیر کا بیان نہ ہو ہم نے سینکڑوں کتابوں میں سے صرف 70 کتابوں کے نام اوپر درج کر دیئے ہیں ان میں سے ایک کتاب کا حوالہ مشکواۃ سے آپ نے بھی اپنی کتاب تحفہ حسینیہ جلد دوم کے ص 375 پر دیا ہے۔

کیا حدیث غدیر ایک دو راویوں نے بیان کی ہے؟

سیالوی صاحب کہتے ہے کہ ایک دو راویوں کے یہ کہنے پر کہ پیغمبر نے سینکڑوں اصحاب کے سامنے یہ بیان کیا۔ وہ حدیث متواتر نہیں کہلا سکتی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ حدیث

غدیر کو ایک دو راویوں نے بیان کیا ہے ہم نے اوپر جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان میں درج ذیل اصحاب پیغمبر نے حدیث غدیر کو روایت کرنا بیان کیا ہے۔

1 زید ابن ارقم۔ 2 براء بن عازب۔ 3 حضرت علی۔ 4 ابو ایوب انصاری۔ 5 بریدہ الاسلمی۔ 6 ابو ہریرہ۔ 7 عبداللہ بن عمر 8۔ طلحہ بن عبداللہ 9۔ انس بن مالک 10۔ سعد ابن ابی وقاص 11۔ عبداللہ بن عباس 12۔ ابوالفضل عامر بن واثلہ 13۔ ابو سعید الخذری۔ 14 عمرو ابن العاص 15۔ مالک بن حویرث 16 حذیفہ بن اسید 17۔ حذیفہ بن اسید۔ 18 ابو طفیل عامر 19۔ خزیمہ بن ثابت 20۔ سہل ابن سعد 21۔ عدی بن حاتم 22۔ عقبہ بن عامر 23۔ ابو یعلی 24۔ ابوالہیثم 25۔ عمر ابن مرہ۔ 26 حبشی بن جنادہ۔ 27 بریدہ بن حصیب۔ 28 عمر ابن الخطاب۔ 29 عامر ابن یعلی 30۔ ابن حمزہ 31۔ عبداللہ بن یامیل 32۔ جابر ابن عبداللہ 33۔ حضرت فاطمہ 34۔ حضرت ابوبکر۔ 35 زبیر بن العوام 36۔ عبدالرحمن ابن عوف 37۔ عباس۔ 38 زید ابن ثابت۔ 39 عبداللہ بن مسعود 40۔ عمران ابن حصین 41۔ عمار ابن یاسر 42۔ ابوذر غفاری۔ 43 سلمان فارسی 44۔ اسعد بن زرارہ 45۔ خزیمہ بن ثابت 46۔ سہیل ابن حنیف 47۔ حذیفہ بن الیمان 48۔ سمرہ ابن الجندب 49۔ عامر ابن ملیحلی 50۔ خالد ابن زید 51۔ ثابت ابن قیس 52۔ ہاشم ابن عتبہ 53۔ حبیب ابن ندیر 54 ام سلمہ۔ 55 عقبہ بن عامر 56۔ ابو شریح الخزائی 57 ابو قدامہ 58۔ ابو یعلی 59۔ عمر بن مرہ وغیرہ وغیرہ مذکورہ 70 کتابوں میں مذکورہ 60 کے قریب اصحاب پیغمبر سے حدیث غدیر کا روایت ہونا بیان ہوا ہے ان میں خود اس روایت میں جو سیالوی صاحب نے نقل کی ہے براء بن عازب اور زید ابن ارقم سے روایت ہونا بیان ہوا ہے۔ سیالوی صاحب ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا کوئی حدیث پیغمبر اس پایہ کی ہے اور اس تواتر کے ساتھ اتنے صحابیوں سے بیان ہوئی ہے۔

حدیث غدیر کے تواتر کے بارے میں محدثین اہل سنت کا بیان

سیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے لیکن اکثر بزرگان اہل سنت نے دعوے کے ساتھ کہا ہے کہ یہ حدیث غدیر متواتر ہے چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی کتاب سیف مسلول میں لکھتے ہیں۔

حدیث بریدہ بن حصیب وغیرہ جماعتی از صحابہ روایت می کنند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در غدیر خم کہ جائے است میان مکہ و مدینہ خطبہ خواند و گفت۔ یا ایھا الناس ان اللہ مولائی و انا مولیٰ المومنین و انا اولی بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ۔ یعنی علیا ایں حدیث بدرجہ صحت بلکہ بدرجہ تواتر رسیدہ وی کس از اصحاب منھم علی ابن ابی طالب، ابوایوب، و زید ابن ارقم، براء بن عازب۔ عمرو بن مرہ و ابو ہریرہ۔ و ابن عباس، عمارہ بن یزید۔ و سعد ابن ابی وقاص ابن عمر، و انس و جریر ابن عبداللہ البجلی مالک ابن حویرث۔ ابو سعید خدری و ابو طفیل و حذیفہ بن اسید۔ وغیرھم مروی گشتہ و جمہور محدثین حدیث را در صحاح و سنن و مسانید روایت کردہ اند

ترجمہ: بریدہ بن حصیب کی حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے غدیر خم کے مقام پر جو مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگوں اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں مومنین کا مولیٰ ہوں اور میں انکے نفسوں پر ان سے بڑھ کر حق رکھتا ہوں پس جس کا میں مولیٰ ہوں اسکا یہ علیؑ مولیٰ ہے بار الہا تو دوست رکھ اسکو جو دوست رکھے اسکو اور دشمن رکھ اسکو جو دشمن رکھے اسکو یعنی علی کو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے اور تیس 30 صحابہ نے اس کو روایت کیا

ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ علی ابن ابی طالب، ابوایوب۔ وزید ابن ارقم، براء بن عازب و عمرو بن مرہ۔ ابوہریرہ، وابن عباس، جریر ابن عبداللہ البجلی مالک ابن حویرث وابو سعید خدری۔ ابوطفیل۔ وحذیفہ بن اسید۔ وغیرہ اور جمہور محدثین نے روایت کو اپنی کتب صحاح و سنن اور مسانید میں روایت کیا ہے۔

اور شمس الدین ابوالخیر محمد ابن علی نے اپنی کتاب اسنی المطالب میں اسطرح لکھا ہے۔ ''هذا حديث حسن من هذا الوجه صحيح من وجوه كثيره تواتر عن امير المومنين على رضى الله عنه وهو متواتر ايضاً عن النبى صلى الله عليه وسلم رواه الجم الغفير عن الجم الغفير ولاعبرت لمن حاول تضعيفه ممن لا اطلاع له فى هذا العلم و قد ورد عن ابوبكر الصديق و عمر ابن الخطاب ...... الخ. (اسنی المطالب صفحہ 4,3)

حدیث غدیر حسن ہے اور کئی وجوہ سے اسکا صحیح ہونا ثابت ہے امیر المومنین علی سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اور جناب رسول خدا سے بھی اس کی روایت متواتر ہے اس کو علماء ومحدثین کے جم غفیر نے صحابہ کے ایک جمع غفیر سے روایت کیا ہے اور جو شخص اسکی تضعیف کرے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ اسکا ایسا کرنا اسکی کم علمی کی وجہ سے ہے اس حدیث کو روایت کیا ہے حضرت ابوبکر صدیق نے اور عمر ابن الخطاب نے اور آخر تک 30 صحابہ نے) روایت کرنا بیان کیا۔

اور جلال الدین اپنی کتاب اربعین میں لکھتے ہیں اقول متواتر عن النبی صلى الله عليه و آله وسلم ايضاً رواه جمع كثير و جم غفير عن الصحابه یعنی میں کہتا ہوں کہ حدیث غدیر حضرت علی اور جناب رسول خدا دونوں سے تواتر کیساتھ مروی ہے اور اس کو صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے اور جم غفیر سے روایت کیا ہے۔

یہ اہل سنت کے بزرگ علماء ومحدثین کے بیانات ہیں جنہوں نے صحابہ کے ایک جم غفیر سے روایت کرنا بیان کیا ہے۔ اور اس حدیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا اور بعض نے یہ تک کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح اور متواتر نہیں تو پھر کوئی بھی حدیث صحیح ومتواتر نہیں ہے۔ ہم نے سابقہ اوراق میں تقریباً 60 صحابہ سے اس روایت کو روایت کرنا بیان کیا ہے۔ اور 70 محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

لیکن علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر میں حدیث غدیر کو ایک سو دس 110 اصحاب پیغمبر سے اور 84 تابعین سے اور 360 علماء سے اور مشہور کتب اسلامی سے اسناد ومدارک کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ مذکورہ حدیث قطعی ترین متواتر احادیث میں سے ہے اور اگر کوئی شخص ایسی حدیث وروایت کے قطعی ویقینی ہونے میں شک کرے تو پھر وہ کسی بھی متواتر حدیث کو قبول نہیں کرسکتا۔

النبی اولی بالمومنین کا صحیح کا مفہوم

سیالوی صاحب نے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ حصہ دوم میں صفحہ 375 پر احمد بن حنبل سے کتاب مشکوٰۃ کے حوالہ سے جو روایت خود نقل کی ہے اس میں اس طرح لکھا ہے کہ:
فقال الستم تعلمون انى اولى بكل مومن من نفسه قالو ا بلى فقال اللهم من كنت مولاه فعلى مولاه '' اسکا ترجمہ خود سیالوی صاحب نے یوں کیا ہے کہ: جناب رسول اللہ غدیر خم پر اترے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا تو فرمایا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ میں سب مومنین سے ان کے ارواح ونفوس سے بھی زیادہ قریب ہوں اور قرآنی آیت النبی اولی بالمومنین کا صحیح مفہوم کو عنوان بنا کر یوں لکھا ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس جملہ میں آپکی

خلافت وامارت بیان کی جارہی ہے۔سیالوی صاحب نے حدیث غدیر میں واقع لفظ اولیٰ کا معنی یہ کیا کہ۔میں سب مومنین سے ان کے ارواح ونفوس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔
اور آیت میں واقع لفظ اولیٰ کا معنی یہ کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مومنین کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

لیکن لغت کی معروف کتاب مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی نے جس کا ترجمہ وحواشی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدہ فیروز پوری نے کیا ہے۔مولیٰ اور اولیٰ کے معنی اس طرح لکھے ہیں۔

المولیٰ کا لفظ کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔غلام کو آزاد کرنے والا۔آزاد شدہ غلام۔حلیف۔عم زاد پڑوسی اور ہر وہ شخص جو دوسرے کے معاملہ کا والی ہو وہ بھی اس کا مولا کہلاتا ہے۔
فلان اولیٰ بکذا۔فلاں اس کا زیادہ حقدار ہے۔

''البنی اولی بالمومنین من انفسھم(۳۳_۶)
پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔(مفردات القران امام راغب اصفہانی ترجمہ شیخ الحدیث ص 1144)

اور تفسیر التبیان میں اولیٰ کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے۔ آخبر اللہ تعالیٰ ان البنی صلی اللہ علیہ وآلہ اولیٰ بالمومنین من انفسھم . بمعنی احق بتدبیرھم و ان یختار وا ما دعاھم الیہ، واحق ان یحکم فیھم بما لا یحکم بہ الواحد فی نفسہ لو جوب طاعتہ التی مقرونة بطاعة اللہ وھو اولیٰ و احق من نفس الانسان ، لانھا دعتہ الیٰ اتباع الھوی ولان البنی صلی اللہ علیہ وآلہ لا یدعون الا الیٰ طاعة اللہ وطاعة اللہ اولیٰ ان یختار علی طاعة غیرہ

(تفسیر البیان جلد 8 صفحہ 317)

یعنی اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ یقینی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ مومنین کے اوپر خود ان کے نفسوں سے اولیٰ ہیں یعنی ان کے امور کی تدبیر کرنے کے زیادہ حقدار ہیں اور یہ کہ وہ انہیں جس امر کے لئے دعوت دیں اسی کو اختیار کریں اور وہ زیادہ حق رکھتے ہیں اس بات کا کہ ان پر حکم چلائیں اس امر کے لئے جس کے لئے کوئی بھی خود اپنے نفس کے لئے حکم نہیں کر سکتا، انکی اس اطاعت کے وجوب کی وجہ سے جو خدا کی اطاعت کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور وہ نفس انسان سے زیادہ اولیٰ اور احق ہیں کیونکہ نفس انسانی اکثر خواہشات نفسانی کی طرف دعوت دیتا ہے۔اور اس سبب سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ اسے دعوت نہیں دیتے مگر اطاعت خدا کی طرف اور اللہ کی اطاعت اولیٰ ہے اس سے کہ غیر کی اطاعت کی جائے۔

قرآن کریم اس معنی کی تائید کرتا ہے کہ کسی انسان کو خود اپنے نفس یا اپنی ذات پر رسول کے حکم کے مقابلہ میں حکم چلانے کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہوا

" وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً "

(الاحزاب-36)

اور نہ تو کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ہے اور نہ ہی کسی ایماندار عورت کو، کہ جب خدا اور اسکا رسول کسی کام کا حکم دیدیں۔تو ان کو اپنے اس کام میں کوئی بھی اختیار رہے۔اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا وہ کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو جائیگا۔

اسی لئے امام راغب اصفہانی نے مفرادات القرآن میں النبی اولیٰ بالمومنین من انفسم کا معنی یہ لکھا ہے کہ: پیغمبر مومنوں پر انکی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں لہذا مولیٰ کثیر المعنی ہونے کے باوجود دوسرا کوئی معنی یہاں پر پورا نہیں اترتا سوائے اس کے ہر وہ شخص جو دوسرے کے معاملہ کا والی ہو اسکا مولیٰ کہلاتا ہے۔''(مفردات امام راغب ص 1144)

خلافت ووصایت وولایت وامامت کا فرق

خلافت: ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم نے خلافت کے موضوع پر علیحدہ کتاب لکھی ہے اور مختصراً پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ یا خلافت۔ خلف سے مشتق ہیں جس کے لغوی معنی کسی کے پیچھے آنا ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ دو طرح سے استعمال ہوا ہے ایک الارض کے لاحقہ کے ساتھ جیسا کہ فی الارض خلیفہ اور خلیفہ فی الارض اور خلائف فی الارض وغیرہ۔ ان سب کا استعمال یا تو کسی کے بدلنے کے بعد آیا ہے جیسے آدم جو فرشتوں کے واپس جانے یا جنوں کے زمین سے بے دخل کئے جانے کے بعد زمین پر آباد ہوئے یا داؤد علیہ السلام جالوت کے قتل ہونے کے بعد اور حضرت طالوت کے وفات پانے کے بعد انکے پیچھے زمین میں آباد ہوئے یا قوم نوح قوم عاد قوم ثمود پر عذاب کے بعد جو لوگ انکی جگہ آباد ہوئے وہ انکے خلفاء یا خلائف ہوئے۔

دوسرے کوئی اپنی نیابت میں کسی کو اپنی جگہ اپنا کام کرنے کے لئے اپنا جانشین مقرر کرے جیسا کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ھارون کو اپنا جانشین مقرر کر کے اور اپنی جگہ وہ کام انکے سپرد کیا جو انہوں نے کرنا تھا اور فرمایا اخلفنی فی قومی و اصلح"

اسی لئے جب حضرت ابوبکر سے کسی نے السلام علیک یا خلیفہ رسول اللہ کہہ کر سلام کیا تو آپ نے سختی سے روکا کہ مجھے خلیفہ رسول مت کہو کیونکہ کسی کا خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جو اسکا کام کرے جسکا وہ خلیفہ بنا ہے۔ (صواعق محرقہ ابن حجر)

اور حضرت عمر ہمیشہ اسی فکر میں رہتے تھے کہ میں کیا ہوں؟ آیا میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ ہوں۔ سلمان فارسی سے پوچھا کہ میں کیا ہوں کیا میں بادشاہ ہوں۔ آخر اپنا لقب امیر المومنین رکھ لیا کیونکہ یہ دونوں حضرات جانتے تھے کہ خلیفہ کسے کہتے ہیں۔ لیکن جب

بنی امیہ کے دور میں اصحاب کی شان میں حدیثیں گھڑنے کا آغاز ہوا تو کہا گیا کہ [illegible] حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ کہا تھا۔ اور اپنے بعد بارہ خلفاء کی پیشین گوئی کی تھی اسے بنی امیہ نے ہر بر سر اقتدار آنے والے کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا اور اول کے چار خلفاء کو بھی اسی معنی میں خلیفہ مشہور کر دیا۔ پھر معاویہ اور یزید جیسے بھی خلیفہ بن گئے۔ پس بر سر اقتدار آنے والے کو خلیفہ کہنا بنی امیہ کی ایجاد ہے۔

وصایت: وصی سے ہے اور وصی وہ ہوتا ہے جو موصی کے قائم مقام ہو کر اسکے فرائض ادا کرے چنانچہ اس بارے میں مستند احادیث میں حضرت علیؑ اور انکے بعد آنے والے گیارہ اماموں کو وصی کہا گیا ہے۔ چند احادیث اسطرح ہیں

نمبر 1: عن عبایہ بن ربعی رضی اللہ عنہ مرفوعا انا سید النبین و علی سید الوصین ان اوصیا ئی بعدی اثنا عشر اولھم علی و آخرھم القائم المھدی

(مودۃ القربیٰ سید علی ھمدانی مودۃ العاشرہ

ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلام بول باب 56)

ترجمہ: عبایہ بن ربعی کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میں نبیوں کا سردار ہوں اور علیؑ وصیوں کا سردار ہے۔ میرے وصی میرے بعد بارہ ہیں انکا پہلا علیؑ ہے اور آخری مھدی قائم ہے۔

نمبر 2: عن بریدہ قال قال رسول اللہ صلی علیہ و آلہ وسلم لکل نبی وصی و وارث وان علیاً وصی و وارثی۔

ترجمہ: بریدہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ ہر ایک نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے اور علیؑ میرا وصی اور وارث ہے۔

نمبر 3: عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم لما عقد المواخاۃ بین اصحابہ قال ھذا علی اخی فی الدنیا والاخرۃ و وصی فی امتی و وارث علمی و قاضی دینی" عمر ابن الخطاب کہتے ہیں کہ جب عقد مواخات قائم کیا تو جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یہ علیؑ میرا اخی دنیا و آخرت میں ہے۔ اور امت میں میرا وصی ہے میرے علم کا وارث ہے یہ میری ذمہ داریاں ادا کریگا۔

نمبر 1۔ سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ مودۃ الرابعہ والسادسہ۔

نمبر 2۔ ینابیع المودت مطبوعہ اسلام بول ص 248-251 ۔ 232-78-79

ہمیں امید ہے کہ محمد اشرف سیالوی صاحب اس روایت کو یہ کہہ کر رد نہیں کرینگے کہ چونکہ حضرت عمر شیعہ تھے لہذا ہم ان کی بات نہیں مانتے۔ یہ حدیث کہ علیؑ میرا وصی ہے بزرگ علمائے اہل سنت اور محدثین و مورخین اہل سنت کی مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہے۔

نمبر 3۔ وسیلۃ النجات مولوی محمد مبین نمبر 4۔ فردوس الاخبار دیلمی

نمبر 5۔ کتاب السبعین فی فضائل امیر المومنین الحدیث الثامن

نمبر 6۔ مطالب السول محمد طلحہ ص 40 نمبر 7۔ تاریخ طبری الجزء الثانی ص 217

نمبر 8 کنز العمال متقی الجزء السادس ص 154 حدیث 2570

نمبر 9۔ ریاض النضرہ الجزء الثانی باب الرابع فصل السادس ص 178

نمبر 10۔ تفریح الاحباب ص 314۔320 نمبر 11۔ مستدرک الحاکم الجزء الثالث ص 135 نمبر 12۔ روضۃ الصفا جلد دوم ص 279-278. نمبر 13۔ تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص 116 نمبر 14۔ تاریخ حبیب السیر جلد اول جز سوم ص 16 نمبر 15 سبط ابن جوزی تاریخ خواص ص 26

نمبر 16۔ قول المستحسن مولی حسن الزمان نمبر 17 کتاب المناقب اخطب خوارزم ص 10-110-111

نمبر 3 ولایت : ولایت سے ولی مشتق ہے اور لفظ ولی اگرچہ کثیر المعنی ہے لیکن پیغمبر نے جہاں بھی لفظ ولی حضرت علی کے لئے استعمال کیا ہے اسے لفظ "من بعدی" کے ساتھ مقید کیا ہے۔ لہذا من بعدی کی صورت میں کسی طرح بھی دوست کے معنی نہیں بنتے ہیں

ترمذی میں یہ حدیث اس طرح آئی ہے۔ "علیا منی وانا منہ وھو ولی کل مومن من بعدی" (ترمذی شریف باب فضائل علی)

یعنی علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ ہر مومن کا ولی ہے میرے بعد۔

اسکا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ علیؑ اب اس وقت مومنوں کا ولی نہیں ہے اگر ولی کے معنی دوست ہوں تو یہ بات غلط ہوگی پس پیغمبر اکرم صلعم نے ان احادیث کے ذریعہ یہ اعلان کیا ہے کہ علیؑ میرے بعد مومنین کا ولی و سرپرست و حاکم ہے حدیث ولایت کو اہل سنت کے جن محدثین و مورخین نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے انکے نام یہ ہے۔

نمبر 1۔ مسند ابی داؤد ص 111 حدیث 829 ص 360 حدیث 2752

نمبر 2۔ مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص 331 الجزء الرابع ص 431,164

نمبر 3۔ خصائص نسائی ص 42 نمبر 4 مسند ابویعلی ص 307

نمبر 5۔ مسند الحاکم الجزء الثالث ص 110-111۔128-134-135

نمبر 6۔ الاستیعاب لابن عبدالبر۔ ص 470 نمبر 7۔ مطالب السول ابن طلحہ ص 58

نمبر 8۔ کفایت الطالب محمد یوسف الکنجی باب التاسع عشر ص 42

نمبر 9 ریاض النضر محب الدین طبری الجزء الثانی فصل السادس ص 107-171-204

نمبر 10۔ میزان الاعتدال ذھبی الجزء الاول ص 190 ترجمہ جعفر بن سلیمان

نمبر 11۔ مودۃ القربٰی ہمدانی مودۃ السادسہ۔

نمبر 12۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری الجزء الثامن ص 53

نمبر 13 اصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ علی"

نمبر 14۔ کنز العمال متقی الجزء السادس ص 152-154-155-159-396-398-399

نمبر 15۔ مرقاۃ شرح مشکواۃ ملا علی قاری

نمبر 16۔ کنوز الحقائق عبد الرؤف المناوی

نمبر 17۔ البدایہ والنھایہ ابن کثیر الجزء السابع ص 338-343-344-345

نمبر 18 اسد الغابہ ابن الاثیر جذری۔

نمبر 19۔ منھاج السنہ ان تیمیہ الجزء الثالث ص 8

نمبر 20۔ سیرہ الحلبیہ الجزء الثالث ص 309

نمبر 21۔ وسیلۃ ال نجات مولوی محمد مبین ص 96

نمبر 22۔ القول المستحسن مولوی حسن الزمان ص 214-215

نمبر 23۔ نزول الابرار ص 22

نمبر 24۔ قرۃ العین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص 208

نمبر 25۔ ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی بلخی باب الرابع ص 33

نمبر 4۔ امامت۔ ہم سابق میں اس موضوع پر مفصل لکھ آئے ہیں لہذا وہاں رجوع کریں اس کے علاوہ ایک مفصل کتاب "امامت قرآن کی نظر میں" تصنیف کی جو چھپ چکی ہے لہذا اسکا مطالعہ کریں۔ لیکن خلیفہ اور وصی دونوں کے لئے تمام احادیث میں خلیفتی آیا ہے۔ اور خلفائی آیا ہے۔ اور وصی آیا ہے اور اوصیائی آیا ہے اور حضرت عمر والی روایت سے وصی کا معنی واضح ہے کہ وصی پیغمبر کے علم کا وارث اور انکی ذمہ داریاں پوری کرتا ہے۔

اور حضرت موسی کی طرف سے حضرت ہارون کو اخلفنی میرے جانشین بن کر میری نیابت میں میرے فرائض ادا کرو، سے واضح ہے کہ جب کوئی کسی کو اپنا خلیفہ بناتا ہے تو وہ اسے اپنی ذمہ داریاں سپرد کرتا ہے یہی بات علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں لکھی ہے۔ ایک اور اہم نکتہ قابل غور یہ ہے کہ پیغمبر نے بارہ کے بارہ کو خلفائی کہا ہے یعنی میرے خلفاء اور بارہ کے بارہ کو اوصیائی کہا ہے یعنی میرے اوصیاء اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام وہ فرائض ادا کرتے تھے جو خود پیغمبر نے کئے تھے۔ یعنی اگر پیغمبر زندہ رہتے تو وہ یہ کام کرتے رہتے اور پیغمبر کی وفات کے بعد انکا کام انہوں نے ادا کرنا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ میرے علم کے وارث ہیں اور میری ذمہ داری پوری کرنے والے ہیں۔ ایک اور نکتہ جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ خلیفہ یا خلفائی اور وصی یا اوصیائی میں زمانہ کی قید نہیں ہے بلکہ ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا میں انکی خلافت اور وصایت یعنی اپنا خلیفہ ہونے اور اپنا وصی ہونے کا اعلان کرتے ہی انکی بات ماننے اور اطاعت کرنیکا حکم دیدیا۔ پس آنحضرت کی عین حیات بھی آپ کے خلیفہ اور وصی ہیں اور آنحضرت کا تبلیغ میں بوجھ بٹانے والے ہیں اسی لئے بعض احادیث میں آپ کے لئے وزیری میرا بوجھ بٹانے والا کا لفظ بھی آیا ہے۔ اسکے برخلاف ولایت و امامت میں ہر جگہ یہ کہا ہے کہ" ھو ولیکم من بعدی یا ھو ولی کل مومن من بعدی"۔ یعنی اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ میرے بعد تمہارا ولی و سرپرست و حاکم ہوگا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ اب تمہارا ولی نہیں ہے اب اس وقت میں ہوں یعنی خود آنحضرت ہیں حضرت علیؑ کے بھی اور تمام مسلمانوں کے بھی لیکن من بعدی" میرے بعد علیؑ تمہارا ولی و سرپرست و حاکم و فرمانروا ہے یعنی خلیفتی اور وصی یا خلفائی اور اوصیائی کی طرح ولی نہیں کہا بلکہ ولیکم کہا اور خلیفتی اور خلفائی اور وصی اور اوصیائی کی طرح غیر مقید نہیں کہا بلکہ من بعدی کی قید لگائی اسی طرح اماملکم من بعدی کہا یعنی

اب اس وقت میں امام ہوں میرے بعد علی امام ہیں اور علی کے بعد انکے گیارہ فرزند امام ہیں۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت کی ختم نبوت ورسالت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی نبی نہیں آئیگا اور اب قیامت تک آپ ہی کی شریعت نافذ رہے گی۔ لہذا یہ خود آنحضرت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیامت تک لوگوں کو احکام شریعت تعلیم کریں اور چونکہ موت حتمی ہے لہذا اپنے بعد کے لئے اس چیز کا انتظام کریں کہ کوئی آپ کی نیابت میں وہ کام کرتا رہے جو احکام شریعت کی تعلیم کے سلسلہ میں آپ نے انجام دینا تھا۔ بنابریں آپ کے خلیفہ اور وصی کا ہونا ایک لاکھ ایک کم چوبیں ہزار انبیاء کے خلفاء واوصیاء کی نسبت زیادہ اہم اور زیادہ ضروری تھا۔

اعلان غدیر کی اہمیت وخصوصیت

علامہ سیالوی صاحب کا یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ شیعہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ غدیر خم کے مقام پر پیغمبر اکرم نے جو اعلان کیا وہ خلیفہ بلا فصل کا اعلان تھا۔ ہمارے اب تک کے بیان سے ان پر واضح ہو گیا ہوگا کہ پیغمبر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کا اعلان تو اپنی رسالت ونبوت کے اعلان کے ساتھ ہی دعوت ذوالعشیرہ میں بلا فصل فرما چکے تھے اور 23 سال کے عرصہ میں اتنی مرتبہ اپنے خلیفہ اور وصی اور بارہ خلفاء اور بارہ اوصیاء کا اعلان کر چکے تھے کہ جن سے اہل سنت محدثین ومورخین ومفسرین اور سیرت نگاروں کی کتابیں چھلک رہی ہیں اور ان بارہ کے امام ہونے ہادی ہونے منصوص من اللہ ہونے اور معصوم عن الخطاء ہونے اور اپنے بعد کے لئے ولیکم یعنی تمہارا حاکم ہونے کا بارہا اعلان کر چکے تھے۔ اعلان غدیر کی خصوصیت یہ ہے کہ حج کے موقع پر من "کل فج عمیق" مملکت اسلامی کے آخری حدود

تک سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ اور غدیر خم مکہ اور مدینہ کے درمیان ایسا مقام تھا جو وسیع میدان اور لق ودق صحرا تھا اور ایک چوراہے پر واقع تھا۔ یہاں سے مشرق کی طرف عراق جانے والوں نے جدا ہونا تھا۔ مغرب کی طرف مصر وغیرہ مغربی اسلامی ممالک کی طرف جانے والوں نے جدا ہونا تھا جنوب کی طرف یمن والوں نے جدا ہونا تھا اور شمال کی طرف مدینہ والوں نے جانا تھا لہذا ایسے اہم مقام پر جہاں سے اسلامی سلطنت کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے لوگوں نے جدا ہونا تھا پڑاؤ ڈالا۔ جو آگے چلے گئے تھے انہیں واپس بلایا گیا جو پیچھے تھے انکے آنے کا انتظار کیا گیا۔ اور ساری مملکت کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے لوگوں کے سامنے تپتے ہوئے صحرا میں پالانوں کا منبر بنایا گیا، تاکہ اس کے اوپر سے سب لوگ آپ کو دیکھ لیں۔ اسکے بعد آپ نے خطبہ کا آغاز کیا اگرچہ کسی نے بھی سالم خطبہ نقل نہیں کیا ڈرتے ڈرتے کسی نے ایک فقرہ لکھا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کسی نے دو فقرے لکھے کسی نے کوئی فقرہ لکھا کسی نے کوئی فقرہ لکھا لیکن "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" سب نے لکھا یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کے معنی میں مغالطہ دیا جا سکے۔ لیکن ایک ایک دو دو فقرے جب ملا کر پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر نے اپنے اس خطبہ میں پہلے حمد وثنائے الہی بیان کی پھر اپنی موت کی خبر دی اور صاف کہا کہ اب مجھے عالم بقا کو سدھار جانا ہے پھر حدیث ثقلین بیان کی کہ میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ایک کتاب خدا اور دوسری میری عترت اہل بیت اگر تم ان سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پھر اپنے اولیٰ ہونے کا اقرار لیا اور سب سے یہ اقرار لینے کے بعد کہ میں ان کے نفسوں پر ان سے زیادہ حق رکھتا ہوں حضرت علیؑ کا بازو تھاما ان کے سر پر عمامہ جانشینی باندھا اور انہیں بلند کر کے ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے لوگوں کو حضرت علیؑ کا دیدار کرایا اور فرمایا کہ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے، اعلان مولایت ہونے کے

ساتھ ہی تکمیل دین کی آیت نازل ہوئی اصحاب پیغمبر نے فرداً فرداً حضرت علی کو مبارک باد دی حضرت عمر کی طرف سے مبارکباد دینے کا بیان خصوصیت کے ساتھ جن کتابوں میں آیا ہے وہ اوپر بیان ہوگئی ہیں

اہل سنت کے تمام بزرگ محدثین ومورخین ومفسرین اور سیرت نگاروں کے بیانوں سے اب تک جو کچھ ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنا خلیفہ بلافصل اور وصی ہونے کا اعلان تو حضرت علیؑ کے لئے دعوت ذوالعشیرہ میں اپنے اعلان نبوت ورسالت کے ساتھ ہی بلافصل کر دیا تھا اور ان کے خلیفہ ہونے، وصی ہونے امام ہونے ہادی ہونے ولیکم ہونے کا وقتاً وقتاً، گاہے بگاہے بعض اصحاب کے سامنے یا چند لوگوں کے سامنے کرتے رہتے تھے۔ اب غدیر خم کے مقام پر" فج عمیق سے "دور دراز مقامات سے، ملک کے گوشے گوشے سے اور سلطنت کے کونے کونے سے آئے ہوئے لوگوں کے سامنے ان باتوں کا جن کا آج تک مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اور مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے بیان کرتے رہے تھے اسکا اعلان ساری سلطنت کے لوگوں کے سامنے لق ودق صحرا میں کھلے عام ڈنکے کی چوٹ کر دیا جائے اور ان کو یہ تاکید کر دی جائے کہ" فليبلغ الشاهد الغائب جو لوگ آئے ہوئے ہیں وہ یہ اعلان دوسرے لوگوں تک بھی پہنچا دیں۔

امام غزالی کا محاکمہ اور سیالوی صاحب کی تاویلیں

امام غزالی کا بیان سابق میں گذر چکا اس کو دیکھ کر سیالوی صاحب نے مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن امام غزالی نے یہ محاکمہ حالات وواقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر کے مبارکباد دینے پر کیا ہے۔ یہ مبارکباد صرف حضرت عمر نے ہی نہیں بلکہ تمام اصحاب نے دی تھی اور مبارکباد کسی اہم بات پر دی جاتی ہے کسی منصب کے اعلان پر ہی دی جاتی

ہے لہذا انہوں نے ٹھیک محاکمہ کیا کہ حضرت عمر کی اس مبارکباد سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے آنحضرت کے اعلان کے بعد حضرت علیؑ کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور ان کو حاکم مان لیا تھا اور ساری دنیا تو اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ وہ سیالوی صاحب کی ہر غلط سلط تاویل کو قبول کرلے اور یہ سمجھوتا کرلے کہ پیغمبر نے یہ فرمایا تھا کہ جس کا میں دوست ہوں اسکا یہ علیؑ دوست ہے اور پیغمبر ابوبکر اور عمر کے دوست تھے لہذا پیغمبر نے یہ اعلان کیا تھا کہ علیؑ بھی ابوبکر عمر کا دوست ہے۔ (تحفہ حسینیہ مولانا اشرف سیالوی ص 374-375)

(رسالہ مذہب شیعہ قمر الدین سیالوی ص 80)

اور جب اسکا واضح مطلب یہ ہے کہ پیغمبر نے حضرت علیؑ کی جانشینی اور حکومت کا کھلے عام اعلان کیا تھا اور حضرت عمر نے امیر المومنین حضرت علیؑ کو مبارکباد دی تھی۔ اور جو کچھ ہو گیا تھا اس کے بارے میں ہر غیر جانبدار مبصر یہی کہے گا، کہ پھر خواہشات نفسانی کی وجہ سے انقلاب برپا کر دیا گیا اور دنیا کی محبت نے، پیغمبرؐ کے اعلان کو پس پشت ڈلوا دیا اور حضرت عمر کا پیغمبر اکرمؐ کی مخالف کرنے کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے، وہ ساری عمر ہی ہر بات پر اور پیغمبرؐ کے ہر کام پر اعتراض کرتے رہے اور انکی مخالفت کرتے رہے ثبوت کے لئے سابقہ صفحات کا پھر مطالعہ کر لیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر کی غلط طرفداری کرنے والے پیغمبر کو تو غلط کار ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ جن کے معصوم ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں اور حضرت عمر کو معصوم نہ ماننے کے باوجود ان کی کسی غلطی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اصحاب پیغمبرؐ جن کے بارے میں طالب دنیا ہونے کی قرآنی شہادت موجود ہے دنیا کی طلب میں انقلاب برپا کرنے کی بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہے۔

کونسا حق مارا گیا اور کیا چیز غصب ہوئی؟

سیالوی صاحب کا تحفہ حسینیہ حصہ دوم میں ایک عنوان یہ کہ "منصب امامت نا قابل انتقال ہے تو غصب کیونکر ہوگیا" (حصہ دوم ص 139 تحفہ حسینیہ) اس عنوان کے تحت سیالوی صاحب نے حضرت علیؑ کے چھ اقوال تنزیہ الامامیہ سے نقل کئے ہیں جن میں حضرت علیؑ نے اپنے حق کے چھینے جانے کا برملا اظہار کیا ہے۔ آخری قول نمبر 6 اسطرح ہے۔

"انهما ظلمانا حقنا" ان دونوں نے ہمارا حق بطور ظلم اور جبر اور قہر سے لیا وغیرہ وغیرہ

اس کے جواب میں سیالوی صاحب کہتے ہیں کہ:

"الغرض جتنی روایت اس مضمون کی ہیں یا وہ سب غلط ہیں اور یا پھر یہ دعویٰ غلط ہے کہ اس منصب میں منتقلی متصور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب آپ کی امامت آپ کے پاس رہی تو ظلم کیسے ہوگیا؟ جب امامت آپ سے چھن نہ سکی تو اس امر کا دوسری جگہ انتقال کیسے پایا گیا۔ (تحفہ حسینیہ حصہ دوم ص 140)

اہل سنت کے اکثر علماء امامت وخلافت ووصایت وولایت کو گڈمڈ کرتے ہیں اور ان سب کو ایک ہی معنی میں سمجھتے ہیں چنانچہ سیالوی صاحب کے دماغ میں بھی یہی تصور ہے چونکہ ہم نے سابقہ عنوان میں امامت وخلافت ووصایت، وولایت کے معنی کا فرق بیان کر دیا ہے لہذا اس سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ امامت وخلافت وصایت وولایت کے ایک معنی نہیں ہیں۔ امامت وخلافت ووصایت وہ مناصب ہیں جو نہ تو کسی کے چھینے سے چھن سکتے ہیں نہ عوام کے دینے سے کسی کو مل سکتے ہیں کیونکہ امامت وہ منصب ہے جسے خدا لوگوں کی ہدایت کے لئے مقرر کرتا ہے۔ اور ہدایت دینا چونکہ صرف خدا کی ذمہ داری ہے لہذا امام بھی وہی مقرر کرتا ہے یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہوئی کہ اہل سنت کے اکثر علماء نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جو برسر اقتدار آجائے وہ امام ہے۔ جیسا کہ ملا تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے ہم اس کا مفہوم اردو میں بطور خلاصہ لکھتے ہیں جو اسطرح ہے کہ:

"امامت منعقد ہو جاتی ہے قہر وغلبہ سے پس اگر کوئی شخص لوگوں کو مغلوب کر لے تو وہ امام بن جاتا ہے چاہے وہ فاسق وجاہل ہی ہو اسکے بعد لکھتے ہیں "پھر اس کے بعد کوئی دوسرا شخص آجائے اور اس غالب کو مغلوب کر لے تو وہ مغلوب ہونے والا معزول ہو جائیگا اور غالب آنے والا امام ہو جائیگا۔ (شرح عقاید ملا تفتازانی)

اور ہمارے آئمہ علیہم السلام قرآن کی سند کی رو سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی نیابت میں ہادیان خلق ہیں اور جسے خدا ہادی بنائے اس سے اسکے منصب ہدایت کو کون چھین سکتا ہے اسی طرح وہ خلافت جو جعل الہی سے کسی کے مرنے یا عذاب الہی سے ہلاک ہونے کے بعد ہو وہ کوئی منصب نہیں ہے بلکہ یہ کسی جگہ آباد ہونے کے معنی میں ہے اور وہ خلیفہ جسے کوئی شخص نبی ہو یا رسول اپنی جگہ خود اپنی کوئی ذمہ داری سپرد کر کے اپنا نائب بنائے کہ وہ میری جگہ میرا فرض ادا کرے اور کوئی بھی شخص اپنا کام اسی کو سپرد کرے گا جس میں وہ یہ دیکھے گا کہ اسمیں اسکا کام انجام دینے کی صلاحیت وقابلیت واستعداد ہے اور صلاحیت وقابلیت و استعداد چھینی نہیں جاسکتی ہے اسی وجہ سے جب حضرت علیؑ کو بیعت کے لئے طلب کیا گیا اور قنفذ نے آکر یہ کہا کہ خلیفہ رسول آپ کو بلا رہے ہیں تو آپ نے فرمایا" قال یدعوک خلیفة رسول الله قال علی بسریع ما کذبتم علی رسول الله فرجع قنفذ و ابلغ الرسالة قال ابوبکر لقنفذ عد الیه فقل امیر المومنین یدعوک لتبایع فجاء قنفذ فابلغ الرسالة" (امامت والسیاست ص 33)

قنفذ نے کہا کہ آپکو خلیفہ رسول بلاتے ہیں علیؑ نے کہا کس قدر جلدی تم نے رسول اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ قنفذ نے واپس آکر علیؑ کا پیغام ابوبکر کو دیا پھر ابوبکر نے قنفذ اپنے غلام سے کہا کہ تو پھر جا اور انہیں کہہ کہ امیر المومنین آپ کو بیعت کے لئے بلاتے ہیں پس قنفذ نے ابوبکر کا یہ پیغام علیؑ کو پہنچایا۔"

حضرت علیؑ کے بیان سے ثابت ہوا، کہ آپ نے جو حضرت ابوبکر کے یہ کہنے پر
کہ خلیفہ رسول اللہ بلاتے ہیں یہ کہا کہ تم نے کتنی جلدی رسول اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ آپ
کے نزدیک خلیفہ رسول کا مطلب یہ تھا کہ جسے رسول نے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کا
کام سپرد کر کے اپنا نائب بنایا ہو۔ چونکہ اہل سنت کے علماء کے ذہنوں میں یہ بیٹھ گیا ہے کے
خلیفہ کا معنی بادشاہ یا حکمران ہے جیسا کہ امام کے بارے میں بھی انکا تصور یہی ہے کیونکہ
علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں یہی لکھا ہے لہذا وہ یہ سمجھتے ہیں جیسے کہ شیعہ بھی خلافت و
امامت کا وہی معنی سمجھتے ہیں اور اسکو کہتے ہیں کہ یہ چھن نہیں سکتی۔ ہاں شیعہ جس خلافت و
امامت کے قائل ہیں وہ چھینی نہیں جاسکتی شیعوں کے نزدیک کسی بھی طریقہ سے برسر اقتدار
آنے والے نہ خلیفہ رسول ہیں اور نہ ہی امام ہیں۔ البتہ بنی عباس کے دور حکومت میں چونکہ
اہل سنت نے مجتہدین کو بھی امام کے لقب سے نواز دیا تھا۔ لہذا اتحاد بین المسلمین کی تحریک
کے دوران علمائے مصر نے مجتہدین شیعہ کو بھی اپنے دستور کے مطابق امام لکھنا شروع کر دیا
تو شیعوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا۔ اور پھر وہ بھی اپنے مجتہدین و مراجع عظام کو امام کہنے
لگ گئے۔ اور اس سے مراد اہل سنت کے یہاں بھی مجتہد و فقیہ ہے۔ اور اہل تشیع کے یہاں
بھی اس سے مراد مجتہد و فقیہ ہے اور امام خمینی ایسے ہی امام ہیں۔ البتہ مجتہد و فقیہ ہونے
کیساتھ انہیں اقتدار بھی مل گیا۔

اور وصی کے معنی حضرت عمر ابن الخطاب کی روایت میں واضح ہو گئے ہیں کہ یہ علمی
وراثت ہوتی ہے اور یہ بھی چھینی نہیں جاسکتی جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا

"فان المال یفنی عنقریب ..... و ان العلم لیس له زوال"

مال تو جلدی ختم ہو جاتا ہے لیکن علم کو کوئی زوال نہیں ہوتا۔ پس شیعہ کے نزدیک
خلیفہ رسول ہونا یا امام و ہادی خلق ہونا یا وصی رسول ہونا وہ مناصب ہیں جو نا قابل انتقال

اور نا قابل ضبطی و غصب ہیں ہاں ولایت بمعنی اقتدار و حکومت قابل انتقال ہے یہ غصب بھی
ہو سکتی ہے یہ چھینی بھی جاسکتی ہے اسی لیے حضرت علیؑ نے جب آپ کو اقتدار ظاہری ملا تو
فرمایا کہ "الان اذ رجع الحق الی اصله و نقل الی منتقله آج حق اپنے اصل کی
طرف لوٹ آیا ہے اور جہاں اسے منتقل ہونا چاہیئے تھا اس جگہ منتقل ہو گیا ہے۔ اور جب
آپ برسر اقتدار آنے کے بعد پہلی مرتبہ منبر پر تشریف لے گئے تو پہلے ہی خطبہ میں ارشاد
فرمایا" الحمد لله علی احسانه قد رجع الحق الی مکانه " خدا کے اس احسان
کا شکر ہے کہ حق اپنے اصلی مکان پر لوٹ آیا ہے پس جو چیز چھنی تھی وہ ولایت بمعنی حکومت
اور اقتدار تھا، اور پیغمبر نے اپنے جیون حیات دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر غدیر خم تک حضرت
علی کو اپنا خلیفہ اپنا وصی اور لوگوں کا امام کہنے کے علاوہ آپکی ولایت آپکے اقتدار اور آپکی
حکومت کا بھی اپنے بعد کے لئے "علیا منی و انا منه وهو ولی کل مومن من
بعدی (ترمذی) کہہ کر اعلان کر دیا تھا۔ یعنی میرے بعد تمام مومنین کا ولی ہے، کا مطلب
یہ ہے کہ وہ اب مومنین کا ولی نہیں ہے، اب پیغمبرؐ مومنین کے ولی یعنی حاکم و فرمانروا ہیں، لہذا
کوئی معمولی سی عقل کا آدمی بھی "من بعدی" کی موجودگی میں ولی کے معنی دوست یا
محبوب نہیں کر سکتا اور پیغمبر نے اس جم غفیر کے سامنے اسی بات کا اعلان کیا تھا، کہ علیؑ جو میرا
خلیفہ اور وصی ہے یہ میرے بعد تمہارا امام و ہادی بھی ہے اور تمہارا ولی و سرپرست و حاکم و فرمانروا
بھی ہے

معلوم نہیں سیالوی صاحب یہ بات جانتے ہیں یا نہیں کہ کسی بھی زبان میں ایک
لفظ کے کئی کئی معنی تو ہو سکتے ہیں لیکن ایک ہی معنی و مطلب و مفہوم کی ادائیگی کے لئے کئی کئی
الفاظ وضع نہیں کیے جاتے۔ پس خلافت و وصایت و امامت و ولایت کے معانی بھی ایک
نہیں ہیں بلکہ مختلف ہیں۔ جو سابقہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں لہذا ان

سب کے ایک ہی معنی بیان کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو سیالوی صاحب بالکل ہی جاہل مطلق ہیں اور ویسے ہی علامہ بنے پھر رہے ہیں یا وہ اپنے مریدوں کو فریب دے رہے ہیں۔ تا کہ وہ ان کے چکر میں پھنسے رہیں۔

سیالوی صاحب کا عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کے مکالموں پر تبصرہ

شبلی نے تاریخ طبری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر کے دو مکالمے لکھے تھے جس کا تنزیہ الامامیہ کے فاضل مولف نے بھی حوالہ دیا تھا اور اس میں سے پہلا مکالمہ ہم نے بھی سابقہ صفحات میں نقل کیا ہے۔ جس میں حضرت عمر نے حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ: تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی۔ اور عبداللہ بن عباس کے یہ کہنے پر کہ: میں نہیں جانتا حضرت عمر نے کہا۔ وہ نبوت وخلافت کا ایک ہی خاندان میں جمع ہونا پسند نہیں کرتے تھے"

اور دوسرے مکالمہ میں ظلماً وحسداً خلافت چھیننے کی بات ہے اس کے جواب میں سیالوی صاحب فرماتے ہیں۔ "اس مکالمہ میں حسد اور ظلم کے الفاظ موجود ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مکالمہ میں حاسد اور ظالم کس کو کہا ہے؟ علامہ ڈھکو صاحب کا درج کردہ پہلا مکالمہ ہی اس کی وضاحت کر دیتا ہے کہ ہماری قوم نے یہ نہ چاہا کہ ان کو نبوت کی فضیلت کے ساتھ ساتھ خلافت کی فضیلت بھی مل جائے۔ اور خلافت وامامت تو انہیں کے شوریٰ اور انتخاب سے ہی ملتی تھی لیکن انہوں نے اس خیال پر کہ اگر ایک ہی گھرانے میں نبوت اور خلافت جمع ہوگئی تو وہ دوسروں کو حقیر سمجھیں گے اور کوئی اہمیت ہی

نہیں دینگے۔ لہذا انہوں نے حضرت علی کی طرفداری نہ کی اور حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ بنا دیا الخ (تحفہ حسینیہ سیالوی حصہ اول ص 466)

سیالوی صاحب بھی بڑے بھولے بادشاہ ہیں، علامہ شبلی نے الفاروق میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ مہاجرین قریش کے رئیس وسردار حضرت ابوبکر وعمر تھے اور کسی بھی سیاسی جماعت کا لیڈر جب اپنی خواہش بیان کرتا ہے تو کبھی نہیں کہتا کہ میں ایسا نہیں ہونے دونگا بلکہ ایک تجربہ کار منجھا ہوا سیاسی لیڈر جب بھی اپنے دل کی بات کہے گا تو وہ یہ کہے گا کہ قوم ہرگز ایسا نہیں ہونے دیگی۔ یا عوام ایسا نہیں ہونے دینگے۔ اور پھر وہ اپنی جدوجہد سے اپنی اس خواہش کو قوم یا عوام کی خواہش بنا دیتا ہے اور اس طرح ایک سیاسی جماعت معرض وجود میں آجاتی ہے کہ سیالوی صاحب نے اپنے اس بیان میں لفظ خلافت وامامت کو حکومت کے معنی میں استعمال کیا ہے اور ہم ثابت کر چکے کہ ایسا کہنا غلط ہے دراصل نبوت وحکومت یا نبوت وولایت کہنا چاہیے تھا۔ اور حضرت علیؑ نے جس چیز کو جوتے سے بھی کم قیمت اور بکری کی ناک کی ریزش سے زیادہ حقیر اور خنزیر کی ہڈی سے بھی حقیر ہونا کہا ہے وہ اس دنیاوی اقتدار اور حکومت کو ہی کہا ہے نہ کہ امامت وخلافت کو لہذا سیالوی صاحب نے یہاں بھی بددیانتی کی ہے چنانچہ وہ عبارت جو سیالوی صاحب نے تحفہ حسینیہ کی جلد دوم کے صفحہ 134 پر نقل کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ فقال لی ماقیمۃ ھذا النعل فقلت لاقیمۃ لھا فقال علیہ السلام واللہ فھی احب الی من امرتکم الا ان اقیم حقاً او ادفع باطل" (تحفہ حسینہ حصہ دوم ص 134)

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہے کہ میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ مقام ذی قار میں موجود تھے اور اپنا جوتا گانٹھ رہے تھے تو آپ نے مجھے فرمایا اس جوتے کی کیا قیمت ہے تو میں نے عرض کیا اس جوتے کی کوئی قیمت نہیں۔ آپ نے

فرمایا تمہاری امارت وخلافت سے مجھے جوتا زیادہ محبوب اور پیارا ہے مگر یہ کہ میں اس امارت میں حق کو قائم کروں اور باطل کو دفع کروں

(ترجمہ عبارت مذکور از سیالوی تحفہ حسینیہ ص 134)

حضرت علیؑ کے بیان میں "امرتکم" ہے تمہارت امارت تمہاری حکومت، لیکن سیالوی صاحب نے ساتھ میں خلافت اپنی طرف سے بڑھا لیا اس طرح ص 135 پر حضرت علیؑ کے الفاظ "و دنیا کم هذه از هد عندی من عنطة عنز" اور تم اپنی دنیا کو میرے نزدیک بکری کی ناک کی ریزش سے بھی زیادہ قابل نفرت پاتے اور حقیر و ذلیل۔

حضرت علیؑ نے یہ بات دنیا کیلئے کہی لیکن سیالوی صاحب نے ترجمہ میں خلافت لکھا اور جہاں خنزیر کی ہڈی سے بھی حقیر کہا وہاں الفاظ یہ ہیں۔ "واللہ لدنیا کم هذه اهون فی عینی من عراق خنزیر فی ید مجذوم" یعنی بخدا تمہاری دنیا میری نگاہ میں خنزیر کی ہڈی سے بھی زیادہ حقیر ہے، لیکن سیالوی صاحب اسکا عنوان اسطرح لکھتے ہیں "خلافت وامارت کا نگاہ مرتضوی میں خنزیر کی ہڈی سے حقیر ہونا (تحفہ حسینیہ حصہ دوم ص 135)

حضرت عمر گاہے گاہے حضرت عبداللہ بن عباس کو چھیڑتے رہتے تھی اسی طرح ایک مکالمہ جیسا کہ شبلی نے الفاروق میں طبری کے حوالے سے لکھا ہے ابن مردویہ نے اپنی کتاب المناقب میں لکھا ہے کہ

عن ابن عباس قال کنت اسیر مع عمر ابن الخطاب فی لیلة و عمر علی بغل و انا علی فرس فقراء آیه فیها ذکر علی ابن ابی طالب فقال واللہ یا بنی عبدالمطلب لقد کان صاحبکم اولیٰ بهذا الامر منی ومن ابوبکر فقلت فی نفسی لا اقالنی الله ان اقلنک فقلت انت تقول یا امیر المومنین وانت وصاحبک و ثبتها وانتز عتما منا الامر دون الناس الخ

(مناقب ابن مردویہ)

عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ساتھ رات کو جا رہا تھا، وہ خچر پر سوار تھے، میں گھوڑے پر سوار تھا ایک آیت حضرت عمر نے پڑھی، جس میں حضرت علیؑ کا ذکر تھا، اور کہا کہ قسم بخدا اے بنی عبدالمطلب تمہارا صاحب یعنی علیؑ مجھ سے اور ابوبکر سے زیادہ حکومت وامارت کا حقدار تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ میں اب انہیں جواب شافی دونگا۔ میں نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین یہ آپ کہتے ہیں؟ اور آپ اور آپ کے دوست ابوبکر ہی تو تھے جو حکومت کے لئے اچھلے اور تمام آدمیوں کی نسبت آپ دونوں نے ہم کو ہمارے حق سے محروم کیا (مناقب ابن مردویہ)

ابوبکر احمد ابن موسیٰ بن مردویہ کا اہل سنت میں مقام

علامہ ذھبی نے انکی بہت تعریف وتوصیف بیان کی ہے وہ ان کو حافظ الثبت العلامہ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ: ان کا علم حدیث وقرآن اتنا وسیع اور صحیح تھا کہ ان سے بے شمار علماء نے روایت کی ہے اس سے آگے علامہ ذہبی نے ان کے نام لکھے ہیں جنہوں نے ابن مردویہ سے روایت کی ہے (تذکرہ الحفاظ ذھبی الجزء الثالث ص 238)

ذھبی کی تذکرہ الحفاظ کے علاوہ ملاحظہ ہو، طبقات الحفاظ، سیوطی، شرح موھب لدنیہ زرقانی، طبقات شافعیہ سبکی، کتاب الانساب سمعانی۔ تاریخ ابن کثیر وکشف الظنون۔

معاویہ کا خط محمد ابن ابی بکر کے نام

ابوالحسن علی بن حسین مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذھب میں محمد ابن ابی بکر اور معاویہ کی خط وکتابت نقل کی ہے محمد ابن ابی بکر نے معاویہ کو حضرت علیؑ کے فضائل اور

حقدار حکومت ہونے پر مشتمل مضمون کا خط لکھا تھا۔ اس کے جواب میں معاویہ نے جو کچھ لکھا ہم اسکا ایک اقتباس ذیل میں نقل کرتے ہیں جو اسطرح ہے

"لقد کنا و ابوک فینا نعرف فضل ابی طالب و حقه لازماً لنا مبروراً علینا فلما اختار الله لنبیه علیه الصلواة و السلام ما عنده واتم له ما وعده و اظهر دعوته فابلغ حجته و قبضه الله الیه صلواة الله علیه کان ابوبکر و فاروقه اول من ابتزه حقه و خالفه علی امره علی ذالک اتفقاو اتسقا" (مروج الذهب مسعودی)

ترجمہ: ہم سب جس میں تیرے باپ بھی شامل ہیں علیؑ ابن ابی طالب کی فضیلت اور انکے حقوق کے اچھی طرح معترف تھے اور واقف تھے۔ لیکن جب خدا نے اپنے رسول کو دین وحجت کے کامل اور آشکار ہو جانیکے بعد اپنے پاس بلا لیا تو تیرے باپ اور ان کے فاروق ہی پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے علیؑ کا حق چھین لیا اور اس کے امر میں علیؑ کی مخالفت کی (مروج الذهب مسعودی)

ابوالحسن مسعودی کا علمائے اہل سنت کے نزدیک مقام

ابوالحسن مسعودی مولف مروج الذهب کے بارے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

ابوالحسن بن علی بن حسین المتوفی 386ھ (مطابق فوات الوفیات ابن شاکر 346ھ) فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی توریخ کا بھی بہت بڑا امام تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمزاقی سے اسکی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں اور مروج الذهب اور دوسری

کتاب الاشراف والتنبیہ مروج الذهب مصر میں چھپ گئی ہے

(الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 51-52)

اور علامہ محمد ابن شاکر اپنی کتاب "فوات الوفیات" میں اسطرح لکھتے ہیں۔

"علی ابن الحسین بن علی ابوالحسن المسعودی مورخ من ذریة عبدالله ابن مسعود رضی الله عنه قال الشیخ شمس الدین عداده فی البغدادیین واقام بمصر مدة وکان اخباریا علامة صاحب غرایب و ملح ونوادر مات سنة ستته و اربعین ثلثمائة"

(فوات الوفیات الجزء الثانی ص 45)

علی ابن حسین بن علی ابوالحسن المسعودی اولاد عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں سے تھا شمس الدین کہتے ہیں کہ اس کا شمار بغدادوالوں میں ہوتا ہے پھر یہ مصر چلا گیا اور وہاں اقامت اختیار کی نہایت زبردست علامہ مورخ اور بہت سے غریب ونادر علوم والا انسان تھا۔

پیغمبر کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک نئی حکومت کا قیام تھا

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی حکومت صرف حکومت تھی اسکا خلافت یا وصایت یا امامت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جسکا پیغمبر نے ولیکم من بعدی یا ولی کل مومن من بعدی، کے ذریعہ حضرت علیؑ کے لئے اعلان کیا تھا۔ اور حقیقہ میں بھی جو الفاظ استعمال ہوئے وہ ملک محمد یا سلطان محمد یا امارۃ محمد کے تھے۔ اور سیالوی صاحب نے بھی ان احادیث میں سے جو ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں معاویہ کے حکم سے گھڑی جانے کے سلسلہ میں بیان کی تھیں۔ ابوالحسن مدائنی کی بیان کردہ ایک حدیث شرح ابن الحدید معتزلی جلد 14 ص 26 کے حوالے سے اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں

اس طرح نقل کی ہے کہ: ''امام حسن اپنی خلافت کے دوران فرماتے ہیں۔ میرے والد گرامی فرماتے تھے'' لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فارقتموہ لرائیتم الروس من تندرعن الکواھل کالھنظھل''۔

ترجمہ اس گھڑی ہوئی روایت کا ترجمہ سیالوی صاحب نے اس طرح کیا ہے امیر معاویہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو۔ اگر تم ان سے جدا ہوئے (اور انکی وفات ہوگئی) تو تم سروں کو کندھوں سے اسطرح جدا ہوتے ہوئے دیکھو گے جسطرح حنظل کو بیل سے جدا کیا جاتا ہے''

(تحفہ حسینیہ سیالوی حصہ اول ص 464-463)

(بحوالہ شرح ابن ابی الحدید جلد 14 ص 26 بحوالہ ابوالحسن المدائنی)

معاویہ حضرت علیؑ سے صفین میں لڑتا رہا، جس کے عناد کا یہ حال تھا کہ اس کے حکم سے حضرت علیؑ پر منبروں پر تبرا ہوا کرتا تھا، اور برملا گالیاں دی جایا کرتی تھیں۔ لہذا یہ روایت ان روایات میں سے ہے جنہیں ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ معاویہ کی شان میں گھڑی ہوئی تمام روایات جھوٹی ہیں۔ اور ابوالحسن مدائنی نے بھی کتاب الاحداث میں معاویہ کے حکم سے صحابہ، خصوصاً اصحاب ثلاثہ کی شان میں احادیث گھڑنے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان ہی احادیث وروایات میں سے ایک روایت نکال کر سیالوی صاحب نے معاویہ کی شان کی پیش کردی ہے، لیکن اس میں بھی لفظ خلافت یا امامت نہیں بلکہ امارۃ معاویہ ہے۔

سیالوی صاحب کا لائق توجہ امر اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت کا فرق

سیالوی صاحب نے اس عنوان کے تحت واضح طور پر یہ کہا ہے کہ پیغمبر کے بعد جو

کچھ واقع ہوا وہ حکومت وسلطنت کا حصول تھا لیکن اس حکومت اور سلطنت کو انہوں نے خلافت وامامت سمجھ لیا۔ حالانکہ ہم ثابت کر چکے کہ خلافت اور شئے ہے اور امامت اور شے ہے وصایت اور شے ہے اور ولایت یا حکومت وسلطنت اور شے ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''لائق توجہ۔ اسلام سے پہلے بھی شخصی حکومتیں قائم تھیں اور لوگوں کو حق خود ارادیت حاصل نہیں تھا۔ اور اگر اسلام نے بھی یہی طریقہ جاری کرنا تھا۔ اور شخصی حکومت کی بنیاد رکھنی تھی۔ تو پھر لوگوں کے لئے اسلام میں کونسی رغبت ہوسکتی تھی اس لئے یہ چیز مزاج اسلام کے ہی خلاف تھی اور جس انقلاب کے لئے اس پسندیدہ دین کو آخری نبی کے ہاتھوں میں دے کر بھیجا گیا تھا۔ اس کی روح کے بھی سراسر خلاف تھا۔ اس لئے کسی ایسی شخصی حکومت کی بنیاد رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ ورنہ دشمنوں کو یہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کا موقع مل سکتا تھا کہ نبوت ورسالت کا اعلان محض ڈھونگ تھا۔ اصل حکومت وسلطنت کا حصول اور اسے اپنی اولاد اور خویش واقرباء کے لئے مختص کرنا مقصود تھا۔ پھر آپکا رسالت ونبوت کی تبلیغ پر اجر بھی بایں معنی ثابت ہوجاتا کہ حکومت خود بھی کی اور اولاد واقرباء کے لئے قیامت تک اسکا بندوبست ہوگیا۔ حالانکہ آپ نے صرف اور صرف یہ مطالبہ فرمایا ''کما قال تعالیٰ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ '' کہ میں تبلیغ احکام رسالت پر کسی اجرت کا طلبگار نہیں۔ اگر کوئی چیز تم پر لازم ہے تو وہ یہ کہ میرے قریبیوں کے ساتھ محبت کرنا اور مودت والفت رکھنا۔ اگر خلافت وامامت ہی لازمی تھی تو ''الا الخلافۃ و الامامۃ فی القربیٰ '' بھی کہا جاسکتا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ فتح ہونے پر جلدی وصال پانے کی خبر دیدی اور اخروی تیاری کی۔ کما قال تعالیٰ اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا کیونکہ مقصد بعثت حکومت وسلطنت نہیں تھا۔ بلکہ محض تبلیغ احکام رسالت اور

اللہ تعالیٰ کی راہ پر لوگوں کو گامزن کرتا تھا۔ جب وہ پورا ہوا تو فوراً اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاس بلا لیا تا کہ دامن نبوت ورسالت پر اس اعتراض اور وہم وسوسہ کی غبار بھی نہ پڑنے پائے کہ حکومت وسلطنت کے لئے بھی اہتمام کیا گیا تھا اور دعویٰ نبوت کو ذریعہ حصول بنایا گیا" (تحفہ حسینیہ حصہ دوم۔ ص 60-59)

سیالوی صاحب کے بیان پر توجہ کے چند نتائج

سیالوی صاحب کے بیان پر خوب اچھی طرح توجہ دینے سے جو باتیں واضح طور پر ثابت ہوئیں وہ یہ ہیں۔ نمبر 1. پیغمبر کے بعد جو کچھ ہوا وہ صرف حکومت وسلطنت کا حصول اور انتقال اقتدار تھا

نمبر 2. اگر کسی کو حکومت وسلطنت کے حاصل ہونے کی توقع نہ ہو تو اسلام میں لوگوں کے لئے رغبت کی کوئی بات نہیں ہے۔

نمبر 3. جن لوگوں کے نزدیک اسلام میں حصول حکومت کی رغبت کے علاوہ اور کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام قبول کیا جائے تو ایسے لوگوں نے حتماً محض حصول حکومت کی خواہش سے ہی اسلام قبول کیا تھا۔ حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے۔ کہ اسلام کا قبول کرنا آخرت کی نجات کیلئے ہے جبکہ اکثر حکومتیں غیر مسلموں کے پاس ہی ہیں۔

نمبر 4. سیالوی صاحب حتماً اس بات سے ناواقف ہیں کہ کسی زبان میں ایک لفظ کے تو کئی معنی ہو سکتے ہیں لیکن ایک معنی ومفہوم کے لئے کئی الفاظ وضع نہیں ہوتے پس وہ اس بات سے قطعی بے خبر ہیں کہ خلافت ووصایت وامامت وولایت کے ایک معنی نہیں ہیں ورنہ وہ خلافت وامامت کو حکومت وسلطنت کیساتھ گڈمڈ نہ کرتے اور ہم نے سابق میں خلافت

ووصایت، امامت وولایت کا فرق تفصیل کیساتھ بیان کر دیا ہے

نمبر 5. سیالوی صاحب کہتے ہے کہ تکمیل دین کے بعد بھی اگر پیغمبر کچھ اور عرصہ زندہ رہ جاتے اور حکومت کرتے رہتے تو دامن نبوت ورسالت پر یہ اعتراض ضرور آ جاتا کہ آپ نے حکومت وسلطنت کے لئے ہی یہ سب اہتمام کیا تھا۔ اور دعوائے نبوت کو ذریعہ حصول بنایا تھا۔ لہذا خدا نے تکمیل دین کے بعد انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

نمبر 6۔ سیالوی صاحب کہتے ہیں کہ اگر حکومت آپ کے خلیفہ اور وصی یعنی حضرت علیؑ کے پاس آ جاتی تو اس سے دشمنوں کو یہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کو موقع مل جاتا کہ نبوت و رسالت کا اعلان محض ایک ڈھونگ تھا اصل حکومت وسلطنت کا حصول اور اسے اپنے اولاد اور خویش واقرباء کے لئے مختص کرنا مقصود تھا۔

نمبر 7۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب حضرت عثمان کے پاس حکومت آ گئی تو ابو سفیان نے حضرت حمزہ کی قبر پر لات مار کر یہی کہا کہ وہ حکومت جس کے لئے بنی ہاشم نے کھیل کھیلا تھا۔ وہ آج ہمارے پاس ہے اور یہ بات پھر بھی ہو گئی

نمبر 8۔ تاریخ اس بات کی بھی گواہ ہے کہ جب بنی امیہ کے پاس مکمل طور پر انتقال اقتدار ہو گیا اور انکے پاس حکومت آ گئی تو پھر بھی انہوں نے یہی کہا کہ محمدؐ نے حکومت وسلطنت کے لئے ایک کھیل کھیلا تھا نہ تو کوئی فرشتہ آیا تھا اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔

نمبر 9۔ سیالوی صاحب کے کہنے کا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو پیغمبرؐ کے بعد حکومت مل جاتی تو آپکا رسالت ونبوت کی تبلیغ پر اجر بھی بایں معنی ثابت ہو جاتا کہ حکومت خود بھی کی اور اپنی اولاد واقرباء کیلئے قیامت تک اسکا بندوبست ہو گیا۔ حالانکہ آپ نے صرف اور صرف یہ مطالبہ کیا تھا کہ میں تبلیغ رسالت پر اور کسی اجرت کا طلبگار نہیں ہوں، گویا حضرت علیؑ کے پاس حکومت کا پیغمبر کے عین بعد آ جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ پیغمبر

نے قیامت تک اپنی اولاد و اقرباء کے لئے اسکا بندوبست کر دیا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر نے قیامت تک کے لئے اس کا اعلان کر دیا تھا۔

نمبر 10۔ سیالوی صاحب کے اس بیان کے مطابق یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بعض لوگوں کو اسلام میں حکومت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ لہذا انہوں نے محض حصول حکومت کی خواہش سے ہی اسلام قبول کیا تھا۔ اور وہ شروع دن سے ہی اس جدوجہد میں لگے ہوئے تھے۔ جو ان کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات سے بھی ثابت ہے اور قرآن نے بھی برملا طور پر بعض اصحاب کے لئے یہ اعلان کیا ہے کہ منكم من يريد الدنيا. تم میں سے کچھ محض دنیا کے طلبگار ہیں اور پیغمبر نے بھی اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ "مجھے اس بات کا تو کوئی خطرہ نہیں ہے کہ تم مشرک ہو جاؤ گے لیکن اس بات کا ڈر ضرور ہے کہ تم دنیا کی حرص میں مبتلا ہو جاؤ گے"۔

(مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

اور حصول اقتدار ایسی بات نہیں ہے کہ بیٹھے بٹھائے اپنے آپ حاصل ہو جائے بلکہ اس کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے اپنے ہم خیال لوگوں کو ساتھ ملانا پڑتا ہے اور ایک جماعت کی تشکیل کر کے کسی اشو پر انہیں اکٹھا کرنا پڑتا ہے اور پیغمبر کے بعد حصول اقتدار کے لئے سب سے بڑا اشو یہی تھا کہ نبوت و حکومت کو ایک ہی خاندان میں نہ جانے دینگے۔ اور ہم عبداللہ بن عباس کے ساتھ حضرت عمر کے مکالمہ میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ اس اشو کو چلانے والے حضرت عمر تھے۔ اور اس اشو پر انہوں نے مسلمانوں کے اندر اپنے ہم خیال لوگوں کی ایک جماعت تشکیل دے لی تھی۔ چنانچہ انہوں نے خود اسلام کی جو تعریف کی ہے اسکا بیان اگلے عنوان میں ملاحظہ کریں۔

حضرت عمر کے نزدیک اسلام کی تعریف

غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" میں کتاب "جامع ابن عبدالعزیز" کے حوالے سے حضرت عمر کا ایک قول نقل کیا ہے اس قول سے پہلے وہ لکھتے ہیں کہ "حقیقت یہ ہے کہ اسلام نام ہی جماعتی زندگی کا ہے حضرت عمر کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی تبیین ہے یعنی آپ نے فرمایا۔ " لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة" (تصوف کی حقیقت ص 236 بحوالہ جامع ابن عبدالعزیز)

حضرت عمر کے اس قول کا ترجمہ اگر ایک فقرے میں کرنا ہو تو وہ اس طرح سے ہوگا۔

"ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کا اسلام"

پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آنے والوں نے اسی اسلام کو چلایا

اس بات کو حضرت عمر نے اتنا چلایا کہ مسلمانوں میں جو بھی برسر اقتدار آیا اسی کی اطاعت یا بیعت کر لی۔ اور اس برسر اقتدار آنے والے حاکم کو خلیفہ کہنے لگ گئے کیونکہ پیغمبر نے یہ فرمایا تھا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہونگے لہذا جو بھی برسر اقتدار آیا انہوں نے اسی کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا پہلے کے دو خلفاء نے تو خود کو خلیفہ کہلانا پسند نہ کیا یا منظور نہ کیا حضرت عثمان کی بیعت جب انہوں نے سیرت شیخین کا قرار کر لیا تو السلام علیک یا امیر المومنین کہہ کر کی گئی اور حضرت علی علیہ السلام اگرچہ دعوت ذوالعشیرہ کے اعلان کے مطابق خلیفہ رسول بھی تھے مگر آپ بھی زیادہ تر امیر المومنین کے لقب کے ساتھ ہی معروف و مشہور رہے لیکن ابوالحسن مدائنی کی کتاب الاحداث کے مطابق جب حضرت علیؑ کی شان میں بیان کردہ احادیث پیغمبرؐ کے مقابلہ میں صحابہ کے لئے ویسی ہی ملتی جلتی احادیث گھڑی جانے لگیں تو پہلے کے تین خلفاء کے لئے بھی خلیفہ کا لفظ کنفرم ہو گیا اور پھر ہر عیاش و بدمعاش

حکمران جنہوں نے ماں تک نہ چھوڑی خلیفہ کہلانے لگا۔ اور ہر حکومت کی اطاعت کرنے
والی جماعت ہر خلیفہ کی بیعت کرنے لگی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تو خیر اس جماعت کے
بانی تھے لیکن حضرت عمر نے اس جماعت کو جس اشو پر تیار کیا تھا اگر حضرت عثمان غلطیوں پر
غلطیاں نہ کرتے تو حضرت علیؑ ہرگز ہرگز چوتھے نمبر پر بھی برسر اقتدار نہ آسکتے۔ مگر جب
تصادف حالات سے حضرت عمر کی خواہش کے برخلاف حضرت علیؑ برسر اقتدار آ گئے تو اس
جماعت کی اکثریت نے اسی اصول پر برسر اقتدار آنے کیوجہ سے انکی بیعت کر لی اور یقیناً و
حتماً اگر حضرت علیؑ برسر اقتدار نہ آتے تو یہ حضرت علیؑ کی ہرگز بیعت نہ کرتے اور سیالوی
صاحب کے اسلاف شعیان علیؑ نہ کہلا سکتے۔ لیکن حضرت علیؑ کو پھر بھی کچھ لوگوں نے خلیفہ نہ
مانا ایک طرف ام المومنین کو طلحہ و زبیر ساتھ لیکر بصرہ میں پہنچ گئے اور جنگ جمل برپا کر دی
معلوم نہیں سیالوی صاحب اگر اس وقت موجود ہوتے تو کدھر ہوتے قیاس غالب یہی ہے
کہ وہ ام المومنین کا ہی ساتھ دیتے اور شعیان عثمان کہلاتے لہذا انکے اپنے اسلاف کا
شعیان علیؑ کہنا غلط ہو گیا۔ پھر جنگ جمل کے بعد جب شعیان عثمان معاویہ سے ملے اور
معاویہ نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے جنگ چھیڑ دی اور سیالوی صاحب اس وقت
شام میں ہوتے تو یقیناً وہ خال المومنین یعنی مومنین کے ماموں جان کا ساتھ دیتے اور اگر
وہ حضرت علیؑ کے ساتھ ہوتے تو جس وقت مومنین کے ماموں جان نے شکست سے بچنے
کے لئے قرآن بلند کئے اور حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعان علیؑ کہلانے والوں نے
حضرت علیؑ کو گھیر کر مجبور کیا کہ جنگ بند کرو ورنہ شامیوں کے خلاف اٹھنے والی یہ تلواریں
آپکے خلاف بلند ہونگی تو سیالوی صاحب یقیناً حضرت علیؑ کے خلاف تلواریں بلند کرنے
والوں میں ہوتے کیونکہ انکے ماموں جان نے قرآن بلند کر دیئے تھے۔

بہرحال یہ قیاس غالب ہی نہیں بلکہ سو فیصد درست بات ہے کہ اگر حضرت علیؑ

چوتھے نمبر پر تصادف حالات سے برسر اقتدار نہ آجاتے تو ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی
جماعت کے یہ مسلمان انکی بیعت کرتے جو حضرت عثمان کے بعد برسر اقتدار آتا اور وہ
مومنین کے ماموں جان کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ جنہیں حضرت عمر نے اپنے منشور کو
کامیاب کرنے کے لئے شام کی گورنری کا دائمی پٹہ لکھ کر دیدیا تھا۔ اور اس زمانے کے شام
میں موجودہ شام، لبنان، اسرائیل، فلسطین، اور اردن آج کے پانچ ممالک شام تھے

بہرحال ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی اس جماعت نے 1924 تک ہر
حکمران کو ہر تاجدار کو، ہر بادشاہ کو خلیفہ مانا، لیکن جب استعمار غرب مشرق کی طرف بڑھا اور
مشرق وسطی میں سلطنت عثمانیہ ترکیہ کی شکست و ریخت شروع ہوئی تو مسلمانان ہند نے
انگریزوں کے خلاف تحریک خلافت شروع کر دی۔ جن میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا
شوکت علی پیش پیش تھے اور جلوسوں اور جلسوں کے اندر یہ شعر زبان زد ہر خاص و عام تھا۔ کہ

بولی اماں محمد علی کی ۔ جان بیٹا خلافت پہ دیدو

لیکن ترکی کے معروف لیڈر مصطفے کمال پاشا نے جب یہ دیکھا کہ خلافت کا یہ ادارہ انتہائی
ناکارہ ہے تو اس نے سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے آخری تاجدار خلیفہ عبدالمجید ترکی کا تختہ الٹ دیا
اور اس دن سے ممالک اسلامی سے خلافت کے ادارہ کا خاتمہ ہو گیا۔ یہاں پر جو بات سبق
آموز ہے وہ یہ ہے کہ جب مصطفے کمال پاشا نے خلافت کا ادارہ ختم کر دیا تو ہندوستان کی
تحریک خلافت دم توڑ گئی لہذا ہندوستان کے معروف علماء کا ایک وفد ترکی گیا اور انہوں نے
مصطفے کمال پاشا سے یہ درخواست کی کہ وہ خلافت کے ادارہ کو ختم نہ کرے اور ہندوستان
میں تحریک خلافت چلانے والے ان علماء نے مصطفے کمال پاشا کو یہ پیش کش کی کہ وہ خود اس
لقب کو قبول کر لیں ہم انکو خلیفہ ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن مصطفے کمال پاشا نے جواب دیا
کہ جس وقت حکمرانوں کے لئے خلیفہ کا لقب اختیار کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کی ضرورت تھی

اب اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس وقت ضرورت کیا تھی؟ تاریخ کا ایک ادنی طالب علم بھی اس بات کو جانتا ہے کہ پیغمبرؐ نے دعوت ذوالعشیرہ میں حضرت علیؑ کو یہ کہا تھا کہ ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعو الہ واطیعوا یہ میرا بھائی ہے یہ میرا وصی ہے یہ میرا خلیفہ ہے تم میں تم اسکی بات ماننا اور اسکی اطاعت کرنا۔ اور حضرت علیؑ سمیت اپنے بعد ہونے والے بارہ جانشینوں کے بارے میں پیغمبرؐ نے خلفائی من بعدی میرے بعد ہونے والے میرے خلفاء میرے جانشین میرے نائب کہا تھا۔ چونکہ پیغمبر اکرم صلی الہ علیہ وآلہ کے بعد حصول اقتدار کے لئے انقلاب برپا کر دیا گیا۔ لہذا برسراقتدار آنے والے حکمرانوں کو خلیفہ کہا جانے لگا۔ اسی بات کو مصطفےٰ کمال پاشا نے دہرایا ہے کہ اس وقت اس بات کی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اندھیرے میں رکھنے کے لئے برسر اقتدار آنے والوں کو خلیفہ کے لقب سے پکارا جائے لیکن آج اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہم یہاں پر پھر سیالوی صاحب کی یاد تازہ کرنے کے لئے اس بات کو دہراتے ہیں کہ کسی بھی زبان میں ایک لفظ کے تو کئی کئی معنی ہو سکتے ہیں جیسا کہ ولی اور مولی کا لفظ جس کے معنی قرینہ کو دیکھتے ہوئے کیئے جائینگے اور اسکی تفصیل سابقہ اوراق میں گزر چکی ہے لیکن ایک معنی کے لئے کئی کئی لفظ نہیں ہو سکتے۔ پس خلافت وامامت وصایت وولایت کے ایک معنی نہیں ہیں۔ خلافت یا خلیفہ، یا خلفاء قرآن میں جہاں الارض کے لاحقہ کے ساتھ ہے وہ جعل الٰہی سے بنتا ہے۔ اور جہاں کسی کی طرف نسبت ہو جیسے حضرت موسیٰ نے "اخلفنی" کہا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت علیؑ کو خلیفتی کہا یا اپنے بارہ خلفاء کو خلفائی کہا تو یہ خلیفہ یا خلفاء اسکا مستخلف بناتا ہے اور اپنے کچھ کام یا بعض کام یا تمام کام اسکے سپرد کرتا ہے۔ ایسا خلیفہ دنیا میں کوئی بھی کسی دوسرے کے لئے نہیں بناتا۔ مثلاً سیالوی

صاحب اپنا کوئی کام کسی کو سپرد کرنا چاہتے ہیں تو یہ صرف سیالوی صاحب ہی ہونگے جو اپنا وہ کام کسی کو سپرد کر کے اپنا نائب یا جانشین یا اس کام کی انجام دہی کے لیے اپنا خلیفہ بنا سکتے ہیں دنیا کے تمام انسان مل کر بھی یہ حق نہیں رکھتے کہ سیالوی صاحب کے اس کام کو سپرد کرنے کے لئے کسی کو ان کا نائب وجانشین بنا دیں۔

پس جس طرح خدا کو کوئی بھی نہ مانے تو اسکی خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا اسی طرح نبی ورسول کو بھی نہ مانے تو اسکی نبوت ورسالت میں کوئی فرق نہیں آتا نہ نبی ورسول کسی کے بنائے سے بنتا ہے نہ کسی کے نہ ماننے سے معزول ہوتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ وامام ووصی رسول کو کوئی بھی نہ مانے تو وہ پھر بھی خلیفہ وامام ووصی رسول رہتے ہیں اور کسی کے نہ ماننے سے اسکی خلافت وامامت ووصایت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسلئے کہ نبوت ورسالت کی طرح نہ تو کوئی خلیفہ وامام ووصی دوسروں کے بنائے سے بنتا ہے اور نہ ہی کسی کے نہ ماننے سے اسکی خلافت وامامت ووصایت میں فرق آتا ہے، البتہ اقتدار چھینا بھی جا سکتا ہے۔ غصب بھی کیا جا سکتا ہے اور کسی اشوپر جماعت کی تشکیل کر کے انقلاب بھی برپا کیا جا سکتا ہے۔ اور اقتدار قہر وغلبہ سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ علامہ تفتازانی کا بیان شرح مقاصد کے حوالے سے سابق میں گذر چکا ہے اور جب قہر وغلبہ سے یا طاقت کے بل بوتے پر کسی کا اقتدار قائم ہو جائے تو وہ قہر وغلبہ سے ہی ختم ہوتا ہے کسی کے نہ ماننے سے ختم نہیں ہوتا۔

طاقت سے حاصل کردہ اقتدار پر نہ ماننے کا اثر

کسی اشوپر جماعت کی طاقت سے انقلاب برپا کیا جائے یا طاقت کے بل بوتے پر کسی کا اقتدار قائم ہو جائے تو وہ کسی کے نہ ماننے سے ختم نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کسی کے

نہ ماننے سے اس اقتدار پر کچھ اثر پڑتا ہے۔ سیالوی صاحب کو سمجھانے کے لئے پاکستان کی حسی مثال پیش کرتا ہوں فضیلت مآب جنرل پرویز مشرف صاحب اکتوبر 1999 میں طاقت کے بل بوتے پر برسر اقتدار آئے اور 2002 تک انتخاب کرانے سے پہلے اور 2002ء کے بعد انتخاب کرا کر تقریباً 5 سال سے ڈنکے کی چوٹ پر حکومت کر رہے ہیں اور اے آر ڈی کی تمام جماعتیں ڈیسک بجا بجا کر اور گلا پھاڑ پھاڑ کر گو مشرف گو کہتی ہیں اور سب یہ اعلان کر رہی ہیں کہ ہم پرویز مشرف صاحب کو صدر نہیں مانتے ہم انہیں نہ وردی میں صدر مانتے ہیں اور نہ بغیر وردی کے پاکستان کا صدر مانتے ہیں، لیکن وہ پاکستان کے صدر ہیں۔ تاریخ انہیں اس عرصہ کے لئے پاکستان کا صدر لکھے گی جب تک وہ پاکستان میں حکمران رہیں گے ساری دنیا انہیں صدر پاکستان کہتی رہیگی۔ اس طرح قرن اولی میں پیغمبرؐ کے بعد ایک خاص اشو کے ذریعہ انقلاب برپا کرکے جو لوگ برسر اقتدار آئے تاریخ برسر اقتدار حکمرانوں کی فہرست میں انکا نام لکھے گی۔ اور کسی کے نہ ماننے سے انکے اقتدار پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ وہ تاریخ کا حصہ رہیں گے اور سیالوی صاحب نے خود اسے حکومت و سلطنت کہا ہے (تحفہ حسینیہ حصہ دوم ص 60-59) لیکن پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آنے والوں نے خود کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ خدا نے یا پیغمبر اکرم نے انہیں امت کی ہدایت پر مامور کیا ہے اور اس مقصد کے لیے پیغمبرؐ نے انہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے یا امت میں ہدایت خلق کے لئے خدا کے حکم سے امام مقرر کیا ہے یا اپنا وصی اور اپنے علم کا وارث بنایا ہے انہوں نے نہ کبھی منصوص من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا، نہ معصوم عن الخطاء ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کیا نہ فاروق اعظم ہونے کا دعویٰ کیا۔ البتہ اہل سنت کی مستند کتابیں اس مضمون سے چھلک رہی ہیں کہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ اور انکے جانشینوں کو اپنا خلیفہ بھی کہا اپنا وصی بھی کہا امت کا امام بھی کہا اور صدیق اکبر بھی کہا اور فاروق اعظم بھی کہا

اور حضرت علی نے علی الاعلان برملا طور پر اپنی ان باتوں کا اعلان کیا۔ اور سیالوی صاحب نے برملا طور پر اپنی کتاب تحفہ حسینیہ میں ص 13 پر حدیث ثقلین کی صحت کا اقرار کیا ہے۔ اور مسلمہ و مقبول فریقین قرار دیا ہے اور ان کے خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اس حدیث ثقلین کے بارے میں اسطرح لکھا ہے کہ،

"باید دانست کہ باتفاق شیعہ و سنی این حدیث ثابت است کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود" انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی " پس معلوم شد کہ در مقدمات دینی و احکام شرعی ما را پیغمبر حوالہ بایں دو چیز عظیم القدر فرمودہ است پس مذہبے کہ مخالف ایں دو باشد در امور شرعیہ عقیدۃ و عملاً باطل و نا معتبر است و ہر کہ انکار این دو بزرگ نماید گمراہ و خارج از دین است۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص 139 مطبوعہ فخر المطابع)

ترجمہ: یقین کیجئے کہ باتفاق شیعہ و سنی یہ حدیث ثابت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ایک خدا کی کتاب اور دوسرے میری عترت میرے اہل بیت ہیں پس معلوم ہوا کہ دینی مقدمات اور شرعی احکامات میں پیغمبر نے ہم کو ان دونوں عظیم القدر چیزوں کے حوالہ فرمایا ہے پس جو مذہب ان دونوں چیزوں کے خلاف ہوگا وہ احکام شریعت میں عقیدۃ اور عملاً باطل اور غیر معتبر ہے اور جو کوئی ان دونوں عظیم القدر چیزوں سے انکار کرے وہ گمراہ اور دین سے خارج ہے۔

پیغمبر اکرم صلعم نے یہ حکم اصحاب کے توسط سے

قیامت تک آنے والوں کو دیا تھا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے یہ حکم جس کے ذریعہ دینی مقدمات اور شرعی احکام میں ہم کو ان دونوں عظیم القدر چیزوں کے حوالہ فرمایا تھا براہ راست صحابہ کو دیا تھا اور اس مسلمہ حدیث میں لفظ "تارک فیکم" اصحاب سے ہی مخاطب ہے۔ جس میں قیامت تک آنے والی تمام امت داخل ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ان صحابہ نے دنیا کی محبت میں اپنے پیغمبرؐ کے اس فرمان کا بھی لحاظ نہیں کیا حکومت واقتدار اور دنیاوی سلطنت تو دنیا کی طرح ناپائیدار تھی لیکن نجات آخرت، عاقبت کی بھلائی اور گمراہ ہونے سے بچنے کے لئے بھی آئمہ اہل بیت سے رجوع نہ کیا۔ پہلے احادیث کو بیان کرنے سے منع کیا۔ جو احادیث جمع ہو چکی تھیں انہیں جلوا دیا گیا۔ جو قرآن توضیح وتفسیر کے ساتھ جمع کئے گئے وہ بھی سارے جلا دیئے، جو صحابی احادیث پیغمبر بیان کرتا اسے سزا دی جاتی انگو مارا پیٹا جاتا اور ان کو قید کر دیا جاتا، اور خود کو اپنی مصروفیات کی وجہ سے پیغمبر سے احادیث سننے کی توفیق نہ ہوئی لہذا جب مسائل کا سامنا ہوا تو اصحاب کو جمع کر کے دریافت فرماتے جنکا بیان آگے آتا ہے۔

حضرت عمر کی مسائل شریعت سے لاعلمی

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں احادیث کا تفحص کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ "حضرت عمر کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے بکثرت نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے مطابق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمر مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم

ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم، کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے مجمع اصحاب سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

(الفاروق شبلی ص 513 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970)

عقیدت میں آنکھیں بند کر کے ہاں میں ہاں ملانا تو علیحدہ بات ہے، لیکن جس شخص میں ذرا سا بھی انصاف کا مادہ ہے اور وہ اپنی عقل سے کام لے تو وہ یہ فیصلہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ احادیث پیغمبرؐ کے جلوانے کا حکم دینے کے بارے میں غلط طور پر یہ بات بنائی گئی تھی کہ قرآن کے مقابلہ میں دوسری کتاب؟

قابل غور بات یہ ہے کہ برسر اقتدار آنے کے بعد احادیث پیغمبرؐ کا جلوانا بھی تعریف میں شمار کیا گیا۔ اور اب جو ضرورت پڑی تو اصحاب سے پوچھ پوچھ کر مسائل کے حل کے لئے احادیث کا معلوم کرنا بھی تعریف کے طور پر بیان ہوا اور جن مسائل کے لئے احادیث کا کھوج لگایا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر معمولی قسم کے شرعی مسائل کے بارے میں بھی کچھ نہ جانتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ جانتے ہوتے تو اصحاب کو جمع کر کے ان سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہ بات بھی بڑی مشہور ہے اور احادیث کی کتابوں سے نکل کر انکی تعریف کے عنوان سے اخبارات کی زینت بنتی رہی ہے کہ ایک دن حضرت عمر نے مجمع عام میں یہ اعلان کر دیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کا زیادہ مہر مقرر کریگا تو میں اسے سزا دونگا تو مجمع میں سے ہی ایک عورت نے چیخ کر کہا اے عمر تمہارا یہ حکم قرآن کے خلاف ہے قرآن تو ایک قنطار (سونے کے ڈھیر) تک دینے کی اجازت دیتا ہے اب اس کو بیان کر کے اس عنوان سے انکی تعریف کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنا حکم واپس لے لیا لیکن اس بات پر کوئی غور نہیں کرتا

کہ حضرت عمر مسائل شریعت سے قطعی طور پر لاعلم تھے۔ اور اس موقع پر انہیں یہ تک کہنا پڑا کہ تمام ہی لوگ عمر سے فقہ کے زیادہ علم رکھنے والے ہیں حتیٰ کے جاہل عورتیں بھی۔

قیاس اور حضرت عمر کی دین میں ایجادات کا بیان

مذکورہ بیان سے ثابت ہے کہ حضرت عمر احکام شریعت سے اچھی طرح آگاہ نہ تھے لہذ اور پیش مسائل میں اصحاب کو جمع کر کے ان سے احادیث پیغمبرؐ کا پتہ لگاتے تھے۔ اور اگر پیغمبر کی کوئی حدیث نہ ملتی تھی تو اپنے قیاس سے کام لیتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات پیغمبرؐ کے احکامات کو بھی بشری تقاضے سے صادر شدہ حکم قرار دے کر بدل دیتے تھے۔ چنانچہ اکثر سیرت نگاروں نے حضرت عمر کی دین میں ایجادات کا بیان کیا ہے ان میں سے علامہ شبلی نے بھی اپنی کتاب الفاروق میں صفحہ 611 سے صفحہ 614 تک 65 کے قریب حضرت عمر کے ایجادات کا ذکر کیا ہم ان میں چند ایجادات جن کا تعلق خالصتاً احکام شریعت سے ہے یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1۔ قیاس کا اصول قائم کیا۔

نمبر 2۔ فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

نمبر 3۔ فجر کی نماز میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔

نمبر 4۔ نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

نمبر 5۔ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

نمبر 6۔ شراب کی حد 80 کوڑے مقرر کی جبکہ شبلی صاحب نے الفاروق کے ص 509 پر پیغمبرؐ کے زمانہ میں 40 کوڑے لکھے ہیں

نمبر 7۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکواۃ مقرر کی۔

نمبر 8۔ بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکواۃ مقرر کی۔

نمبر 9۔ نماز جنازہ پر چار تکبیروں پر لوگوں کا اجماع کرایا۔ وغیرہ وغیرہ

(الفاروق شبلی ص 613 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970)

حالانکہ حضرت عمر کا یہ فقرہ کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے (حسبنا کتاب اللہ) تاریخ کے ایک ادنی سے ادنی طالب علم کو بھی معلوم ہے۔ لیکن چونکہ قیاس کا اصول حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ لہذا طرفداران حکومت نے حضرت عمر کی طرف سے شریعت میں قیاس کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم اور معلوم شدہ احادیث پیغمبر کو بھی ناکافی قرار دیدیا۔ چنانچہ علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ:

''فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اسکا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے۔ اس ضرورت سے آئمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد حنبل) سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔ لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمر ہیں۔

(الفاروق شبلی ص 541 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970)

قابل غور بات یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمر نے احادیث کا تمام ذخیرہ جلوادیا تو یہ بات بتائی گئی۔ کہ انہوں نے احادیث پیغمبرؐ اس لئے جلوائیں کیونکہ وہ یہ بات پسند نہیں کرتے تھے کہ قرآن کے مقابلہ میں دوسری کتاب ہو۔ لیکن بعد میں حسب ضرورت پیش آنے والے مسائل سے متعلق احادیث پوچھ پوچھ کر لکھوانے کے علاوہ اس میں اپنا قیاس بھی شامل کر کے دوسری کتاب بنادی گئی۔

اور دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جس وقت پیغمبر یہ تحریر لکھ کر دینا چاہے تھے کہ

اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے تو اس وقت حضرت عمر نے پیغمبر کو وہ تحریر نہ لکھنے دی اور یہ کہا کہ ہمیں قرآن کافی ہے۔ (حسبنا کتاب اللہ) اور جب ضرورت پڑی اور احکام شریعت سے لاعلمی نے مجبور کر دیا۔ تو قرآن کو ناکافی قرار دے کر قیاس کرنے پر مجبور ہو گئے۔

کوئی بھی غیر جانبدار آدمی یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ ایک شخص پیغمبرؐ کی زندگی بھر ان کے ہر کام اور ہر بات کی مخالفت کرے تو اسے قرآن کا حکم ہونے کے باوجود منصب نبوت سے باہر اور بشری تقاضے سے قرار دیدیا جائے۔ پیغمبرؐ اپنے آخری وقت میں بستر بیماری پر قلم دوات طلب کریں تو وہی شخص اسے ہذیان یا درد کی شدت کا فقرہ کہہ کر اور حسبنا کتاب اللہ کہہ کر کچھ لکھنے سے روک دے۔ جب کہ پیغمبرؐ یہ کہہ رہے تھے کہ میں ایسی چیز لکھ کر دونگا کہ تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اس شخص نے پیغمبر کی تمام احادیث پر سنسر شپ عائد کر دی، لوگوں کی جمع کردہ احادیث حاصل کر کے جلا دیں احادیث کو بیان کرنے والوں کو مارا پیٹا جو اصحاب پیغمبر بیان کرنے سے باز نہ آئے انہیں قید کر دیا لہذا انکی صفائی میں یہ کہا گیا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ قرآن کے ساتھ دوسری کتاب ہو۔ پھر جب مسائل سامنے آئے تو چونکہ اپنی مصروفیات اور سیاسی ادھیڑ بن میں وقت نہ ملتا تھا لہذا پیغمبرؐ سے احادیث سننے کا اتفاق نہ ہوا تھا تو اصحاب کو جمع کر کے پوچھنا شروع کیا کہ کسی کو اس مسئلہ میں پیغمبرؐ کی کوئی حدیث معلوم ہو تو بتاؤ اس طرح حدیث کی کتابوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عمر نے بہت سے مسائل اس طرح اصحاب پیغمبرؐ سے پوچھ پوچھ کر معلوم کئے، اور جب قرآن سے عدم واقفیت اور احادیث پیغمبرؐ سے لاعلمی کی بنا پر کوئی ایسا مسئلہ پیش آ گیا جس کا حل نہ نکل سکا تو قیاس کی ایجاد کی اور پھر شریعت کے احکام کے متعلق ایک اور اصول قائم کر کے قرآن کے مقابلہ میں کتاب بھی بنا ڈالی۔ اس اصول کو شبلی صاحب نے مصالح عقلی سے تعبیر کیا ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک

شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں چنانچہ وہ اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ۔

"مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کا دخل نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقل پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال اسرار الدین کی بنیاد ہے۔۔۔۔ حضرت عمر اسی اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی"

(الفاروق شبلی ص 504 دوسرا مدنی ایڈیشن)

یعنی ایک شریعت تو وہ ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ شریعت کا بنانا خدا کا کام ہے، اور پیغمبر کا کام شریعت کے احکام کا پہنچانا ہے۔ لیکن حضرت عمر نے قیاس اور علم اسرار الدین کی بنیاد پر جن احکام شریعت کو مدون کیا، وہ مصالح عقلی کے موافق تھے، گویا جو احکام خدا نے بنائے تھے، اور پیغمبر نے پہنچائے تھے وہ مصالح عقلی کے موافق نہیں تھے اور حضرت عمر نے اپنے قیاس اور علم اسرار الدین سے جس کے وہ خود بانی تھے۔ کے ذریعہ اس کثرت سے مسائل بیان کئے کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے یعنی احادیث پیغمبر اگر لکھی جائیں تو وہ قرآن کے مقابلہ میں اور کتاب بن جاتی لیکن حضرت عمر کے قیاس اور مصالح عقلی اور علم اسرار الدین کی بنیاد پر بیان کردہ مسائل کا رسالہ قرآن کے مقابل میں آ جائے تو یہ قابل مدح ہے جیسا کہ حضرت شبلی نے مدح سرائی کی ہے کہ

"حضرت عمر نے مسائل اس کثرت سے بیان کیئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ یہ مصالح عقلی کے موافق ہیں اس سے بداھتاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس علم اسرار دین کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔ (الفاروق شبلی ص 506 دوسرا مدنی ایڈیشن 1920)

مشکواۃ شریف میں بخاری شریف اور مسلم کے حوالے سے باب حوض اور باب حشر میں اصحاب کے دین میں احداث وایجاد و بدعات کے بارے میں بیان ہوا تھا۔ اور ایک حدیث ہم سابق میں تلخیص صحاح سے نقل کر آئے ہیں یہاں پر موقع کی مناسبت سے اسے دوبارہ لکھتے ہیں جس سے دین میں ایجادات اور کتر بیونت کا پتہ چلتا ہے وہ حدیث اس طرح ہے۔

"عن المسیب ابن رافع قال لقیت البراء بن عازب فقلت طوبیٰ لک اصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بایعت تحت الشجرۃ فقال یابن اخی انک لا تدری ما حدثنا بعدہ، اخرجہ البخاری تلخیص الصحاح جلد 5 ص 65۔

مسیب بن رافع سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت براء بن عازب کو دیکھا تو کہا خوشخبری ہو تمہارے لئے کہ تم نے رسول اللہ کی صحبت پائی اور درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی انہوں نے کہا اے بھتیجے تو نہیں جانتا کہ ہم نے رسول خدا کے بعد دین میں کیا کیا احداث (ایجادات) کیں۔ یہ حدیث بخاری سے تلخیص میں آئی ہے

اور انس بن مالک سے اسطرح روایت ہے کہ

"عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما اعرف شیئا مما کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل الصلواۃ قال الیس صنعتم ما صنعتم فیہا اخرجہ (البخاری، والترمذی، تلخیص الصحاح جلد1 کتاب

(الاعتصام بالکتاب والسنہ ص 25)

حضرت انس سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جو امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے ان میں سے اب کچھ بھی نہیں پاتا کہا نماز تو ہے کہا نماز میں بھی تم لوگوں نے

کیا کیا تغیرات و تصرفات نہیں کر دیئے۔؟ اس حدیث کو تلخیص الصحاح جلد 1 کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں صحیح بخاری اور ترمذی شریف سے لیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے اقوال وافعال کا تجزیہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی بیان کردہ شریعت سے انحراف کرنے کیلئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے اقوال وافعال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اول وہ احکام جو آپ نے منصب نبوت کی حیثیت سے دیئے، دوسرے وہ احکام جو آنحضرت نے بشر ہونے کی حیثیت سے دیئے۔ اور اس طرح جن احکام یا اقوال وافعال پیغمبرؐ سے انحراف کیا اسے بشر ہونے کی حیثیت سے قرار دیدیا، چنانچہ علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں "نبی کے اقوال وافعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ۔ نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول وفعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریع اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کیا کسی نے نہیں کیا۔

(الفاروق شبلی ص 503 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970)

حضرت عمر نے منصب نبوت کی حیثیت سے کون سی حدیثوں کو قبول کیا؟

منصف نبوت کی حیثیت سے بھی پیغمبر اکرمؐ نے جو احادیث حضرت عمر کے نزدیک بیان کی تھیں ان میں سے بھی حضرت عمر نے صرف ان احادیث کی روایت و اشاعت کی اجازت دی جو صرف عبادات یا معاملات یا اخلاق سے متعلق تھیں۔ دوسری احادیث جو مذکورہ موضوعات سے متعلق نہیں تھیں انکو پھر بھی شائع نہیں ہونے دیا جیسا کہ شبلی صاحب نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھا ہے کہ:

''حضرت عمر نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات۔ معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے۔ جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق نہیں رکھتے ہیں اور وہ بشری حیثیت سے ہیں باہم مخلوط نہ ہونے پائیں۔

(الفاروق شبلی ص516 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970)

آنحضرت صلعم کے رسول کی حیثیت اور بشری حیثیت سے حکم کی پہچان

یہ بات بھی انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ اس بات کی کیا پہچان ہے کہ آنحضرتؐ نے کونسا حکم رسول کی حیثیت سے دیا ہے؟ اور کونسا حکم بشری حیثیت سے دیا ہے؟ علامہ شبلی صاحب اور حضرت عمر کے تمام عقیدت مندوں اور طرفداروں کی تحریروں سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر پیغمبر کی زندگی میں بھی پیغمبر کی اکثر باتوں اور اکثر کاموں میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ وہ ان کے نزدیک آنحضرت نے بحیثیت رسول کے نہیں کہے

تھے۔ لہذا بعد میں بھی پیغمبرؐ کے جن ارشادات کی حضرت عمر نے مخالفت کی وہ بھی ان حضرات کے نزدیک آنحضرتؐ نے منصب نبوت کی حیثیت سے نہیں کہے تھے بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے کہے تھے۔

گویا آنحضرت کے رسول ہونے کی حیثیت سے حکم اور بشر ہونے کی حیثیت سے حکم کی اصل پہچان یہ ہے کہ جس بات میں یا جس کام میں حضرت عمر نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی وہ رسول کی حیثیت سے نہیں تھا۔ بلکہ بشری حیثیت سے تھا جیسا کہ شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''کتاب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول خدا صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت نے عبداللہ بن ابی کے جنازہ پر نماز پڑھی تو حضرت عمر نے کہا آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔ (الفاروق شبلی ص537-536 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970)

اس کے بعد شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

قیدیان بدر کے معاملہ میں ان کی رائے بالکل آنحضرت کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اسطرح دب کر کیوں صلح کی جائے ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے اس فرق مراتب کے اصول پر بہت سے باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔ (الفاروق شبلی ص537 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970)

ہم نے اپنی اس کتاب میں بھی اور اپنی دوسری کتابوں میں بھی یہ ثابت کیا ہے کہ

خداوند تعالیٰ نے قیدیان بدر کے بارے میں سورۃ محمد میں واضح الفاظ میں حکم نازل کیا تھا۔
لہذا پیغمبر اکرم صلعم نے قیدیان بدر کے بارے میں جو فیصلہ کیا وہ وحی الٰہی حکم خدا اور
قرآن کے ارشاد کے مطابق کیا۔ لہذا قیدیان بدر کے بارے میں آنحضرت کا فیصلہ حتماً
منصب نبوت و رسالت کی حیثیت سے تھا اور صلح حدیبیہ کے بارے میں خدا نے سورۃ الفتح
میں اس صلح کو اپنی طرف نسبت دی ہے اور اسے پوشیدہ مومنین کو بچانے، کفار کے ہاتھ
روکنے، اور فتح مبین قرار دیا لہذا حتماً و یقیناً صلح حدیبیہ بھی آنحضرت نے منصب نبوت و
رسالت کی حیثیت سے ہی کی تھی۔ پس حضرت عمر نے آنحضرت کے جس حکم اور جس بات
اور جس کام کی مخالفت کی تھی وہ آنحضرت نے منصب نبوت و رسالت کی حیثیت سے ہی
انجام دیا تھا اور آنحضرت کے بعد بھی حضرت عمر نے پیغمبرؐ کے جن احکام میں مخالفت کی وہ بھی
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے منصب نبوت و رسالت کی حیثیت سے ہی ارشاد فرمائے
تھے۔ اور شبلی صاحب نے بھی حضرت عمر کی صفائی میں چالاکی دکھاتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ
مذکورہ امور منصب نبوت و رسالت کی حیثیت سے نہیں تھے، بلکہ یہ کہا کہ۔ حضرت عمر ان
باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں
منصب نبوت و رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنار ہم ان
کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے" الفاروق شبلی ص 537 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

یعنی مذکورہ امور منصب نبوت و رسالت کی حیثیت سے ہونے کے باوجود
حضرت عمر نے انکی اس وجہ سے مخالفت کی کیونکہ وہ انہیں منصب نبوت و رسالت کی حیثیت
سے نہیں سمجھتے تھے۔

اور جب ایسے واضح امور کو جو خالصتاً منصب نبوت و رسالت سے تعلق رکھتے تھے
حضرت عمر نے منصب نبوت و رسالت کی حیثیت سے نہیں سمجھا۔ تو اس سے اندازہ لگایا جا

سکتا ہے کہ ایسے امور جن کی وضاحت قرآن میں نہیں آئی اور وہ خدا نے "ثم علینا
بیانہ" کے مطابق علیحدہ سے پیغمبر کو تعلیم فرمائی اس کو حضرت عمر نے منصب نبوت و
رسالت کی حیثیت سے باہر کیوں نہ سمجھا ہوگا۔ اس اختلاف سے جو نتیجہ برآمد ہوا اسے شبلی
صاحب نے اپنی کتاب الفاروق میں اسطرح بیان کیا ہے کہ:

"اس تفریق و امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ چونکہ ان چیزوں
میں آنحضرت کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے اس میں اس بات کا
موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے قوانین وضع کیے جائیں۔ چنانچہ ان
معاملات میں حضرت عمر نے زمانے اور حالات کے ضرورتوں سے بہت سے نئے
قاعدے وضع کیے جو کہ آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں"

(الفاروق شبلی ص 538 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے جو
احکام دیے یا جو قوانین نافذ کیے وہ تو دو سال بھی زمانے اور حالات موجودہ کے کام نہ
آسکیں اور حضرت عمر نے ایسے قوانین اور قاعدے وضع کیے جو قیامت تک رہنے کے قابل
ہو گئے۔ اور وہ حنفی فقہ کے نام سے نافذ ہیں۔

کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی بشریت اتنی کمزور اور گری ہوئی تھی کہ انکا حکم دو
سال بھی چلنے کے قابل نہ ہوا۔ اور وہ زمانہ اور حالات سے مطابقت نہ کر سکا اور حضرت عمر کی
بشریت اتنی بلند و بالا تھی کہ انکے بشری حکم اور قاعدے و قوانین قیامت تک کے حالات اور
زمانہ کی مطابقت رکھنے والے بن گئے۔ ذرا اہل سنت کے اہل انصاف یہ تو بتائیں کہ اگر
اشرف الانبیاء اور افضل المرسلین کے وہ احکام جو بالفرض بشری حیثیت سے ہی ہوں اس
قابل سمجھے جائیں کہ ان سے اختلاف جائز ہو تو حضرت عمر کا کوئی بھی حکم کس حیثیت سے مانا

جا سکتا ہے؟ بیشک وہ اصحاب پیغمبرؐ جن کا معمول "آمنا وصدقنا" تھا اور انہوں نے پیغمبرؐ کے احکامات کے آگے سر تسلیم خم کیئے رکھا وہ لائق صد احترام ہیں اور انکا عمل لائق پیروی ہے لیکن حضرت عمر کا نامہ اعمال زمانہ جاہلیت سے لیکر ان کی آخری حیات کے آخری دن تک اس قابل دکھائی نہیں دیتا کہ انکی پیروی کی جائے،

آئمہ اربعہ نے فقہ میں حضرت عمر کی تقلید کی ہے

شبلی صاحب ایک اور مقام پر حضرت عمر کے مسائل فقہ کی تعداد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ "فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہوئے ہیں انکی تعداد کئی ہزار تک پہنچی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں آئمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "وہمچنیں مجتہدین در رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند و این قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً" (ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص 84) مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کی مدد سے فقہ فاروقی پر مستقل رسالہ لکھ کر "ازالۃ الخفاء" میں شامل کر دیا ہے" (الفاروق شبلی ص 535 دوسرا دنی ایڈیشن 1970)

شاہ ولی اللہ صاحب نے فقہ فاروقی پر جو رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کیا ہے وہ اردو میں بھی "فقہ عمر" کے نام سے شائع ہو گیا ہے جو ہمارے پیش نظر ہے اس میں 856 مسائل فقہ درج ہیں اسکا اردو ترجمہ ابو یحیٰ امام خان نوشہری نے کیا ہے اور علم و عرفان پبلیشرز لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔ اور یہ کتاب 461 صفحات پر مشتمل ہے اس کے صفحہ نمبر 25 پر، حضرت عمر اجتہاد میں مصیب ہیں" کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے۔

"حضرت عمر کی اجتہادات میں اصابت رائے (مصیب ہونا) اس حد کمال تک

ہے کہ آئمہ اربعہ کی پوری فقہ آپ ہی کے متون اجتہاد کی شرح ہے اور امیر المومنین فاروق اعظم اس مقام میں مجتہد مطلق کے درجہ پر فائز ہیں۔

پھر اس سے اگلے عنوان "حضرت عمر مجتہد علی الاطلاق ہیں" کے تحت اس طرح لکھا ہے۔

"آئمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد حنبل) رحمھم اللہ تعالی ایسے مجتہد منتسب ہیں جو درجہ اجتہادات میں مجتہد مطلق ہونے کی بجائے حضرت عمر کے فیضان سے بہرہ مند ہیں۔ ("فقہ عمر رضی الہ عنہ مرتبہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ترجمہ اردو ابو یحیٰ امام خان نوشہری ص 25)

کتاب فقہ عمر کے اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ آئمہ اربعہ نے فقہ میں حضرت عمر کے قیاسی احکام کی پیروی کی ہے اور اس بات کو شبلی صاحب نے الفاروق میں اس طرح لکھا ہے "فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمر کی ذات بابرکات ہے" (الفاروق شبلی 526 دوسرا ایڈیشن 1970)

آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے بیان کردہ

احکام شریعت کا بیان

احکام اسلام یا احکام شریعت خدا نے جبرئیل کے ذریعہ پیغمبر اکرم کو پہنچائے اور پیغمبر اکرم نے وہ تمام علوم حضرت علیؑ کو تعلیم کیئے اور حضرت علیؑ سے وہ تمام علوم سلسلہ بہ سلسلہ امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہنچے چونکہ یہ زمانہ بنی امیہ اور بنی عباس کے درمیان جنگ و جدال کا زمانہ تھا لہذا حکومت کو آئمہ اہل بیتؑ کے ستانے کا موقع نہ ملا اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس فرصت کے وقت میں اپنے آبائے کرام کے توسط سے پہنچے ہوئے احکام

شریعت یعنی احکام اسلامی کی خوب نشر و اشاعت کی اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے سلسلہ بہ سلسلہ یہ علوم بارہویں امامؑ تک آئے۔ بارہویں امام نے آیندہ کے لئے بھی دستور العمل پیش کر دیا۔ اس طرح آئمہ اہل بیت قیاسی یا اجتہادی طور پر مسائل بیان نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کے جو احکام انکے آبائے طاہرین کے توسط سے ان تک پہنچے تھے وہ انہیں کو بیان کرتے تھے۔

لیکن بنی عباس کے دور میں چونکہ آئمہ اربعہ کی فقہ نے فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کے نام سے شہرت پائی تھی لہذا وہ اس بات کو گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ فقہ حنفی یا فقہ مالکی یا فقہ شافعی یا فقہ حنبلی کے مقابل میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اپنے آبائے طاہرین کے توسط اور وسیلے سے بیان کردہ احکام اسلامی یا احکام شریعت کو شریعت اسلامی سے موسوم کریں لہذا ان فقہی مسالک کے پیروکاروں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیان کردہ احکام شریعت اور احکام اسلامی کو فقہ جعفریہ کے نام سے موسوم کر دیا۔ کیونکہ آئمہ فقہ کے نام کے ساتھ فقہوں کا رواج ہو چکا تھا، لہذا امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف فقہ کی نسبت سے کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا۔

لیکن یہ بات اظہر الشمس ہے کہ فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، اور فقہ حنبلی، کا سرچشمہ حضرت عمر کی قیاسی فقہ ہے اور فقہ جعفریہ کا سرچشمہ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کیا ہے ان کے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بیان کیا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اور امام زین العابدین علیہ السلام سے بیان کیا حضرات حسنین علیہما السلام نے اور حضرات حسنین علیہما السلام سے بیان کیا انکے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام نے اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے بیان کیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ

کے پاس وحی دیکر بھیجا خدائے ذوالجلال والاکرام نے پس فقہ جعفریہ کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔

کیا اہل بیت کی پیروی اسی کا نام ہے؟

مسلمہ طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اپنی امت کو دین اور احکام شریعت کے لئے اپنی عترت اہل بیت کے سپرد کر کے گئے تھے لیکن سیالوی صاحب نے بھی اور ان کے ہم مسلک تمام لوگوں نے بھی اہل بیت کی طرف سے منہ ہی موڑے رکھا۔ اور اہل بیت سے انہوں نے اگر کچھ کام لیا ہے تو صرف اتنا کہ بنی امیہ کے حکم سے گھڑی ہوئی حدیثوں کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ حضرت علیؑ نے تلوار کے ڈر سے بیعت کر لی تھی اور ان کے ثلاثہ کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اور آئمہ اہل بیت نے انکی بڑی تعریف کی ہے لہذا آئمہ اہل بیت سے منہ موڑے رہنے کے باوجود وہ اہل بیت کے اصلی پیرو وہی ہیں اور معاویہ کے حکم سے گھڑی ہوئی احادیث میں سے ایک حدیث پیش کر کے کہتے ہیں کہ شیعوں پر تو حضرت علیؑ نے لعنت بھیجی ہے کہ وہ مجھے خلفائے ثلاثہ سے افضل کیوں مانتے ہیں جو مجھے حضرات ثلاثہ سے افضل کہے گا میں اسے سزا دونگا۔

آئمہ اہل بیت کی اس طرح سے پیروی کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسا کہ پنجاب کے سکھ یہ کہیں کہ اصلی مسلمان ہم ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ پر ایمان لانے والے جھوٹ بولتے ہیں

سیالوی صاحب کو ایک نصیحت

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی" "تم تو زندگانی دنیا کو ترجیح دیتے ہو مگر آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

وہ دنیا جو اقتدار کی صورت میں خلفائے ثلاثہ نے حاصل کی تھی وہ ختم ہو گئی۔ تاریخ بر

برسراقتدار آنے والوں میں انکا نام ضرور لکھے گی۔ چاہے کسی نے مانا ہو یا نہ مانا ہو۔ آئمہ اہل بیت کے ساتھ انکے تعلقات اچھے رہے ہوں یا برے۔ آئمہ اہل بیت نے انکی مذمت کی ہو یا تعریف۔ زیادہ سے زیادہ وہ اچھے حکمران ثابت ہو سکتے ہیں یا برے حکمران۔ لیکن چونکہ پیغمبرؐ مسلمہ طور پر اپنی تمام امت کو بشمول صحابہؓ اپنے بعد کے لئے آئمہ اہل بیت کی پیروی کا حکم دے کر گئے تھے۔ اور گمراہی سے بچنے کا صرف یہی ایک راستہ تھا، لہذا راہ نجات اور عاقبت کی بھلائی صرف اسی میں ہے کہ برسراقتدار آنے والے گزشتگان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا جائے وہ جانے اور اسکا کام جانے۔ اب ہم پر خلفاء ثلاثہ یا بنی امیہ یا بنی عباس کی حکومت نہیں ہے۔ نہ خدا نے انہیں ہمارا ہادی بنایا ہے۔ نہ انہوں نے اس قسم کا دعویٰ کیا ہے لہذا اب بھی بہترائی اور عاقبت کی بھلائی اور انجام کی اچھائی اسی میں ہے کہ آئمہ اہل بیت کی پیروی کریں ان کے فرامین کو معلوم کریں اور ان کے احکام کو ان کے ماخذوں سے حاصل کریں۔ اور انکے ارشادات کی روشنی میں اپنی زندگی گزاریں۔ اور یہ سبق تو ہمیں حضرت عمر سے ہی ملا ہے کہ وہ احکام جو پیغمبر نے ان کے خیال میں بحیثیت بشر کے دیئے تھے وہ ان کے نزدیک لائق پیروی نہیں تھے تو اصحاب ثلاثہ تو حتماً و یقیناً بشر تھے اور نبی یا رسول یا خدا کے مقرر کردہ امام و ہادی خلق نہیں تھے۔ لہذا انکی پیروی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ عمل انہوں نے کیا اسکا بدلہ وہ خدا کے یہاں سے پائیں گے۔

"وما علینا الا البلاغ المبین والسلام علی من اتبع الھدیٰ"

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

لاہوری گیٹ چنیوٹ

مئولف کی تالیفات ایک نظر میں

نمبر	نام کتاب		کیفیت	موجودگی
1	نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نوع نبی وامام		مطبوعہ	موجود ہے
2	شیخیت کیا ہے اور شیخی کون		مطبوعہ	موجود ہے
3	العقائد الحقیہ والفرق بین الشیعۃ والشیخیہ		مطبوعہ	موجود ہے
4	خلافت قرآن کی نظر میں		مطبوعہ	موجود ہے
5	ولایت قرآن کی نظر میں		مطبوعہ	موجود ہے
6	امامت قرآن کی نظر میں		مطبوعہ	موجود ہے
7	حکومت الٰہیہ اور دنیاوی حکومتیں		مطبوعہ	موجود ہے
8	فلسفہ تخلیق کائنات در نظر قرآن		مطبوعہ	موجود ہے
9	شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے		مطبوعہ	موجود ہے
10	شعار شیعہ اور رمز تشیع کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟		مطبوعہ	موجود ہے
11	بشریت انبیاء ورسل کی بحث		مطبوعہ	موجود ہے
12	تحفہ اشرفیہ بجواب تحفہ حسینیہ		مطبوعہ	موجود ہے
13	آیت تحرہ قران کا درس توحید		مطبوعہ	موجود ہے
14	معجزہ اور ولایت تکوینی کی بحث		مطبوعہ	موجود ہے
15	شریعت کے مطابق تشہد کیسے پڑھنا چاہیے		مطبوعہ	موجود ہے
16	شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں		مطبوعہ	ختم شد
17	ترجمہ تنبہ الانام برمفاسد ارشاد العوام		مطبوعہ	ختم شد
18	شیعہ جنت میں جائینگے مگر کونسے شیعہ		مطبوعہ	ختم شدً
19	شیعہ علماء سے چند سوال		مطبوعہ	ختم شد
20	تبصرۃ الھموم علی اصلاح الرسوم وایضاح الھموم		مطبوعہ	ختم شد
21	سوچئیے کل کیلئے کیا بھیجا ہے		مطبوعہ	ختم شد
22	شیخیت کا شیعیت اور شیعہ علماء سے ٹکراؤ		غیر مطبوعہ	کمپوز ہوگئی
23	شیعہ عقائد کا خلاصہ اور انکا فلاسفہ وصوفیہ وشیخیہ کے عقائد سے مقابلہ		غیر مطبوعہ	کمپوز ہوگئی
24	اسلام پر سیاست وفلسفہ وتصوف کے اثرات		غیر مطبوعہ	قلمی
25	عظمت ناموس رسالت		غیر مطبوعہ	قلمی
26	عظمت ناموس صحابہؓ		غیر مطبوعہ	قلمی
27	الشیخیہ الاحقاقیہ ھم المفوضۃ المشر کون	فارسی	غیر مطبوعہ	قلمی